جادو بنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کی

تاریخ

Sarfraz Khanzada Rajput Mewati
Ass: Prof: G.D.C Tharushah
Distt. Naushahro Feroze.

راجگانِ میوات

(مرتب تاریخ: پروفیسر۔ خانزادہ۔ "امان" نوشہروی)

(1944ء - 2021)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفو. ان اکرمکم عنداللہ القاکم.

(القرآن)

ترجمہ: ہم نے تم کو۔ایک مرد۔اورایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شناخت کے لئے خاندان اور قبیلے بنائے بلاشبہ۔تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ وافضل وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

''القرآن''

(1944-2021)

مرتبِ تاریخ

پروفیسر امان اللہ خان ''امان''

خراج عقیدت

قسم خدا کی ! محبت نہیں عقیدت ہے

دیار ِ دل میں بڑا احترام ہے تیرا

شرف الدین احمد خان ''شرف'' نے اپنی قومی ذمہ داری کے ناطے 1354ھ 1935ء میں ''تاریخ مرقع میوات'' رقم فرما کر قوم راجپوت خانزادگان میوات کو جو جلا بخشی ہے، اس کے لئے پوری خانزادہ قوم اپنی دلی گہرائیوں کے ساتھ ان کی احسان مند ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ''تاریخ مرقع میوات'' رقم نہ کی جاتی تو آج خانزادہ قوم کی نئی نسل اپنے آباؤ اجداد کی شان و عظمت سے مبرہ ہوتی۔ اپنی پیرسنی اور محدود وسائل کے ساتھ ساتھ دورِ قدیم میں سفری و دیگر سہولیات کی کمی کے باوجود بھی "شرف صاحب" کی مذکورہ کاوش قابل تحسین و صد ستائش ہے۔ جس کے لئے میں اپنی قوم خانزادہ کی جانب سے ''شرف صاحب'' کو دل کی گہرائیوں سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ۔ اللہ تعالیٰ شہیدان کربلا کے صدقے میں مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر محمد صدیق (سانٹھاواڑی) کی وفات پنجاب کے شہر ''بوریوالہ'' میں ہوئی اور ان کے فرزند امریکا میں مقیم ہیں۔ جب کہ شرف صاحب کے نواسے نواسیاں اور پڑپوتیاں وغیرہ اپنے سربراہ ملک افضل وہاب ایڈووکیٹ کے ہمراہ ٹنڈوالہ یار میں رہائش پذیر ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ مرحوم شرف کے خاندان کو خداوند قدوس شہیدانِ بدر و حضرت علی، اور اپنے پیارے حبیب سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے میں ہمیشہ خوش و خرم و شاد آباد رکھے۔ (آمین)

''تاریخ مرقع میوات'' نہایت ہی مختصر عرصے میں ترتیب دی گئی۔ اس کے باوجود بھی اس بات انکار ممکن نہیں کہ یہ تاریخ خانزادہ قوم کے لئے ایک وہ مشعل راہ بنی ہوئی ہے جس کی روشنی میں بہت کچھ استفادہ حاصل کیا جارہا ہے ''مرقع میوات'' کی افادیت کے پیش نظر یہاں پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ میری تاریخ بھی تاریخ مرقع میوات کی مرہون منت ہے۔

☆☆☆

(امان نوشہروی)

''برسوں بعد''

مدت گذرری بھول گئے ہم دیس جو ہم سے چھوٹ گیا
آج ہرے کیوں زخم ہوئے پھر تنہائی میں برسوں بعد

احساس کہاں کچھ ہوش نہ تھا جب چھوڑا نہیں ہم آئے تھے
باد صبا کچھ تو ہی بتا وہ کیوں کر تڑپے برسوں بعد

ہم نے وفا کے بدلے سوچا ان کے دل کو جیتیں گے
رات کو ہم دل کھول کے روئے ہار گئے جب برسوں بعد

کاش کہ ہوتے چاہنے والے پھول نچھاور ہم پر کرتے
مل کر روتے ہم بھی ان سے وہ بھی روتے برسوں بعد

ہم نے غم کو اپنایا جب خوشیاں ہم سے روٹھ گئیں
آج اچانک کیوں کر آئیں گھر میں خوشیاں برسوں بعد

اس ہنستی کھیلتی بستی میں اک دیوانہ سا پھرتا ہے
وہ ڈھونڈ رہا ہے آج یہاں پر کھوج کسی کے برسوں بعد

وقت نزع جب رخت سمیٹا یادوں کی بارات لگی

ضبط کے بندھن ٹوٹ کے بکھرے آنسو نکلے برسوں بعد

دن غم کا ماتم تھا تب ہر شب رونا دھونا تھا

بے چینی کا دور گیا۔اب آنکھ لگی ہے برسوں بعد

ہنسنا بولنا تھا فطرت میں خاموشی کا نام نہ تھا

آج بدل کر فطرت ہم خاموش ہوئے ہیں برسوں بعد

بیٹھ کے میرے سرہانے وہ روئے تڑپ کر کہنے لگے

چھوڑیئے غصہ بولیے تم کیوں روٹھے ہم سے برسوں بعد

جیتے جی تو حال نہ پوچھا میت پر جو آئے نہیں

آج بھلا میں کیسے مانوں وہ بھی روئے برسوں بعد

چھوڑیئے اپنی رام کہانی ان کے آگے رونا کیا

سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے یہ رام کہانی برسوں بعد

اپنے دل میں نفرت کے جو دام لئے پھرتے ہیں آج

دیکھنا تم یہ لوگ مجھے بھی یاد کریں گے برسوں بعد

جیتے جی کے میلے ہیں کل سوچو گے پچھتاؤ گے

یادیں باقی رہ جاتی ہیں کون آتا ہے برسوں بعد

آئے قبر پر سسکی لی وہ ہچکی لے کر کہنے لگے

تم جیسے اب لوگ جہاں میں پیدا ہوں گے برسوں بعد

چھوڑیئے پاگل پن کی باتیں سنئے میری بات ''امان''

نیکی جو تم آج کرو گے پچھتاؤ گے برسوں بعد

خاندان شرف کا فیراندیش

پروفیسر "امان" نوشہروی

''فہرست مضامین''

باب اوّل

1 تا 39

''باب دوم''

40 تا 51

"باب سوم"

52 تا 105

"باب چہارم"

106 تا 120

پیش لفظ

تیری ذلت کا سبب تیری شرافت بن گئی
ورنہ سنتے ہیں کبھی تیرا شہر میں نام تھا
جانِ محفل بن گئے کچھ لوگ اب ایسے "امان"
ذکر تھا محفل میں جن کا نہ شہر میں نام تھا
(امانؔ نوشہروی)

تاریخ ھذا میں دیئے گئے اپنے اشعار وغیرہ کے ساتھ میں نے اپنا تخلص۔ "امان" تحریر کر دیا ہے۔ جبکہ اپنی لاعلمی کی بناء پر دیگر شعراء کرام کے اشعار کے سامنے ان کے نام و تخلص کا اندراج کرنے سے میں قاصر رہا ہوں۔ جس کے لئے معذرت کے ساتھ میں ان تمام شعراء کرام کا شکر گذار ہوں جن کے خوبصورت اشعار میری اس تاریخ کی زینت بنے۔

ترتیب تاریخ ھذا کے سلسلے میں جانبداری مبالغہ آمیزی اور ابہام وغیرہ سے گریز کرتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو پایا عام فہم الفاظ اور مستند تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں نہایت ہی محتاط انداز کے ساتھ صاف وشفاف حقائق کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس کے باعث وثوق کے ساتھ یہاں پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی علوم سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کرام کے نزدیک میری اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور جب بھی کبھی قومی تاریخ کی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا تو میری یہ کاوش ایک بنیادی مرکز کی صورت میں محققین کے لئے ایک منفرد و خاص اہمیت کی حامل ہوگی۔

تاریخی تسلسل برقرار رکھتے ہوئے اس تاریخ میں میواتی خانزادوں کی اپنے علاقہ میوات پر ایک سو پچپن سالہ خود مختیارانہ دور حکومت سے متعلق کافی کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی

ملک میوات کے اس جادو بنسی راجپوت 'خانزادہ قبیلے'' سے متعلق کافی کچھ واقعات ابھی تحقیق طلب ہیں۔

تنقید برائے تنقید سے ہٹ کر تنقید برائے اصلاح کے پیش نظر قارئین کرام میں سے کسی نے بھی مستند تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں میری کسی بھی خامی کی نشاندہی کی تو نہایت فراخدلی کے ساتھ انشاالله اسے ایڈیشن ثانی میں شامل اشاعت کے لئے محفوظ کرلیا جائے گا۔

مجھے یہ گلہ نہیں تم تنقید کے ہو ماہر
میری عرض تم اٹھاؤ میری خوبیوں سے پردہ

(امانؔ نوشہروی)

اس سے پہلے بھی قومی فلاح و بہبود میں کم وبیش میرا حصہ رہا ہے جیسا کہ:

مقامی پرائمری اُردو اسکولوں میں مختلف عہدہ ء جات پر کام کرنے کے علاوہ زیادہ تر ''انجمن خانزادہ راجپوت پاکستان'' کی جانب سے جاری ہونے والے قومی رسالے ''بیداری'' میں معاون نائب مدیر و مدیر کی حیثیت سے میں نے اپنے فرائض انجام دیئے۔ مذکورہ رسالے میں میرے مضامین وغزلیات وغیرہ بھی شائع ہوتی رہی تھیں۔

دراصل مرحوم مرزا اختر درد بریلوی۔ آذر نایاب بدایونی۔ صادق ٹونکی ''مسیح الوری'' اور دیگر شعراء کرام کی صحبت کے نتیجے میں 1962ء ہی سے مجھے شعروشاعری سے لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ اس زمانے کی میری ایک غزل اس طرح ہے۔

تم کہہ رہے ہو آج کہ طوفان ٹل گیا
آ دیکھ میرا خرمنِ ہستی بھی جل گیا
لمحہ تھا وہ خوشی کا یا جھونکا ہوا کا تھا
آیا اُدھر سے اور اِدھر سے نکل گیا
دنیا کی بے رخی سے مجھے یہ صلہ ملا
اک تھا خلوص پاس جو دل سے نکل گیا
دل پر ہے انحصار ہر اک انقلاب کا
اک دل کے بدلتے ہی زمانہ بدل گیا
وہ آئے بھی تو اس گھڑی آئے میرے قریب
جس دم میری حیات کا عنواں بدل گیا
طوفان سے کھینچ لائے تھے کشتی کو ہم مگر
قسمت کے ساتھ ساتھ کنارا بدل گیا
سینچا تھا جو لہو سے کبھی گلشنِ حیات
برق نظر سے آج تیری وہ بھی جل گیا
اپنوں سے کیا مجھے اغیار سے گلہ
ہر موڑ پر ہر گام پر انساں بدل گیا
اپنا سمجھ کے جس کو بنایا تھا راز داں
وہ چال ہم سے آج قیامت کی چل گیا
کرتے رہو امان اب قاصد کا انتظار
قاصد بھی ان کی بزم میں جاکر بدل گیا

امان

1972ء میں آفیسرس کلب نوشہرو فیروز میں (آل پاکستان اردو سندھی مشاعرہ) منعقد ہوا تھا۔جس میں پاکستان کے نامور شعراء کرام نے شرکت کی اس مشہور مشاعرے میں مجھے اپنی "رسالہ شمع کراچی" میں شائع ہونے والی جس غزل کے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تھا وہ اس طرح ہے۔

تو نہیں تو کچھ نہیں تیرا اسلام آیا تو کیا
دیکھنے مقتل میں گر محشر خرام آیا تو کیا

دیکھ کر ان کی بجلی میکدے سے میں اٹھا
میرے اٹھ جانے پہ ساقی لے کے جام آیا تو کیا

میں تو رنجیدہ اسیر زلف تھا اپنی بلا میں مبتلا
وہ فریبی صورت معصوم لے کر اپنا دام آیا تو کیا

میری میت جس گھڑی احباب لے کر چل دیئے
اس گھڑی کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

عمر بھر تو کی نہیں تو نے نگاہ التفات
قبر پہ میری اگر تو صبح شام آیا تو کیا

مٹ گئیں ساری امیدیں مٹ گئے ہم خود امان
ایسے میں جو نامہ بر لے کر پیام آیا تو کیا

(امانؔ)

وقت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ شوق ماند پڑتا گیا اور میری بے راہ روی اور لاپرواہی کے باعث میری بہت ساری غزلیات وغیرہ ضائع ہو کر رہ گئیں جن کا احساس اب ہوتا ہے۔ بقول بشیر احمد درانی۔

دشمن دل ہی نہیں دشمن جاں ہوتا ہے
اف وہ احساس جو پیری میں جواں ہوتا ہے

محکمہ تعلیم میں ملازمت کے دوران سابق پرنسپل نور محمد بلوچ سابق پروفیسر کنہیا لال سابق پرنسپل پروفیسر جیون خان بلوچ، سابق پرنسپل سندھی زبان کے مشہور شاعر پروفیسر استاد بخاری، پروفیسر بدرالدین ملکانی پروفیسر علی اصغر بلوچ پروفیسر غلام سرور لغاری پروفیسر محمد عرفان کلہوڑو پروفیسر غلام سرور عباسی پروفیسر نجم دین پروفیسر شمشاد علی سومرو (مورو) اور دیگر اہل علم شخصیات کی مدبرانہ و پرخلوص صحبت کے زیر اثر میری طبعیت میں پہلے سے بہتر ایک ٹھراؤ پیدا ہوا۔

مذکورہ رفقاء کار میں سے کئی ایک مجھے میری تحریری خوبیوں سے روشناس کراتے ہوئے وقتاً فوقتاً میری حوصلہ افزائی کرتے رہے جبکہ ان سے بہت عرصہ پہلے ایک نہایت ہی ایماندار و ولی صفت سول جج نوشہرو فیروز جناب سید اکرام حسین جعفری ایک کیس کے سلسلے میں میری تحریر پڑھنے کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ عدالت میں موجود وکلاء سے مخاطب ہو کر میری تحریر کی تعریف کرتے ہوئے عدالت سے اُٹھے اور اپنے چیمبر میں پہنچ کر فوراً مجھے اپنے پاس بلوایا۔ اور پھر مجھے اپنے قریب بٹھا کر نہایت ہی شفقانہ انداز میں میری تحریری خوبیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مجھے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور گمنامی کی موت سے بچنے کی خاطر کوئی کتاب لکھنے کا مشہورہ دیتے ہوئے اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کی خاطر محکمہ تعلیم سے وابستہ ہونے کی نصیحت کے ساتھ ساتھ کافی کچھ نصیحتیں فرمائیں جو ایک طویل عرصہ سکوت کے بعد بالآخر رنگ لائیں۔

غرض یہ کہ میں نے اپنی کم علمی کے باوجود بھی اپنے کرم فرماؤں کی بے لوث حوصلہ افزائی کے پیش نظر

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنی قومی تاریخ لکھنے کا کام شروع کیا اور پھر اس نازک و مشکل مرحلے کو آسان و دلچسپ بنا کر خداوند کریم نے مجھے اپنے اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائی۔

میں اپنے بے لوث کرم فرماؤں کے لئے دست بادعا ہوں کہ رب العزت انہیں اپنے خاندان سمیت ہمیشہ خوش وخرم رکھے۔ (آمین)

دعاؤں کا طالب (پروفیسر "امان" نوشہروی)

باب اول

باب اول

''ہندوستان کا حدود اربعہ''

ایشیاء اعظم کا جنوبی حصہ: ہندوستان کہلاتا ہے۔
اس کے شمال میں: کشمیر سے لے کر آسام تک کوہ ہمالیہ پھیلا ہوا ہے۔
جنوب میں: بحر ہند لہریں مار رہا ہے۔
مشرق میں: خلیج بنگال، ہند چینی اور چین ہے۔
مغرب میں: افغانستان، ایران، پاکستان اور بحر عرب واقع ہے۔

1947ء (تقسیم ہندوستان) سے پہلے پاکستان اور بنگلہ دیش بھی ہندوستانی حدود میں شامل تھے۔اس وقت ہندوستان کا کل رقبہ 1802657 مربع میل پر محیط تھا۔

جس میں سے 1093074 مربع میل پر برطانوی حکومت تھی اور باقی 709583 مربع میل کا علاقہ دیسی ریاستوں کے راجگان والیان و حاکمین وغیرہ کے قبضے میں تھا۔709583 مربع میل میں سے 7500 مربع میل یعنی (بارہ ہزار مربع کلومیٹر) پر پھیلا ہوا علاقہ میوات جو۔آمیر سے 128 کلومیٹر شمال کی طرف ہٹ کر شروع ہوتا ہے اس میوات کی ابتداء الور سے شروع ہو کر دریائے جمنا پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔میوات کے علاقہ میں اربلی پہاڑ (کالے پہاڑ) کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں میوات کا تمام علاقہ پہاڑی ہے اور سنسکرت زبان میں ''میر'' پہاڑ کو کہتے ہیں پس پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے میوات کا نام میرات یا میروات تحریر کیا گیا جو بعد میں کثرت استعمال سے میوات مشہور ہوا (انگلش تاریخ ناڈ راجستھان میں میوات کا دوسرا نام میروات تحریر کیا گیا ہے) سری کرشن جی عرف (کنہیا اوتار) کی نسل کے جادوبنسی راجپوت راجہ تہن

پال (والئی تہن گڑھ) کی چھٹی پشت میں پیدا ہونے والے سانپر پال (بہادر ناہر خان مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات) کو اس ملک میوات کی حکومت 774ھ 1372ء 1428 بکرمی میں قعلہ الوار کی فتح پر ہاتھ آئی۔

اس علاقہ میوات میں اپنی مستقل بود و باش کی نسبت یہاں کے جادو بنسی راجپوت خانزادوں کو تاریخوں میں میواتی تحریر کیا گیا ہے اور یہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔ ان میواتی خانزادوں کی خودمختارانہ حکومت کے زمانے میں بقول بابر بادشاہ اس زرخیز علاقے کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی یعنی (پندرہ ہزار چھ سو پچیس من چاندی سالانہ تھی) یہ علاقہ میوات 933ھ مارچ 1527ء 1584 بکرمی یعنی ایک سو پچپن سال تک میواتی خانزادوں کے قبضے میں رہا۔

(کلومیٹر) =5÷8X ٹوٹل میل

☆☆

ہندوستان کے قدیم نام

ہندوستان کے قدیم ناموں میں سے آریہ ورت اور بھارت ورش زیادہ مشہور ہوئے۔

آریہ ورت: سے ہندوستان کا وہ شمالی حصہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے شمال میں کوہ ہمالیہ جنوب میں دریائے زبدا اور کوہ بندھیا چل، مشرق میں خلیج بنگال اور برہما اور مغرب میں افغانستان اور بلوچستان شمار ہوتے تھے۔

بھارت ورش۔ سے وہ پورا طویل وعریض ملک سمجھا جاتا تھا۔ جو کوہِ ہمالیہ سے راس کماری تک اور آسام سے پاکستان کے حصہ سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ جادو بنسی راجپوت ''راجہ بھرت'' کے بعد ایک طویل عرصے تک ''ہندوستان'' بھرت کھنڈ کے نام سے بھی مشہور رہا تھا۔

ہندوستان کے قدیم باشندے

آریاؤں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں کافی حد تک تاریخ لکھنے کا رواج نہ تھا یہی وجہ ہے کہ یہاں کی قدیم تاریخ کے تفصیلی حالات کسی بھی مورخ نے بیان نہیں کیے البتہ ''وید''، برہمن گرنتھ ''اپنشد'' ''رامائن مہابھارت'' وغیرہ سے کسی قدر ان لوگوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اور کتابوں سے بھی صرف آرین اور ان کے بعد کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ تاہم بعض محققین تاریخ کا خیال ہے کہ آریاؤں سے پہلے ہندوستان میں کول۔ بھیل۔ دراوڑ، گونڈ، بینہ اور بوگری وغیرہ آباد تھے۔ جن کے رنگ سیاہ قد چھوٹا اور ناک چپٹی ہوتی تھی۔ ان قوموں کے ابتدائی حالات سے متعلق تاریخوں میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتے یہی وجہ ہے کہ ہر تاریخ نویس و محقق کو ہندوستانی تاریخ کی ابتدا ''آریہ قوم'' سے کرنی پڑی کیونکہ آریاؤں کے مذہبی معاشرتی اور تمدنی حالات کا سراغ ان کی مذہبی کتابوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اسی بناء پر آرین زمانے کے تاریخ مرتب کرنے میں تاریخ نویس کو بڑی مدد ملتی ہے۔

☆☆

آرین تاریخ کی ابتدا

آرین تاریخ کی ابتدا ''ویدوں'' سے ہوتی ہے۔ویدوں کو ہندو اپنی سب سے زیادہ قدیم اور مقدس کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ''وید'' الہامی کتابیں ہیں۔اور جس طرح ''خدا'' ہمیشہ سے ہے اسی طرح وید بھی ہمیشہ سے ہیں۔لیکن مغربی محققین کی تحقیقات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''وید'' ڈھائی تین ہزار سال قبل از مسیح لکھے گئے تھے۔ان ویدوں کی تعداد چار ہے جن کے نام: ا۔رگ کی تعداد چار ہے جن کے نام: ا۔رگ وید، ۲۔یجر وید، ۳۔سام وید، ۴۔اتھر وید ہیں۔

مذکورہ کتابوں میں سب سے زیادہ قدیمی کتاب ''رگ وید'' ہے۔جس کو آجکل دنیا بھر کے کتب خانوں میں سب سے زیادہ قدیمی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔مورخین کا خیال ہے کہ: ''رگ وید'' ایک ہی وقت میں مرتب نہیں ہوئی بلکہ سینکڑوں سال میں لکھی گئی جوں جوں آریہ قوم مشرق کی جانب بڑھتی اور ترقی کرتی گئی۔ ''رگ وید'' میں اسی مناسبت سے ان کے حالات لکھے جاتے رہے۔

''ویدوں'' کی زبان ''سنسکرت'' ہے۔ان کا اکثر حصہ نظم میں ہے اس زمانہ قدیم کی سنسکرت موجودہ زمانے کی سنسکرت سے، بہت ہی زیادہ مشکل ہے۔یہی وجہ ہے کہ سنسکرت کے جتنے بھی فاضل وادیبوں نے ویدوں کے منتروں کی شرحیں لکھی ہیں وہ سب ایک دوسرے سے مختلف پائی جاتی ہیں۔جن کو ''برہمن گرنتھ'' کہا جاتا ہے جو ''ویدوں کے مفہوم کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ہے۔

''رگ وید'' میں زیادہ تر ''اندر، ورن، اگنی'' اور دیگر دیوتاؤں کو مخاطب کیا گیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں آریہ لوگ قدرت کے خوبصورت مناظر اور مفید عناصر مثلاً آگ، پانی اور ہوا کی پرستش کیا کرتے تھے۔مگر ''رگ وید'' مرتب ہونے کے صدہا سال کے دوران آریہ لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔جب ان لوگوں نے مذکورہ قدرتی اور طاقت ور عناصر پر زیادہ غور کیا تو یہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ مذکورہ

عناصر سے بالاتر کوئی ایسی طاقت وہستی ضرور ہے جس کے ماتحت یہ تمام عناصر حسب معمول اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔اس طرح ان آریاؤں کا ذہن ''خداوند قدوس'' کی عظیم ہستی کی طرف راغب ہوا۔جیسا کہ: رگ وید میں بہت سے ایسے منتر آتے ہیں جن میں واضح طور پر یہ تحریر ہے کہ:

(''ایشور ایک ہے اور عاقل لوگ اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔وہ تمام عالم کا بنانے والا ہے۔اس کی پوجا ہم سب پر لازم ہے'')

رفتہ رفتہ یہی خیال ان آریاؤں کے ذہن میں پختگی اختیار کرتا چلا گیا اور ایک زمانے کے بعد جب ''اپنشدیں'' تصنیف ہوئیں تو ان کے مصنف رشیوں نے اس خیال کو اپنے فلسفے کی بنیاد بنایا۔

☆☆

آریاؤں کا اصلی وطن اور ہندوستان میں آمد

جیسا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے جنہیں ''رگ وید'' میں ''دسیو'' کہا گیا ہے اور دوسرے لفظوں میں انہیں ''ان آریہ'' یعنی غیر ترقی یافتہ کہہ کر بھی یاد کیا جاتا ہے۔ان کی آمد۔! اور کہاں سے آمد؟ کے متعلق محققین کوئی بھی واضح اور ٹھوس ثبوت پیش نہ کر پائے اسی طرح آریاؤں کے متعلق بھی کوئی مصدقہ ثبوت نہیں ملتا۔ان لوگوں کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔یورپی محقق آریاؤں کا اصلی وطن یورپ کا علاقہ آسٹریا، ہنگری اور بوہمیا ٹھیراتے ہیں اور بعض ان کو قطب شمالی کے رہنے والے بتاتے ہیں۔ایک بنگالی تاریخ نویس نے انہیں ہندوستان ہی کے باشندے بتائے ہیں۔ایک اور یورپی محقق نے ان سے متعلق ''ملک تبت'' کو شرف بخشا ہے۔لیکن عام طور پر یہ قیاس اکثر و بیشتر تسلیم کیا گیا ہے کہ آریہ قوم کا ابتدائی وطن وسط ایشیا میں ''کوہ قاف'' ''بحر اسود اور ''بحر کیسپین'' کے قرب و جوار میں تھا۔جب یہاں کی سرزمیں ان لوگوں کے لئے ناکافی ہونے

لگی تو یہ لوگ مویشیوں کے گھاس پھوس اور اپنی خوراک اور پانی کے چشموں کی تلاش میں خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے پھرتے ہوئے "منگولین" لوگ تو دریائے برہم پترا کی وادیوں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مشرقی حصے میں آباد ہو گئے باقی لوگ ہندوکش پہاڑ کے دروں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مغربی حصے پنجاب اور دریائے سندھ کے کنارے ڈھائی ہزار سال قبل از مسیح آباد ہوئے اس نقل مکانی سے جو لوگ مغرب کی طرف گئے وہ جرمن، فرانس انگریز اور یونانی بن گئے اور ان میں سے جو لوگ جنوب کی طرف آئے وہ "آریہ" کہلائے۔

یورپ اور ایشیا کی مختلف زبانوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی بہت سی باتوں میں یہ لوگ ایک دوسرے سے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ فرانسیسی انگریزی، لاطینی، یونانی اور جرمنی کے بہت سے الفاظ سنسکرت اور فارسی سے ملتے جلتے ہیں ۔جس کی بناء پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ایرانی، ہندوستانی، یونانی، جرمنی، لاطینی، فرانسیسی اور دیگر انگریز اقوام کے آباؤ اجداد ایک ہی جگہ رہتے سہتے اور ایک ہی زبان بولتے تھے۔ دراصل یہ سب کے سب آریہ نسل سے ہیں۔

☆☆

آریاؤں کی تہذیب اور طرز حکومت

آریہ پہلے پہل جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان لوگوں میں پارٹی بازی کا عام رواج تھا اور اسی بناء پر ان لوگوں کو یہاں کے اصل باشندوں (ان آریاؤں) پر غالب ہونے میں کافی مدت لگی چونکہ آریاؤں کے خلاف لڑائی کے وقت سب "ان آریا" متحد ہو جایا کرتے تھے۔ بالآخر جب یہاں پر آریاؤں کے قدم پوری طرح جم گئے تو ان لوگوں نے تہذیب وتمدن کے اعتبار سے نمایاں ترقی حاصل کی جو چاول اور دوسرے قسم کے اناج وغیرہ کی کاشتکاری میں ان لوگوں کو کافی مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے ان

لوگوں نے ''ویدوں'' کے زمانے میں بھی کافی ترقی حاصل کرلی تھی۔ یہ لوگ لڑائی کے ہتھیار برتن اور کپڑوں کے علاوہ سونے اور چاندی کے برتن بھی بنالیا کرتے تھے ان کی خوراک سادہ تھی اور لباس بھی سادہ پہنتے تھے یہ لوگ پھل، سبزی، غلہ اور دودھ پر گزارا کرتے تھے۔ زیادہ تر چوپایا مال پالتے تھے اور ان میں داڑھی رکھنے کا عام رواج تھا۔

''طرزِ حکومت''

آریہ قوم جمہوریت پسند تھی۔ سردار، رائے یا راجہ کا انتخاب کرنے کا حق رعایا کو حاصل تھا اگر رائے یا راجہ (سردار) اپنی قوم کی جانب سے عائد کردہ فرائض کو صحیح طور پر انجام نہ دے پاتا تو رعایا کو پورا پورا حق حاصل تھا کہ وہ اسے معزول کر کے اسی قبیلے کے کسی دوسرے شخص کو راجہ یا رائے (سردار) بنالے۔

☆☆

ذات کی تقسیم اور (لفظ راجپوت کی وجہ تسمیہ)

آریا ڈھائی ہزار سال قبل از مسیح ہندوستان کے مختلف حصوں میں آکر آباد ہوئے۔ ہندوستان میں آمد کے ایک ہزار سال بعد تک ان لوگوں میں ذات پات کا مطلق خیال نہ تھا البتہ اس سے قبل ان آریاؤں میں (پورو بھارت مگدھ، کورو، پانچال وغیرہ) قبائل پائے جاتے تھے اس زمانے میں ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے وغیرہ میں شامل ہونا یا شادی وغیرہ کرنا کوئی عیب میں داخل نہ تھا۔

آریاؤں کی ہندوستان میں آمد کے ایک ہزار سال بعد یعنی پندرہ سو سال قبل از مسیح منوں جی نے ''منوسرتی'' نامی ایک کتاب لکھی جس میں مذکورہ آریاؤں کی بلحاظ پیشہ چار ذاتیں، ۱۔ برہمن ۲۔ چھتری یا کشتری ۳۔ ویش ۴۔ شودر قائم کیں۔

1۔ برہمن: یہ تعلیم یافتہ لوگ تھے اس لئے مذہبی تعلیم وغیرہ دینے اور عبادت کرنے کرانے کا حق صرف ان برہمنوں کو حاصل تھا ''منوں قوانین'' کے تحت باقی اقوام پر ان کو بزرگی حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ یہ برہمن جب کسی سے ناراض ہوتے تو اسے بددعا دینے کی دھمکی دیا کرتے تھے جس کی بناء پر یہ لوگ ان سے خوفزدہ رہتے ہوئے ان کی بددعاؤں سے محفوظ رہنے کی خاطر ان برہمنوں کا احترام کیا کرتے تھے۔

2۔ چھتری۔ کھتری یا کشتری: یہ جنگجو لوگ تھے۔ اس لئے لڑائی لڑنے اور حکومت کرنے کی ذمہ داری ان چھتریوں (کشتریوں) پر عائد ہوئی۔

3۔ ویش: زمین کاشت کرنے اور تجارت کرنے کا حق صرف ان ویشوں کو ملا۔

4۔ شودر: متذکرہ بالا تینوں طبقوں کی خدمت وغیرہ کرنے کی ذمہ داری ان شودروں پر عائد ہوئی۔

مذکورہ چاروں ذاتوں میں سب سے زیادہ اہمیت چھتریوں کو حاصل رہی چونکہ چھتری قوم میں راجہ اور سپاہی لوگ شامل تھے۔ ان جنگجو لوگوں کا کام ملک وملت کی حفاظت کرنا تھا۔ یہ لوگ متفقہ طور پر اپنی قوم میں سے جس کو سب سے زیادہ بہادر ذہین ولائق جانتے تھے اسے اپنا سردار منتخب کرلیا کرتے تھے اور پھر اپنے اس منتخب سردار کو یہ لوگ رائے یا راجہ کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ ان ہی رایوں یا راجاؤں کی اولاد کو راجپوت کہا جاتا ہے۔

(راجہ بمعنی رائے یا سردار کے اور پوت بمعنی بیٹے کے ہیں) یعنی راجہ کا بیٹا گویا لفظ راجپوت مسلمان بادشاہوں کے زمانے کی ساخت معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ آٹھویں صدی سے بہت پہلے کی تاریخوں کے اندر ''راجپوت'' لفظ کا اطلاق قوم یا ذات کے معنوں میں بالکل نہیں ملتا البتہ اس لفظ ''راجپوت'' کا استعمال سنسکرت کے علم وادب میں ابتداء سے چلا آتا ہے۔ شاہی درباروں میں لفظ ''راجپوت'' صرف حکمراں جماعت اور شاہی خاندان کے افراد، سردار، یا راجاؤں کے لئے بطور خطاب استعمال ہوتا تھا۔ جبکہ چھتری (کشتری) کا

لفظ حکمراں وغیرہ حکمراں (مجموعی کُل جماعت) کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں اس اعزازی لفظ راجپوت (خطاب) کو دیکھ کر تمام چھتری لوگ اپنے آپ کو راجپوت کہلانے لگے۔ اور پھر اس طرح چھتری اور راجپوت کے الفاظ لازم وملزوم بن گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ راجپوت لفظ کے عام رواج نے لفظ چھتری (کشتری) کو بالکل ہی معدوم کر دیا۔ اس لفظ راجپوت سے متعلق:

گزیٹر مردم شماری پنجاب 1931ء 26ص، پر تحریر ہے کہ:

(لفظ راجپوت زمانہ قدیم کی کشتری ذات سے مشہور ہوا ہے)۔

اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ راجہ اگر چھتری نسل کی بجائے کسی اور نسل سے ہو تو کیا اس کا بیٹا راجپوت کہلائیگا؟ تو اس کے جواب میں ''منوں'' قانون کے مطابق چھتری نسل کے علاوہ دوسری نسل کا راجہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ منو قانون کے تحت چھتری قوم کسی دوسری قوم سے راجہ منتخب ہی نہیں کرتی تھی۔ چونکہ اس بات سے چھتری قوم کی توہین ہوتی تھی۔ جس کو برداشت کرنے کا یہ قوم مادہ ہی نہیں رکھتی تھی۔ بغرض محال ایسا ہو بھی تو اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو معنوی لحاظ سے راجپوت تو کہا جا سکتا ہے لیکن بالحاظ قوم اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو راجپوت ہرگز نہیں کہا جا سکتا

مثلاً ایک عرصہ پہلے بھرت پور کا راجہ قوم سے جاٹ کہلایا گیا لیکن بعد میں اس کی اولاد کو راجپوت نہیں کہا گیا حالانکہ وہ بھی راجہ ہی کا بیٹا تھا۔ پس درج بالا۔ منو قانون کے تحت۔ جاٹ کا بیٹا جاٹ اور چھتری نسل کے حکمراں کا بیٹا راجپوت کہلائیگا۔

''راجگی کا عہدہ یا خطاب مل جانے سے اُس کی قومیت ہرگز نہیں بدلتی''۔

(آج سے تین ہزار ایک سو سال پہلے ''یعنی گیارہ سو سال قبل از مسیح''۔ کورو اور پانڈو راجپوتوں کے درمیان ہونے والی مشہور عالم۔ ''جنگ مہابھارت'' کا مختصر ذکر ''کرشن جی'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

چھتری راجپوتوں

کا

"ابتدائی شجرہ حسب ذیل"

حصہ اوّل:

کرنل جیمز ٹاڈ نے اپنی انگلش۔ "تاریخ ٹاڈ راجستھان" جلد اوّل 182 پر جو تحریر کیا ہے اُس کا اُردو ترجمہ دیگر تاریخوں کے علاوہ شرف صاحب کی "تاریخ مرقع میوات" میں بھی پایا جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ:

(ہندوؤں کی مقدس و مذہبی کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے "سری نرائن جی" (عرف وشن جی) پیدا ہوئے اور۔ "وشن جی" کے "برہما جی" پیدا ہوئے۔ جن کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے)

''برہما جی''

مریچ
|
کیشب
|
سورج
''سورج'' سے ''سورج بنسی خاندان جاری ہوا۔

اترے
|
سمندر
|
چاند
''چاند'' سے ''چندر بنسی خاندان'' جاری ہوا۔
|
پردروا
|
آیو
|
نہسو
|
حجاتی یا یپاتی
|
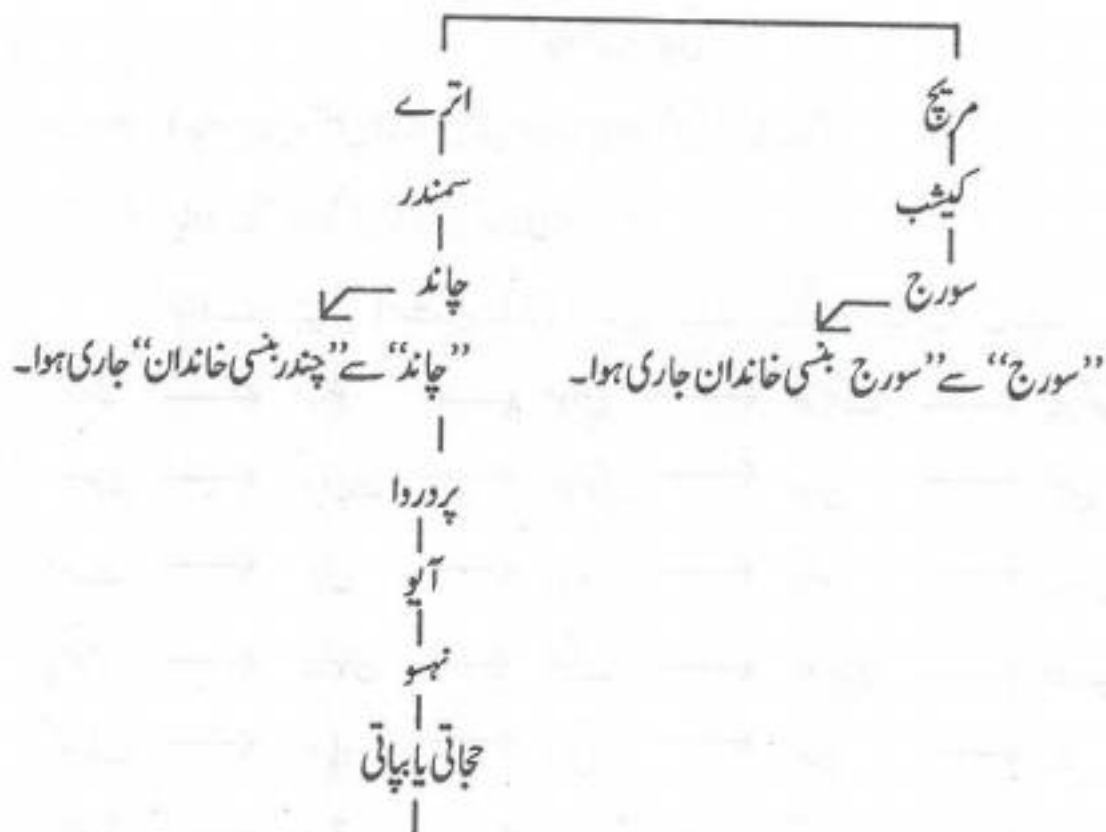
☆۔حجاتی یا یپاتی کے چھ بیٹوں میں سے تین بیٹے (1) اورو (2) پورو (3) یادو یا جادو بہت ہی زیادہ مشہور ہوئے یادو یا جادو سے ''جادو بنسی خاندان'' جاری ہوا جو اس سے پہلے ''چاند'' کی شہرت کے باعث ''چندر بنسی خاندان'' کے نام سے مشہور چلا آتا تھا۔☆

شجرۂ نسب

''جادو۔ پسر حجاتی''

حصہ دوم (جادو یا یادو کو بعض تاریخوں میں جودھا یا یودھا بھی کہا گیا ہے)۔

(الف) جادو سے ''جادو بنسی خاندان'' جاری ہوا۔

جادو کے دو بیٹے (1) ست جیت (2) کرسنہ پیدا ہوئے کرسنہ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

کرسنہ ← درجنو ← سواپی ← اربھنگ ← چترتھ

سسبند ← سروپت ← سجاکوکیہ ← اوسن ← نیگی

مورت ← کول ← درسو ← رکمو ← ریکس

پرتھوکم ← بھوسمان ← جموگ ← ہو۔پپالی ← دورب

کیسک ← لومپاد ← درتی ← جمنتا ← رشیہ

بھیم رتھ ← دھورتھ ← سکنہ ← کروتک ← کر

دیورتھ ← دیوچھیتر ← مادھو ← دروسو ← پروہت

گنی ← پدرت ← جنتو ← ستوتی

شجرہ نسب
"ستوتی"

(حصہ سوم)

ستوتی

- تک عرف اندک
  - گگر
    - ست دان
    - بلوم
    - کیوت رام
    - آنو
    - اندک
    - دھندھی
    - ویرودرت
    - پروسو
    - اکوک
      - دیوک
      - اگرسین
        - راجہ کنس
  - بھجن
    - دورتھ
    - شور
    - سینی
    - بھوج
    - رواس
    - دیومید
    - سور
    - واسدیو
    - کرشن جی (عرف کنہیا اوتار)
- دیوبرت
- بنیسی

حصہ چہارم: کرشن جی۔ پردوامن۔ انرودھ۔ چتر سین۔ اگر سین۔ دھرم سین۔ تجھ پال۔ برہم پال۔ چندر پال۔ سُہن پال۔ بال چند۔ بجے پال (والئی بجے مندر گڑھ) راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ)

(2) راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ)۔ باند پال۔ اننت پال۔ ادھان پال۔ انسراج۔ لکھن پال۔ (اس لکھن پال کے دو بیٹے سانپر پال اور شوہر پال پیدا ہوئے جو 757ھ 1355ء میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہوئے)۔

(حصہ دوئم) **شجرہ نسب پوروپسر حجاتی**

(ب)

پورو ← جنمیجے ← پراچین دت ← پروپر

نہاسوا ← چارویذ ← سوودت ← باہوگو

سینادت ← ہونگیات ← رودوراؤ ← گرنجی

رتنو ← تن سو ← سوت ریبا ← دشمنت

بھرت ← بھردواج ← مانیو ← دھشیتر

سہوتر ← ہستی

نوٹ: دشمنت کے بیٹے راجہ بھرت نے شکنتلا سے شادی کی تھی اور اسی راجہ بھرت کے نام کی نسبت ابتدا میں ہندوستان کا نام (بھرت کھنڈ) مشہور ہوا تھا۔

شجرہ نسب

''ہستی، پسر، سہوتر''

(حصہ سوم)

(ب)

ہستی

اجمید — دیومید — پورمید

دیومید: سنت — مین — رکس

مین (اس کی اولاد کی چھٹی پشت
میں واسو امتر پیدا ہوا)

رکس
سمورن
سنبھی

سنبھی: سووین — پریکت

سووین (اس کی پندرھویں پشت میں
راجہ جراسندھ والئ مگدھ پیدا ہوا)

پریکت (اس کی پندرھویں پشت میں
راجہ شانتو ہوا)

وچتر ویرج

وچتر ویرج: پانڈو — دھرت راشٹر

اجمید (اسکی انیسویں پشت
میں راجہ درویدپانچال ہوا)

دھرت راشٹر
دریودھن
(اس کی اولاد کورو کہلائی)

پانڈو: راجہ یدہشٹر — بھیم — ارجن — نکل — سہدیو
(یہ پانچوں بھائی پانڈو کہلائے)

(یاد رہے کہ ان پانڈووں کی والدہ کا نام ''مادھوری'' تھا)

''راجپوتوں کی شاخیں''

زمانہ قدیم میں ہندوستان کے اندر''چھتری''(کشتری)ذات سے آریاؤں کی دو ہی قومیں تھیں جن میں سے ایک ''سورج بنسی''اور دوسری''چندر بنسی'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔بعد میں چار اگنی کل (آگ بنسی) کی من گھڑت شاخیں شامل کرلی گئیں۔اس طرح یہ چھ شاخیں ہوگئیں جو آگے چل کر کل چھتیس شاخیں ہوگئیں۔جس کے بعد ان سب نے اپنے اپنے دور میں ہندوستان پر حکومت کی۔مذکورہ تمام شاخوں میں''چندر بنسی''اور''سورج بنسی'' یہ دونوں شاخیں اپنا ایک شاہی ممتاز و منفرد مقام رکھتی ہیں اور یہ شاخیں عزت و مرتبے میں ایک ہی جیسی شمار ہوتی ہیں۔

راجپوتوں کی کل شاخوں میں سے دس خاندان سورج کی اولاد ہیں جو''سورج بنسی'' کہلاتے ہیں اور دس خاندان چاند کی اولاد ہیں''چندر بنسی'' کہلاتے تھے لیکن راجہ چاند کی چھٹی پشت میں پیدا ہونے والے راجہ یادویا (جادو) کی شہرت کے باعث مذکورہ''چندر بنسی''خاندان''جادو بنسی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

''(ان کے علاوہ چار شاخیں اگنی کل کی ہیں جو آدتی زوجہ کیشب کی اولاد سے نکلیں ہیں)'' باقی بارہ خاندان''رشی بنسی'' کہلاتے ہیں جو کہ رشیوں کی اولاد ہیں جو ہندوستان میں آئے اور بوجہ حکومت راجپوت کہلائے۔

مذکورہ تمام شاخوں کی نسبت کبشیر کا مندرجہ ذیل دوہا (شعر) بہت ہی مشہور ہے۔جس کو راجپوتوں کی شان و عظمت بیان کرتے وقت ڈوم (میراسیوں) کی زبان سے اکثر سنا جاتا ہے۔

دس روی سے دس چندر سے دو آدس رشی پرمان
چار اگنی ہوترے یہ چھتیس بکھان

مذکورہ شاخوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) سورج بنسی شاخیں: روی، تمگ، روسچت، اگوہن، ملکواہن، گپت، پنگ، راٹھوڑ، نکھمھ، رگھو۔ (10)
(۲) چندر بنسی (جادو بنسی) شاخیں: چندر، اند، پال، سین، جادو یا یادو، اسور، مید، سیتھ، ہرچ، تنور۔ (10)
(۳) رشی بنسی کی شاخیں: سکا (شاکا) ہن، ہل، جالوت کٹ، کوٹپال، گوڑ، کورنال پال،
راجپال، گردسدابر، پوتنک، دھان پالک۔ (12)
(۴) اگنی کل (آگ بنسی) کی شاخیں: "پنوار یا پرمار" "پرہار یا پریہار" چوہان" چالوکیہ یا سولنکی"۔ (4)
اس طرح مذکورہ تمام شاخوں کی میزان چھتیس ہوتی ہے۔ ٹوٹل 36

راجپوتوں سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک وہند" اردو بازار لاہور ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"(راجپوت کے لفظی معنی "راجہ کا بیٹا" ہیں اس بناء پر بعض راجپوت اپنا شجرۂ نسب زمانہ شجاعت کے سورج بنسی۔ چندر بنسی اور یادو بنسی خاندانوں سے ملاتے ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ اکثر راجپوت قبائل بیرونی حملہ آوروں یونانی باختری، چارتھی، ہن، شاکا، گوجر وغیرہ کی اولاد ہیں جنہیں جنگجو ہونے کی بناء پر چالاک برہمنوں نے کشتری کا درجہ دے کر ہندو مذہب میں جذب کر لیا۔ راجپوت قبیلے پرمار، پریہار، چالوکیہ اور چوہان ایک مذہبی روایت کی رو سے آگ میں سے پیدا ہونے کے دعویدار ہیں اور "اگنی کل" کہلاتے ہیں۔ لیکن اس افسانوی حسب ونسب کی کوئی تاریخی سند نہیں بعض قدیم ہندی نسلوں (بھیل، گونڈ) وغیرہ کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا تو وہ خود بخود کشتری یا راجپوت بن گئیں مثال کے طور پر وسط ہند کے چندیل راجپوت گونڈ نسل سے اور قنوج کے گڑھوال راٹھوڑ اور بندھیلے بھیل نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنوب میں دو قدیمی خاندان ،آندھرا اور راشٹر کوٹا ہندو مت کی سر پرستی کے باعث راجپوت قرار دیئے گئے۔ بعض راجپوت قدیم زمانہ کے اصل کشتریوں کی اولاد ہیں۔

☆☆

چھتری راجپوت ''مورخین کی نظر میں''

چھتری یا کشتری راجپوتوں سے متعلق مختلف مورخین کی آراء درج ذیل ہیں:

مولوی نجم الغنی رام پوری صاحب اپنی ''تاریخ راجگان ہند'' ص36 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

1۔(آریہ ہندوؤں کی ابتدائی چار ذاتوں یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے قسم دوئم یعنی چھتری کو راجپوت بھی کہتے ہیں۔)

پروفیسر سیتا رام کوھلی اور جناب ڈاکٹر ایشوری پرشاد (ایڈووکیٹ الہ آباد) اپنی ''تاریخ ہند'' حصہ اول ص7 اور 8 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

2۔''(مختلف زمانوں میں ہندوستان کے باشندے یہاں آکر پرانے آریاؤں سے میل جول بڑھا کر یہ لوگ ان میں اس قدر جذب ہوئے کہ ان کا ایک خاص جز بن گئے ہندوستان میں ان کی آمد کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا اور یہ لوگ بوجہ حکومت ''چھتری'' ''مشہور ہوئے)''

انگریز مورخ مسٹر الفنسٹن ''سابق گورنر بمبئی'' اپنی ''تاریخ ہندوستان'' (مترجمہ کار پرداز ان علی گڑھ انسٹیٹیوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

3۔(''حال کے مورخ جو راجپوتوں کو ''چھتری'' خیال کرنے میں تامل کرتے ہیں اور شک۔ ہن اور ستھیا وغیرہ نسل سے بتاتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ جاٹ لوگ اگر ستھیا نسل سے ہوں تو ہوں لیکن راجپوت سب کے سب خالص آریہ ہندو ہیں۔'')

انگریز مورخ مسٹر مارسڈن اپنی ''تاریخ ہند'' حصہ اول ص38 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

4۔''(لفظ راجپوت کے معنی راجاؤں کے بیٹے'' کے ہیں۔ ان راجپوتوں میں بہت سے ان راجکماروں کی نسل سے ہیں جو آرین کے بعد ہندوستان میں آئے۔ پھر صدیوں تک رہتے سہتے ہندو بن گئے اور پھر پرانے

زمانے کے چھتریوں اور ان میں کوئی تمیز باقی نہ رہی کیونکہ یہ بھی شاہی نسل سے تھے اور حکمرانی اور جنگجوئی ان کا قدیم کام تھا۔")

جناب سید محسن مرزا اور عبدالحمید پروفیسر (ہسٹری) اپنی "تاریخ ہند" صفحہ 40 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

5۔"(مسٹر اسمتھ اور دیگر مورخین نے تحقیق تواریخ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ باہر کی قومیں ستھیا، کشن اور ہن وغیرہ جب بھی ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے سردار لوگوں نے آریاؤں سے مل جل کر شادیاں کرلیں اور اس کے بعد یہ لوگ بجائے کشتری یا چھتری کے راجپوت کہلائے اور باقی لوگ ان سرداروں کے ساتھ جو سپاہی وغیرہ کی حیثیت سے آئے تھے وہ لوگ گوجر اور جاٹ وغیرہ کہلائے۔)"

کرنل جیمز ٹاڈ اپنی "تاریخ ٹاڈ راجستھان" جلد اول صفحہ 384 پر (ترجمہ دوارکا پرشاد افق لکھنوی) تحریر فرماتے ہیں کہ:

6۔"(راجپوتوں میں حسد کی وجہ سے ایک ایک شخص کے دل میں بدلہ لینے کا جوش بھرا رہتا ہے اور یہ کینہ کسی کے دل سے نہیں نکلتا۔ اگر یہ لوگ اپنے رقیب سے بدلہ نہ لیں یا لڑائی جھگڑے میں اسے نیچا نہ دکھالیں تو یہ صرف ان کی اپنی کمزوری ہی ثابت نہ ہوگی بلکہ کمینہ پن سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان میں ہمیشہ خون کا بدلہ خون ہی ہوتا ہے۔ البتہ بدلہ لینے کی آگ دو صورتوں میں بجھ جاتی ہے یا تو معافی مانگ لی جائے یا اپنی لڑکی بیاہ دی جائے۔)"

مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی اپنی۔"تاریخ ہندوستان" جلد اول صفحہ 355، پر قمطراز ہیں کہ:

7۔"(ہندوؤں میں ایک قدیمی قوم راجپوتوں کی ایسی ہے کہ جس میں ماں کے پیٹ سے ہی سپاہی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا ہر گروہ اپنا ایک موروثی سردار رکھتا ہے ان میں جاگیریں دینے کا انتظام بھی نہایت عمدہ تھا۔ اور اسی مناسبت سے راجپوتوں میں عالی نفسی بلند ہمتی دلاوری اور مردانگی کے خیالات زور و شور سے پیدا ہوتے گئے۔ دنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں پائی جاتی جو راجپوتوں سے زیادہ اپنے ننگ و ناموس اور اپنی عظمت و

شرافت کی حفاظت کی خاطر اپنی جان دینے کو بے حقیقت جانتی ہو۔ ان کے اپنے میراسی (بھانڈ) جو ان کی خدمت کیا کرتے تھے وہ لوگ ان کے آباؤ اجداد کی شان و عظمت کی داستانیں سنا سنا کر ان کے خون کو اور بھی زیادہ جوشیلا کر دیا کرتے تھے اگر یہ سپاہ ہندوستان میں نہ ہوتا تو شہاب الدین غوری وغیرہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ہندوستان کو لے لیتے'')۔

کرنل ٹاڈ صاحب اپنی ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' میں ان راجپوتوں سے متعلق جو اپنے تاثرات تحریر کئے ہیں ان کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

8۔ ''(یہ راجپوت قوم کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی شرافت و شجاعت نہ صرف بچے بچے کی زبان پر ہے کہ بلکہ ان کی عظمت و شجاعت ہمیشہ تاریخی اوراق کی زینت بنی رہی ہے۔ ان کے آباؤ، اجداد کے جرأت مندانہ کارنامے اور اُن کی شان و شوکت ناقابل فراموش ہے۔ راجپوتانہ رسم و رواج کے مطابق یہ قوم کسی غیر شریف آدمی کو سرداری یا راج۔ گدّی نہیں دیتی۔ اتفاقاً اگر ایسا کبھی ہوا بھی ہے تو تمام قریبی عزیز و اقارب یہاں تک کہ بھائی بیٹوں نے بھی اس کی ماتحتی سے بالکل انکار کرتے ہوئے فوراً بغاوت کر کے اُسے گدّی سے اتار دیا۔ جیسا کہ میواڑ کے سرداروں نے باہمی رنجش کی بناء پر بکر ماجیت کی جگہ۔ بان بیر سنگھ کو اپنا راجہ بنالیا تھا۔ جس پر راجپوت سرداروں نے فوراً پنچائت کر کے اُسے گدّی سے اتار دیا۔ اسی طرح شودان سنگھ (رئیسِ الور) کے بیٹے جسونت سنگھ کو ماں کی طرف سے داغدار ہونے کی بناء پر غیر شریف جانتے ہوئے۔ نروکہ راجپوتوں نے گدی نہیں دی بر خلاف اس کے منگل سنگھ ٹھاکر کو اپنا راجہ بنالیا۔ سچ تو یہ ہے راجپوتوں میں صحیح النسب کے سوا مخلوط النسل نہیں ملتے۔ اب پہلے والی شان و شوکت نہ رہنے کے باوجود بھی یہ لوگ اپنی خاندانی صحیح النسبی پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔ اس قوم میں جن لوگوں کے اندر شرافت کا نقص ہوتا ہے وہ لوگ زمرۂ امراء میں شمار نہیں ہو سکتے'')۔

☆☆

راجپوتوں کی شان وشوکت اوران کی عظمت وشجاعت سے متعلق مختلف مورخین نے جواپنے اپنے تاثرات بیان کئے ہیں ان سب کا مختصر متن کچھ اس طرح ہے۔

''(تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے لوگ راجپوتوں کی عالی نسبی شجاعت وعظمت، جراتمندانہ عظیم کارناموں سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے یہاں پر راجپوتوں سے متعلق مزید تفصیل میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی یہ الگ بات ہے کہ چند گنے چنے متعصب مورخین نے اپنی ذاتی رنجش وخلش کے باعث یا راجپوتوں کے مخالفین کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اس آفتاب کو اپنے مفاد کی چادر میں ڈھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے حقائق سے ہٹ کر دورغگوئی سے کام لیا۔

جیسا کہ برہمنوں نے ان راجپوتوں کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان لوگوں کو مذہب کی ایسی پیچیدہ اور غلط رسومات میں جکڑ دیا کہ اصلی دھرم کا پتہ لگا نا محال ہوگیا اور پھر ''منو سمرتی'' کے مصنف ''منوں جی'' کے قانون نے بھی کُل دنیا کو برہمنوں کا ماتحت بنا دیا تھا۔

منو قوانین کے تحت برہمنوں کی حکم عدولی خدا کی حکم عدولی سمجھی جانے لگی۔ جو بھی ان برہمنوں کا حکم ماننے میں ذرا بھی تامل کرتا تو یہ برہمن لوگ انہیں بددعا دینے کی دھمکی دیتے جو کہ اس ضعیف الاعتقادی کے زمانے میں ان کا آخری ہتھیار ہوتا تھا، لیکن چھتری راجپوتوں نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر ان برہمنوں کی اپنی حکومت میں بیجا مداخلت ماننے سے صاف انکار کردیا اور پھر یہ چھتری راجپوت اپنے اندر تعلیمی کمی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کے باعث عالم وفاضل برہمنوں کے اندر بے چینی پھیل گئی۔ یہ لوگ بددعا دینے کی دھمکیوں سے مرعوب کرتے ہوئے راجپوت لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے سے روکنے لگے۔ جب راجپوتوں پر ان کی کوئی بھی چال اثر انداز نہ ہو پائی تو ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے تحت ان برہمنوں کی راجپوتوں سے لڑائیاں ہونے لگیں ان لڑائیوں میں ''پرس رام برہمن'' کا باپ جمد گن ایک

راجپوت راجہ سہسرار جن کے ہاتھوں مارا گیا۔ اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے پرس رام برہمن نے اکیس بار چھتری راجپوتوں پر حملے کئے جن میں بے اندازقتل عام ہوا۔ اس کے بعد ان برہمنوں نے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر اپنی مرضی کے عین مطابق چھتری راجپوتوں کے خلاف جو چاہا لکھ دیا۔)''۔

اسی زمانے میں کپل دستو کی راجدھانی میں راجہ سدھودھن کے گھر میں ساکھی منی (گوتم بدھ) پیدا ہوا جس نے برہمنوں کے مقابلے میں اپنا نیا ''بدھ مذہب'' قائم کیا جو کہ ''رحم لی کا مذہب'' کہلاتا ہے جبکہ برہمنوں کے مذہب میں ''ویدوں'' کے فرمان کے تحت یگ اور قربانی جان پر ہے اس زمانے میں برہمنوں کے حکم پر جانوروں کی قربانیاں اس کثرت سے ہونے لگیں کہ بدھ مذہب کے لوگ ان برہمنوں سے نفرت کرنے لگے اور پھر اس کے بعد بدھوں نے ویدوں کی تعلیم ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اس صورت میں باہم تصادم ہوا اس موقع پر برہمنوں کا کوئی مددگار نہ رہا۔ چونکہ چھتری راجپوت جو اس سے پہلے ان کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے ان لوگوں نے پہلے ہی بگاڑ پیدا کر لیا تھا۔ اس موقع پر ان برہمنوں کو اپنے مددگاروں کی سخت ضرورت آن پڑی۔ اس لئے ان لوگوں نے نہایت عیاری مکاری وچالاکی سے اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کیلئے ایک من گھڑت کہانی گھڑی اس کہانی کو سب سے پہلے چاند بھاٹ (چاندکوی) نے اپنی کتاب ''پرتھی راج راسا'' میں نظم کی صورت میں درج کیا۔ اس فرضی و من گھڑت کہانی کی تفصیل اس طرح ہے کہ:

''(رشی لوگ جو آبو پہاڑ پر آباد تھے انہوں نے خدا سے یہ دعا مانگی کہ کچھ ایسے آدمی پیدا کر جو۔ ملک کو راکھشوں اور بے دینوں یعنی (بدھ مذہب والوں سے پاک کردیں)۔

ان رشیوں نے ایک بڑا کنڈ تیار کرایا۔ جس کو گنگا جل سے پاک کرایا اور پھر اس میں آگ جلائی گئی دعا قبول ہوئی جس کے بعد اس کنڈ سے چار بڑے شجاع اور بہادر آدمی نکلے جن کے نام پرمار پرہار چوہان اور سولنکی تھے جن کے اولاد ''اگنی کل'' راجپوت کہلاتی ہے۔ مذکورہ (آگ بنسی) چاروں کے خاندانوں کو بڑی

چالاکی سے برہموں نے اپنے ساتھ ملایا اور پھر ان خاندانوں کی مدد سے بدھ مذہب والوں کو برہموں نے مار بھگا کر از سرِ نو ''برہمنی مذہب'' کو جلا بخشی۔

آگ سے نکلنے والے پرمار پرہار سولنکی اور چوہان تھے جن کی اولاد ''اگنی کل راجپوت'' کہلاتی ہے۔ جبکہ اگنی کل (آگ بنسی) کا قصہ بالکل غلط اور فرضی ہے۔

''ترجمہ ''تاریخ فرشتہ'' جلد اول صفحہ 10 پر مذکورہ اگنی کل (آگ بنسی) راجپوتوں کی پیدائش سے متعلق ان کی نسل کو مشتبہ قرار دیا گیا ہے۔

شرف صاحب اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 62 پر مسٹر وید کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆''(اگنی کل کی اس فرضی کہانی کو سب سے پہلے پرتھی راج کے بھاٹ چاند نے اپنی نظم میں درج کیا تھا یہ محض اس کے شاعرانہ خیال کو ظاہر کرتی ہے ورنہ چاند خود بھی یہ نہیں مانتا تھا اور نہ ہی اس کہانی سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ کشتریوں اور راجپوتوں کی کلیں الگ الگ ہیں'')

اس کے علاوہ ہندوؤں کی تاریخوں میں ان کی مذہبی باتوں کو دوسرے مذاہب والے غلط اور قانون قدرت کے خلاف مانتے ہیں ''پھر اگنی کل کی پیدائش کو کیوں کر درست مان لیا جائے جو خلاف عقل ہے''۔

اس کے علاوہ شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 54 پر تحریر ہے کہ:

☆(''اگنی کل'' کی پیدائش صرف آبو پہاڑ کے گرد نواح میں ہوئی بیان کی گئی ہے۔ نہ کہ کل ہندوستان میں لیکن جس زمانے میں ''اگنی کل'' کی پیدائش بتائی جاتی ہے اس وقت آبو پہاڑ کے گرد و نواح میں شک ہن اور ستھیا نسل کا وجود ہی نہ تھا۔ ''اگنی کل'' کی کہانی چاند بھاٹ کی گھڑی ہوئی ہے جو محض اس کے شاعرانہ خیال ہیں کہ ورنہ اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔'')

مذکورہ بالا تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں یہ نتیجہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ ''چندر بنسی یعنی (جادو بنسی) خاندان کی دس شاخیں اور ''سورج بنسی'' خاندان کی دس شاخیں یعنی آریہ نسل کی مذکورہ بیس شاخیں بنیادی طور پر کشتری (چھتری) راجپوت ہیں۔ (لفظ راجپوت زمانہ قدیم کی کشتری ذات سے مشہور ہوا ہے)

مذکورہ شاخوں کے علاوہ باقی بارہ ''رشی بنسی'' شاخیں بیرونی حملہ آوروں کی ہیں جو ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں میں جذب ہو کر بوجہ حکومت راجپوت کہلائے اور شاید یہی وہ سپاہی لوگ ہیں جنہیں بعض مورخین شک ہن اور ستھیا نسل سے قرار دیتے ہیں چونکہ چندر بنسی اور سورج بنسی راجپوتوں کے خلاف تو کچھ لکھنے کی گنجائش ہی نہیں۔ مذکورہ ''رشی بنسیوں'' سے متعلق مسٹر الفنسٹن (سابق گورنر بمبئی) اپنی انگلش ''تاریخ ہندوستان'' (ترجمہ کارپردازان علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ) صفحہ 78 پر بیان کرتے ہیں کہ:

☆ (''جس طرح مسلمان میں مختلف قبیلوں اور مختلف مقاموں کے رہنے کی وجہ سے ہندوستان میں آ کر مختلف قومیں کہلانے لگیں اسی طرح ہندوستان کے فاتح آریہ ہن اور کشان وغیرہ بھی مختلف قبیلوں اور مختلف جگہوں کے رہنے کی وجہ سے آریہ اور راجپوت وغیرہ کہلانے لگے'') ☆

مذکورہ بالا راجپوتوں کی بتیس شاخوں کے بعد اگنی کل (آگ بنسی) کی چار شاخیں جن سے مورخین نے انحراف کرتے ہوئے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں شامل کر لیا اور پھر اس طرح راجپوتوں کی کل چھتیس شاخیں بن گئیں۔

آگ بنسی (اگنی کل) کی مذکورہ چار شاخیں دراصل برہموں کی ایجاد ہے جو بوجہ حسد و انتقام معرض وجود میں آئیں۔

چندر بنسی خاندان

ہندوستان کی تمام تر تاریخوں میں دیئے گئے شجرۂ ہائے نسب ملتے جلتے پائے جاتے ہیں جن میں صرف پشتوں کی کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ مشہور و نامور شخصیات کے ناموں کا اندراج پایا جاتا ہے جبکہ ان کی نسل میں ہونے والی غیر معروف شخصیات کے ناموں کو کافی حد تک حذف کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں سر سید احمد خان صاحب اپنی ''تاریخ خطبات الاحمدیہ'' صفحہ 49 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆''(بعض مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ ءانساب کے اندر ناموں کی بہت کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو شعروں سے اخذ کیا ہے اور شاعروں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے کام کی وجہ سے شہرت پائی ہو۔ غیر مشہور آدمیوں کے نام شعروں میں یا عام روایتوں میں نہیں پائے جاتے تھے یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ ءانساب قائم کیا ہے اس میں غیر مشہور آدمیوں کے نام چھوٹ گئے)''۔☆

ہندوستان کے قدیم کشتری (چھتری) راجپوتوں میں چندر بنسی خاندان بہت ہی زیادہ عزت و شہرت کا حامل ہوا۔ ''برہماجی'' کی تیسری پشت میں ''چاند'' پیدا ہوا جس سے ''چندر بنسی خاندان'' جاری ہوا۔

اسی ''برہماجی'' کے اترے۔ اترے کے مریچ۔ مریچ کے کیشب اور کیشب کے سورج پیدا ہوا جس سے ''سورج بنسی'' خاندان جاری ہوا۔

جیسا کہ چاند سے ''چندر بنسی خاندان'' جاری ہوا اسی چاند کے ''بدھ'' پیدا ہوا۔ (یہ وہ بدھ نہیں جو ساکھی منی یا ''گوتم بدھ'' کہلاتا ہے) بلکہ یہ وہ بدھ ہے جو اپنی ریاضت کے سبب ہندوستان اور علاقہ تاتار میں ایک دانا اوتار مانا گیا ہے اس بدھ کی چوتھی پشت میں ججاتی یا بیاتی پیدا ہوا۔ اس ججاتی کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن میں ایک (یودھا، جودھا، یادو یا جادو) تھا۔ جو یادو بنسی (جادو بنسی خاندان) کا مورث اعلیٰ بنا۔

(یادر ہے یہ جادو بنسی خاندان جادو سے پہلے چاند کی نسبت ''چندر بنسی خاندان'' کے نام سے مشہور تھا۔)

مذکورہ راجہ جادو کی تیتالیسویں پشت (یعنی راجہ جادو کے بیٹے کرسنہ کی بیالیسویں پشت) میں ''راجہ سور'' پیدا ہوا اور پھر راجہ سور کے ''راجہ سینی'' پیدا ہوا ان دونوں باپ بیٹوں کی نسبت وشہرت کے باعث مذکورہ جادو بنسی خاندان خود کو ''سورسینی'' خاندان کہلانے لگا لیکن راجہ سینی کی چھٹی پشت میں جب کرشن جی (اوتار) پیدا ہوئے تو یہ ''سورسینی خاندان'' اپنے سابق ''جادو بنسی خاندان'' ہی کے نام سے مشہور ہوا جو آج بھی اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

''جادو بنسی خاندان''

چندر بنسی خاندان ''مجاتی یا بیاتی'' کے بیٹے راجہ جادو کی شہرت کے باعث ''جادو بنسی خاندان'' کے نام سے ہندوستان میں مشہور عام ہوا۔ ایک عرصہ دراز تک پورے ہندوستان کا بچہ بچہ اس جادو بنسی خاندان کو اس کی شجاعت عظمت اور اس کے حوصلے کی بناء پر اسے ''چھپن کلی'' کے نام سے یاد کرتا رہا۔
''چھپن کلی'' سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ دوارکا اور کورو چھتر کے میدانوں میں اس ''جادو بنسی'' قبیلے کی لڑائی چھپن اقوام سے ہوئی تھی۔ غرض یہ کہ پورے ہندوستان میں اس جادو بنسی راجپوت قوم کی شجاعت وعظمت کا جوڑ نکا بجتا رہا اس کے اذکار انگریزی ترکی فارسی اور دیگر تاریخوں میں جا بجا بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اس جادو بنسی راجپوت قوم نے ''پریاگ'' چھوڑ کر ''متھرا'' کو اپنی راجدھانی بنایا تھا۔ اور یہ قوم اپنے وقت میں دریائے ستلج سے لے کر سمندر تک پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ یودھایا جودھا جس کو ''یادو۔ یا۔ جادو'' بھی کہا گیا ہے اس راجہ جادو پسر مجاتی کی بیالیسویں پشت میں راجہ دوارتھ پیدا ہوا۔ اور اس دوارتھ کے راجہ شور پیدا ہوا یہ ''راجہ شور'' ہندوستان کا ایک زبردست و نامور راجہ ہوا۔ اس راجہ شور کے ''سینی پیدا ہوا یہ راجہ سینی بھی اپنے باپ کے ہم پلہ نامور و مشہور ہوا۔ ان دونوں باپ بیٹے کی عروج پر پہنچی ہوئی شہرت کے باعث مذکورہ جادو بنسی خاندان اپنے خاندان کے مذکورہ دونوں باپ بیٹوں کے نام کی نسبت خود کو ''سورسینی'' خاندان کہلانے لگا۔

یہ خاندان جو ابتدا میں راجہ چاند کی نسبت سے چندر بنسی خاندان کے نام سے مشہور ہوا اور پھر راجہ جادو کے بعد یہی خاندان جادو بنسی خاندان کے نام سے ہندوستان میں مقبول عام ہوا اور راجہ سینی کے بعد یہی خاندان خود کو ''سورسینی'' ''خاندان'' کہلانے لگا تھا۔
راجہ سینی کے بعد یہ قوم اپنی پانچ پشتوں تک ''جادو بنسی'' کی بجائے خود کو ''سورسینی'' ہی کہلاتی

رہی۔ لیکن راجہ سینی کی چھٹی پشت میں جب کرشن جی عرف (کنہیا اوتار) پیدا ہوئے (جو ماں کی طرف سے سورج بنسی اور باپ کی طرف سے جادو بنسی تھے) تو مذکورہ قوم اپنے سابق "جادو بنسی" کے نام ہی سے مشہور ہوئی کرشن جی کے زمانے میں اس خاندان کی عظمت وشہرت کو چار چاند لگ گئے تھے۔

(مذکورہ بالاتحریر سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ زمانہ قدیم میں جو بھی راجہ زیادہ طاقت ور وشہرت یافتہ ہوتا تھا قوم بھی اپنے خاندان کے اسی راجہ کے نام سے مشہور ہوا کرتی تھی۔)

اس جادو بنسی خاندان میں کرشن جی عرف کنہیا اوتار اور بلرام پیدا ہوئے جبکہ پورو پسر جاتی یا پاتی کی سولھویں پشت میں راجہ بھرت پیدا ہوا۔ جس کے نام کی نسبت (آریہ ورت) موجودہ ہندوستان کا سابق نام "بھرت کھنڈ" مشہور ہوا تھا۔

اسی پورو پسر جاتی کی اکیسویں پشت میں راجہ ہستی پیدا ہوا جس نے شہر ہستنا پور بسایا راجہ ہستی کے تین بیٹے اجمید، دیومید اور پورمید پیدا ہوئے۔

اسی راجہ ہستی کی تیسویں پشت میں راجہ یدہشٹر پیدا ہوا۔ جس نے دریائے جمنا کے کنارے پر شہر "اندر پرست" بسا کر اسے اپنی راجدھانی بنایا تھا یہ شہر اندر پرست آجکل ہندوستان میں دہلی کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

راجہ اجمید کی نسل کے ہری بنس راجاؤں میں راجہ شانتو کے وچترویرج پیدا ہوا۔ اس وچترویرج نے اپنے ہی قبیلے میں سے راجہ ہستی کے بیٹے اجمید کی نسل کے دو بھائی پانڈو اور دھرت راشٹر کو گود لیا تھا جو اس کے متبنیٰ بیٹے تھے۔ اپنے پانچوں بیٹوں کو نابالغ چھوڑ کر فوت ہونے والے پانڈو کی اولاد پانڈو کہلائی جبکہ پانڈو کے دوسرے بھائی دھرت راشٹر کی اولاد کورو کہلائی جن کے درمیان مشہور عالم جنگ مہابھارت عمل میں آئی۔

رامائن مہابھارت کی کہانی جس میں رام کی داستان بیان کی گئی ہے یہ کہانی پانچ سو سال سے ایک ہزار سال کے درمیان قبل از مسیح لکھی گئی تھی اس "رامائن مہابھارت" کے مصنف "ویاس جی" بھی راجہ شانتو کی

نسل میں سے تھے۔

راجہ بدھ سے لے کر پانڈو تک چھپن پشتیں گذری ہیں جن میں پانڈو دہلی سلطنت کا ایک زبردست راجہ ہوگذرا ہے جس کے بعد اس کے خاندان میں بارہ سو سال تک حکومت رہی۔ جب شہر اندر پرست (دہلی) پر انقلاب آیا تو یہ کئی صدیوں تک ویران پڑی رہی۔

176ھ 792ء 848 بکرمی میں اننگپ مال تنوار نے اس دہلی کو از سرنو آباد کیا۔ اور پھر اس کی بیس پشتوں تک دہلی سلطنت پر حکومت قائم رہی جو اس بانئ سلطنت کے ہمنام راجہ اننگ پال ثانی پر اختتام پذیر ہوئی۔

راجہ اننگ پال ثانی نے اپنی اولاد نرینہ نہ ہونے کی بناء پر اس نے اپنی سلطنت دہلی 536ھ 1141ء میں اپنے نواسے پرتھوی راج چوہان کے سپرد کردی تھی یہ پرتھوی راج چوہان ترائن کی دوسری لڑائی 588ھ 1192ء، 1248 بکرمی میں اپنی شکست کے بعد میدانِ تراوڑی سے فرار ہوتے وقت شہاب الدین محمد غوری کی فوج کے ہاتھوں سرسوتی کے مقام پر گرفتاری کے بعد قتل کردیا گیا جس کے بعد پرتھوی راج چوہان کی حکومت اس کے داماد کے سپرد کردی گئی۔

اس سے پہلے 585ھ 1189ء میں غزنوی خاندان کے بچے کھچے آثار مٹا کر لاہور کی فتح پر پنجاب میں اس غوری نے ایک مضبوط مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی اور 595ھ 1198ء میں اس نے دہلی کو بھی فتح کرلیا اور پھر کچھ عرصے بعد دمیاک (ضلع جہلم) کے قریب قرمطی فرقے اور کھوکھر قبیلے کے ہاتھوں 603ھ 1206ء میں اپنے خیمے کے اندر اس غوری نے شہادت پائی جس کے بعد اس کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوکر اپنے خاندان غلاماں حکومت کی بنیاد رکھی۔

☆☆

''جادو بنسی راجپوتوں کے
بسائے ہوئے شہر''

1۔شور پورہ: ''راجہ سور'' کا بسایا ہوا یہ شہر متھرا سے پچاس میل (80 کلومیٹر) دور دریائے جمنا کے جنوب میں واقع ہے۔

2۔متھرا یا مادھوبن: یہ بہت پرانا شہر ہے جو کہ ''سور سینی'' کے نام سے بھی مشہور رہا ہے یہ شہر راجہ پردروا کی خاص راجدھانی تھا۔

3۔الہ آباد (پریاگ): ٹھاکر کاہن سنگھ اپنی ''تاریخ راجپوتانِ پنجاب'' حصہ اول میں بیان کرتے ہیں کہ مہاراج بدھ (چندر بنسی) بڑا پرتابی راجہ گذرا ہے جس کی شادی ''راجہ اکشواکو'' (سورج بنسی) ایلا عرف پرتھی سے ہوئی تھی۔ مہاراج بدھ کو جس جگہ پر ایلا ملی تھی وہاں پر اس راجہ نے اپنی پیاری بیوی کے نام پر ایک شہر بسا کر اس کا نام ''ایلا یاس'' رکھا تھا۔ جس کو مسلمانوں کے زمانے میں ''الہ آباد" کہنے لگے۔

4۔دوارکا پوری: مگدھ کے راجہ جراسندھ نے اپنے داماد راجہ کنس کے قتل کا انتقام لینے کی خاطر متھرا پر اٹھارہ حملے کئے آخری حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے سری کرشن جی نے اپنے اٹھارہ ہزار جادو بنسیوں کے ساتھ متھرا کو خیر باد کہہ کر از سر نو شہر دوارکا کو بسایا ''متھرا کی نسبت کرشن جی کو متھرا پتی'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے''

5۔غزنی: اپنے دور اقتدار میں جادو بنسی راجہ گج نے اپنے نام پر شہر ''گجنی'' کو بسایا اور اس شہر میں اپنے لئے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا یہ شہر بعد میں ''غزنی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

6۔سمرقند: راجہ گج کی اولاد میں سے سیمرو نے اپنے نام پر یہ شہر ''سیمر کھنڈ'' بسایا جو بعد میں ''سمرقند'' کے نام سے مشہور ہوا۔

7۔سالباہن پور: راجہ گج کے بیٹے سالباہن نے اپنے نام پر یہ شہر ''سالباہن پور'' بسایا جو بعد میں

''سیالکوٹ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

8۔ جیسلمیر: راجہ گج کی تیرھویں پشت میں راؤ جیسل پیدا ہوا جس نے یہ شہر جیسلمیر بسایا۔

کرنل ٹاڈ صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ: (اس جگہ جب یدھشٹر نے کرشن جی کے ساتھ راجسو یگ کیا تھا اس دوران کرشن جی نے فرمایا تھا کہ: (کافی عرصے بعد میری نسل کا ایک راجہ اس مقام کے ترکٹے پہاڑ پر قلعہ بنا کر ایک شہر آباد کرے گا۔) اس وقت ارجن نے یہاں پر پانی کی کمی کی شکایت کی اس پر کرشن جی نے سودرشن چکر پہاڑ پر مارنے کے بعد شگاف ڈال دیا جس سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔)

ٹاڈ صاحب نے اپنی تاریخ میں اس کتبے کا ذکر کیا ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے: (اے جادو بنس کے راجہ اس مقام پر آباد ہو۔ اور اس پہاڑ پر تین کونے کا قلعہ بنا۔ ''اے جیسل دیو جادو راجہ تو ''لودروا'' سے نقل مکانی کر کے اس جگہ قلعہ بنالے)۔ چنانچہ 551ھ بروز اتوار 1156ء 1212 بکرمی ساون کی بارہ تاریخ کو اس شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔

9۔ پٹیالہ: راجہ گج کی تیرھویں پشت میں راؤ جیسل پیدا ہوا اس راؤ جیسل کے ''ہم ہیل'' پیدا ہوا جو جیسلمیر کو چھوڑ کر حصار کی جانب چلا آیا۔ اسی کی نسل میں راجہ کھوٹ پیدا ہوا جو جاٹ کی دختر سے شادی کرنے کے بعد جاٹ کہلایا اس راجہ کھوٹ کی ساتویں پشت میں راجہ آلا سنگھ پیدا ہوا جس نے اس شہر پٹیالہ کی بنیاد رکھی۔

10۔ حصار: لاھور کے راجہ جگ پتی کے بیٹے ہنس پتی نے اپنے نام پر شہر ''ہنسار'' 552ھ 1157ء 1213 بکرمی میں بسایا تھا جو بعد میں حصار کے نام سے مشہور ہوا۔

11۔ اندر پرست۔ (دہلی): راجہ درو پد کے دباؤ کے نتیجے میں راجہ دھرت راشٹر نے پانڈو کے بیٹے یدھشٹر کو ان کے حصے میں جنگل کا ویران علاقہ دیا تھا اس جنگل کو صاف کرانے کے بعد یدھشٹر نے ایک شہر بسایا جس کا نام (اندر پرست) رکھا جو بعد میں دہلی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ شہر اپنے انقلاب کے بعد کئی صدیوں تک

ویران پڑا رہا۔

176ھ 792ء 848 بکرمی میں اننگ پال تنوار نے اس شہر کو دوبارہ آباد کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس اننگ پال تنوار کی بیس پشتوں تک اس دہلی پر حکومت قائم رہی۔ اس بانئ سلطنت کی بیسویں پشت میں ہونے والے اس کے ہمنام راجہ اننگ پال ثانی کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث 536ھ 1141ء 1198 بکرمی میں اس نے اپنی حکومت دہلی اپنے نواسے پرتھوی راج چوہان کے سپرد کر دی۔ کرنال سے سولہ کلومیٹر دور شمال میں تراوڑی یا ترائن کے میدان میں ہونے والی ترائن کی دوسری لڑائی 588ھ 1192ء 1248 بکرمی میں یہ پرتھوی راج چوہان اپنی شکست کے بعد میدان تراوڑی سے فرار ہوتے وقت سرسوتی کے مقام پر اپنی گرفتاری کے بعد شہاب الدین محمد غوری کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 595ھ 1198ء میں اس غوری نے دہلی کو بھی فتح کر لیا اور پھر کچھ عرصے بعد دمیاک (ضلع جہلم)۔ ضلع جہلم میں اپنے پڑاؤ کے دوران 1206ء میں شہاب الدین محمد غوری کو شہید کر دیا گیا۔ جس کے بعد اس کے وفادار غلام قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہو کر اپنے خاندان غلاماں حکومت کی بنیاد رکھی۔

اس کے علاوہ یہ جادو بنسی راجپوت قوم، باہن، بادلو، بھیکم پور عرف سینی کوٹ، گولن، دیوگڑھ، بروٹ، کروڑ، قنوت اور سیتلو وغیرہ کے قلعہ جات پر بھی قابض رہی ان میں سے بیشتر قلعہ جات جادو بنسی قوم کے بنوائے ہوئے تھے اس کے علاوہ شورکوٹ پوگل بدری ناتھ سانگلا لودروا بھٹیاں دہات اور پنڈی وغیرہ کی ریاستوں پر بھی کافی حد تک اس جادو بنسی قبیلے کا عمل دخل رہا اس جادو قوم کی ایک شاخ کسی زمانے میں دکن کی جانب چلی گئی تھی جہاں اس نے ''دولت آباد'' کو اپنی راجدھانی بنایا تھا۔ اس خاندان کی دوسری شاخ کسی زمانے میں میسور کی جانب چلی گئی۔

دکن جانے والی شاخ شروع میں دکن کے اندر ''چلوکیہ'' خاندان کے ماتحت رہی جو بعد میں خود مختیار بنی۔ یہ جادو بنسی خاندان ایک عرصے تک دکن میں حکمراں کی حیثیت سے رہا۔لیکن علاؤالدین خلجی کے مشہور جرنیل ملک کافور نے706ھ1307ء1363 بکرمی میں ان کے ملک پر چڑھائی کی جس کے نتیجے میں اپنی شکست کے بعد دیوگری (دولت آباد) کے راجہ رام چندر نے علاؤالدین کی اطاعت قبول کرلی۔

☆☆

''کرشن جی''

متھرا کے حاکم راجہ ست دان کی نویں پشت میں ''اگرسین'' پیدا ہوا جس نے (جادو بنسی راجپوت) کرشن جی کے دادا شور کو قتل کر ڈالا اور متھرا کی حکومت پر قابض ہو بیٹھا۔''شور'' کے بیٹے ''واسدیو'' کی پرورش ''اگرسین'' کے بھائی دیوک نے کی تھی۔ کچھ عرصے بعد اگرسین نے اپنی مقبوضہ حکومت جب اپنے بیٹے ''کنس'' کے سپرد کی تو اپنے بھائی دیوک کی منت وسماجت پر اگرسین نے اپنی بیٹی ''دیوکی'' کی شادی بھی واسدیو (کرشن جی کے والد) سے کردی راجہ کنس اپنے بہنوئی واسدیو کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا چونکہ واسدیو راج وگدی کا اصل حقدار تھا۔واسدیو کا خاتمہ کرنے سے راجہ کنس کو اس کے چچا دیوک نے باز رکھا۔بہن کی رخصتی کے وقت راجہ کنس کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی بہن ''دیوکی'' کے بطن سے ہونے والی اولاد میں سے کوئی ایک اسے قتل کرنے کے بعد متھرا کی حکومت حاصل کرے گا۔جس کے بعد اس نے اپنی بہن دیوکی کے قتل کا منصوبہ بنایا جو دیوک کی منت وسماجت کی بناء پر پورا نہ ہو پایا بالآخر راجہ کنس نے نیا طریقہ یہ اپنایا کہ وہ اپنی بہن دیوکی کے بطن سے پیدا ہونے والے ہر بچے کو مروانے لگا اور پھر اس طرح راجہ کنس نے اپنی بہن کے نومولود چھ بچوں کو موت کے گھاٹ اتروادیا ''دیوکی'' نے اپنے ساتویں حمل کے ضائع ہونے کی افواہ پھیلا کر اپنے نومولود ''بلرام'' کو اپنے شوہر واسدیو کی دوسری بیوی ''روہنی'' کے پاس بھجوادیا جو ''گوکل'' میں رہتی تھی۔

آٹھویں حمل کے دوران ایک دن دیوکی جمنا پر نہانے کے لئے گئی جہاں پر اس کی ملاقات ''یسودھا'' نامی ایک حاملہ عورت سے ہوئی جس نے اس سے اس کی اداسی کی وجہ دریافت کی جس پر دیوکی نے اپنے بھائی کے مظالم کی داستان اسے رورو کر سنائی دکھ بھری داستان سننے کے بعد یسودھا بچے کی تبدیلی پر رضامند ہوئی اس آٹھویں حمل میں سری کرشن جی پیدا ہوئے جس کو راتوں رات یسودھا کے پاس پہنچایا گیا اور وہاں سے کرشن جی کے بدلے یسودھا کی نومولود لڑکی کو لایا گیا۔ جس کو صبح سویرے راجہ کنس نے قتل کرادیا۔

یہ کرشن جی جب بارہ برس کے ہوئے تو انہوں نے متھرا میں آکر اپنے حقیقی ماموں راجہ کنس کو قتل کردیا اور متھرا کی حکومت مقتول کے باپ یعنی اپنے نانا اگرسین کے سپرد کردی۔ ظالم راجہ سے نجات پانے کے بعد متھرا کی تمام رعایا کرشن جی کی طرفدار بن گئی راجہ کنس کے قتل کی خبر ہندوستان میں آگ کی طرح پھیلتی ہوئی جب اس کے سسر راجہ جراسندھ (والئی مگدھ) تک پہنچی تو وہ جوش انتقام میں اپنے آپے سے باہر ہوگیا اور اپنے داماد راجہ کنس کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے متھرا پر مسلسل اٹھارہ حملے کیئے گئے۔ راجہ جراسندھ کا آخری حملہ اتنا زوردار تھا کہ جس سے دل برداشتہ ہوکر اٹھارہ ہزار جادوبنسی راجپوت متھرا کو خیرباد کہہ کر ''دوارکا'' کی جانب چلے گئے اور پھر کچھ عرصے بعد یہاں سے نکل کر یہ لوگ مختلف مقامات پر آباد ہونے کے بعد وہاں پر حکومت کرنے لگے۔

کرشن جی کی پیدائش سے پہلے راجہ شانتو کے راجہ وچتر ویرج پیدا ہوا اس ''راجہ وچتر ویرج'' کے اپنے ہی خاندان کے دو متبنیٰ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا ''پانڈو'' اور دوسرے بھائی کا نام ''دھرت راشٹر'' تھا (جو کہ نابینا تھا۔)

''دھرت راشٹر'' کے ''دریودھن'' پیدا ہوا۔'' (جس کی اولاد، کورو کہلائی'' پانڈو'' کے پانچ بیٹے یہ

ہشتر بھیم ارجن نکل اور سہد یو پیدا ہوئے (جو پانڈو کہلائے) ان پانڈوؤں کی ماں کا نام ''مادھوری'' تھا۔

پانڈو اپنے درج بالا پانچوں بیٹوں کو نابالغ چھوڑ کر مر گیا تھا۔ اسی راجہ و چتر ویرج کے بعد دھرت راشٹر راج پاٹ کی گدی پر بیٹھا اس نے اپنے بیٹے دریودھن کے ساتھ ساتھ اپنے پانچوں بھتیجوں کو بھی مختلف علوم وفنون سے بہرہ مند کرایا جیسا کہ یدہشٹر نہایت ہی دلیر و ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ ''دھرم شاستر'' کے علوم میں اپنے باقی چاروں بھائیوں پر سبقت رکھتا تھا ''بھیم'' کشتی کے فن میں مہارت رکھتا تھا اور ''ارجن'' تیر اندازی میں اپنی مثال آپ تھا جبکہ ''نکل'' شہسواری میں اور ''سہد یو'' علم جوتش'' میں کمال حاصل رکھتا تھا۔ (ان پانڈووں کا چچازاد بھائی ''دریودھن'' بھی شہسواری میں ایک منفرد و نمایاں حیثیت رکھتا تھا (اور ان سب کے علم و ہنر کا استاد'' گروہ دروناچارج تھا۔)

جب ان لوگوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک عام مقابلے کے دوران ارجن کی اپنی تیر اندازی میں حدکمال مہارت اور اس کے باقی بھائیوں کے اپنے اپنے فن کمال کو دیکھ کر'' دریودھن'' کے دل میں ان کے خلاف حسد کی آگ بھڑکی اور اپنے پاس آنے والی سلطنت کی راہ میں ان پانڈووں کو ایک بڑا خطرہ جان کر اپنے ان چچازاد بھائیوں کو مارنے کی خاطر دریودھن نے ان کی رہائش کی خاطر ایک عمدہ مکان تعمیر کرایا جس کی دیواروں اور چھتوں پر رال اور گندھک کا پلستر کرایا گیا۔'' (مکان کے اس راز سے پانڈو باخبر ہو چکے تھے۔)''

اپنی پیری کے باعث جب دھرت راشٹر نے اپنی حکومت اپنے بھتیجے یدہشٹر کو دینا چاہی تو دریودھن نے مخالفت کرتے ہوئے اپنے باپ دھرت راشٹر کو بہکا کر ان پانڈووں کو جلاوطن کرادیا۔ بن باس پر جاتے وقت ان لوگوں نے اپنے چچازاد بھائی دریودھن کے بنوائے ہوئے مذکورہ گندھک کے مکان کو آگ لگائی اور پھر ہستناپور کو چھوڑ کر یہ لوگ'' کرورن وارٹ' یعنی الہ آباد میں جا بسے اور الہ آباد کے جنگلوں میں

برہمنوں کا بھیس بنائے ہوئے بے سروسامانی کی حالت میں یہ پانڈو لوگ اپنے بن باس کی زندگی گذارنے لگے۔

ان پانڈووں کی جلاوطنی کے دوران درو پدر راجہ پانچال نے اپنی خوبصورت ترین بیٹی کا ''سویمبر'' رچایا اور شرط یہ رکھی کہ جو شخص گھومتی مچھلی کی آنکھ کو اپنے تیر کا نشانہ بنائے گا ''درو پدی'' کی شادی اس سے کر دی جائے گی مقابلے کے روز پر خاص مصالحہ جات کی بنائی ہوئی مصنوعی مچھلی کو ایک بہت بڑے میدان میں لٹکایا گیا۔ جہاں مخصوص ساز کی دھن پر خاص طریقے سے ایک ہی رفتار پر اس مصنوعی مچھلی کو گھمایا جانے لگا۔ اس مقابلے میں دور دراز سے آئے ہوئے راجاؤں راجکماروں اور دیگر لوگوں نے باری باری قسمت آزمائی مگر ناکام رہے۔

اسی دوران وہاں پر موجود تماشائیوں میں سے ایک شخص برہمن کے روپ میں سامنے آیا۔ تماشائیوں پر خاموشی چھائی جس کے بعد اس شخص نے اپنی کمان سے تیر کو چھوڑا اپنے پورے نشانے پر تیر کے لگتے ہی ''درو پدی'' جو اپنے ہاتھ میں مالا لئے ہوئے پاس ہی کھڑی تھی۔ اس نے فوراً پھولوں کی مالا اس اجنبی شخص کے گلے میں ڈال دی۔ اس کے بعد تماشائیوں کے ہجوم سے واہ واہ کا شور بلند ہوا چند لوگ معترض ہوئے کہ: ''(یہ تو برہمن ہے اس کے ساتھ درو پدی کی شادی نہیں ہوسکتی ہے۔)'' اس پر برہمن کا بھیس دور کرتے ہوئے ارجن نے اپنا حسب و نسب بتایا اور درو پدی کو بیاہ کر اپنے گھر لے آیا اور درو پدی کو ایک طرف چھپا کر ارجن نے اپنی ماں سے کہا کہ: ''(میں آج ایک تحفہ لایا ہوں۔)'' ماں نے بغیر پوچھے اور بغیر دیکھے ارجن سے کہا کہ: ''(تم جو بھی لائے ہو وہ تم سب بھائیوں کا مشترکہ مال ہے)''۔ ماں کے اس حکم کے بعد ارجن کے باقی بھائیوں نے بھی درو پدی سے شادی کر لی۔

درو پدی کی اس شادی کے بعد دھرت راشٹر کی جانب سے ان پانڈووں کو ملا ہوا جلاوطنی کا حکم بھی تذبذب کا

شکار ہو کر دھرت راشٹر کے سامنے منتشر ہو کر رہ گیا۔ چونکہ اپنی بیٹی دروپدی کی شادی کے بعد دروپد راجہ پانچال بھی پانڈووں کا طرفدار بن گیا۔ جس نے پانڈووں کے حقوق کے لئے راجہ دھرت راشٹر پر دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں دھرت راشٹر نے ناانصافی سے کام لیتے ہوئے راج پاٹ دینے کی بجائے ان پانڈووں کو جنگلات پر مشتمل ایک علاقہ دے دیا۔ پانڈووں نے صبر سے کام لیا اور غنیمت جان کر یہ ویران علاقہ حاصل کرلیا۔ اس علاقے کو پانے کے بعد یدہشٹر نے جنگلات کو صاف کرایا اور پھر یہاں پر شہر ''اندر پرست'' بسایا جو بعد میں ہندوستان کے اندر ''دہلی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

دروپدی سے شادی کے کچھ عرصے بعد ارجن نے دوارکا کے پاس پہاڑی پر ایک میلے میں کرشن جی کی بہن ''سوبھدار'' کو دیکھ لیا اور انجانے میں اس پر دل وجان سے عاشق ہوگیا۔ جب کرشن جی کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی بہن سوبھدار کی شادی ارجن سے کرادی۔

ادھر برار کے ''راجہ بھیشمک'' کی لڑکی رکمنی کی خوبصورتی کی شہرت سُن کر کرشن جی اُس سے شادی کے خواہاں ہوئے۔ ''رکمنی'' کرشن جی کی کے پھوپھی زاد بھائی اور یدہشٹر کے خالہ زاد بھائی ششٹ پال کی منگیتر تھی۔ یہ ششٹ پال راجہ جراسندھ (والئی مگدھ) کا سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کا سالا بھی تھا۔ رکمنی کے باپ نے راجہ جراسندھ کے خوف سے اپنی بیٹی رکمنی کی منگنی ششٹ پال سے کردی تھی۔ جبکہ رکمنی اپنے کرشن جی کی محبت میں گرفتار تھی۔ جس کے باعث یہ رکمنی اپنے کیئے ہوئے قول واقرار کے مطابق اپنے طے شدہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر برار کے اس مقام پر پہنچی جہاں اپنے ساتھیوں سمیت کرشن جی پہلے ہی سے اس رکمنی کے منتظر تھے رکمنی کو اپنے ساتھ لاکر کرشن جی نے اس سے شادی کرلی۔ جس پر رکمنی کے منگیتر ششٹ پال کو دلی صدمہ پہنچا۔

''اندر پرست'' بسانے کے بعد یدہشٹر نے آس پاس کے علاقے فتح کیئے اور اس اندر پرست کو

اپنی راجدھانی بنا کر یہاں کا راجہ بن گیا۔ جس کے بعد اس نے راجسو یگ کرنے کے سلسلے میں اپنے ماموں زاد بھائی کرشن جی عرف 'کنہیا اوتار) سے مشورہ کیا۔ کرشن جی نے اسے یہ صلاح دی کہ:

(راجسو یگ کرنے سے پہلے چھیاسی راجاؤں کو شکست دینے کے بعد اپنا غلام بنانے والے راجہ جراسندھ کو مارنا ہوگا۔)

یہ سن کر یدھشٹر خوفزدہ ہوگیا۔ مگر اس کے چاروں بھائیوں نے کہا کہ ہم تیار ہیں اس پر ارجن اور بھیم کو کرشن جی اپنے ساتھ لے کر راجہ جراسندھ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ: 'تو ظالم راجہ ہے اپنے مظالم سے باز آ اور اپنے قیدی بنائے ہوئے چھیاسی راجاؤں کو آزاد کر ورنہ ہم سے لڑائی کر۔)''

اس پر راجہ جراسندھ کی بھیم سے کشتی ٹھہری چودہ روز تک یہ کشتی ہوتی رہی بالآخر پندرھویں دن (متھر اپر متواتر اٹھارہ حملے کرنے والا۔) یہ راجہ جراسندھ بھیم کے ہاتھوں مارا گیا۔ قیدی سارے آزاد کردیئے گئے اور ان سب سے راجسو یگ میں آنے کا وعدہ لے کر جراسندھ کے بیٹے سہدیو کو تخت پر بٹھا کر کرشن جی واپس ہوئے۔ اندر پرست (دہلی) میں آکر مذکورہ فتح کی خوشی منائی گئی راجسو یگ ٹھیرایا جس میں بھیشم نے یہ تحریک پیش کی کہ کرشن جی کو پردھان (صدر جلسہ) بنایا جائے مگر شش پال (جس کی منگیتر سے کرشن جی نے شادی کرلی تھی۔) نے اس تجویز کی مخالفت کی اس پر تکرار اتنی بڑھی کہ نوبت لڑائی تک پہنچی جس میں کرشن جی نے بھری سبھا میں شش پال کو مغلوب کرنے کے بعد اسے قتل کردیا۔ اسطرح مذکورہ جھگڑا اختتام پذیر ہوا۔

مذکورہ کامیابیوں کو دیکھ کر اپنے چچازاد بھائیوں کے خلاف دریودھن کے دل میں حسد کی آگ پہلے سے بھی زیادہ بھڑکی اور ان لوگوں کو اپنے راج پاٹ کے راستے سے ہٹانے کی فکر میں نئی چال چلتے ہوئے ایک دن ہنسی مذاق میں دریودھن نے یدھشٹر کو اپنے ساتھ جوا کھیلنے پر آمادہ کرلیا۔ اس جوئے میں یدھشٹر نے نہ

صرف اپنا راج پاٹ ہارا بلکہ یہ اپنی رانی درو پدی کی بازی بھی ہار گیا اس خبر کو سن کر درو پدی گھبرائی اور دریودھن کے پاس جانے سے انکار کیا مگر دوشاشن نامی ایک شخص درو پدی کو اس کے سر کے بالوں سے پکڑ کر محفل میں کھینچ لایا۔ اس بات پر جب تکرار بڑھنے لگی تو دھرت راشٹر نے آ کر یہ فیصلہ کیا کہ:

''(پانڈو (یعنی پانچوں بھائی) بارہ برس کے لئے (جلاوطن) بن بانس پر چلے جائیں بارہ برس پورے ہونے کے بعد ایک سال تک چھپے رہیں اگر اس آخری ایک سال میں دریودھن ان کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوا تو بارہ برس کے لئے ان پانڈووں کو دوبارہ جلاوطن رہنا ہوگا اور اگر تیرھویں سال میں دریودھن ان کا پتہ نہ لگا سکا تو تیرہ برس پورے ہونے کے بعد انہیں ان کا راج پاٹ دیدیا جائیگا۔'')

(مذکورہ فیصلے کے بعد مجبوراً پانڈو دوبارہ بن بانس پر چلے گئے)

ان پانڈووں کے بن بانس پر جانے کے بعد کرشن جی کو کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جیسا کہ ایک لڑائی آسام کے راجہ نرگ سے ہوئی جو خوبصورت عورتوں کو زبردستی اپنے محل میں بلایا کرتا تھا۔ کرشن جی نے راجہ نرگ کو مار کر سولہ ہزار عورتوں کو اس کی قید سے آزاد کرایا۔

اس کے بعد کرناٹک کے راجہ انرودھ بان سے لڑائی ہوئی۔ کرشن جی کا پوتا انرودھ بان کی لڑکی اوشا پر عاشق ہو کر اس کے محل میں داخل ہو گیا تھا جس کے بعد انرودھ نے اوشا اور کرشن جی کے پوتے کو اپنی قید میں لے لیا تھا۔ انرودھ بان کو شکست دینے کے بعد کرشن جی اپنے پوتے کو چھڑا لائے تھے۔

پانڈووں نے اپنے بن بانس کے بارہ برس مختلف جنگلات میں گزارے اور پھر تیرھویں برس میں لوگوں نے راجہ وراٹ کے پاس آ کر نوکری کر لی۔ دریودھن ان کا پتہ لگانے میں ناکام رہا۔ اپنے تیرہ برس کے بن بانس کی میعاد پوری ہونے کے بعد ان پانڈووں نے واپس آ کر دریودھن سے اپنا راج پاٹ مانگا۔ مگر دریودھن نے صاف انکار کر دیا۔ اس بات پر دونوں فریقین میں لڑائی کے امکانات بڑھنے لگے۔ آریہ ورت کے تمام راجہ

ومہاراجہ کوئی کوروکی طرف اورکوئی پانڈ ووں طرف اس لڑائی کے لئے شامل ہونے لگے۔کرشن جی کو بھی بلایا گیا۔کرشن جی نے کہا کہ:

''(ایک طرف میں خودہوں اوردوسری طرف میری فوج اور میرا سامان جنگ ہے اے ارجن جو چیز تجھے پسند آئے وہ لے لے۔)''

اس پرارجن نے کرشن جی کو چن لیا۔فوج اور سامان جنگ لے کردریودھن بھی خوش ہوگیا۔

پانڈولڑائی کرنانہیں چاہتے تھے چونکہ دونوں طرف اپنے ہی عزیز واقارب تھے۔مگرکرشن جی نے حق وانصاف کے حصول کی خاطرنہایت ہی حکیمانہ انداز میں نصیحتیں فرماکر پانڈووں کواپنے حق کے لئے اس لڑائی پرآمادہ کرلیا۔اس موقع پر یہ جادوبنسی راجپوت دوحصوں میں تقسیم ہوگئے۔

گیارہ سوسال قبل ازمسیح کوروچھتر کے میدان میں اٹھارہ دن تک ہونے والی مشہور عالم اس خون ریز جنگ ''مہابھارت'' اوراس سے متعلق کرشن جی کی نصیحتوں کی تفصیل ہندووں کی مذہبی کتاب۔'' بھگوت گیتا''میں پائی جاتی ہے۔

کورو اور پانڈووں کے درمیان ہونے والی آپس کی اس مشہور زمانہ''جنگ مہابھارت''میں دونوں طرف کے لوگ گاجرمولی کی طرح کاٹے گئے۔جادوبنسی راجپوتوں کا اس جنگ میں ناقابل تلافی نقصان ہوا۔اس لڑائی میں بھتیجے نے چچا کا اور بھائی نے بھائی کا گلا کاٹنے سے کوئی بھی دریغ نہیں کیا۔اس جنگ میں بے شمارلوگ مارے گئے باقی جوزندہ بچے وہ اپنے پیارے عزیز واقارب کی اپنے ہاتھوں موت کے بعد اپنی زندگی سے بیزار ہوکر اپنی موت کو پکارنے لگے۔ان لوگوں کے چاروں طرف اداسی بے چینی بے قراری اور پچھتاوے کے بادل منڈلاتے رہے۔آہوں آنسوؤں اورآہ وزاریوں نے ان کے گھروں میں اپنے مستقل ڈیرے ڈال لئے اورخوشیاں ان سے روٹھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئیں۔اپنے پیارے

شاگردوں سے لڑنے والا (گرودروناچارج) بھیشم کرن اور دریودھن وغیرہ سب مارے گئے۔

یدھشٹر (پانڈووں) کو اپنی اس فتح کے بعد مایوسی اور پچھتاوے کو سوا اور کچھ بھی نہ ملا جس کی بناء پر اس یدھشٹر نے اپنے پوتے ''پرتچھت'' کو اپنی گدی پر بٹھانے کے بعد اپنے تمام بھائیوں اور اپنی رانی درو پدی کے ہمراہ تارک الدنیا ہوتے ہوئے کوہ ہمالیہ کی برف میں جا کر خود کو فنا کرلیا۔

غرض یہ کہ مذکورہ ''(جنگ مہابھارت)'' کی پردرد والمناک حقیقت اپنے گنگناتے گیت گاتے مسکراتے اور ہنستے ہوئے پیاروں کے خون میں بھیگی ہوئی سرخ و پچھتاوے کی انوکھی چادر میں شرم وحیا کی ماری خود کو لپیٹے ہوئے یہ عجیب ودلخراش کہانی کے روپ میں ماتمی صورت بنائے ہوئے منہ ماتھا پیٹتی سسکتی اور درس عبرت دیتی ہوئی انا کے ٹوٹے ڈھول کی آواز اور یاسیت کے ساز کی صداؤں کی گونج کے درمیان اشک ندامت بہاتے ہوئے تاریخی اوراق پر سمٹ کررہ گئی۔ کرشن جی بھی اس لڑائی ''مہابھارت'' کے بعد اپنی راجدھانی دوارکا کو واپس چلے گئے اور چھتیس سال تک زندہ رہنے کے باوجود بھی وہ کبھی دہلی واپس نہ آئے۔ کرشن جی کے زمانے میں جادو بنسی خاندان اپنی شجاعت وعظمت کی بناء پر آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔

کرشن جی رام چندر سے بھی بڑے اوتار مانے جاتے ہیں۔ رام چندر میں نوکلاں یعنی (نو طاقتیں تھیں) جبکہ کرشن جی میں چودہ کلاں تھیں اپنی وفات کے بعد کرشن جی وشنوجی کے اوتاروں میں شمار ہوئے۔ ہندو مذہب میں وحدانیت کی بنیاد کرشن جی نے قائم کی۔ کرشن جی کے چیلے اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ رسم ستی اور دختر کشی کو کرشن جی نے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ جادو قوم کے راجاؤں نے خدا پرستی کا جو ذکر تحریر کیا ہے ان سب میں جادو راجپوت قوم کے خیالات نہایت پاکیزہ پائے جاتے ہیں جنھوں نے کبھی مورتیوں کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ ہی ان کے مندر بنائے اور نہ ہی کبھی چاند و سورج کی پرستش کی۔ البتہ ہندوؤں میں

تیسری مورتی کی پرستش کرشن جی کے عہد میں شروع ہوئی۔اور کرشن کی پرستش قبل از مسیح گیارہویں صدی کے وسط میں متھرا کے مقام پر جاری ہوئی کرشن جی کی پرستش سات صورتوں میں ہوتی ہے۔

''(برج: متھرا کو نقطہ مرکز فرض کر کے ایک سو اٹھائیس کلو میٹر کی دوری پر دائرہ کھینچنے سے جو سطح قائم ہوتی ہے اس کو ''برج'' کہتے ہیں)''۔ گوبردھن برج میں جس پہاڑ پر کرشن جی نے پہلے پہل اپنی کرامتوں کا اظہار کیا تھا وہاں پر ہر سال میلہ لگتا ہے میلے کے وقت علاقہ برج کی تمام گائیں وہاں پر جمع ہوتی ہیں جن کے دودھ سے آج بھی اس مقدس پہاڑ کو دھویا جاتا ہے۔

کرشن جی کے عالی شان مندر، ناتھ دوارا، اودلے پور اور کل برج میں واقع ہیں کرشن جی کے بہت سے خطاب ہیں جیسا کہ جادو ناتھ، ہری، شام، متھرا پتی، کنہیا اور مادھوجی وغیرہ وغیرہ۔

گیارہ سو سال قبل از مسیح پیدا ہونے والے کرشن جی ایک طویل عمر پا کر وفات پا گئے ان کی وفات سے متعلق بھگوت گیتا میں یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ: ('' کرشن جی ہمیشہ جنگل میں عبادت کیا کرتے تھے ایک دن نیم ۔(مراقبے) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بھیل نے ہرن خیال کر کے ان کے تیر مارا۔ جس سے یہ ذخمی ہو گئے۔ بھیل نے اپنے اس قصور کی معافی مانگتے ہوئے کہا کہ: ''(میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔)'' اس پر کرشن جی نے اسے معاف کرتے ہوئے کہا کہ'' (جب میں پچھلے جنم میں ''رام'' تھا تو میرے ہاتھوں یہ بھیل مارا گیا تھا۔ آج یہ اسی کا بدلہ ہے۔)''

''(یاد رہے کہ گیارہ سو سال قبل از مسیح پیدا ہونے والے کرشن جی سے بہت پہلے رام پیدا ہوا تھا۔)''۔

''(رامائن مہابھارت) جس میں رام کی داستان بیان کی گئی ہے یہ کتاب آٹھ یا نو سو سال قبل از مسیح لکھی گئی تھی مگر بعض کہتے ہیں کہ ''رامائن'' کی کہانی پانچ سو سال سے لے کر ایک ہزار سال کے درمیان قبل از

مسیح تصنیف ہوئی۔ جس کے مصنف ''ویاس جی'' تھے جو کہ ہری بنس راجاؤں میں ''راجہ شانتو'' کی نسل میں سے تھے۔)''

اس کے علاوہ ''مہابھارت'' ہندوؤں کی قدیم ومقدس کتاب ہے۔ جس میں سے نہایت اہم وچیدہ چیدہ اذکار کو چن کر ''بالمک رشی'' نے کتاب ''(بھگوت گیتا)'' مرتب کی اور پھر اسے کتاب (مہابھارت) کے آخری حصے میں شامل کر دیا۔

یہ ''بھگوت گیتا'' ہندوؤں کی مذہبی ومقدس کتاب ہے۔ جس میں (مہابھارت) کی جنگ اور اس سے متعلق حقوق وانصاف کے حصول کی خاطر کی جانے والی کرشن جی کی نصیحتیں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

''(یادر ہے ہندوستان کے علاقۂ میوات کے راجپوت خانزادے مذکورہ کرشن جی کی نسل میں سے ہیں)''۔
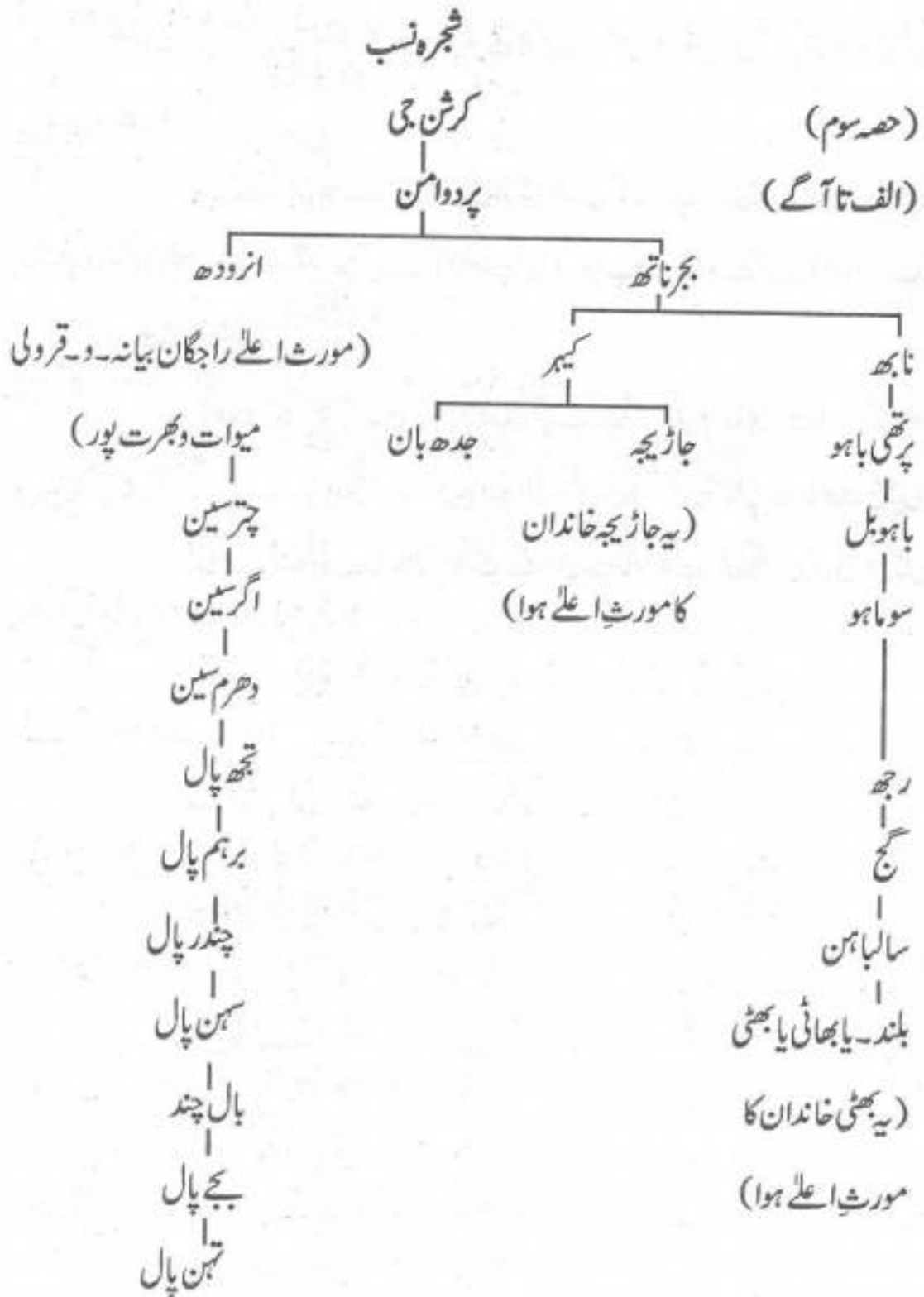
''(راجہ تہن پال کی چھٹی پشت میں (سانپر پال) بہادر ناہر خان پیدا ہوا)''

☆☆

''خاندان خلجی''

خلجی قبیلہ کافی قدیم ہے۔اس قبیلے کے سردار ترک نسل سے تعلق رکھنے کے دعویدار تھے۔جبکہ عوام ان کو افغان یا پٹھان تصور کرتے تھے۔

☆ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی نے بھی انہیں افغان ہی قرار دیا ہے۔

☆ مشہور مورخ۔محمد قاسم ''فرشتہ'' کا۔ان کے خلجی کہلائے جانے کی نسبت یہ نظریہ ہے کہ:۔''ترک سردار ابن یافث کے گیارہ بیٹے ہوئے جن میں سے ایک کا نام ''خلج'' تھا جس کی اولاد خلجی کہلائی''

☆ دیگر تاریخوں سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ (خلجی افغان قبیلے 'غلزئی'' کا بگڑا ہوا نام ہے۔یہ قبیلہ آج بھی کابل۔اور غزنی کے درمیان ایک بڑی تعداد میں آباد ہے)

☆ علاوہ ازیں۔ترکستان میں۔''خلج'' نامی ایک شہر بھی موجود ہے۔ممکن ہے کہ:۔ترک سردار اور سلطان جلال الدین فیروز اور اس کے اہل قبیلہ اس شہر کی مناسبت سے خلجی کہلائے ہوں۔ویسے اس قبیلے کا ذکر سبکتگین بادشاہ اور سلطان محمود کی تاریخوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ خلجی قبیلہ۔چنگیز خان کے عروج سے پہلے ہی موجود تھا۔

☆ موجودہ محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ''خلجی ترکی نسل سے ہیں کسی وجہ سے یہ لوگ افغانستان میں آکر آباد ہوئے۔اور یہاں انہوں نے پٹھان عورتوں سے شادیاں کرلیں اس کے بعد ان لوگوں کے خون میں اس قدر آمیزش ہوئی کہ یہ لوگ ہندوستان میں آکر۔افغان کہلانے لگے''۔

☆ سلطان بلبن کے دور میں خالص ترکی امراء ان خلجیوں کو غیر مہذب اور مخلوط نسل کے لوگوں میں شمار کرتے

تھے اوران لوگوں سے رشتے ناطے کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ بلبن کی وفات کے بعدان خلجیوں کا اقتدار بڑھنے لگا۔

ان خلجیوں کے اقتدار سے متعلق قدیم مورخین تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆بلبن بادشاہ کے پوتے سلطان کیقباد کے زمانے میں اس کے ایک ضلع کا نائب ''جلال الدین فیروز خلجی'' تھا۔ چند مخبروں کی شکایات پر سلطان کیقباد نے اس فیروز خلجی سردار کو جواب طلبی کے لئے دربار دہلی میں طلب کیا۔ جب اس خلجی سردار کو پولیس کی تحویل میں کیتھل کے بازار سے لے جایا جارہا تھا۔ ''اس وقت وہاں پر کھڑے ہوئے ایک مجذوب نے قہقہہ مار کر کہا''۔

☆''(واہ ری قسمت تیرے کیا کہنے تو بادشاہی کے لئے فیروز کو گرفتار کر کے لے جارہی ہے۔)''

☆''اس مجذوب کی یہ پیشگوئی بہت جلد سچ ثابت ہوئی''۔ کہتے ہیں کہ دربار شاہی میں فیروز خلجی پر کوئی الزام ثابت نہ ہوسکا جس کے بعد اس کے مخالفین تمام مخبر عتاب شاہی کا شکار ہوئے اور فیروز خلجی کو بادشاہ کا التفات نصیب ہوا۔ اور پھر جلد ہی اسے سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ جلال الدین فیروز خلجی نے ''خاندان غلاماں'' کے اس آخری بادشاہ کیقباد کو قتل کر دیا اور پھر اس نے 689ھ 13، جون 1290ء میں دہلی کی بجائے کیلو گھڑھی کے مقام پر تخت نشین ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت فیروز کی عمر ستر برس تھی۔ بعض امراء نے فتنہ وفساد پیدا کرنے کی غرض سے سلطان کیقباد کے بیٹے کیومرث کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس فسادکی جڑ ختم کرنے کی غرض سے فیروز خلجی نے اپنے محسن آقا کیقباد کے اس شیر خوار بچے ''شمس الدین کیومرث'' کو بھی قتل کرا دیا۔

☆1206ء میں سلطنت دہلی پر تخت نشین ہو کر خاندان غلاماں حکومت کی بنیاد رکھنے والا یہ قطب الدین ایبک

607ھ 1210ء میں وفات پا گیا۔ جس کے بعد آرام شاہ 1210ء تا 1211ء) شمس الدین التمش (1211ء تا 1236ء)۔ رکن الدین فیروز 1236ء (صرف سات ماہ) سلطانہ رضیہ بیگم (1236ء تا 1240ء)۔ معزالدین بہرام شاہ (1240ء تا 1241ء۔) علاؤالدین مسعود (1241ء تا 1246ء)۔ ناصرالدین (1246ء تا 1266ء۔) غیاث الدین بلبن (1266ء تا 1286ء)۔ کے ہاتھوں سے گذرتے ہوئے سلطان کیقباد کے قتل پر اس خاندان غلاماں حکومت کا دور 1290ء میں اختتام کو پہنچا۔

خاندان غلاماں حکومت کے خاتمے پر اپنی تخت نشینی کے بعد فیروز کے اندر ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے ذہن میں اپنے آقا کے خاندان کو ختم کرنے کا احساس شدت سے طاری تھا جو مرتے دم تک اس پر حاوی رہا۔ وہ ہمیشہ خوفزدہ سا نظر آتا تھا۔ اس کے ضمیر نے اپنے آپ کو کبھی بھی اس تاج و تخت کا اہل نہیں جانا۔ دہلی میں داخل ہونے کے بعد یہ "کوشک لعل" میں اس مقام کے قریب پہنچا۔ جہاں بلبن بادشاہ اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا تو یہ مراتب شاہی کے خلاف اپنے گھوڑے سے اتر کر پیدل دروازے میں داخل ہوا۔ اس پر "احمد چپ" نامی سردار نے اعتراض کرتے ہوئے کہا

"یہ شانِ بادشاہی کے خلاف ہے"

اس پر جلال الدین نے جواب دیا (بادشاہی ایک فریب ہے)

تاریخوں میں اکثر یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ:۔ جب یہ پہلے دن بلبن کے تخت پر بیٹھا تو اس نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور روتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں اس طرح گویا ہوا:۔

(اے پروردگار:۔ میری زبان کس طرح تیرا شکر ادا کرے کہ تو نے مجھے اس تخت پر جگہ دی جس کے سامنے میں ساری عمر سر جھکاتا رہا۔

اے پروردگار:۔ آج میں تیرے دیئے ہوئے اُس تخت پر بیٹھ رہا ہوں جس کے سامنے مجھ سے بہتر امراء
میرے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔

اے پروردگار:۔ میں تمام عمر بھی تیرے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرنا چاہوں بھی تو نہ کرسکوں گا۔)

مذکورہ سلسلے میں ''تاریخ فیروز شاہی'' ص180 اور ''تاریخ فرشتہ'' جلد اوّل ص 192 کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور ص161 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(یہ پیادہ پا بلبن کے محل میں گھوما اور جب یہ دربار خاص میں آیا تو اس نے بلبن کے تخت کے سامنے ایسے ہی سلامی دی جیسے وہ اپنی ملازمت کے زمانے میں دیا کرتا تھا۔ پھر وہ اس جگہ جا رکا۔ جو دربار خاص کے وقت اس کے کھڑے ہونے کے لئے کبھی مخصوص تھی۔ وہیں اس نے ایک چوکی منگوائی اور اس کو تخت بنا کر اس پر بیٹھا)۔☆

اودھ کا گورنر اور بلبن خاندان کے ترک امراء بلبن کے بھتیجے عبداللہ عرف (ملک چھجو) کے گرد جمع ہوگئے۔ جس نے 690ھ 1291ء 1347 بکرمی میں فیروز خلجی کے خلاف بغاوت کردی لیکن فیروز خلجی کے بیٹے ارکلی خان نے بدایوں کے قریب ملک چھجو کو شکست دینے کے بعد گرفتار کرلیا اور پھر اسے دربار شاہی میں پیش کیا گیا تو فیروز بادشاہ نے ملک چھجو کی جاگیر ضبط کر کے اسے معاف کردیا اور کڑہ (الہ آباد) کی صوبے داری اور ضبط شدہ جاگیر فیروز بادشاہ نے اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کے سپرد کردی جس کو اس نے بیٹوں کی طرح پالا تھا اور اس کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دی ہوئی تھی۔

695ھ، 1296ء، 1352 بکرمی میں اپنے سسر و چچا جلال الدین فیروز کی اجازت کے بغیر علاؤالدین خلجی نے دیوگری (دولت آباد) پر حملہ کیا اور یہاں کی فتح پر اسے رلیچ پور کے علاقے کا مالیہ سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدے کے ساتھ ساتھ ایک سو من سونا ایک ہزار من چاندی سات من موتی دو من

جواہرات ساٹھ ہاتھی اور ایک سو اونٹ مال غنیمت میں ہاتھ لگے اس فتح کی خبر فیروز کو اس وقت ہوئی جب وہ گوالیار پر فوج کشی میں مصروف تھا۔ اس خبر پر "احمد چپ" نے سلطان کو مشورہ دیا کہ: "(فوج کو حکم دیا جائے کہ وہ چندیری کی جانب کوچ کرے تا کہ علاؤالدین وہاں پہنچتے ہی مال غنیمت پیش کرے ورنہ وہ کڑہ (الہ آباد) پہنچ کر باغی ہو جائے گا چونکہ۔ ملک چھجو کے حامیوں نے اس کے دل میں خود مختاری کا خیال بٹھا یا دیا ہے۔)

سلطان نے مذکورہ مشورے کو مسترد کرتے ہوئے "تاج الدین کوچی" کی رائے سے اتفاق کیا اور دہلی پہنچ کر اپنے داماد کا انتظار کرنے لگا۔ علاؤالدین نے کڑہ پہنچ کر اپنے چچا فیروز کو اپنی میٹھی چال کے تحت ایک خط لکھا کہ: (میں بلا اجازت دیوگری چلا گیا۔ وہاں زیادہ وقت صرف ہو گیا اس لئے میں عتاب شاہی سے خائف ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں)۔ اس کے ساتھ ہی علاؤالدین نے کشتیوں کا انتظام شروع کر دیا۔ تا کہ بادشاہ برہم ہو کر اس پر حملہ آور ہو اور یہ مغلوب ہو جائے تو یہ بذریعہ کشتی بنگال کی جانب فرار ہو سکے۔

دربار شاہی میں موجود علاؤالدین کے بھائی الماس الغ خان نے اس خط کے پہنچتے پر اپنے بھائی کے حق میں اس خط کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان کو سمجھایا کہ: "(علاؤالدین کی حسب خواہش سلطان کڑہ پہنچ کر اس سے ملے تا کہ اس کے دل سے خوف سلطانی دور ہو۔ بصورت دیگر وہ کہیں فرار ہو جائے گا یا خودکشی کرے گا۔) سلطان جلاالدین اس رائے کے تحت بذریعہ کشتی کڑہ کی جانب روانہ ہوا اور سلطان کے ایک ہزار سوار خشکی کے راستے کڑہ پہنچے وقت ملاقات سلطان جب اپنے بھتیجے سے بغلگیر ہوا تو علاؤالدین کا اشارہ پاتے ہی اس منظم سازش میں ملوث اس کے چند آدمی سلطان فیروز پر حملہ آور ہوئے۔ سلطان نے بھاگنے کی کوشش کی مگر حملہ آوروں نے بھاگتے ہوئے سلطان کا سر تن سے جدا کر دیا اور پھر اس سلطان کے سر کو

نیزہ پر چڑھا کر پورے کڑہ اور نانک پور میں گھمایا گیا۔

17 رمضان المبارک 695ھ، 1296ء میں اپنے چچا فیروز خلجی کو روزے کی حالت میں قتل کرانے کے بعد علاؤالدین خلجی سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اپنے عہد حکومت کے سات سالہ دور میں نہ ہی تو کسی کی املاک غصب کی اور نہ ہی کسی مسلمان کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا۔ یہ علم و ادب کا زبردست سرپرست تھا۔ اس کے دربار میں علماء فضلاء و شعراء ہمہ وقت موجود رہتے تھے شعراء میں ''میر حسن دہلوی'' اور علماء میں ''تاج الدین عراقی'' اور امیر خسرو نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

☆☆

''علاؤالدین خلجی''

695ھ 1296ء میں علاؤالدین خلجی اپنے چچا سلطان جلال الدین فیروز خلجی کو قتل کرانے کے بعد سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ یہ قرونِ وسطیٰ کا عظیم الشان بادشاہ ہو گذرا ہے اسے قدرت نے ذہین و عمدہ جرنیل عطا کیئے تھے۔ جن میں ظفر خان غازی ملک الغ خان نصرت خان اور الپ خان خاص طور قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اسے ملک کافور جیسا اعلیٰ جرنیل بھی ملا جس نے دکن میں فتوحات کی دھوم مچائی۔

علاؤالدین خلجی اولوالعزم فاتح اعلےٰ سپہ سالار اور بہترین منتظم تھا۔ اس کے ان پڑھ ہونے کے باوجود بھی اس کی سیاست فہم و فراست انتظام سلطنت اور غیر معمولی صلاحیتوں پر تمام غیر مسلم و مسلم مورخ متعجب ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ کوئی بھی مورخ اس کی صلاحیتوں کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

اس کی فتوحات میں ''قلعہ چتوڑ'' کی تسخیر اس کا نہایت ہی شاندار کارنامہ تسلیم کیا گیا ہے۔ چونکہ میواڑ کا یہ قلعہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ حملے کے دوران میواڑ کا حکمران رانا رتن سنگھ راجپوت لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور جب اس راجہ کی فوج کو اپنی کامیابی کی کوئی بھی صورت نظر نہ آئی تو ان راجپوت مردوں نے زندگی پر

موت کو ترجیح دی۔ اور پھر یہ لوگ تلواریں سونت کر سلطان کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور اپنی جان کی آخری بازی لگا دی۔ اور ان کی راجپوت عورتیں چتا میں بیٹھ کر جل مریں۔

سلطان علاؤالدین نے چتوڑ کی فتح کے بعد یہاں کی صوبے داری اپنے بیٹے خضر خان کے سپرد کردی بعد میں یہ میواڑ کی ریاست باجگذاری کی شرط پر راجہ رتن سنگھ کے بھانجے کو دی گئی۔

میواڑ کی تسخیر کے بارے میں بعض مورخین نے نہایت ہی غلط بیانی سے کام لیا اور خاص کر ہندو مورخین نے تو سلطان پر کیچڑ اچھالنے کی غرض سے "پدمنی" کے فرضی قصے میں رنگ آمیزی کر کے اسے خوب سے خوب تر بنا کر خوب اچھالا۔

(پدمنی کے اس مبالغہ آمیز و من گھڑت قصے کا متن اس طرح ہے۔)" (میواڑ کے راجہ رتن سنگھ کی بیوی "پدمنی" کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر علاؤالدین بادشاہ بذات خود میواڑ کے "قلعہ چتوڑ" پر حملہ آور ہوا۔ محاصرے کی طوالت سے تنگ آ کر رتن سنگھ راجپوت نے صلح کی درخواست پیش کی بادشاہ واپس جانے کے لئے اس شرط پر آمادہ ہوا کہ راجہ اپنی (پدمنی) کی ایک جھلک اسے آئینے میں دکھا دے بادشاہ جھلک دیکھتے ہی پدمنی پر دل و جان سے فریفتہ ہوا۔ اور اپنے کیے ہوئے قول و قرار سے منحرف ہو کر یہ راجہ کو گرفتار کر کے اپنے دربار دہلی میں لے آیا۔ جہاں وہ اس کے ذریعے پدمنی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اپنے شوہر کو بادشاہ کی قید سے نجات دلانے کی غرض سے پدمنی نے اپنی خوبصورت چال یہ چلی کہ اس نے اپنی سہیلیوں کے بہانے سینکڑوں ڈولیوں میں راجپوت سورماؤں کو بٹھایا اور بادشاہ سے ملاقات کی آڑ لئے دہلی دربار میں جا پہنچی۔ دربار میں پہنچتے ہی ڈولیوں میں سوار راجپوت تلواریں لئے باہر نکلے اور لڑتے بھڑتے۔ ہوئے بادشاہ کی قید سے اپنے راجہ کو چھڑا لائے (اس پر بادشاہ مشتعل ہو کر میواڑ پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔)

اس حملے میں راجہ رتن سنگھ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس پدمنی نے اپنی راجپوت سہیلیوں سمیت چتا میں بیٹھ کر جان دے دی۔ اس حملے میں علاؤالدین بادشاہ کو راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ ملا اور اس طرح علاؤالدی خلجی اپنی جیتی ہوئی بازی دل کے ہاتھوں ہار گیا)''

آئے نہ باز حسن پرستی سے ہم "امان "
لذت بھرے وہ زخم اب ناسور بن گئے

''امانؔ''

اس فرضی کہانی کی اصل حقیقت مختلف تاریخوں کے ذریعے اس طرح سامنے آتی ہے کہ: سلطان علاؤالدین خلجی کے کم وبیش سوا دو سال بعد شیر شاہ سوری کے زمانے میں ہندی وفارسی کے مشہور شاعر ''ملک محمد جالسی'' نے پدمنی کی اس داستان کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ ہندی زبان میں ''مثنوی پدماوت'' کے نام سے منظوم کیا اور اس مثنوی کے آخر میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس روحانی داستان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اس کے باوجود بھی مورخین نے اس کہانی کو اپنی تصنیفات میں حقیقت کا رنگ دیا۔

مذکورہ کہانی کی حقیقت اس طرح ہے کہ: ''(گجرات کے راجہ کرن کی سابق بیوی'' کملا دیوی'' سلطان علاؤالدین کی ملکہ تھی جو اپنی بیٹی'' دیول دیوی'' کے لئے بے چین رہتی تھی۔ جب دیوگری کی تسخیر کے لئے ملک کافور کو روانہ کیا گیا تو اسے سلطان نے دیول دیوی کو حاصل کرنے کی بھی تاکید کی تھی۔ چونکہ راجہ کرن اس وقت دیوگری میں پناہ گزیں تھا۔ دیوگری پر حملے کے ایک روز بعد دیول دیوی اپنے چند محافظوں کے ساتھ ایلورا کی غاروں میں سیر وتفریح کرتے ہوئے ہاتھ لگی۔ جس کو باعزت طریقے سے ملک کافور نے دہلی بھجوادیا'' دیول دیوی'' کے حسن وجمال اور اس کی اعلےٰ ذہنیت سے متاثر ہو کر ولیعہد خضر خان نے اپنے والد سے دیول دیوی کی شادی اپنے ساتھ کرنے کی درخواست کی۔ سلطان نے علماء سے فتویٰ لینے

کے بعد شہزادے کی شادی دیول دیوی سے کرادی۔ حضرت امیر خسرو نے دیول دیوی اور خضر خان خلجی کے حسن وعشق کی داستان ایک دلآویز مثنوی کی صورت میں منظوم کی۔

سلطان علاؤالدین خلجی کی شاندار فتوحات اور انتظام سلطنت کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ سلطان کی اس خامی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کبھی کبھار شیخ چلی کی طرح دن میں خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور بھرے دربار میں اکثر اپنے امراء کے سامنے اپنے دو منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ:

''(اگر میں چاہوں تو ایک نیا مذہب جاری کر کے اپنے چار یاروں الغ خان نصرت خان ظفر خان اور الپ خان کے ذریعے بزور شمشیر منوا بھی سکتا ہوں۔)''

اس کے علاوہ نہایت زور وشور سے اپنے دوسرے منصوبے کا ذکر وہ اس طرح کیا کرتا تھا کہ:۔

(سکندر اعظم کی طرح میں اپنی سلطنت کسی وزیر کے سپرد کر کے دنیا کی فتح کے لئے نکلنا چاہتا ہوں)۔

اس مذکورہ منصوبوں سے اس سلطان کی یاوہ گوئی اور بے دینی کے چرچے عام ہونے لگے اس کے باوجود بھی دربار میں کسی کو جرات نہ ہو پاتی تھی کہ وہ سلطان کے مذکورہ منصوبوں پر کوئی تبصرہ کرے۔

ایک روز دربار میں سلطان نے اپنے مذکورہ دونوں منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے علاؤالملک سے رائے مانگی۔ علاؤالملک نے خلوت میں اپنی رائے دینے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ محفل برخاست کی گئی اس کے بعد سلطان کے چار یاروں کی موجودگی میں سلطان سے علاؤالملک نے کہا:۔

☆ (جہاں پناہ۔ دین ومذہب کے معاملے میں آپ کی باتیں مناسب نہیں چونکہ مذہب کا معاملہ انبیائے کرام سے متعلق ہے اگر نیا مذہب جاری کیا گیا تو مسلمان اس کی اطاعت سے منحرف ہو کر بغاوت پر اتر آئیں گے۔ اور پھر یہ ملک ایک بہت بڑے فتنے کا شکار ہوگا۔)''

''(اس کے علاوہ عالم پناہ کا دوسرا منصوبہ'' (دنیا کی فتح کا ارادہ)'' بذات خود درست ہے مگر اس زمانے میں

ارسطوجیساوزیرکہاں ملے گا جوسلطان معظم کی غیر موجودگی میں سلطنت کو سنبھالے۔)''

اس لئے ان منصوبوں کو ترک کرتے ہوئے اگر جہاں پناہ: شکار و شراب نوشی بھی ترک کر دیں تو سلطنت کو وسیع کرنے کا موقع فراہم ہوگا اور اس کے کاموں میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ یہ سن کر سلطان سوچ میں پڑ گیا اور کچھ دیر بعد یوں مخاطب ہوا۔

علاؤالملک میں تیری قدر صرف اسی لئے کرتا ہوں کہ تو سچی اور کھری بات بلا خوف و خطر کہہ دیتا ہے آئیندہ مذہب کے معاملے میں تو میری زباں سے کوئی بھی بات نہ سنے گا۔ تو نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے میں آئندہ ایسا کچھ نہ کہوں گا۔

سلطان کا مخالف و بڑا سخت نقاد مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ ''فیروز شاہی'' میں سلطان علاؤالدین خلجی سے متعلق تحریر کرتا ہے کہ:

☆(سلطان علاؤالدین نے ہندوستانی عوام کی معیشت کی کایا پلٹ دی۔ اس نے وہ نظام رائج کیا۔ جس کی مثال پہلے کہیں نہیں ملتی۔)☆

سلطان نے 702ھ 1303ء میں دہلی کے نواحی باشندوں کو منگولوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ایک نئے قلعہ نما شہر ''سیری'' کی بنیاد رکھی۔

سلطان علاؤالدین خلجی مذہب تصوف اور شرع سے بالکل بے بہرہ تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کے دربار میں علماء و مشائخ کا اجتماع رہتا تھا جن میں حضرت نظام الدین اولیا (جن کا اصل نام محمد تھا۔) کو ممتاز درجہ حاصل تھا۔ حضرت نظام الدین اولیا کے حلقہ ارادت میں دو ولی حضرت امیر خسرو اور حضرت امیر حجزی تھے جو سلطان کے دربار کے مشہور شاعر تھے سلطان نے جن علماء و فضلا کی سرپرستی کی ''ضیاء الدین برنی'' نے ان کی تعداد چھیالیس بتائی ہے۔

(حضرت نظام الدین اولیا اور ان کے خلیفہ حضرت امیر خسرو یہ دونوں 725ھ 1325ء میں وفات پا گئے۔) ضیاء الدین برنی اپنی ''تاریخ فیروز شاہی'' صفحہ 317، پر رقمطراز ہیں کہ:

''(سرکاری عامل یا کسی کارکن میں اتنی جرات و ہمت اس سخت گیر بادشاہ نے نہ رہنے دی تھی کہ وہ کسی جگہ اغماض سے کام لیتا یا تساہل برتتا یا رشوت لے کر اپنا کام چلاتا۔ جو سرکاری ملازم رشوت لیتے ہوئے پکڑا جاتا وہ بازار میں سولی پاتا۔ اور اس کی نعش کئی کئی روز تک تماشہ بنی رہتی۔)''

بادشاہ نے دیگر مجرمان کی سزاؤں کے ساتھ ساتھ بددیانت تاجروں کی سزائیں مقرر کر کے اشیاء کی فراہمی و فروخت پر بھی مکمل کنٹرول کیا ہوا تھا۔ یہ فرضی گاہکوں کے ذریعے منڈی سے اشیاء منگاتا اور پھر انہیں اپنے سامنے تلوا کر ان کے نرخ کا جائزہ لیتا زیادہ نرخ وصول کرنے والے تاجروں کے لئے سب سے کم سزا یہ تھی کہ ان کے ناک کان کاٹ لئے جاتے تھے۔ اور کم تولنے والے تاجروں کے اجسام سے گوشت کاٹ کر اشیاء کی تول کی کمی کو پورا کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات کم تولنے والے عادی مجرموں کے جسم سے بذات خود سلطان چاقو سے ان کا گوشت کاٹتا اور اسے پوری منڈی میں پھراتا۔

(''تاریخ فیروز شاہی'' کے مطابق سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں اجناس کی قیمتیں حسب ذیل تھیں۔

گندم	فی من	7 جیتل	چنا	فی من	5 جیتل
چاول	فی من	5 جیتل	ماش	فی من	4 جیتل
جو	فی من	4 جیتل	موٹھ	فی من	3 جیتل

(مویشی)

گھوڑا	65	تا	200 تنکہ
گائے	03	تا	04 تنکہ

(اس زمانے میں جیتل تانبے کا ایک معمولی سکہ ہوتا تھا۔ جس کی جدول اس طرح ہے۔)

اتنکہ برابر 50 جیتل

اتنکہ روپیہ چاندی کا برابر 50 جیتل

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان دور 1965ء کے 100 نئے پیسے برابر 50 جیتل

سلطان علاؤالدین اپنی زندگی کے آخری ایام میں غیض وغضب کا مالک بن گیا تھا۔اس کی ملکہ اورشہزادوں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا تھا۔سلطنت کے کاموں میں سلطان کی عدم دلچسپی کے باعث ملک کافور نے سلطان کے حکم پر ولی عہد خضر خان کے ماموں وخسر والپ خان کو قتل کرا دیا تھا۔اپنی بیس سالہ حکومت کے بعد سلطان 716ھ 23، دسمبر 1316ء میں وفات پا گیا۔(بعض تاریخوں میں اس کی وفات 02 جنوری 1317ء بتائی ہے)

بعض مورخین کا خیال ہے کہ بیماری کے دوران ملک کافور نے سلطان کو ہلکا ہلکا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کے باعث اس کی موت عمل میں آئی۔

(اس کی وفات کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے شہاب الدین خلجی کو تخت پر بٹھایا گیا۔)

☆☆

''شہاب الدین خلجی''

سلطان علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد ملک کافور نے 02 جنوری 1317ء میں سلطان کے کمسن بیٹے سات سالہ شہاب الدین عمر خلجی کو تخت پر بٹھایا اور خود اس کا نائب السلطنت بن کر سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا اور دیگر خطرات کے پیش نظر اس نے شہاب الدین کے بھائیوں خضر خان خلجی اور شادی خان خلجی کی آنکھیں نکلوا کر ان دونوں بھائیوں کو قلعہ گوالیار میں قید کرلیا۔ ممکن تھا کہ ملک کافور سلطان کے تیسرے بیٹے مبارک خلجی کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتا مگر شہاب الدین کی تخت نشینی کے تین ماہ بعد اپریل 1317ء میں محل کے سپاہیوں نے بلوہ کر کے ملک کافور کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

☆☆

''مبارک خلجی''

ملک کافور کی موت کے بعد امراء نے اپریل 1317ء میں علاؤ الدین خلجی کے دوسرے بیٹے قطب الدین مبارک خلجی کو شہاب الدین عمر خلجی کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ جس نے اپنی تقرری کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین عمر کی آنکھیں نکلوا کر اسے قید کرلیا اور پھر خود دہلی سلطنت کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے امراء کو از سر نو عزت بخشی اور ان کی جاگیریں بحال کر دیں۔ تجارت پر سے پابندی ختم کر دی اور ظالمانہ ٹیکس منسوخ کر دیئے اور غلاموں کو اعلےٰ عہدوں سے نوازا غرض یہ کہ مبارک خلجی بہت جلد ہر دلعزیز ہوگیا۔ مگر کچھ عرصے بعد یہ عیش وعشرت میں پڑ گیا۔ اور اس نے ایک نیچ ذات ''دھریا پرواری'' قبیلے سے تعلق رکھنے والے نومسلم خوبصورت شخص ''خسرو'' کو اپنا مصاحب خاص بنالیا۔ بادشاہ کے اس منظور نظر خسرو نے جب 718ھ، 1318ء میں تلنگانہ کی مہم سر کرلی تو مبارک خلجی نے اپنی سلطنت کے تمام تر اختیارات اس کے سپرد کر کے خود اس کے اشاروں پر ناچنے لگا۔

اس کے بعد جلد ہی خسرو اپنی اصلیت کی طرف لوٹا اور 14 اپریل 1320ء میں اس نے اپنے

محسن آقا سلطان قطب الدین مبارک خلجی کو قتل کر دیا۔ اور پھر اس خسرو نے ''خیر الدین خسرو خان'' کے لقب سے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

☆☆

''غاصب خسرو''

تاریخوں میں خسرو کو غاصب خسرو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان مبارک خلجی کے بعد اپریل 1320ء میں یہ خیر الدین خسرو خان کے لقب سے تخت دہلی پر بیٹھا۔ اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد اس نے اپنی قوم کے نیچ ذات ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے نوازا جنہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھائے خلجی خاندان کے وفادار امراء کو ذلیل و خوار کیا گیا۔ شاہی خاندان کے افراد کو چن چن کر تہہ تیغ کر دیا گیا۔ خواتین حرم کی آبروریزی کی گئی۔ قرآن مجید اور مسجدوں کی اعلانیہ بے حرمتی کی گئی۔ غرض یہ کہ خسرو کی لوٹ کھسوٹ و نمار تگری سے دہلی میں ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوا جس کے باعث ہر مسلمان خوف و ہراس میں مبتلا ہوا اور کافی لوگ دہلی چھوڑ کر چلے گئے۔ خسرو کے مظالم کے سامنے مسلمان امراء بے دست و پا ہو کر رہ گئے مورخین کے خیال میں خسرو اپنی برادری کے لوگوں کی مدد سے ایک بار پھر ہندو دھرم حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔

یہ وقت مسلمانوں پر اور خاص کر اہل دہلی پر بڑا نازک اور کٹھن دور تھا خسرو کی کمینگی و ذلالت جب انتہا کو پہنچی تو مسلمان امراء کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور پھر ان لوگوں نے سر پر کفن باندھ کر اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اسی اثناء میں دہلی کے امراء کی صف میں شامل جونا خان موقع پا کر اپنے باپ غازی ملک تغلق (محافظ سرحد) کے پاس دیپالپور جا پہنچا اور اسے خسرو کے تمام تر مظالم سے آگاہ کیا۔ غازی ملک کے پاس ایک زبردست فوج موجود تھی مسلمانوں کی حالت زار سنتے ہی یہ غازی فوراً دہلی پر حملہ آور ہوا۔ دونوں میں سرسہ کے قریب خوں ریز جنگ ہوئی غازی ملک تغلق فتحیاب ہوا اور خسرو گرفتاری کے بعد ''اندر پت'' کے مقام پر 06 ستمبر 1320ء میں قتل کر دیا گیا۔ جس کے بعد غازی ملک غیاث الدین تغلق کا لقب اختیار کر کے تخت دہلی پر بیٹھا۔

☆☆

''غیاث الدین تغلق''

خیر الدین ''غاصب خسرو خان'' کے خاتمے کے بعد ''غازی ملک'' 720ھ 06 ستمبر 1320ء کو ''غیاث الدین تغلق'' کا لقب اختیار کر کے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔

(تاریخوں میں اس کا اصل نام کہیں بھی نہیں ملتا)۔

☆ ابن بطوطہ نے غیاث الدین تغلق کو ترکوں کے ایک قبیلے ''قرونہ'' کا ایک غریب فرد بتایا ہے۔ جس نے سندھ میں آ کر علاؤ الدین خلجی کے بھائی (الغ خان) کی فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی جس کے بعد یہ بتدریج ترقی کرتا رہا۔ اس کی شجاعت کی دھوم سن کر علاؤ الدین خلجی نے اسے ''دیپالپور'' جیسے اہم سرحدی صوبے کا حاکم و کمانڈر مقرر کر لیا۔

ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں غازی ملک کی بنوائی ہوئی ملتان کی مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے مقصورہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ:

☆ ''(میں تاتاریوں سے انیس بار لڑا اور ہر بار انہیں شکست دی)''

''(سفرنامہ ابن بطوطہ)''

مذکورہ کامیابی کے باعث اس کو ''(غازی ملک)'' کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔☆

غیاث الدین تغلق نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے روز تمام امراء کو جمع کیا اور اُن سے یوں مخاطب ہوا:

☆ (اے لوگو۔ تم ایک بڑے بادشاہ (علاؤ الدین) کے ماتحت رہ چکے ہو۔ اور میں تم سے کسی بھی طرح لائق نہیں ہوں۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ بحمد اللہ۔ میں نے اپنے آقا کا انتقام لے لیا اب تم میرے ولی نعمت (علاؤ الدین خلجی) کی نسل سے کسی کو بھی تلاش کر لاؤ اور اُسے تخت پر بٹھا دو میں تم سب کے ساتھ مل کر اُس کی

فرمانبرداری کروں گا۔ اگر ان میں سے بادشاہت کے لئے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تو تم بادشاہت کے لئے اپنوں میں سے جس کا بھی انتخاب کرلو گے میں اس کی اطاعت کروں گا۔

اس پر لوگوں نے بالاتفاق رائے ہو کر جواب دیا:۔

☆ (خلجی خاندان میں سے کوئی بھی بادشاہت کے قابل نہیں بچا اور آپ نے ہمیں ظالم خسرو کے پنجے سے نجات دلائی ہے اس لئے آپ کے سوا کوئی بھی دوسرا اس بادشاہت کے اہل نہیں)۔

☆ (ابوالقاسم فرشتہ "تاریخ فرشتہ" جلد۔ اوّل 130)

☆ (اس غازی ملک کا اپنا پانچ سالہ دورِ حکومت ہر لحاظ سے قابلِ تعریف رہا)۔

725ھ 1325ء سمہ 1381 بکرمی میں ہاتھیوں کی لڑائی کے دوران محل کی چھت گر پڑی اور غیاث الدین تغلق (بادشاہِ دہلی) اپنے چھوٹے بیٹے سمیت اس چھت کے نیچے دب کر مر گیا۔

بعض مورخین نے اس کی موت کو بغیر کسی تصدیق کے جونا خان اور سیّد محمد حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی سازش قرار دیا ہے۔ جبکہ اس کی یہ محض ایک اتفاقیہ موت تھی۔

☆ (حضرت نظام الدین اولیا بھی اسی سال 725ھ 1325ء میں رحلت فرما گئے۔

☆☆

''محمد تغلق''

غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ''ملک فخر الدین جونا خان'' 725ھ 1325ء میں ''محمد تغلق'' کا لقب اختیار کر کے سلطنتِ دہلی پر تخت نشین ہوا۔

یہ بہترین خطیب و ادیب اور قانون۔ منطق۔ ریاضی۔ نجوم۔ طبیعات کے علوم میں۔ مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن و عالم باعمل تھا۔ علم طب میں اس قدر صلاحیت رکھتا تھا کہ ملک بھر کے طبیب اس کی لیاقت کو لوہا مانتے تھے۔ یہ اکثر فارسی میں شاعری کرتا تھا۔ سخاوت میں بھی یہ حاتم طائی سے کچھ کم نہ تھا۔ جب یہ کسی سے خوش ہوتا تو اُسے ہیرے جواہرات سے نوازتا یا اُس شخص کے برابر سونا تول کر اُسے بخش دیا کرتا تھا۔ یہ صوم وصلواۃ کا پابند تھا اور لوگوں کو نماز پڑھنے کی تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں کو سزائیں بھی دیا کرتا تھا۔ یہ ہفتے میں دو بار۔ بذاتِ خود۔ سرِ دربار لوگوں کی شکایات سُن کر اُن کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ عدل وانصاف میں یہ کسی سے کوئی بھی رعایت نہیں برتتا تھا۔ انصاف اور قانون کی بالادستی کے پیشِ نظر اس نے اپنے بہنوئی امیر سیف الدین کو بھی نہیں بخشا۔ (جس نے ایک دربان کو زخمی کیا تھا)۔

اس کی انصاف پسندی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک تاجر نے خود اس (سلطان) کے خلاف شکایت کی۔ قاضی کی عدالت میں یہ ''سلطان'' ایک ملزم کی حیثیت سے پیش ہوا۔ جب قاضی نے فیصلہ اس کے خلاف سنایا۔ تو اس (سلطان محمد تغلق) نے اصرار کیا کہ:

☆ (میرے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے اور مجھے عدالت ہی میں کوڑے لگائے جائیں)۔ ☆

اس سلطان کے اوصاف و کردار سے متعلق ''ابن بطوطہ'' اپنے ''سفرنامے'' میں تحریر کرتا ہے کہ:۔

☆ (سلطان شریعت کا پابند ہے۔ نماز کی بابت سخت تاکید کرتا ہے۔ میں نے کوئی شخص اس سے زیادہ متواضع اور منصف نہیں دیکھا۔ خون ریزی اور سخاوت میں مشہور ہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اُس کے دربار میں

کوئی فقیر امیر نہ بن جاتا ہو اور کوئی آدمی قتل نہ کر دیا جاتا ہو)۔

اسے ورثے میں ایک وسیع و عریض سلطنت ملی تھی جو کوہ ہمالیہ سے راس کماری اور دریائے سندھ سے دریائے برہم پتر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی یہ سلطنت تیئیس صوبوں دہلی۔ دیوگری (دولت آباد)۔ ملتان۔ کہرام۔ سمانہ۔ ہانسی۔ سرسہ۔ اُچ۔ سوستان۔ تلنگانہ۔ مالابار۔ اودھ۔ بدایوں۔ بہار۔ مالوہ۔ کڑہ۔ لکھنوتی۔ گجرات۔ قنوج۔ جاج نگر۔ دوار اور سمدر۔ وغیرہ پر مشتمل تھی۔

727ھ 1327ء میں بیرونی خطرات کے پیش نظر سلطان نے اپنا دارالحکومت دہلی سے تبدیل کر کے دکن میں دیوگری کے مقام پر تبدیل کر دیا اور اس نئے دارالحکومت کا نام (دولت آباد) رکھا اور اس دارالحکومت کے قیام کی یاد میں یہاں پر قائم کی گئی ٹکسال میں سونے کے سکّے ڈھالے گئے۔

☆ اس محمد تغلق کے عہدِ حکومت کے ابتدائی دس سالوں میں ملک امن و امان کا گہوارہ بنا رہا اس کے بعد ملکی بغاوتوں نے مرتے دم تک اس (سلطان) کا پیچھا نہ چھوڑا۔

☆ اس کے باپ غیاث الدین تغلق سے متواتر شکستیں کھا کر دل برداشتہ ہونے والے منگول اس (محمد تغلق) کے دور میں ہندوستان پر حملے کے لیے پر تولنے لگے اور ایک بار پھر پنجاب اور سندھ ان کے حملوں کی زد میں آ گیا۔ مگر جلد ہی ''ہلاکو خان'' کی موت کے بعد یہ منگول (تاتاری) خود ہی باہمی اختلافات کا شکار ہو گئے جس کے باعث ''چنگیز خان'' کی وسیع و عریض سلطنت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ بعد میں ان منگولوں کو جو اپنے سرداروں کے ہمراہ آئے تھے سلطان نے انہیں اپنی شاہی ملازمت میں لے لیا۔

☆ مسلسل ملکی بغاوتوں کا شاہی خزانے پر بڑا بوجھ پڑا جب خزانے خالی ہوتے دیکھے تو سلطان نے تانبے کے سکے جاری کر دیئے۔ جس کے بعد ہر ہندو۔ و۔ مسلمان کا گھر ایک ٹکسال بن گیا۔

جہاں پر جعلی سکے ڈھالے جانے لگے۔ جس کے نتیجے میں افراطِ زر پیدا ہوا۔ اور ملک معاشی بحران کا شکار ہوگیا۔ غیر ملکی تاجروں نے چاندی کے عوض تانبے کے سکے لینے سے انکار کردیا جس کی بناء پر ملکی کاروبار تباہ ہوکر رہ گیا۔

سلطان جو رعایا کا بالکل نقصان نہ چاہتا تھا اُس نے ان علامتی سکّوں کے عوض چاندی کے سکّے ادا کئے۔ جس کے بعد ان علامتی سکّوں کے ڈھیر ایک پہاڑ کی صورت اختیار کر گئے اس طرح شاہی خزانے کو بہت بھاری نقصان ہوا۔

☆ اس شیریں گفتار سلطان کی گونا گوں صفات کے باعث ''ضیاء الدین برنی'' نے اسے ''عجوبۂ آفرینش'' اور ''عجوبۂ روزگار'' لکھا ہے جبکہ ''ابن بطوطہ'' نے اپنی ذاتی رنجش کے باعث حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے۔ (سفرنامہ)'' میں اس کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ:۔ جب یہ ابنِ بطوطہ ہندوستان میں پہنچا تو اس سے مل کر سلطان محمد تغلق بہت خوش ہوا۔ اور اس کے تمام تر قرضہ جات شاہی خزانے سے ادا کرنے کے بعد اسے اپنا ''قاضی'' مقرر کرلیا۔ بعد میں ''مناصب عالیہ'' اور پھر کچھ عرصے بعد اسے دہلی کا ''عہدۂ قضا'' تفویض ہوا۔ لیکن اس کی چند لغزشوں کی بنا پر سلطان نے اسے عہدے سے معزول کر کے جیل میں ڈال دیا۔ بعد میں سلطان نے اسے رہائی بخشی۔ اور پھر اسے اپنا سفیر بنا کر چین بھی بھیجا۔ اس کے باوجود بھی سلطان کیخلاف اس کے دل میں جو خلش باقی رہ گئی تھی۔ اس کا عکس اسکے (سفرنامہ) میں نظر آتا ہے۔

☆ یاد رہے اس افریقی سیاح۔ ابنِ بطوطہ۔ کا نام (ابنِ عبداللہ محمد) تھا۔ 703ھ 1304ء 1360 بکرمی میں یہ مراکش کے شہر ''طنجہ'' میں پیدا ہوا۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی زیارت کا شوق اس کی سیاحت کا سبب بنا۔ چوبیس سال کی عمر 728ھ۔ 1328ء 1384 بکرمی میں یہ دنیا کی سیاحت کے لئے نکل پڑا۔ اور پھر

تیونس۔لبیا۔مصر۔عرب وغیرہ سے ہوتا ہوا۔735ھ1334ء1390 بکرمی میں سندھ کے راستے سے ملتان پہنچا اور ہندوستان میں کچھ سال قیام کے بعد دیگر ممالک کی سیر کرتا ہوا یہ ستائیس سال بعد755ھ 1354ء۔1410 بکرمی میں یہ پچہتر ہزار میل ''یعنی ایک لاکھ بیس ہزار کلومیٹر'' کا سفر طے کرنے کے بعد اپنے وطن واپس پہنچا۔ جہاں اس نے اپنا سفرنامہ مکمل کیا۔اور771ھ1370ء میں یہ وفات پا گیا۔قرونِ وسطیٰ میں عربی میں سب سے اہم سفرنامہ (تحفتہ النظار) ہے۔ جو تاریخوں میں (سفرنامہ ابن بطوطہ) کے نام سے بھی مشہور ہے)۔

☆752ھ1351ء میں سلطان محمد تغلق سومرہ حاکمین کے لئے دوبارہ سندھ میں آیا۔اور ان کے تعاقب کے دوران سلطان سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔اسی دوران اُس نے مچھلی کھالی۔جس کے بعد ٹھٹھہ سے کچھ فاصلے پر اس کی طبیعت بہت ہی زیادہ بگڑ گئی۔اس بیماری کے دوران اس کے چچازاد بھائی فیروز شاہ تغلق نے اُس کی تیمارداری میں کوئی بھی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔سلطان محمد تغلق کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ یہ فیروز شاہ کے اوصاف حُسنہ سے مطمئن تھا۔چنانچہ مارچ1352ء میں سلطان محمد تغلق نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ اس کے بعد فیروز شاہ کو تختِ دہلی پر بٹھایا جائے۔

''فیروز شاہ تغلق''

☆محمد تغلق کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے تحت 753ھ 1352ء میں فیروز شاہ تغلق تینتالیس سال کی عمر میں تختِ دہلی پر مسند نشین ہوا۔

فیروز شاہ تغلق سپہ سالار رجب کا بیٹا تھا۔ غیاث الدین تغلق رجب اور ابوبکر تینوں بھائی خراسان سے ہندوستان میں آکر علاؤالدین خلجی کے زمانے میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔

فیروز شاہ کی والدہ (والئی دیپالپور) رانامل کی دختر تھی۔ جس کو سسرال میں ''سلطان بی بی کدبانو'' کا خطاب ملا تھا۔ 709ھ 1310ء میں اس کے بطن سے فیروز شاہ تغلق پیدا ہوا۔ سات سال کی عمر میں فیروز کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔

محمد تغلق کی تخت نشینی کے وقت فیروز کی عمر سولہ سال تھی۔ محمد تغلق نے اسے اپنا ''امیر نائب'' مقرر کرکے (باربک) کا خطاب عطا کیا اور بارہ ہزار سوار اس کے ماتحت کردیئے تھے۔

فیروز شاہ تغلق کو ہندوستان کے اُن اچھے مسلمان بادشاہوں کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے، جس کے دور میں رعایا نے ہر قسم کے سکھ پائے۔ فیروز شاہ کی رعایا پروری اور رحمدلی نے لوگوں کے دلوں پر اچھے اثرات مرتب کیے۔ جس کے باعث اُس کے زمانے میں لوگ جوق در جوق مشرف با اسلام ہوئے۔

'' یہ پہلا وہ مسلمان بادشاہ تھا جس نے اپنی حکومت کا آئین (منشور) مساجد کے گنبدین پر تحریر کرا دیا تھا''۔

اسی فیروز شاہ بادشاہ کے دور حکومت 757ھ 1355ء میں جادو بنسی راجپوت سردار سانپر پال نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور پھر مشرف با اسلام ہونے کے بعد اس نے ''بہادر ناہر خان'' (مورث اعلیٰ اقوام خانزادگانِ میوات) اور بہادر ناہر میواتی کے نام سے تاریخوں میں شہرت پائی۔

اس فیروز شاہ سے متعلق رشید اختر ندوی صاحب اپنی۔ ''تاریخ مسلمان حکمران'' ص 738 اور ص 739 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ ''فیروز شاہ تغلق نے اسلام کی اشاعت کی خاطر اعلان کر دیا تھا کہ جو بھی ہندو، مسلمان ہو جائے گا۔ اُس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اس اعلان کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اس بادشاہ کا کہنا تھا کہ: ''میں نے رعایا کی زمینوں جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے۔ میں نہ کسی سے اُس کی زمین چھینتا ہوں نہ مال۔ نہ کسی کی جان لیتا ہوں اور نہ ہی کسی کی آبرو سے کھیلتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ میں فقراء مساکین اور علماء کی پرورش کروں۔ میں نے اُن کی پرورش اور خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنالیا ہے۔ میں نے عہدے منصب اور جاگیریں موروثی کر دی ہیں اگر کوئی منصبدار بوڑھا ہو تایا مرتا ہے تو میں اُس کی جگہ اُس کے بیٹے بھائی یا اس کے جائز وارث کو دے دیتا ہوں تا کہ اس کا خاندان معاشی ابتلا میں مبتلا نہ ہو''۔

فیروز شاہ بادشاہ نے بات بات پر مسلمانوں کو خون بہانا حرام ٹھیرایا اور ظالمانہ سزائیں مثلاً ہاتھ پاؤں کٹوانا۔ آنکھیں نکلوانا یا دیگر ایسی ہی سزاؤں کو غیر مشروع قرار دیا اُس نے رحمدلی و نرم دلی کو اپنا بنیادی اصول بنایا۔ اور مرتے دم تک اسی اصول پر عمل پیرا رہا۔

مذہبی اصلاحات کے پیش نظر اُس نے غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کر دیئے اور اُن برہمنوں کو سزائیں دیں جو مسلمانوں کو ورغلا کر ہندو بناتے تھے۔

مزاروں پر عورتوں کی آمد اور اُن کی بعض ناگفتہ بہ حرکات سے معاشرے میں مسلسل بد اخلاقی پرورش پا رہی تھی جس کی بناء پر بادشاہ مذکور نے عورتوں کا مزاروں پر جانا ممنوع قرار دے دیا۔ اُس نے ریشمی لباس سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال اور فرنیچر و دیگر کھانے پینے کی اشیاء پر تصویریں بنانے کی بھی ممانعت کر دی۔

اس بادشاہ نے قلعہ جات باغات اور خانقاہوں کے ساتھ ساتھ بیس مساجد، بیس مدارس، بیس محلات، ایک سو شفا خانے پانچ مقبرے، زراعت کے لئے پچاس بند۔ چھتیس کارخانے، دو سو شہر اور دس مینار بطور یادگار تعمیر کرائے اس بادشاہ میں بہت سی خصوصیات کے علاوہ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس نے اپنی پوری مملکت کی غریب نوجوان لڑکیوں کی شادی کے اخراجات اپنے شاہی خزانے پر ڈال دیئے تھے۔ یہ شکار کا بہت شوقین تھا۔

صلح پسند فیروز شاہ تغلق کچھ عجیب و شریف مزاج کا بادشاہ تھا۔ اس نے لشکر کشی اور نئی فتوحات کا دامن پھیلانے اور نئی نئی فوجی مہمیں تیار کرنے کی بجائے اسی مملکت پر قناعت کر لی تھی جس کی نگرانی اسے محمد تغلق نے اپنی وفات کے وقت سونپی تھی۔

آخری وقت میں فیروز شاہ اپنے بیٹے محمد شاہ تغلق سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اپنے امراء کے مشورے سے اس نے اپنی جگہ اپنے پوتے۔ تغلق بن فتح خان کو نامزد کر دیا۔

فیروز شاہ تغلق (بادشاہِ دہلی) چھتیس سال حکومت کرنے کے بعد اسی (80) سال کی عمر میں ماہِ رمضان 790ھ 1388ء میں وفات کر گیا۔

☆☆

''تغلق ثانی''

فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد اس کی جانب سے نامزد کردہ اس کا پوتا۔ تغلق بن فتح خان۔ ''غیاث الدین تغلق ثانی'' کا لقب اختیار کر کے 1388ء میں تختِ دہلی پر بیٹھا تخت نشین ہوتے ہی یہ عیش و عشرت میں پڑ گیا۔

اس تغلق ثانی نے شاہی خاندان کے افراد کو قید و بند کی صعوبتوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ جب اس نے اپنے چچازاد بھائی ابوبکر تغلق بن ظفر خان کو اپنی قید میں لیا تو بہت سے امراء اس کے خلاف ہو گئے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس کے چچا ناصر الدین محمد شاہ تغلق نے بھی اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ ابوبکر شاہ تغلق نے قید سے اپنی رہائی پانے کے بعد۔ رکن الدین کے ساتھ مل کر تخت و تاج کے حصول کے لئے کوشش شروع کر دی۔ اس بغاوت میں 791ھ ستمبر 1389ء میں تغلق ثانی مارا گیا۔☆

''ابوبکر تغلق''

اپنے چچازاد بھائی غیاث الدین تغلق ''ثانی'' کے مارے جانے کے بعد 791ھ۔19 ستمبر 1389ء کو سلطنت دہلی پر ابوبکر تغلق تخت نشین ہوا اپنی تخت نشینی کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنے محسن وزیرِ اعظم رکن الدین کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنا تخت غیر محفوظ کر لیا۔ رکن الدین کی موت کے بعد ابوبکر کے چچا محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق نے سرمور کی پہاڑیوں سے نکل کر حصول تاج و تخت کے لئے اپنی کوشش شروع کر دی۔ اور پھر جلد ہی یہ ابوبکر سے لڑنے کے لئے فیروز آباد آن پہنچا۔

02 جمادی الاوّل 792ھ۔1390ء میں ان دونوں شہزادوں کے درمیان فیروز آباد کے میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں جادو بنسی راجپوت سردار بہادر ناہر خان میواتی (مورثِ اعلیٰ قوم

خانزادگانِ میوات) نے ابوبکر تغلق کا بھرپور ساتھ دیا۔جس کے نتیجے میں محمد شاہ کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچاتے ہوئے دوآب کی جانب بھاگ گیا اور وہاں پہنچ کر اُس نے جا لیسر کو اپنا مرکز بنالیا۔

ابوبکر تغلق کی مذکورہ فتحیابی کے تقریباً چار ماہ بعد اس کا ایک ہمراز سردار اسلام خان اس سے کسی بات پر ناراض ہوا۔اور دیگر موقع پرست امراء نے بھی ہواؤں کا رخ دیکھ کر اس کا ساتھ دیا۔جس کے بعد اسلام خان نے اپنے پوشیدہ خطوط کے ذریعے محمد شاہ تغلق کو دہلی پر حملے کی دعوت دی۔اس راز سے باخبر ہونے کے بعد ابوبکر کا اپنے امراء سے اعتماد اٹھ گیا اور دہلی کے اندر وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگا۔اس لئے خاص معتمدوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر وہ خانزادہ قبیلے کے سردار بہادر ناہر خان میواتی سے ملاقات کے بہانے میوات میں اُس کے پاس ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں جا کر پناہ گزین ہوگیا۔

ابوبکر کی اس عدم موجودگی میں سردار اسلام خان کا اشارہ پاتے ہی محمد شاہ بن فیروز تغلق بلا روک ٹوک دہلی میں داخل ہوکر 792ھ 31 اگست 1390ء کو فیروز آباد میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

اور پھر ماہِ محرم 793ھ 1391ء کو میوات میں ہونے والی جنگ کے دوران محمد شاہ تغلق کے ہاتھوں اپنی گرفتاری کے بعد قلعہ میرٹھ کے اندر ابوبکر شاہ تغلق حالتِ اسیری میں وفات پاگیا۔

☆(تفصیل ''ناہر خان کا دورِ حکومت'' میں بیان کی گئی ہے)۔

☆☆

''ناصرالدین محمد شاہ''

محمد شاہ تغلق۔ ''ناصرالدین'' کالقب اختیار کر کے 792ھ 31 اگست 1390ء کو فیروز آباد میں تخت نشین ہوا۔

خانزادہ قبیلے کے سردار بہادر ناہر خان میواتی کی طرفداری کے باعث ناصرالدین محمد شاہ اپنے بھتیجے ابوبکر شاہ تغلق سے دو مرتبہ شکست کھا چکا تھا۔ اور اب بھی'' قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں ابوبکر کی پناہ گزینی۔ ناصرالدین محمد شاہ تغلق کی حکومت کے لئے مسلسل ایک خطرہ بنی ہوئی تھی۔

اس خطرے کو مٹانے کی غرض سے ناصرالدین محمد شاہ تغلق نے اپنی تخت نشینی کے تقریباً تین چار ماہ بعد ماہ محرم 793ھ۔ 1391ء میں میوات پر فوج کشی کی۔ اس حملے میں ابوبکر شاہ تغلق گرفتار ہوا۔ اور بہادر ناہر خان کو میواتی خانزادوں کی مزید بغاوت کے خدشے کے پیش نظر محمد شاہ بادشاہ نے معاف کرتے ہوئے بھاری انعام واکرام سے نواز کر اسے رخصت کر دیا۔ اور ابوبکر کو اپنے ساتھ لے گیا جو میرٹھ کے مقام پر حالتِ اسیری میں وفات پا گیا۔

794ھ 1392ء میں والئی میوات بہادر ناہر خان نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں ناصرالدین محمد شاہ (بادشاہ دہلی) ماہ شوال 795ھ 1393ء میں میوات پر حملہ آور ہوا۔ اس حملے میں میواتی خانزادوں کا بھاری جانی ومالی نقصان ہوا۔

بادشاہ کی واپسی کے بعد والئی میوات بہادر ناہر خان میواتی بگڑ گیا اور اُس نے دہلی پر مسلسل حملے شروع کر دیئے اور 796ھ میں 1394ء میں اپنے آخری حملے کے دوران والئی میوات نے دہلی کو دہلی دروازے تک تباہ وبرباد کر دیا۔

بادشاہ کو جب دہلی کی بربادی اور ناہر میواتی کی سرکشی کی خبر ملی تو وہ 796ھ 1394ء میں میوات پر

حملہ آور ہوا۔ کوٹلہ کے مقام پر والئی میوات بہادر ناہر خان بادشاہ کے مدمقابل ہوا۔ خوں ریز جنگ ہوئی ناہر خان میواتی پسپا ہو کر واپس قلعہ کوٹلہ میں آیا جہاں سے وہ جھر کہ کے پہاڑوں کی جانب چلا گیا۔ اور ناصر الدین محمد شاہ اپنی بیماری کے غلبے کی بناء پر واپس دہلی آیا۔ چار سال حکومت کرنے کے بعد یہ 17 ربیع الاوّل 796ھ 1394ء میں وفات پا گیا۔

☆☆

''ہمایوں تغلق''

ناصر الدین محمد شاہ تغلق کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا۔ ''ہمایوں تغلق'' علاؤ الدین سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے 796ھ۔1394ء 1450 بکرمی میں تخت دہلی پر بیٹھا۔ لیکن یہ اپنی تخت نشینی کے چند روز بعد وفات پا گیا۔

اس کی وفات کے بعد امراء دہلی نے ناصر الدین محمد شاہ کے دوسرے بیٹے محمود شاہ تغلق کو تختِ دہلی پر بٹھا دیا۔

''نصیرالدین محمود تغلق''

علاؤالدین سکندر شاہ بن ناصرالدین محمد شاہ تغلق کی وفات کے بعد امراء نے اس کے دوسرے بیٹے محمود تغلق کو796ھ۔ مارچ1394ء میں ''نصیرالدین'' کا لقب دے کر تختِ دہلی پر بٹھادیا۔ فیروز شاہ تغلق کے اس پڑپوتے کی کمزوریوں کے باعث اس کی حکومت کا اصل اقتدار چند امراء کے ہاتھوں میں تھا۔ جن میں مقربِ خان (وکیل سلطنت) اور خانزادہ ملو۔ اقبال خان بن بہادر خان (والئی میوات دوم)۔ کے نام قابل ذکر ہیں۔

سردار امیر سعادت خان اور ملو۔ اقبال جب بادشاہ سے ناراض ہوئے تو ان دونوں نے مل کر فیروز شاہ کے ایک اور پوتے نصرت شاہ تغلق کو۔ کوٹلہ فیروز آباد میں بادشاہ بنادیا۔ سلطنتِ دہلی کے ان دونوں بادشاہوں کی حیثیت شاہِ شطرنج سے کچھ زیادہ نہ تھی۔

''ملو اقبال خان'' نے پہلے نصرت شاہ کا ساتھ دیا پھر اُس پر دھوکے سے حملہ کر کے اُسے پانی پت کی طرف بھگادیا اور پھر اس نصرت شاہ کی جگہ خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد اس ملو نے اپنے محسن مقرب خان۔ (جس نے ایک مرتبہ ملو کی جان بچاتے ہوئے سلطان نصیرالدین محمود سے ''اقبال خان'' کا خطاب دلایا تھا)۔ کے ساتھ غداری کرتے ہوئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جس کے بعد سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق مکمل طور پر خانزادہ ملو اقبال خان کے قبضۂ اختیار میں آ گیا۔ ملو اس کا وزیر اعظم بن بیٹھا۔ اس کے بعد سلطان نصیرالدین محمود بے بس ہو کر اپنے وزیر اعظم خانزادہ ملو۔ اقبال خان کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے لگا۔

مذکورہ سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' اُردو بازار لاہور249 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(ملّو اقبال نے پہلے نصرت شاہ کا ساتھ دیا۔ پھر اُس پر دھوکے سے حملہ کر کے اُسے پانی پت بھگا دیا۔ اس کے بعد وہ مقرب خان کو دارالحکومت سے نکالنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ کچھ امراء نے ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش بارآور نہ ہوئی ملّو اقبال اور مقرب خان میں لڑائی ہوئی مقرب خان مارا گیا اور سلطان محمود ملّو کے قبضۂ اختیار میں چلا گیا)۔

08 محرم 801ھ۔ 1398ء کو امیر تیمور ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور مختلف علاقہ جات کو لوٹتا کھسوٹتا ہوا ماہ ربیع الاوّل 801ھ 1398ء میں امیر تیمور دہلی سے چھ میل دور فیروز شاہ تغلق کے بنوائے ہوئے ''قصر جہاں نما'' میں آن پہنچا۔ 07 ربیع الاوّل 801ھ کو خانزادہ ملّو۔ اقبال خان اپنے بادشاہ محمود تغلق کو اپنے ساتھ لے کر امیر تیمور سے مدِ مقابل ہوا۔ لیکن اپنی شکست کے بعد ملّو اور سلطان دونوں فرار ہوئے اور تیمور کی یہاں سے واپسی کے بعد یہ دونوں دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ دیگر علاقہ جات کو لوٹ کھسوٹ کر۔ امیر تیمور دو سوا دو ماہ بعد ماہ جمادی الاوّل 801ھ 1398ء میں سلطنتِ دہلی پر حملے کی خاطر دوبارہ فیروز آباد آن پہنچا۔ اپنی واپسی پر امیر تیمور اپنے مفتوحہ علاقہ جات سے ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد کو اپنا قیدی بنا کر لایا تھا۔ سلطنت دہلی پر حملے سے پہلے امراء نے تیمور کو یہ مشورہ دیا کہ:۔

☆''اس سے پہلے کہ ہمارے حملے کے دوران ہمارے قیدی زنجیریں توڑ کر ہم پر حملہ آور ہوں۔ انہیں قتل کر دینا چاہیے''۔

اپنے امراء کی مذکورہ تجویز سے متفق ہو کر امیر تیمور نے اپنے تمام قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔

خانزادہ ملّو اقبال خان اپنے سلطان نصیرالدین محمود کے ہمراہ تیمور کے مدِ مقابل ہوا۔ مگر اپنی شکست کے بعد ملّو اقبال مقام چونڈیرہ ضلع بلند شہر کی جانب فرار ہوا اور محمود تغلق گجرات کی جانب چلا گیا۔ تیمور

کے اس حملے میں کم وبیش ایک لاکھ افراد لقمہ اجل بنے۔ امیر تیمور اپنی فتح کے بعد 24 جمادی الاوّل بروز جمعہ 801ھ۔1398ء کو فیروز آباد میں بہادر ناہر خان میواتی سے بالمشافہ ملاقات کرنے کے بعد میرٹھ کی جانب چلا گیا۔ تیمور کی یہاں سے واپسی کے تقریباً تین ساڑھے تین ماہ بعد ماہ رمضان 801ھ 1398ء میں نصرت شاہ تغلق نے پرانی دہلی پر اپنا قبضہ جمالیا۔

ماہ محرم 802ھ 1399ء میں خانزادہ ملّو خان نصرت شاہ پر حملہ آور ہوا نصرت شاہ تغلق حملے کی تاب نہ لاکر میوات کی جانب بھاگ گیا۔ سلطنت دہلی پر قبضہ جمانے کے بعد ملّو نے سلطان محمود کو گجرات سے بلوا کر پہلے کی طرح روٹی، کپڑا اور مکان پر برائے نام پھر اپنا بادشاہ بنالیا۔

اس مرتبہ دہلی پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد ملّو خان نے سب سے پہلے ماہ ربیع الاوّل 802ھ 1399ء میں شمس خان (حاکم بیانہ) کو شکست دے کر اپنا ماتحت بنایا۔ اس کے بعد ملّو اقبال خان میواتی دیگر راجاؤں سے لڑتا بھڑتا ہوا۔ 806ھ 1403ء میں سیّد خضر خان کے بھتیجے سیّد ابراہیم شاہ شرقی (حاکم جونپور) پر حملہ آور ہوا اور اُسے شکست دینے کے بعد قنوج کو اپنے بادشاہ نصیرالدین محمود تغلق کے سپرد کر کے ملّو خان میواتی واپس دہلی چلا گیا۔

غرض یہ کہ مختلف راجاؤں سے لڑتا بھڑتا ہوا یہ خان زادہ ملّو۔ اقبال خان میواتی 1405ء میں اجودھن کے مقام (یاد رہے کہ اکبر بادشاہ کے زمانے سے پہلے۔ پنجاب کے ضلع ساہیوال (منٹگمری) کے مشہور شہر ''پاک پتن شریف'' کا سابق نام اجودھن تھا)۔ پر سیّد خضر خان (نائب السلطنت امیر تیمور) سے مد مقابل ہوا۔ جہاں سیّد خضر خان کے ایک سردار اسلام خان لودھی نے 19 جمادی الاوّل 808ھ۔ 12 نومبر 1405ء میں ملّو۔ اقبال خان کو قتل کردیا۔

اپنے وزیر اعظم خان زادہ ملّو اقبال خان کے اس انجام کی خبر ملتے ہی سلطان نصیرالدین محمود تغلق

قنوج سے فرار ہو گیا۔

ملو کے قتل کے بعد میواتی خانزادوں کی بغاوت کے خدشے کے پیش نظر سید خضر خان کی سلطنتِ دہلی سے عدم دلچسپی کو بھانپ کر امراءِ دہلی نے سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق کو بلا کر تختِ دہلی پر بٹھا دیا۔

815ھ 1412ء میں سلطان نصیرالدین محمود تغلق انتقال کر گیا۔ جس کے بعد امراء دہلی نے ایک فوجی جرنیل دولت خان کو تخت دہلی پر بٹھا دیا۔ ایک مدت سے سلطنت دہلی کے خواب دیکھنے والا سیّد خضر خان مناسب موقع محل کی تلاش میں تختِ دہلی کے لئے اپنے پر تول رہا تھا۔ اُس نے اس موقع کو غنیمت جان کر 817ھ 1414ء میں دہلی پر حملہ کر دیا اور چار ماہ کے محاصرے کے بعد دولت خان کو گرفتار کر کے حصار فیروزہ میں قید کر دیا اور 04 جون 1414ء کو سلطنتِ دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد دولت خان کو قتل کر دیا گیا۔

☆ (تغلق خاندان کے اس آخری بادشاہ نصیرالدین محمود کی تفصیل "ملو اقبال خان" کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

''سیّد خضر خان''

تغلق خاندان کے آخری بادشاہ سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق کے وزیر مقرب خان کو خان زادہ ملّو اقبال نے 800ھ 1397ء میں موت کے گھاٹ اتار دیا جس کے بعد سلطان محمود مکمل طور پر ملّو۔ اقبال کے قبضہء اختیار میں آکر کٹھ پتلی کی طرح ملّو خان کے اشاروں پر ناچنے لگا سلطنت کے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سلطان کو برائے نام اپنا بادشاہ بنا کر۔ یہ ملّو اقبال خان خود اس کا وزیر اعظم بن بیٹھا۔ اس کے بعد ملّو خان نے اپنے حقیقی بھائی خانزادہ سارنگ خان۔ ''جس کو تاریخوں میں ترنگ خان اور سلطان ترگے خان بھی تحریر کیا گیا ہے''۔ کو تغلق حکومت کی جانب سے مقرر کردہ گورنر ملتان۔ سیّد خضر خان پر حملے کے لئے روانہ کیا۔ سارنگ خان (ترغے سلطان) نے سیّد خضر خان کو شکست دے کر اپنی قید میں لے لیا۔ مگر یہ کسی نہ کسی طرح۔ سارنگ خان (ترنگ خان) کی قید سے بھاگ نکلا۔ اور یہ بھی امیر تیمور کے خوف سے بھاگنے والے دوسرے سرداروں کی مانند بہادر ناہر خان میواتی کے پاس جا کر قلعہ کوٹلہ میں پناہ گزین ہوگیا۔

بروز جمعہ 24 جمادی الاوّل 801ھ 1398ء کو فیروز آباد میں امیر تیمور سے اپنی خوشگوار ملاقات کے دوران دیگر سرداروں کے ہمراہ اپنے ساتھ لائے ہوئے اس سیّد خضر خان کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے بہادر ناہر خان نے جب اسے امیر تیمور سے متعارف کرایا تو امیر تیمور نے والئی میوات سے اس کے پوتے کلتاج خان (قلتاش خان) کے ساتھ اس سیّد خضر خان کو بھی طلب کر کے اپنی مہمات میں شامل کر لیا۔

بہادر ناہر خان میواتی والئی میوات اوّل (مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات) اور امیر تیمور کی مذکورہ ملاقات سے متعلق جناب خداداد خان عظیم آبادی اپنی ''تاریخ خانانِ میوات'' 22 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆ ''تیمور خود بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر خان کے پاس بھیجی تھی۔ جس کا خیر مقدم بہادر ناہر نے اچھی طرح سے کیا اور عمدہ جواب لکھا اور جواب کے ساتھ ہی دو سفید رنگ کے طوطے جو

کہ شاہانِ دہلی سے تعلق رکھتے تھے بطور تحفہ پیش کیے۔ اپنی شیریں گفتاری کی بناء پر پورے ہندوستان میں۔ ''کاکاتوا'' کے نام سے شہرت رکھنے والے ان طوطوں کی نسبت تعریف کرتے ہوئے تیمور مزید بیان کرتا ہے کہ بہادر ناہر خان معہ بیٹوں اور اُن آدمیوں کے جوکہ میوات میں جاکر میرے ڈر سے پناہ گزین ہوئے تھے مجھے سلام کرنے کے واسطے آئے ان میں ایک شخص سیّد خضر خان بھی تھا جوکہ مغلوں کا منظر تھا''۔

امیر تیمور کی مہمات میں سیّد خضر خان جموں تک شامل رہا اور اس نے اپنی ذہانت و وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ 06 مارچ 1399ء میں جب تیمور نے اپنا الوداعی دربار منعقد کیا تو اس میں سیّد خضر خان کو لاہور۔ دیبال پور اور ملتان کا صوبے دار بناتے ہوئے۔ تیمور نے اسے اپنے تمام مفتوحہ علاقوں کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ اور پھر اس کے بعد تیمور اپنے وطن واپس لوٹ گیا۔

☆ تیمور کی واپسی کے بعد ملّو اقبال خان تخت دہلی پر دوبارہ قابض ہوگیا۔

''نصرت شاہ تغلق سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق اور تیمور کی تفصیل۔ ''ملّو اقبال خان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے''۔

سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق جب 815ھ 1412ء میں انتقال کر گیا تو امراء دہلی نے عنانِ حکومت ایک فوجی رہنما دولت کے سپرد کردی ملّو اقبال خان کی موت کے بعد خانزادہ گانِ میوات کی بغاوت اور اُن کے انتقامی جذبے سے خائف سیّد خضر خان ایک مدت سے موقع محل کی تلاش میں۔ سلطنت دہلی کے لئے اپنے پر تولتا چلا آرہا تھا اُس نے اب دہلی کو اپنے حلقہ اقتدار میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس موقع کو غنیمت جان کر اس نے دہلی پر حملہ کردیا اور چار ماہ کے مسلسل محاصرے کے بعد دولت خان کو گرفتار کرکے حصار فیروزہ میں قید کرنے کے بعد اس نے 817ھ 04 جون 1414ء میں سلطنت دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور بعد میں فوجی جرنیل دولت خان کو قتل کرادیا۔

سید خضر خان کی حکومت کا یہ سات سالہ دور سورشوں اور بغاوتوں میں گذرا میواتی خانزادوں کی بغاوت نے بھی اسے خاصا پریشان کیا اس نے 823ھ 1420ء میں فیروز خان (والئ میوات چہارم) پر فوج کشی کی۔

سید خضر خان نے 824ھ 20 مئی 1421ء میں وفات پائی۔ مرنے سے چند روز پہلے اس نے اپنے بیٹے معز الدین سید مبارک شاہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔

☆(سید خضر خان کی تفصیل ''ملو اقبال خان'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

☆☆

سید مبارک شاہ

1421ء-1434ء

اپنے والد کی وفات 824ھ 20 مئی 1421ء کے بعد سید مبارک شاہ سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں ملکی بغاوتیں اپنے عروج پر پہنچ گئیں جن کو دبانے میں یہ ناکام رہا۔ خان زادہ راجہ جلال خان (والئ میوات پنجم) نے اسے مرتے وقت تک دم نہ لینے دیا۔ جب بھی کسی نے مبارک شاہ (بادشاہِ دہلی) کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو راجہ جلال خان سردار قدو خان (خداداخان) اور خانزادہ ملک فخر الدین خان اور دیگر سرداران قوم خانزادگانِ میوات باغی راجہ وحاکمین کے معاون و مددگار بن کر بادشاہِ دہلی کے خلاف جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ محمد خان اوحدی (حاکم بیانہ) نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتے وقت جب مذکورہ میواتی خانزادوں سے مدد مانگی تو مذکورہ خانزادوں نے بادشاہ کے خلاف جنگ میں حاکم بیانہ کا بھرپور ساتھ دیا۔ لیکن جلد ہی حاکم بیانہ مغلوب ہو کر مبارک شاہ بادشاہ سے امان کا طالب ہوا۔ بادشاہ نے محمد خان اوحدی کو معاف کرتے ہوئے بیانہ کی حکومت بھی اسے واپس کر دی اور میواتی خانزادے لڑتے بھڑتے اپنے علاقہ میوات میں

واپس آگئے۔ اس کے بعد ان میواتی خانزادوں نے سلطنت کی کمزوری کی جھلک دکھاتے ہوئے بادشاہ کے خلاف ابراہیم شاہ شرقی (حاکمِ جونپور) کو بغاوت پر آمادہ کرلیا پھر حاکم جونپور کے طرفدار بن کر سردار قدّو خان اور راجہ جلال خان نے اٹادہ کے مقام پر بادشاہ سے جنگ شروع کر دی اس جنگ میں ابراہیم شاہ شرقی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور پھر میواتی خانزادے بھی لڑتے۔ بھڑتے اپنی ولایت واپس چلے گئے۔

میواتی خانزادوں کی مسلسل بغاوت سے تنگ آ کر 831ھ 1427ء میں مبارک شاہ بادشاہ نے ایک بھاری انعام کے عیوض راجہ جلال خان کے بھائی خان زادہ قدّو خان کو گرفتاری کے بعد دیوار میں زندہ چنوا دیا۔

☆ (سردار قدّو خان کی تفصیل۔ ''دیوارِ لحد'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

اپنے بھائی کی موت کے بعد راجہ جلال خان بادشاہ کا جانی دشمن بن گیا جس کے بعد ان میواتی خانزادوں کی بغاوت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسرت کھوکھر نے لاہور کا محاصرہ کرلیا اور امیر شیخ مغل نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے مذکورہ دونوں بغاوتوں کو ختم کرنے کی غرض سے اپنے وزیر سرور الملک کو روانہ کیا۔ جس نے مذکورہ دونوں حملہ آوروں کو شکست دی۔ سرور الملک کی اس کامیابی سے بادشاہ کو اندیشہ لاحق ہوا۔ جس کی بناء پر اُس نے سرور الملک سے بعض اختیارات چھین کر کمال الدین کے سپرد کر دیئے۔ اس بناء پر بادشاہ کے خلاف سرور الملک کے دل میں خلش پیدا ہوگئی۔ جس پر اس نے چند امراء کو اپنے ساتھ ملا کر ایک منصوبے کے تحت 838ھ 20 فروری 1434ء میں سدپال نامی شخص کے ہاتھوں مبارک شاہ بادشاہ کو قتل کرا دیا۔ مرتے وقت مبارک شاہ نے اپنے بھتیجے سیّد محمد شاہ بن سیّد فرید شاہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔

☆ مبارک شاہ بادشاہ کی تفصیل (راجہ جلال خان ''والئی میوات'') کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے۔

☆☆

سیّد محمد شاہ

1434ء۔1445ء

1434ء میں سلطان سیّد مبارک شاہ کی موت کے بعد اُس کی جانب سے نامزد کردہ اُس کا حقیقی بھتیجا۔ سیّد محمد شاہ بن سیّد فرید شاہ۔ ''خانِ جہاں'' کا لقب اختیار کر کے سلطنتِ دہلی پر تخت نشین ہوا۔ لیکن سلطنت کے تمام تر اختیارات سرور الملک وزیر ہی کے ہاتھ میں رہے۔

سرور الملک نے نیچ ذات کے اُن تمام لوگوں کو جاگیر و خطابات سے نوازا جنھوں نے مبارک شاہ بادشاہ کے قتل میں عملی حصہ لیا تھا۔ سرور اور اُس کے ساتھیوں کے بے جا اختیارات سے چند وفادار و قدیم امراء نالاں تھے کمال الدین اس قاتل ٹولے کی ہر حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اور محمد شاہ بھی در پردہ کمال الدین سے ملا ہوا تھا۔ سرور اپنے ساتھیوں سمیت جب محمد شاہ کو قتل کرنے کی نیت سے محل میں داخل ہوا تو بادشاہ نے کمال الدین کے منصوبے کے تحت ان سب کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس کے بعد میواتی خانزادوں کی مسلسل بغاوت کے پیش نظر ان خانزادوں کی اتحادی طاقت کو ختم کرنے کی نیت سے محمد شاہ بادشاہ نے خان زادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان (جاگیر دار کلینجر) کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا۔ اس کے باوجود بھی ملکی بغاوتیں جوں کی توں برقرار رہیں۔ چونکہ خانزادہ راجہ جلال خان اپنے بھائی سردار قدو خان کی مبارک شاہ کے ہاتھوں بے جا موت کے بعد سادات حکومت کا سخت ترین مخالف ہو گیا تھا۔

خانزادہ ملک فخر الدین خان راجہ جلال خان اور دیگر سرداران قوم خانزادگان میوات نے مالوہ کے حکمران محمود خلجی کو متواتر عرضیاں لکھیں کہ ''سیّد محمد شاہ سلطنت کا انتظام سنبھالنے میں بالکل ناکام ہو چکا ہے'' ان امرائے میوات کے مسلسل اصرار پر مالوہ کا حکمران سلطان محمود خلجی یلغار کرتا ہوا 844ھ 1440ء میں دہلی تک آن پہنچا۔ خانزادگانِ میوات نے محمود خلجی کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس موقع پر محمد شاہ بادشاہ کے وزیر اعظم خان

زادہ حمید خان میواتی کے ساتھ مل کر اُس کے ہمعصر بہلول لودھی (صوبے دار سرہند۔ و۔ لاہور) نے دہلی کا دفاع کرنے میں بادشاہ کی موثر مدد کی۔ جس کے نتیجے میں بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کی سفارش پر اس کے ہمعصر بہلول لودھی بن ملک کالا کو۔ ''خانِ خاناں'' کا خطاب عطا کیا۔

☆ (خانزادہ حمید خان میواتی (وزیر اعظم) سے متعلق تفصیل ''ملک فتح اللہ خان کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے'')۔

وقتی کامیابیوں پر محمد شاہ بادشاہ مغرور ہو کر عیش و عشرت میں ڈوب گیا۔ میوات کے خانزادوں کی مسلسل بغاوت سے جب دہلی سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو اطراف کے دیگر باغیوں نے بھی سر اٹھایا۔ نتیجتاً سلطنتِ دہلی دن بہ دن کمزور ہوتی چلی گئی۔ غرض یہ کہ دہلی کے قرب و جوار کے جاگیرداروں نے بھی سیّد خضر خان کے اس پوتے محمد شاہ بادشاہ کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ اور پھر ان ہی سورشوں کے دوران 849ھ 1445ء میں سیّد محمد شاہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

☆☆

سیّد علاؤ الدین

1445ء 1451ء

سیّد محمد شاہ بن سیّد فرید شاہ کی وفات کے بعد امراء دہلی نے اُس کے بیٹے سیّد علاؤ الدین کو ''عالم شاہ'' کا لقب دے کر 849ھ 1445ء میں تختِ دہلی پر بٹھا دیا۔ اسے ملکی معاملات اور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس سلسلے میں یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ ست و ناکارہ نکلا۔ اس نے اپنی سلطنت کے زیادہ تر اختیارات اپنے والد سیّد محمد شاہ کے سابق امراء و۔ وزراء کے ہاتھوں میں رکھے جن کا سربراہ خانزادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان (جاگیردار کلنجر) تھا۔ جو اس کے والد سیّد محمد شاہ کے دور اقتدار میں اس کا وزیر اعظم

ہونے کی بناء پر سادات حکومت کے اندر اپنی مضبوط جڑیں جما چکا تھا۔ اس حمید خان میواتی کا ذکر ''تاریخ خانانِ میوات'' میں بھی پایا جاتا ہے۔

☆ (خانزادہ حمید خان میواتی سے متعلق تفصیل ''ملک فتح اللہ خان'' اور ''بہلول لودھی'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

851ھ 1447ء میں اپنے امراء کی مخالف کے باوجود بھی یہ سیّد عالم شاہ اپنی سلطنتِ دہلی اپنے وزیر خانزادہ حمید خان میواتی کی نگرانی میں اپنے نسبتی بھائیوں کے سپرد کر کے مستقل طور پر یہ بدایوں میں جا کر رہائش پذیر ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد 852ھ 1449ء میں خانزادہ احمد خان عرف (گل گورکھ) ''والئی میوات'' نے سلطنتِ دہلی کے نزدیک والے سات پرگنوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ جس کے لئے امراء نے عالم شاہ کو یہ باور کرایا کہ مذکورہ پرگنوں پر قبضہ والئی میوات نے حمید خان میواتی کے اشارے پر کیا ہے۔ غرض یہ کہ اس سلسلے میں کوئی جوابی کاروائی کرنے کی بجائے سیّد عالم شاہ اپنی سلطنت کے مذکورہ پرگنہ جات سے لاتعلق ہوگیا اور اس کا وزیر اعظم حمید خان میواتی بھی اپنے بادشاہ کی اپنی سلطنت سے عدم دلچسپی کے باعث اپنے بھتیجے راجہ جلال خان کے بیٹے احمد خان (والئی میوات) سے جنگ کر کے اپنے خاندان میں مزید رنجش و بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بننے کی بجائے احمد خان کے خلاف اپنے دل میں رنجش لے کر خاموش ہوگیا۔

853ھ 1450ء میں جب حمید خان میواتی بدایوں میں گیا تو اس کے متکبرانہ رویے سے نالاں امراء کے ورغلانے پر سلطان علاؤ الدین ''عالم شاہ'' بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ حمید خان میواتی کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچاتے ہوئے یہاں سے بھاگ کر دہلی آن پہنچا۔ اور یہاں کے سرکاری خزانے کو اپنی تحویل میں لے کر سلطنتِ دہلی پر اپنا قبضہ جما بیٹھا۔

سلطنتِ دہلی پر اپنا قبضہ جمانے کے چند ماہ بعد حمید خان میواتی نے اپنے عزیز خانزادہ احمد خان

(والئی میوات) سے اپنی مذکورہ رنجش کے باعث سلطنتِ دہلی اس کے سپرد کرنے کی بجائے اس نے دیپالپور سے اپنے ہمعصر صوبے دار بہلول لودھی کو سلطنتِ دہلی کے لئے بلوالیا۔

ایک مدّت سے سلطنتِ دہلی کے خواب دیکھنے والا یہ بہلول لودھی جو حمید خان میواتی کو اپنے راستے کی سب سے بڑی آڑ سمجھے بیٹھا تھا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی دہلی پہنچ گیا اور جلد ہی میواتی خانزادوں کی بغاوت اور سلطان سیّد عالم شاہ کے حملے کے خطرے کے پیشِ نظر خود کو نقصان سے بچانے کی خاطر بہلول لودھی اپنے چند امراء کو یہاں حمید خان میواتی کی سرکردگی میں چھوڑ کر واپس دیپالپور چلا گیا۔

چند ماہ بعد دہلی سلطنت کے لئے بہلول لودھی کو جب مثبت آثار نظر آئے تو اس نے اپنی تسلی اور اپنے دل سے خوف مٹانے اور سلطان کو اپنے اعتماد میں لینے کی خاطر سلطان علاؤ الدین شاہ ''عالم شاہ'' کو ایک خط بھیجا کہ:۔

☆ ''میں اب بھی آپ کا وفادار امیر ہوں اور دہلی سلطنت آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں''۔

اس کے جواب میں سیّد عالم شاہ نے لکھا کہ:۔

☆ ''میں بدایوں کے پرگنے پر قانع ہوں اور دہلی سلطنت تمہارے لئے چھوڑتا ہوں''۔

اس جواب کے بعد بہلول لودھی مطمئن ہوا اور پھر دہلی پہنچ کر اس نے 854ھ اپریل 1451ء میں سلطنتِ دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

سادات خاندان کا چھتیس سالہ دورِ حکومت۔ ملکی بغاوتوں اور سورشوں میں گذرا۔ علاقہ میوات کے خانزادوں کی بغاوت سادات حکومت کے لئے مسلسل ایک دردِ سر بنی رہی میواتی خانزادوں کی سادات حکومت کے خلاف مسلسل بغاوت کے دیکھا دیکھی آس پاس کی بغاوتوں نے بھی سادات حکومت کو دم نہ لینے دیا۔ مجموعی طور پر سادات حکومت سمٹ سمٹا کر دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور سیّد علاؤ الدین ''عالم شاہ'' بادشاہ کی نسبت تو

یہ مثل مشہور تھی کہ:۔☆(بادشاہی شاہ عالم،تا حویلی پالم)۔اس کے زمانے میں تو دہلی سلطنت برائے نام باقی رہ گئی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ مذکورہ سیّد بادشاہوں کی نسبت آزاد ریاستوں پر قابض والیان۔راجگان و حاکمین وغیرہ ان سے زیادہ قوت،شوکت اور جاہ و جلال کے مالک تھے۔

سیّد علاؤ الدین ''عالم شاہ'' ایک مدت تک اپنی گمنامی کی زندگی گذار کر 883ھ 1478ء میں وفات پا گیا۔

☆☆

''بہلول لودھی''

سادات خاندان کے آخری بادشاہ سیّد علاؤ الدین ''عالم شاہ'' کے زمانے میں سادات حکومت کے خلاف آس پاس کی بغاوتوں کو شئے دینے والے میوات کے خانزادوں کی مسلسل بغاوت کے نتیجے میں سادات حکومت کمزور ترین ہو کر دہلی کے اردگرد سمٹ سمٹا کر صرف دس بارہ میل میں برائے نام باقی رہ گئی تھی۔

851ھ 1447ء میں اپنے امراء کی مخالفت کے باوجود جب سیّد عالم شاہ اپنی دہلی سلطنت اپنے وزیر خان زادہ حمید خان کی سرکردگی میں اپنے نسبتی بھائیوں کے سپرد کر کے بدایوں میں جا کر مستقل طور پر وہاں سکونت پذیر ہو گیا۔اور سلطنتِ دہلی کے تمام تر اختیارات اُس کے وزیر حمید خان میواتی کے پاس رہے۔

حمید خان کے متکبرانہ رویے اور اس کے بیجا اختیارات پر بدایوں میں مقیم امراء اس سے نالاں تھے۔

1450ء میں حمید خان میواتی کی بدایوں میں آمد پر امراء نے سیّد عالم شاہ کو ورغلا کر حمید خان کے خلاف اُس کے قتل کا حکم صادر کرا لیا اپنے مخبر کے ذریعے اس خبر کے ملتے ہی اپنی جان بچاتے ہوئے حمید خان

میواتی بھاگ کر دہلی آن پہنچا اور یہاں کے سرکاری خزانے پر قابض ہو کر سلطنت دہلی پر اپنا قبضہ جما بیٹھا۔

دہلی سلطنت کے ضعف کے باعث حمید خان میواتی بن ملک فتح اللہ خان (جاگیردار کلینجر) کے لئے یہ ایک ایسا سنہری موقع حاصل تھا کہ وہ اگر چاہتا تو اپنے خاندان کے والئی میوات کو بآسانی تختِ دہلی پر بٹھا سکتا تھا۔ لیکن آپس میں رنجش کی بناء پر تختِ دہلی پر خود براجمان ہونے یا اس سلطنتِ دہلی کو اپنے بھتیجے راجہ جلال خان کے بیٹے احمد خان (والئی میوات) کے سپرد کرنے کی بجائے اس نے سادات حکومت کے۔ صوبے دار بہلول لودھی کو دیپالپور سے سلطنتِ دہلی کے لئے بلوالیا اپنے ہمعصر حمید خان میواتی کا اشارہ پاتے ہی بہلول لودھی دہلی پہنچ کر تختِ دہلی پر قابض ہوا۔ اور پھر عالم شاہ بادشاہ کے حملے اور حمید خان کے مخالف خانزادوں کی بغاوت کے خدشے کے پیش نظر ممکنہ خطرات ونقصان سے بچنے کی خاطر بہلول لودھی اپنے معاون خانزادہ حمید خان کی سرکردگی میں اپنے چند امراء کو یہاں چھوڑ کر خود واپس دیپالپور چلا گیا۔

چند ماہ بعد قبضہ دہلی کے عمل کے ردعمل میں جب اسے مثبت آثار نظر آئے تو اس بہلول نے اپنا دلی خدشہ مٹانے کی خاطر شاہ عالم کو اپنی وفاداری سے متعلق ایک خط بھیجا جس کے جواب میں شاہ عالم بادشاہ نے سلطنت دہلی سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اس جواب پر مطمئن ہو کر یہ بہلول لودھی اپریل 1451ء میں واپس دہلی آن پہنچا۔ جس کے بعد اس نے سلطنتِ دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

☆ (خان زادہ حمید خان میواتی سے متعلق تفصیل ''سیّد علاؤالدین عالم شاہ'' اور ''ملک فتح اللہ خان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

مذکورہ سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی (تاریخ پاک وہند) (علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور)۔ 275 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆'' (وہاں امراء کے ورغلانے پر علاؤالدین نے اپنے وزیر حمید خان کے قتل کا حکم دے دیا۔ مگر وہ کسی طرح

بچ کر دہلی آ گیا۔ اُس نے شاہی خزانے پر قبضہ کرلیا اور بہلول لودھی کو دہلی آنے کی دعوت دی۔ بہلول نے دہلی آ کر قبضہ کرلیا۔ چند روز قیام کر کے وہاں اپنے چند امراء کو چھوڑ کر یہ دیبال پور چلا آیا بہلول لودھی نے علاؤ الدین کو خط لکھا کہ (''میں اب بھی آپ کا وفادار اور فرمانبردار ہوں'')۔لیکن علاؤ الدین نے جواب میں لکھا کہ:

☆''(میں بدایوں کے پرگنہ پر قانع ہوں اور سلطنت تمہارے لئے چھوڑتا ہوں)۔اپریل 1451ء میں بہلول لودھی نے دہلی آ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔علاؤ الدین شاہ ایک مدت تک گمنامی کی زندگی گذار کر 1478ء میں فوت ہوگیا)''

فیروز شاہ تغلق کے بعد دہلی کے نزدیک ترین علاقہ میوات کے یہ راجپوت خانزادے تغلق بادشاہوں کے زمانے ہی سے شاہانِ دہلی کے لئے وبال جان اور سلطنتِ دہلی کے لئے لٹکتی ہوئی تیز تلوار کی مانند مسلسل ایک خطرہ بنے چلے آتے تھے۔

اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے اس خطرے سے نمٹنے کے لئے اپنی تخت نشینی کے بعد بہلول لودھی نے پہلے پہل اکتوبر 1451ء میں میوات پر فوج کشی کی۔اس حملے میں خانزادہ احمد خان (والئی میوات) نے مغلوب ہو کر وہ سات پرگنے بہلول بادشاہ کی نذر کئے جن پر اُس نے عالم شاہ کے زمانے 852ھ 1449ء میں اپنا قبضہ جمالیا تھا والئی میوات سے حاصل شدہ پرگنہ جات میں خان زادہ تاتار خان کو اپنا حاکم مقرر کرنے کے بعد بہلول بادشاہ واپس دہلی چلا گیا۔

☆(والئی میوات مذکورہ پرگنہ جات سے اپنی بے دخلی کے انتقام کی آگ میں جلتا رہا اور بہلول بادشاہ کے خلاف مناسب موقع محل کا انتظار کرتا رہا)۔

862ھ 1458ء میں جب ابراہیم شاہ شرقی کے پوتے حسین شاہ شرقی (حاکم جون پور) نے

بہلول بادشاہ کے خلاف چڑھائی کی تو۔ والئی میوات نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور رستم خان (حاکم کول) کو اپنا معاون ومددگار بنا کر چھنڈ واڑہ کے مقام پر حسین شاہ شرقی سے جاملا۔ جس کی بناء پر بہلول لودھی کو ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوا جنگ نے جب طول پکڑا تو مزید خون خرابے سے بچنے کی خاطر دونوں فریقین کے درمیان تین سال بقول بعض چار سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا۔ جو دیر تک قائم نہ رہ سکا۔

☆ مذکورہ معاہدہ جنگ بندی سے والئی میوات احمد خان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اور اپنے انتقام کی آگ بجھانے کی خاطر والئی میوات نے اپنی بھرپور مدد کا یقین دلاتے ہوئے حسین شاہ کو بہلول کے خلاف اکسا کر جنگ پر آمادہ کر لیا۔ جس کے نتیجے میں حسین شاہ شرقی نے بہلول کی عدم موجودگی میں اُس کی مملکت پر حملہ کر دیا اس حملے میں والئی میوات نے حاکم پٹیالی"۔ سردار عیسیٰ خان کو اپنے ساتھ ملا کر چاندواڑہ کے مقام پر حسین شاہ شرقی (حاکم جون پور) کا بھرپور ساتھ دیا۔ جس کے باعث حسین شاہ نے۔ "اٹاوہ" پر اپنا قبضہ جما کر وہاں سے بہلول بادشاہ کے مقرر کردہ حاکم کو مار بھگایا۔

☆" (اس سلسلے کی مزید تفصیل "احمد خان والئی میوات" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)"۔

☆ والئی میوات احمد خان میواتی کی معاونت پر حسین شاہ شرقی کا اٹاوہ پر مذکورہ قبضے کے نتیجے میں بہلول بادشاہ میوات پر چڑھ آیا۔ شاہی لشکر دیکھ کر۔ والئی میوات بھی اپنا جم غفیر لشکر لے کر بادشاہ کے مدمقابل آیا۔ اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو دیکھ کر بہلول لودھی کے امراء و۔ وزراء نے احمد خان کے آباء واجداد کی تاریخ کی داستان دہراتے ہوئے اسے سمجھایا۔ جس پر بہلول بادشاہ اپنے سردار (خانِ خاناں) کو درمیان میں لایا۔ جس نے والئی میوات کو سمجھایا اور اس کی جانب سے دربار دہلی میں "مشیر میوات" مقرر کئے جانے کی عائد کردہ شرط مان کر ان دونوں کے درمیان صُلح کرادی۔ جس کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن گئے۔ ☆

☆ (894ھ 1488ء میں بہلول بادشاہ بداولی کے مقام پر وفات پا گیا)۔

☆☆

''سکندر لودھی''

بہلول لودھی کی وفات کے بعد امراء نے جب بہلول کے تیسرے بیٹے نظام خان کو منتخب کیا تو بعض امراء نے ایک غیر خاندان کی خاتون کے بطن سے پیدا ہونے والے اس نظام خان کی تخت نشینی پر مخالفت کرتے ہوئے بہلول کے بڑے بیٹے ''باربک شاہ'' کا نام تجویز کیا۔ لیکن مذہب سے گہری عقیدت کے باعث نظام خان کا پلّہ بھاری رہا۔ جس کے بعد امراء کی اکثریت رائے سے نظام خان کو 17 جولائی 1488ء میں ''سکندر شاہ'' کے لقب سے قصبہ جلالی اور بقول بعض تخت دہلی پر بٹھایا گیا۔ یہ بڑا خوبرو اور وجیہہ وشکیل تھا۔ یہ مستقل مزاج اور عزم صمیم کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین منتظم بھی تھا اور اپنے احکام کی تعمیل سختی سے کرواتا تھا۔ اس کا ذہن اور حافظہ بہت ہی زیادہ قوی تھا۔ یہ فارسی میں اعلیٰ پایہ کے اشعار کہا کرتا تھا۔ اس نے سنسکرت زبان کی۔ ایک طبّی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرانے کے بعد اس کتاب کا نام۔ ''طبِّ سکندری'' رکھا تھا۔ اس کے دربار میں کسی کو بھی غیر شرعی بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ بت پرستی کے خاتمے اور اسلام کی ترقی کا خواہاں تھا۔ سکندر شاہ لودھی ذاتی طور پر بڑا نیک اور خدا ترس واقع ہوا تھا۔ زیادہ تر مسلم وغیر مسلم مورخین نے اس کی بے حد تعریف کی ہے البتہ بعض ہندو۔ مورخین نے اسلام کی ترقی کے اس خواہشمند سکندر شاہ لودھی کو متعصب قرار دیا ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر تاریخوں میں اس سکندر شاہ لودھی کو کامیاب حاکمین اور فرمانرواؤں کی صف میں ممتاز جگہ دی جاتی ہے۔

سکندر شاہ لودھی نے اپنے دور اقتدار میں اپنے ہم زلف بھائی خانزادہ علاول خان بن ذکریا خان (والئی میوات) کو 900ھ 1494ء میں اپنے شاہی امراء میں داخل کر کے اس کا اقتدار اس قدر بڑھایا کہ اسے علاقہ میوات کا خودمختیار بادشاہ بنادیا۔ 923ھ نومبر 1517ء میں سکندر شاہ لودھی انتقال کر گیا۔

''ابراہیم لودھی''

افغان امراء کے فیصلے کے مطابق۔ سکندر شاہ لودھی کی وفات کے بعد 923ھ 31 نومبر 1517ء میں ابراہیم لودھی کو تختِ دہلی پر اور اس کے بھائی شہزادہ جلال خان کو تختِ جون پور پر بٹھایا گیا۔

اپنی تخت نشینی کے بعد ابراہیم شاہ لودھی نے اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی حسن خان میواتی کو وہ سات پر گنے واپس کر دیے جو اس کے دادا بہلول لودھی نے 854ھ 1451ء میں حسن خان میواتی کے پردادا خان زادہ احمد خان (والئی میوات) سے چھین لئے تھے۔

☆(یاد رہے دہلی کے قریب ترین والے مذکورہ سات پر گنوں پر احمد خان (والئی میوات) نے سادات خاندان کے آخری بادشاہ سیّد علاؤالدین ''عالم شاہ'' کی حکومت کے دوران اپنا قبضہ جما لیا تھا)۔

ابرہیم لودھی نے اپنے دورِ اقتدار میں حسن خان (والئی میوات) کا اقتدار اس قدر بڑھایا کہ اسے علاقہ میوات کا بادشاہ بنا دیا جس کے بعد یہ حسن خان میواتی اپنے ملک میوات کا راجہ اور ''شاہِ میوات'' کہلانے لگا۔

ابراہیم شاہ لودھی کے چچا عالم خان لودھی پنجاب کے صوبے دار دولت خان لودھی اور اس کے بیٹے دلاور خان لودھی اور میواڑ کے راجہ رانا سانگا کے اشارے پر ظہیر الدین محمد (بابر) 02 اپریل 1526ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں بابر نے اپنی توپ کا استعمال کیا جبکہ ہندوستان میں کوئی بھی اس سے پہلے اس توپ سے روشناس نہ تھا۔ اس جنگ میں ابراہیم کے چالیس پچاس ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر بابر تختِ دہلی پر قابض ہو بیٹھا۔

☆ (جب غلّے کی بڑی افراط ہوئی تو اس ابراہیم لودھی کے دور میں ایک معزز حیثیت کے آدمی کی تنخواہ پانچ تنکہ ماہانہ ہوگئی تھی۔ (تنکہ۔ تانبے کا ایک سکّہ ہوتا تھا)۔

پانی پت کی اس لڑائی میں حسن خان میواتی اپنے والد خانزادہ علاول خان اور اپنے دونوں بیٹوں سمیت ابراہیم لودھی کا طرفدار بن کر بابر سے لڑا۔ اس جنگ میں ابراہیم لودھی مارا گیا اور حسن خان میواتی کا بیٹا خانزادہ ناہر خان بابر کا قیدی بنا اور علاول خان اپنے خیمے کے اندر مردہ حالت میں پایا گیا جس کی موت کو اپنے رشتے داروں کی سازش قرار دیا گیا۔ بابر کی اس فتح یابی پر لودھی ندان کا پچھتر سالہ دور حکومت اختتام پذیر ہوا۔

ابراہیم لودھی (بادشاہِ دہلی) کی موت کے خالہ زاد بھائی خانزادہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کی ہندوستان میں نہایت مضبو ے خائف بابر بادشاہ اپنے جنگی قیدی ناہر خان کی آڑ میں شاہ میوات کو اپنا معاون وطرفدار ے حتی الامکان کوشش کرتا رہا۔ لیکن راجہ حسن خان نے اپنے ذاتی مفادات اور اپنے سیاسی ہو کر 932ھ 1526ء میں بابر کے خلاف اپنا علمِ بغاوت بلند کردیا اور آگرہ پہنچ کر اُس ے ساز باز کرنے کے بعد 1527ء میں ابراہیم لودھی کے بھائی سلطان محمود لودھی کو سلطنتِ دہلی کے لئے مالوہ سے بلوالیا۔

اس کے بعد بابر کی تمام تر طاقت سے باخبر ہونے کے باوجود بھی یہ شاہِ میوات۔ رانا سانگا کے ساتھ مل کر اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی ابراہیم لودھی کی موت کے انتقام کی خاطر۔ بابر کو غاصب وشرابی گردانتے ہوئے ہار جیت، نفع ونقصان کی پرواہ کئے بغیر بلا جھجک اُس سے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں آن اُترا۔

جبکہ بابر کی قید سے اپنے بیٹے خان زادہ ناہر خان کی رہائی کے بعد بھی بابر سے مل کر حسن خان کو اپنی۔ حکومتِ میوات برقرار رکھنے اور اپنی سیاسی پوزیشن چمکانے کا ایک سنہری موقع حاصل تھا۔ لیکن اپنی طرف ملانے کے لئے بابر کے مسلسل اصرار پر کان دھرے بغیر حسن میواتی نے آخری دم تک لودھی خاندان سے وفاداری کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

شاہِ میوات کی خالہ (یعنی ابراہیم لودھی کی ماں) یہ بخوبی جانتی تھی کہ راجہ حسن خان کے جدّ۔ امجد خان زادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان (جاگیردار کلنجر)۔ نے اپنی جھولی میں پکے ہوئے آم کی طرح گری ہوئی سلطنتِ دہلی بغیر کسی دباؤ کے۔ دیپالپور سے اُس کے سُسر بہلول لودھی کو بلوا کر نہایت فراخدلی و نیک نیتی کے ساتھ غیر مشروط طور پر اُس کے سپرد کر دی تھی۔

(یہاں پر ایک بار پھر یاد دلاتا چلوں کہ اس سے پہلے۔ سادات خاندان سے اپنی وفاداری اور سادات حکومت کے وزراء میں یکے بعد دیگرے سے اپنی شمولیت کے پیشِ نظر حمید خان میواتی اپنے بھتیجے راجہ جلال خان کے نقشِ قدم پر عمل پیرا اُس کے بیٹے خان زادہ احمد خان (والئی میوات) کو بھی اپنا ذاتی دشمن سمجھ بیٹھا تھا۔ جبکہ سیّد مبارک شاہ کے ہاتھوں اپنے بھائی سردار قدو خان کی بے جا موت کے انتقام کی آگ میں راجہ جلال خان سادات حکومت کا پہلے سے بھی زیادہ دشمن بن گیا تھا۔ اور آپس کی اسی رنجش کی بناء پر حمید خان نے اپنے قبضے میں آئی ہوئی دہلی سلطنت اپنے خاندان کے والئی میوات کے سپرد کرنے کی بجائے اپنے ہمعصر بہلول لودھی کے حوالے کر دی تھی۔

''یاد رہے کہ سیّد محمد شاہ بن فرید شاہ کے وزیر اعظم اور سیّد علاو الدین (عالم شاہ) کے وزیر اس خان زادہ حمید خان میواتی کے مذکورہ سلسلے کی تفصیل مورثِ اعلیٰ بہادر ناہر خان کے بیٹے۔ ''ملک فتح اللہ خان'' اور ''بہلول لودھی'' کے عنوان میں دی جا چکی ہے''

سادات حکومت کے خاتمے کے بعد بہلول لودھی (بادشاہِ دہلی) نے جب والئی میوات خانزادہ احمد خان سے رشتے داری کر لی تو ان میواتی خانزادوں نے لودھی خاندان کی حکومت کے استحکام کی خاطر۔ ہر مشکل موڑ پر لودھی خاندان سے اپنی بے لوث معاونت برقرار رکھی۔ یہاں تک کہ حسن خان میواتی نے تو لودھی حکومت کے خاتمے کے بعد بھی ابراہیم لودھی کے بھائی محمود لودھی کو سلطنتِ دہلی واپس دلوانے کی غرض سے میدانِ جنگ میں۔ بابر کی فوج سے لڑتے بھڑتے اپنی جان گنوا کر لودھی خاندان سے اپنی پُر خلوص وفاداری کی ایک انمٹ مثال قائم کردی۔ جس کے نتیجے میں علاقہ میوات کے اندر مارچ 1527ء میں بابر کی جانب سے خانزادوں کا قتل عام کیا گیا۔ (جو تاریخوں میں ''غدرِ میوات'' کے نام سے مشہور ہے)۔ اس غدر میں خانزادوں کی ایک بہت بڑی تعداد ماتم کدہ بنے ہوئے علاقہ میوات کو چھوڑ کر یاسیت کا بوجھ دل پر لئے ہوئے نامعلوم مختلف مقامات کی جانب نکل گئی۔ جس کے بعد خانزادہ ناہر خان دل برداشتہ ہو کر حوصلہ ہار بیٹھا۔ اور پھر موسم خزاں کے زرد و سوکھے ہوئے پتوں کی طرح بکھرتے ہوئے یہ خانزادہ قوم اشکبار آنکھیں لئے تتر بتر ہو کر رہ گئی۔ اور اس قیامت صغریٰ کے وقت بچھڑے ہوئے خانزادے آج تک نہ جُڑ پائے۔ جنہیں عالم مایوسی میں شدت احساس نسل در نسل آج بھی ڈھونڈتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن آج تک وہ ہمیں نہ ڈھونڈ پائے اور وہ ہمیں نہ مل پائے۔

غرض یہ کہ رنج والم کے گھیرے میں گھرے ہوئے بے رونق اور سہمے ہوئے ملک میوات کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور اس کی سسکتی و دم توڑتی ہوئی عظمت اور اس میوات کے اجڑے بگڑے اور ماتم کدہ بنے ہوئے گھروں سے اٹھنے والی دلخراش چیخ و پکار کے درمیان بھیگی پلکوں اور افسردہ لہجے میں اپنی ناکامی۔ بربادی اور وفاداریوں سے متعلق ہم لوگوں نے بیٹھ کر تقدیر کا رونا کب تک رویا یہ تو کچھ بھی یاد نہیں۔ ہاں البتہ ہلکا سا کچھ اتنا یاد ہے کہ آسمان کی سیر کرتا ہوا اور ہماری پشت سے ہوتا ہوا جب چاند ہماری نظروں کے سامنے آیا تو ہماری

خالہ (ابراہیم کی ماں) شدت جذبات میں بھڑک کر اٹھی اور نہایت ہی بے مروتی کے ساتھ ہماری تمام تر قربانیوں اور وفاداریوں پر دھول ڈالتے ہوئے مشترکہ دشمن کے گن گاتی ہوئی اُس کے دربار کی جانب چل پڑی اور وہاں پہنچ کر اُس نے نہایت شفیقانہ و عاجزانہ انداز میں اپنے بیٹے کے جانی دشمن کو۔ گولکنڈہ کی کان سے پائے جانے والے ''کوہ نور ہیرے'' سے نوازا۔

دلفریب شعاعیں بکھیرتا ہوا یہ پرکشش و نایاب تحفہ پا کر۔ بابر خوش ہوا۔ اور پھر اس ہیرے کی دلنشین چمک کے نیچے بُنے ہوئے سازشی جال نے اپنے منصوبے کی تکمیل کی خاطر۔ دربار شاہی میں اپنے ڈیرے ڈال لئے۔ اس کے بعد اپنی مرکزی قیادت سے محروم۔ بے یار و مددگار یہ میواتی خانزادے اپنی ہولناک تباہی اور اپنے پیاروں کی اموات کا غم اپنے اداس دل میں بسائے ہوئے ہچکیاں اور سسکیاں لیتے ہوئے گھٹنوں کے درمیان اپنا سر دے کر بیٹھ رہے۔

تاریخ عالم میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا انوکھا عجیب و حیران کن موقع تھا جہاں پر ایک ماں نے اپنے بیٹے کے قاتل کو انمول ہیرے سے نوازا۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام تر حقائق کو پس پشت ڈال کر اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے بابر کے نزدیک ہو کر اُسے زہر دینے کی سازش کی تکمیل کی خاطر مذکورہ نایاب تحفے کا سہارا لیا گیا۔

جذبات کی رو میں بہتے ہوئے ابراہیم کی ماں اگر مذکورہ سازش کا منصوبہ تیار نہ کرتی اور صبر و تحمل سے اپنے ہوش و حواس پر قابو پا کر ٹھنڈے دل سے یہ مذکورہ ہیرے سے متعلق فیصلہ کرتی تو یقیناً وہ یہ ہیرا خانزادہ ناہر خان کو بطور تحفہ عنایت کرتی جس کے باپ حسن خان میواتی نے اُس کے بیٹوں کی خاطر اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دی۔

☆ (حسن خان کی وفاداریوں سے متعلق تفصیل۔ (بابر اور حسن خان) کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔ جبکہ

خانزادوں کی جانب سے لودھی خاندان کو ملنے والی سلطنتِ دہلی کی تفصیل۔ ''(ملک فتح اللہ خان)'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

غرض یہ کہ جلد ہی ہمایوں کی بیماری کے دوران۔ بابر کی پریشانی سے ابراہیم کی ماں نے فائدہ اُٹھایا اور اپنی کنیز کے ذریعے اپنے انتقامی منصوبے کو تکمیل تک پہنچایا۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی۔ ''تاریخ پاک و ہند'' (علمی کتب خانہ اُردو بازار لاہور) 462 ص پر مذکورہ ہیرا کا ذکر کرتے ہوئے 463 ص پر۔ بابر بادشاہ کی موت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ ''(اس کے بعد بابر کی بیماری بڑھتی گئی۔ ہمایوں نے باز خواست کی حکماء نے جواب دیا کہ۔ اس بیماری کا باعث وہ زہر ہے۔ جو ابراہیم کی ماں نے اپنی ایک کنیز کے ذریعے بابر کے باورچی کے ساتھ سازش کر کے اُس کے خاصہ میں ملا دیا تھا۔ آخر 26 دسمبر 1530ء کو راہی ملک عدم ہوا)''۔

تاریخوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ انعامات وغیرہ کے سلسلے میں شاہانِ زمانے کا ابتدا ہی سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ان لوگوں نے ہر نئے اور مشکل موڑ پر اپنے وفاداروں کی حوصلہ افزائی کی خاطر انہیں بھاری تحائف وانعامات وخطابات وغیرہ سے نوازا ہے۔ لیکن کتنا افسوس ناک مقام ہے یہ جہاں پر وہ اٹھتے وقت شور کسی اور کے نام سے برپا ہوا۔ اور نگاہیں کہیں اور جا کر مرکوز ہوئیں۔ بام عروج پر پہنچی ہوئی چاہتیں دم بھر میں کافور ہوئیں۔ تاریخی اوراق پر عزم و حوصلے کی چند سطور چھوڑ کر برسہا برس کی وفاداریاں بہتے ہوئے خون کے ساتھ جم کر خاک میں مل گئیں۔ کچھ کہا گیا۔ نہ ہم سے کچھ سُنا گیا۔ اپنے اعتماد میں لینا تو دور کی بات ابراہیم کی ماں نے اپنے وفا شعاروں کے ساتھ دو چار قدم چلنا بھی گوارا نہ کیا۔ یہ تو کسی کے خواب و خیال تک میں نہ تھا کہ اپنے بھانجے خانزادہ حسن خان میواتی کی فتح یابی کے لئے سر بسجود ہو کر دعائیں مانگنے والی خاتون۔

آج اس قدر بدل جائے گی کہ علاقہ میوات کی صفِ ماتم سمٹنے سے پہلے ہی وہ رنج والم کی ہولناک وادی میں گھرے ہوئے اپنے بے بس ومجبور وفاداروں کے دکھ درد بانٹنے اوران کے دل کی تسلی کی خاطران کے سروں پراپنا شفقت کا ہاتھ رکھنے کی بجائے ان کی اشکبار آنکھوں میں خاک ڈال کرنایاب تحفہ لئے ہوئے اپنے بیٹے اور پوتے کے قاتل کے دربار میں جاپہنچے گی۔

سچ کا ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔اور پھر کچھ۔مصلحت بھی آڑے آئی رہتی ہے۔

ورنہ

کون کہتا ہے کہ سچ کہنا ہمیں آتا نہیں
کہہ تو دیں لیکن زمانہ پھر خفا ہوجائے گا

(امآن نوشہروی)

تمام تر حقائق کے پیشِ نظر یہاں پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اپنے ہمدرد ساتھیوں سے مشورہ کرنے کی بجائے ابراہیم کی ماں کا دربارِ دشمن میں جانا اپنے وفاداروں کے اعتماد کوٹھیس پہنچا کراُن کی وفاداریوں کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا۔اپنے ضمیر سے فیصلہ لئے بغیر نہایت ہی بے رخی کے ساتھ اُس نے اپنے پُرخلوص رشتے داروں سے منہ موڑا۔اپنی شان کے بندھن کوتوڑا۔اور جا کے دشمن سے اپنا رشتہ جوڑا۔جبکہ خانزادوں کی خلوص نیت نے تو ہیرے کو بھی صرف پتھر جانا۔بدلے نصیب تو اپنا ہوا بیگانا۔اب شکوہ کیا اور پھر اُس سے کیا شکوہ۔جس نے نہ خلوص نیت کو پہچانا اور نہ محبت ہی کو جانا۔بس نزاکتِ وقت نے بھی خاموشی کو بہتر جانا۔لیکن اب خاموشی بیکار چونکہ خاموشی ہوتی ہے رضامندی کا اظہار کوئی مانے یا کرے انکار اس سے نہیں کوئی سروکار جب بات چل ہی نکلی ہے تو حقیقت کا کرنا پڑا پرچار۔کہ اس سے پہلے تو ہیرے کا ذکر کہیں بھی نہ تھا فسانے میں بلکہ وفاشعاری اور خلوص نیت ہی میواتی خانزادوں کا طرہ امتیاز رہا تھا۔دراصل لودھی خاندان سے میوات کے خانزادوں کی وفاداریاں کسی دباؤ یا لالچ کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ وہ تو صرف رشتے

داری کی مستحکم بنیادوں پر چلی آرہی تھیں۔ جس کی بناء پر احمد خان، ذکریا خان، علاول خان اور حسن خان خانزادگان (والیانِ میوات) نے یکے بعد دیگرے اپنی اپنی وفاداریوں میں کہیں بھی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ چند گھڑی مل بیٹھ کر بے گور وکفن جان نثاروں کا دکھ درد بانٹنے سے پہلے ہی نسلوں کی بے لوث وفاداریاں۔ شفیقانہ صلہ پائے بغیر ہی۔ سسکیاں لیتیں اور اشک ٹپکاتی ہوئیں۔ اپنی دلجوئی کے لئے ہیرا تو دور کی بات۔ صرف اور صرف دلاسے اور قوتِ اپنائیت کی خاطر۔ اپنا پھیلا ہوا دامن خالی لئے۔ حق وانصاف کی ترازو میں تُلے بغیر کوے میں چلی گئیں۔ کیا یہاں پر خانزادوں کی تمام تر قربانیوں اور وفاداریوں کے بدلے ان کی تسلی کی خاطر کسی شاعر کا یہ شعر کہہ دینا۔

مناسب ہوگا کہ:۔

ہاں ہاں وہ بے وفا سہی جاؤ نہیں وفا پرست
جس کو ہو جان و دل عزیز ان کی گلی میں جائے کیوں

اگر تقدیر کا رونا روتے ہوئے بات کو یہیں پر ختم کر بھی دیا جائے تو تاریخی اوراق پر لکھی ہوئی اُن عبارتوں پر کیوں کر پردہ ڈالا جائے جو بغیر کسی جانبداری کے یہ بیان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ:۔ایک بے یار و مددگار ڈومنی نے اپنے ہوش وحواس سے کام لے کر اپنے بیٹے کے خون کے بدلے اپنے دشمنوں کی (نکوم حکومت) کو اربلی (کالے پہاڑ) کی جڑوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جبکہ اس طرف دوسری ماں نے اپنے عزیز و اقارب کو اپنے اعتماد میں لئے بغیر ہی اپنے بیٹوں کے قاتل کو نایاب ہیرے سے نواز دیا۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا

مذکورہ سلسلے میں یہاں پر کوئی عار محسوس کئے بغیر بانگ دُہل یہ کہنا پڑتا ہے کہ:۔ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے۔ بغیر کسی مشورے کے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ہٹ کر۔ اپنے جان نثاروں اور وفاداروں کی تمام تر وفاؤں پر خاک ڈالتے ہوئے اپنے دشمن کی عزت اور حوصلہ افزائی کرنے والی۔ اس عُجلت پسند محترم خاتون ۔ کا ہیرے سے متعلق مذکورہ سازشی جذباتی و ذاتی فیصلہ نہ صرف حیران کُن بلکہ توجہ طلب ہے۔ جس سے انحراف کرتے ہوئے میں تمام تر تعصبات ومفادات سے بالاتر ہوکر۔ نہایت نامی وجنگجو خان زادہ قبیلے کی بے لوث وفاداریوں کے پیش نظر قوم خانزادگانِ میوات کی جانب سے اقوام عالم کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے ''کوہ نور ہیرے'' سے متعلق یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ:۔ علاقہ میوات کی سنسان ہولناک و اداس فضاؤں میں خون میں نہائے ہوئے جاں نثاروں کے اجسام سے نکلیں ہوئیں تڑپتی و بھٹکتی ہوئی روحوں کے درمیان ہیرے کے طالب دیگر رشتے داروں کے صحن میں خون وفا سے رنگی ہوئی چادر بچھا کر دشمن کے آتشیں اسلحہ اور توپ کے مقابلہ میں اپنے جان نثاروں کی بے لوث سچائی اور اُن کے تیر وتلوار کے خلوص کا نقشہ سامنے رکھتے ہوئے۔ وفاداری کے صلے میں اُن حواس باختہ لوگوں کے اُترے ہوئے چہرے۔ بکھری زلفیں اور اُن کے زرد و بے رونق رخساروں پر بہتے ہوئے اشکوں بندھی سسکیوں ٹھنڈی آہوں اور اُن کے ماتم کدہ گھروں کو نظر انداز کئے بغیر۔ مذکورہ ہیرے کے طاقت ور دعویداروں کی دہشت دل سے مٹا کر خوف خدا کو اپنا کر بغیر کسی دباؤ کے تاریخی اوراق کے حیرت انگیز، دلخراش، مقناطیسی وٹھوس حقائق کی روشنی میں نہایت صبر وتحمل کے ساتھ محتاط انداز میں۔ منصفانہ وغیر جانبدارانہ طریقہ اپنا کر حقداروں کے حق اور انصاف کی بالادستی کی خاطر دورِ حاضر میں مذکورہ ہیرے سے متعلق از سرِ نو اگر غیر جذباتی وفراخدلانہ فیصلہ صادر کیا جائے تو بلاشبہ اس نایاب کوہ نور ہیرے پر میواتی خانزادوں کا پورا پورا حق بنے گا۔ جس پر آجکل ملکہ برطانیہ نے اپنا قبضہ جمایا ہوا ہے۔ اور اسے اپنے تاج کی زینت بنا رکھا ہے۔

قصہ مختصر یوں کہ اس سلسلے میں۔ ''(ہاری ہرنی باغ چھوڑ یے)'' کے تحت فی الوقت یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ:

آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
بندھ جائے وہ موتی ہے رہ جائے سو دانہ ہے

☆☆

باب دوئم

باب دوئم

حدود اربعہ

"میوات"

مشرق:۔ میں میوات کے برج کا دیس جس میں ریاست بھرتپور اور ضلع متھرا واقع ہے۔

مغرب:۔ میں بیگونہ جس میں کوٹ قاسم تحصیل ریواڑی اور راٹھ کا علاقہ جس میں جینددلی سے مانڈھن اور بہروز وغیرہ تک شامل ہیں۔

شمال:۔ میں دریائے گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ تھا۔

جنوب:۔ میں ڈھونڈھار کا علاقہ تھا۔

دہلی سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب کی طرف پھیلے ہوئے علاقہ میوات کا طول ایک سو ساٹھ کلومیٹر اور عرض ایک سو بیس کلومیٹر ہے۔

☆مختصر یہ کہ آمیر سے اَسّی میل یعنی (128) کلومیٹر ہٹ کر میوات کی حد شروع ہوتی ہے۔جس کی ابتدا الور اور انتہا جمنا پر ہوتی تھی۔جو اِس کے حدود اربعہ میں شامل تھیں۔

اس میوات میں جو علاقے شامل تھے اُن سے متعلق پنڈت جوالا سہائے عدالتی (راج بھرت پور) اپنی تاریخ "وقائع راجپوتانہ" میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

☆ علاقہ میوات میں تحصیل الور۔رام گڑھ۔بہادر پور۔گوبند گڑھ۔پیپل گڑھ۔کشن گڑھ۔اسماعیل پور۔تجارہ۔ٹپوکڑہ۔اور علاقہ انگریزی میں فیروز پور جھرکا۔نوح۔تاوڑو۔ہتین کی تحصیلیں اور ریاست بھرتپور میں گوپال گڑھ۔پہاڑی جرہڑہ۔اور کاماں کی تحصیلیں شامل تھیں۔جن میں سے بعض تقسیم ہند سے بہت پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔

☆☆

''تفصیلِ میوات''

مختلف محققین نے بتایا ہے کہ:۔اہلِ ساشتر نے دنیا کو سات دیب اور نو کھنڈوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر دیب میں کچھ کھنڈ اور ہر کھنڈ میں کچھ دیس شامل ہیں۔ کھنڈوں میں ایک کھنڈ کا نام ''بھرت کھنڈ'' ہے جس میں ''میوات'' کا دیس شامل ہے۔ علاقہ میوات۔ ریاست الور۔ ریاست بھرت پور۔ اور ضلع گوڑگانواں میں وقوع پذیر تھا۔ دہلی کے نزدیک ترین ساڑھے سات ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے اس علاقہ میوات کا طول ایک سو میل اور عرض پچہتر میل یعنی (بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل تھا۔) اس زرخیز علاقے کی آمدنی بقول بادشاہ بابر (چار کروڑ ٹنکہ۔ نقرئی سالانہ۔ تھی) تقسیم کے لحاظ سے یہ علاقہ درج ذیل تین حصوں پر مشتمل تھا۔

☆ پہلا حصّہ:۔ بھیانہ

☆ دوسرا حصّہ:۔ آبریز

☆ تیسرا حصّہ:۔ پہاڑ اوپر۔ (کے نام سے مشہور تھا۔)

تیسرا حصّہ جو پہاڑ فیروز پور جھرکہ سے قصبہ سُہنہ اور ضلع گوڑگانواں تک پھیلا ہوا ہے اس کے مغرب میں۔ علاقہ تاوڑد۔ ٹپوکڑہ۔ تجارہ۔ اور۔ کشن گڑھ وغیرہ ہیں۔ جنہیں ''پہاڑ اوپر'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس پہاڑ کے مشرق میں علاقہ فیروز پور جھرکا۔ نگینہ۔ کوٹلہ۔ اور قصبہ نوح۔ وغیرہ شامل ہیں جنہیں ''آبریز'' کہا جاتا ہے۔

برسات کا تمام تر پانی یہاں جمع ہوجانے کی مناسبت سے زمینداروں نے اس کا اصل نام۔ ''آبرپُر'' جو سرکاری دفاتر و کاغذات وغیرہ میں پایا جاتا ہے بگاڑ کر ''آبریز'' نام رکھ لیا۔ آبریز کے مشرق میں ایک اور پہاڑ۔ شمالاً۔ جنوباً۔ پھیلا ہوا ہے جو اِس ''آبریز'' کی حدِ فاصل تھی۔ یا یوں سمجھے کہ اِس پہاڑ کے مشرق میں بھیانہ۔ اور۔ مغرب کی جانب ''آبریز'' ہے۔

اس علاقہ میوات میں خود۔رو۔جھاڑیاں اور گھنے درخت بکثرت پائے جاتے تھے۔جن کا ذکر کرتے ہوئے مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد سوم 110 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(حسن خان میواتی اور اُس کے آباء واجداد شاہانِ دہلی کے برائے نام مطیع تھے۔ان لوگوں کے زمانے میں ملک میوات کے اندر سلاطینِ دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے اور اِس میں پہاڑ اور خود۔رو جھاڑیاں ایسی ہیں جن میں اِن میواتی سرداروں اور جاگیرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا۔چنانچہ جب کبھی ان پر شاہانِ دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی تھی تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے لیکن جب کبھی یہ میدانوں میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو فوراً یہ لوگ پناہ لینے کیلئے پہاڑوں میں جا گھستے تھے۔جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر محروم ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔

☆☆

''میوات کی وجہ تسمیہ''

تاریخ سے بہرہ طبقے کے لوگوں میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ۔''میوؤ'' قوم کے رہنے کی مناسبت سے اِس علاقے کا نام۔''میوات'' مشہور ہوا۔جو کہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔چونکہ آج سے تقریباً تین ہزار پانچ سو سال پہلے جب اِس علاقے پر چھتری نسل کے جادوبنسی (یادوبنسی) راجپوت خاندان کی حکومت تھی اُس وقت بھی اِس علاقے کا نام ''میوات'' ہی مشہور تھا۔جبکہ ''میوؤ'' قوم کی پیدائش مختلف مورخین کی تحقیق کے مطابق محمود غزنوی کے زمانے 395ھ 1004ء میں مسعود سالار غازی کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی۔''تاریخ مرقعٔ الور'' 7 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔(جو لوگ دیسی یہاں

کہ۔''بوجہ سکونت میوؤ''۔نام اس ملک کا میوات بتلاتے ہیں۔وہ جنگلی بالکل بے سُر اراگ گاتے ہیں۔کیونکہ اکثر تواریخ سے اظہر ہے کہ:۔باشندگانِ میوات کا قدیم سے لقب''میواتی''۔مقرر ہے۔پس بود و باش میوات سے یہاں کے ساکنین نے لقب''میوؤ'' کا پایا۔نہ کہ سکونتِ قوم۔''میوؤ'' سے اِس ملک کو اسمِ''میوات''ہاتھ آیا۔)

شرف صاحب اپنی''تاریخ مرقعٔ میوات''63ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆(میوات کا تمام علاقہ پہاڑی ہے۔اور سنسکرت زبان میں''میر''پہاڑ کو کہتے ہیں۔پس پہاڑی ہونے کی وجہ سے''میوات'' کا نام''میرات''یا''میروات''رکھا گیا جو بعد میں کثرتِ استعمال سے''میوات'' ہی مشہور ہوا)۔

☆(کرنل ٹاڈ صاحب نے بھی اپنی''تاریخ ٹاڈ۔راجستھان''میں''میوات'' کا دوسرا نام۔''میرات''ہی تحریر کیا ہے)۔

میوات کے علاقے میں اربلی پہاڑ((جو ہندوستان میں'' کالا پہاڑ'' کے نام سے مشہور ہے)۔کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں زمانہ قدیم میں اِن شاخوں کے اردگرد ایک''میر''نامی قوم آباد تھی۔میر قوم کی یہاں پر آبادی کی بناء پر اِس''میر''قوم کے نام پر اِس علاقے کا نام''میرات''۔میروات رکھا گیا تھا جو بعد میں کثرت استعمال سے''میوات''مشہور ہوا۔جیسا کہ میواڑ کا نام بھی پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے''میرواڑ''یا۔''میواڑ''رکھا گیا۔

مختلف تاریخوں کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ:۔''میوات''ایک بہت ہی قدیم نام ہے اور یہ نام''میوؤ'' کی یہاں پر سکونت کی وجہ سے نہیں رکھا گیا۔بلکہ خود''میوؤ''نام کی وجہ تسمیہ میوات میں سکونت کی بناء پر عمل میں آئی۔

لفظ ''میواتی''
کی وضاحت

لفظ۔ ''میواتی'' میں۔ یائے نسبتی ہے۔ جس کے معنی ''میوات'' سے نسبت رکھنے والوں کے ہیں۔ اِسی مناسبت سے علاقہ میوات میں آباد تمام اقوام بلاتفریق مذہب وملّت ''میواتی'' کہلاتی رہی ہیں۔☆اِس لفظ ''میواتی'' میں بلحاظ مذہب۔ ہندو۔ مسلم۔ سکھ۔ عیسائی وغیرہ اور بلحاظ قوم۔ میوو۔ مہاجن۔ شیخ۔ سیّد۔ خانزادے۔ تنور۔ پٹھان۔ بڈگوجر۔ قائم خانی وغیرہ شامل ہیں۔

میوات کے آگے یائے نسبتی لگانے سے لفظ ''میواتی'' بن جاتا ہے جبکہ ''میو'' کے آگے یائے نسبتی لگانے سے لفظ ''میواتی'' نہیں بلکہ لفظ ''میوی'' بنتا ہے۔ جو کہ بے معنی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ ''میواتی'' اور لفظ ''میوو'' دونوں بالکل جدا جدا ہیں۔ ہر تاریخی محقق نے اپنی اپنی تاریخوں میں تمام باشندگانِ میوات کو ''میواتی'' ہی لکھا ہے۔

جیسا کہ:۔

☆(شیخ محمد مخدوم صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقعٔ الور ص 7 پر تحریر فرمایا ہے کہ:۔)

☆(اکثر تاریخوں سے اظہر ہے کہ باشندگانِ میوات کا لقب قدیم سے ''میواتی'' مقرر ہے)۔

مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر ''آفتابِ میوات'' اپنی ''تاریخ میوات'' ص 44 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

☆(جس طرح ''مارواڑ'' کے کُل باشندگان کو ''مارواڑی'' اور ''میواڑ'' والوں کو ''میواڑی'' کہتے ہیں۔ اِسی طرح کُل باشندگانِ ''میوات'' کو ''میواتی'' کہتے ہیں۔)۔

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی کتاب ''مقدمہ تاریخ ہند۔ قدیم'' ص 86 پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆(ہندوستان کی رہنے والی اقوام۔ہندو۔مسلمان۔سکھ۔پارسی۔بودھا۔اورعیسائی وغیرہ لفظ ''ہندوستانی'' یا ''لفظ'' ہندی'' میں شامل ہیں لیکن لفظ ''ہندو'' کے مفہوم سے یہ اقوام سب جدا جدا ہو جاتی ہیں۔بہ ہئیت مجموعی بلاشبہ اِس لفظ ''میواتی'' کا اطلاق نہ صرف قوم میو۔پر بلکہ بلاتفریق۔مذہب وملّت کُل باشندگانِ میوات پر کیا جاتا ہے)۔

مذکورہ تاریخی حوالہٗ جات سے یہ بات اظہرمن الشمس ہے کہ:۔جس طرح۔بنگال میں رہنے والوں کو بنگالی۔☆ایران میں رہنے والوں کو ایرانی۔☆ہندوستان میں رہنے والوں کو ہندوستانی۔☆پاکستان میں رہنے والوں کو پاکستانی۔☆پنجاب میں رہنے والوں کو پنجابی۔☆اورسندھ میں رہنے والوں کو سندھی۔☆کہاجاتا ہے۔بلکل اِسی طرح میوات میں رہنے والوں کو''میواتی'' کہا جاتا رہا ہے۔

یہی بنیادی وجہ ہے کہ اردو۔فارسی۔ترکی اورانگریزی تاریخوں میں یہاں کے رہنے والے۔حکامّ۔راجگان۔سردارانِ قوم اور جاگیرداروں کو میواتی ہی لکھا گیاہے۔

آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے میوات پر حکومت کرنے والے نہ صرف چندربنسی نسل کے جادوبنسی راجپوت خاندان کے راجہ سَسر ماجیت۔راجہ تیج پال۔اور۔راجہ چندو غیرہ کو تاریخوں میں میواتی لکھا گیاہے بلکہ علاقہ میوات میں رہنے اور حکومت کرنے کی وجہ سے قوم تنور۔بڈگوجر۔ملک اورنکوم وغیرہ کو تاریخوں میں۔''میواتی'' ہی لکھا گیا ہے۔اِسی طرح علاقہ میوات میں رہنے اور حکومت کرنے کی وجہ سے چندربنسی عمدہ نسل میں شمار کئے جانے والے یہ جادوبنسی راجپوت ''خانزادے'' بھی تاریخوں میں میواتی کہلائے۔

☆ جب پٹھانوں کی حکومت آئی تو یہ بھی تاریخوں میں ''میواتی'' کہلائے اور یہی ''خانزادہ'' خطاب

''جس کی افغانوں میں بڑی عزت وتوقیر تھی۔'' پانے کے بعد یہ لوگ ''خانزادے'' بھی کہلائے:۔جیسا کہ خانزادہ عالم پٹھان کو:

☆ (تاریخ فرشتہ جلد دوم 128 صفحہ لغایت 158، 288، لغایت 419 میں ''خان زادہ'' بھی اور ''میواتی'' بھی صاف طور پر تحریر ہے)۔

☆منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے شادی خان پٹھان کو میواتی لکھا ہے۔

☆(یہاں پر یہ یاد رہے کہ جادونسی راجپوت سردار بہادر ناہر خان ''مورث اعلیٰ قوم خانزادہ گان'' کی نسل سے پیدا ہونے والے میواتی خانزادوں کا شجرے کے لحاظ سے پٹھان۔ترک اور دیگر قوم کے خان زادہ خطاب پانے والوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں مذکورہ تمام خانزادوں کے شجرہ نسب جدا جدا ہیں۔میوات کے جادونسی راجپوت خانزادوں کا شجرہ ہائے نسب تفصیل کے ساتھ تاریخ ھذا میں تحریر کیا گیا ہے۔)

☆مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد اوّل ص 382 پر میوات کے کوہ شوالک اور۔رن تھمبور کے ہندو راجاؤں کو میواتی لکھا ہے۔

☆کرنل جمیز ٹاڈ نے اپنی ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' جلد اوّل 242 میں۔قائم خانیوں کے مورث اعلیٰ قائم خان کو''میواتی'' لکھا ہے۔

☆مذکورہ تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات صاف ہو کر سامنے آتی ہے کہ تاریخوں میں میوات کی نسبت یا حکومت کرنے کی وجہ سے ان تمام سردارانِ قوم وراجگان وغیرہ کو میواتی ہی لکھا گیا ہے،جنہوں نے یکے بعد دیگرے میوات پر حکومت کی۔☆ حاصل مطلب یہ کہ لفظ ''میواتی'' علاقہ میوات کی مجموعۂ اقوام کا نام ہے جبکہ لفظ۔''میوات'' صرف ایک ہی نومسلم قوم کا نام اور مذکورہ مجموعے کا جزو حصہ ہے۔

مسٹر منوّر خان ساغر۔اکبر آبادی'' سالنامہ مسلم راجپوت امرتسر'' مطبوعہ جنوری 1935ء صفحہ 21

۔پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (راجپوتانہ کے تین حصے۔میواڑ۔مارواڑ۔اور میوات ہیں جن کے باشندے بلا امتیاز ذات و مذہب میواڑی۔مارواڑی اور میواتی کہلاتے ہیں) ☆

''یہاں پر یہ یاد رہے کہ'' تاریخ ظہیرالدین بابر بادشاہ'' میں میواڑ کے۔راجہ رانا سانگا کو غلطی سے میواتی تحریر کیا گیا ہے میں جبکہ رانا سانگا میواتی نہیں بلکہ میواڑی تھا۔''

خان زادہ راجہ جلال خان (والئی میوات پنجم) اور سیّد مبارک شاہ (بادشاہ دہلی) کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے۔مسٹر پی۔اے جیکٹ اپنی تاریخ۔(ترجمہ گزیٹیر الور) ص 171 پر بیان کرتے ہیں کہ:۔

☆ (1428ء میں بادشاہ نے میوات پر قابو پایا لیکن ریواڑی اُس زمانے میں بھی میواتی خانزادوں کے قبضے میں تھی۔)

مذکورہ سلسلے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی (تاریخ ہندوستان) مولوی محمد حسین دہلوی (تاریخ دربار اکبری) مولوی نجم الغنی رام پوری (تاریخ کارنامۂ راجپوتانِ ہند) کرنل ٹاڈ صاحب (انگلش تاریخ ٹاڈ راجستھان) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی۔(تاریخ اردو ترجمہ تاریخ ہندوستان) اور دیگر اردو۔ترکی۔اور فارسی تاریخوں کی اوراق گردانی سے روز روشن کی طرح عیاں ہوکر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان نومسلم چندر بنسی راجپوت خانزادوں کی علاقہ میوات میں اپنی مستقل بود و باش اور وہاں پر ان کی خود مختارانہ حکومت کی نسبت انہیں مختلف تاریخوں میں میواتی تحریر کیا گیا ہے اور یہ لوگ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔

جیسا کہ مولوی عبدالشکور صاحب۔ایڈیٹر'' آفتاب میوات'' اپنی۔'' تاریخ میوات'' ص 45 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (ہندو۔مسلم تاریخوں میں ان خانزادوں کو میواتی تحریر کیا گیا ہے۔اور یہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔)

''قائم خانی''

''غاصب خسرو'' کے قتل کے بعد جب غازی ملک ''غیاث الدین تغلق'' کا خطاب اختیار کر کے 720ھ۔1320ء میں سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔تو اس تغلق بادشاہ کے زمانے میں۔راؤرتن بن میگھ چند''پنوار''متوطن ہریانہ''حضرت محمد نظام الدین اولیا'' کے ہاتھوں معہ عزیز۔و۔اقارب مشرف با اسلام ہوا تھا۔(حضرت نصیرالدین شیخ ''چراغ دہلوی'' کے اِس پیر۔حضرت نظام الدین اولیا کی وفات 725ھ ۔1325ء میں ہوئی تھی)۔یہ یادرہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین اپنے مذکورہ پیر کے خلیفہ تھے اور ان کی وفات 757ھ۔1356ء میں ہوئی تھی)۔

غیاث الدین تغلق کے بعد1325ء سے1352ء تک سلطان محمد تغلق کا زمانہ رہا۔محمد تغلق کی وفات کے بعد753ھ۔1352ء میں فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا جو790ھ۔1388ء۔1444 بکرمی تک رہا۔

اس فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں علاقہ حصار کے''موضع دورالہ'' کے چوہان موٹے راؤ کے بیٹے ''کرم سی'' نے785ھ۔1383ء۔1439 بکرمی میں سیّد ناصر خان کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہونے پر فیروز شاہ تغلق (بادشاہِ دہلی) کی جانب سے اس ''کرم سی'' نے اسلامی نام وخطاب۔''قائم خان'' پایا۔جس کے بعد یہ قائم خان۔''قائم خانیوں'' کا''مورث اعلیٰ'' کہلایا۔سیّد ناصر خان نے قائم خان کو اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔جس کی بناء پر شاہی مصاحبت میں داخل ہو کر اِس قائم خان نے پرگنہ حصار کو جاگیر میں پایا۔☆

قائم خان کے مشرف با اسلام ہونے کے بعد اِس کے دوسرے تین بھائی بھی مسلمان ہو گئے تھے جن کے اسلامی نام زین الدین۔ظہیر الدین۔اور۔اختیار خان رکھے گئے تھے۔

☆ قائم خان کی اولاد کے ساتھ ساتھ مذکورہ تینوں بھائیوں کی اولاد بھی''قائم خانی'' کہلائی۔

تغلق خاندان کی حکومت کے خاتمے کے بعد۔سادات خاندان کی حکومت کے بانی۔سیّد خضر خان

(بادشاہ دہلی) کے دربار میں بھی قائم خان نے کافی اثر رسوخ حاصل کیا۔ لیکن جلد ہی سید خضر خان کسی بات پر اس سے ناراض ہوا۔ اور 822ھ۔ 1419ء میں سزائے موت کا حکم دے کر اس قائم کو۔ دہلی کے قلعے پر سے دریائے جمنا میں پھنکوا دیا۔

قائم خان کی موت کے بعد اس کے دونوں بیٹوں۔ تاج خان قائم خانی اور محمد خان قائم خانی کو بھی بادشاہِ دہلی نے پرگنہ حصار سے نکال باہر کیا۔ مذکورہ دونوں بھائیوں نے۔ جیسکیر۔ اور۔ ناگور میں کافی عرصہ رہنے کے بعد۔ فتح پور۔ اور۔ جھنجھوں۔ میں اپنی الگ الگ جاگیریں قائم کرلیں۔ جن پر 1130ھ۔ 1718ء۔ 1774 بکرمی تک مذکورہ دونوں بھائیوں کی اولاد۔ نسل در نسل راجہ کے خطاب سے حکومت کرتی رہی۔

اِس کے بعد کامیاب خان قائم خانی اور سہیل خان قائم خانی سے یہ دنوں ریاستیں۔ شیخاوت کے (سورج بنسی) کچھواہوں نے چھین لیں۔ جس کے بعد یہ لوگ مجبور ہوکر "مارواڑ" چلے گئے۔ فتح پور والے کامیاب خان کی اولاد مقام کچامن۔ ریاست جودھپور میں آباد ہوگئی۔

تقسیم ہند سے پہلے اِن لوگوں کی۔ اکثریت علاقہ شیخاواٹی اور۔ ریاست جے پور میں پائی جاتی تھی۔ کچھ عرصے بعد جے پور والے راجہ "اودے کرن" نے قائم خانیوں سے یہ علاقہ چھین کر ان کو یہاں سے نکال دیا تھا۔ علاقہ شیخاواٹی میں قائم خانی بہت۔ بڑے جاگیردار تھے۔

تحصیل ریواڑی ضلع گوڑگانواں میں بھی قائم خانیوں کا ایک گاؤں "دھاملاداس" آباد تھا۔ اس گاؤں کا واحد مالک راجہ عیسٰی خان قائم خانی تھا۔ کچھ قائم خانی۔ ہانسی۔ اور۔ نارنول میں بھی پائے جاتے تھے۔ جو مورث اعلٰے قائم خان کے۔ تیسرے بھائی اختیار خان کی اولاد میں سے تھے۔ بعد میں یہ لوگ تلاشِ روزگار کی بناء پر۔ حیدرآباد (دکن) میں جا بسے تھے۔

پہلے یہ لوگ بھی ہندو راجپوتوں کی طرح قذّاقی وڈاکہ زنی وغیرہ کیا کرتے تھے بعد میں یہ لوگ زراعت ۔تجارت ۔سپہ گری ۔اور مزدوری وغیرہ سے اپنا پیٹ پالنے لگے۔یہ مضبوط جسم کے لوگ بہادر۔جفاکش۔اور محنتی ہوتے ہیں اِن لوگوں میں اکھڑ پن۔خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔آج بھی اِن لوگوں کے اندر کافی ہندوانہ رسم ورواج۔پائے جاتے ہیں۔

ہجرت کے بعد ان لوگوں کی آبادیاں صوبہ سندھ کے شہر کراچی ۔حیدر آباد۔جیمس آباد۔ٹھٹھہ۔ٹنڈو محمد خان ۔ٹنڈو آدم۔ٹنڈو جام۔ٹنڈو الدیار۔کوٹڑی۔شہداپور۔نواب شاہ۔سکھر۔ڈگری۔اور دیگر شہروں میں پائی جاتی ہیں۔اپنی مدد آپ کے تحت ان لوگوں نے اپنی انجمن و جماعت خانے وغیرہ بنوائے اور سیاسی و سماجی کاموں میں ترقی کرتے ہوئے ان لوگوں نے تعلیمی میدان میں بھی نمایاں ترقی حاصل کی۔جس کے بعد یہ لوگ مختلف محکمۂ جات میں اعلےٰ عہدوں پر فائز پائے جاتے ہیں ان کے اندر۔ڈاکٹرز۔پروفیسرس۔انجینئرز اور وکلاء کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے اس کے علاوہ پاکستان آرمی میں اس قوم کے کافی جوان کمیشنڈ افسران پائے جاتے ہیں جن میں جنرل بشیر احمد (ر) کا نام سرِ فہرست ملتا ہے۔

☆☆

لال خانی

شرف صاحب اپنی ''تاریخ مرقعٔ میوات'' میں اِس ''لال خانی'' قبیلے کے مختصر حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

☆(سر ہنری ایسٹ) کی انگلش تاریخ۔اور۔اردو ''تاریخ اشرف نامہ'' میں اِن لال خانیوں کے مفصل حالات پائے جاتے ہیں۔)

یہ لال خانی۔رام چندر کے بیٹے ''لَو'' کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں جو کہ بڈگوجر راجپوتوں میں سے مسلمان ہوئے تھے (بڈگوجر سورج بنسی خاندان کی ایک شاخ ہے)۔

ایک زمانہ پہلے یہ لوگ علاقہ ''ڈھونڈھار'' کے مختلف مقامات پر (جس میں۔آمیر۔جے پور۔اور علاقہ ماچیڑی بھی شامل تھا) قابض تھے۔

ان لوگوں کا دارالخلافہ راجوڑ واقع کیسری یا ماچیڑی ایک پہاڑی خطہ تھا۔الور۔اور۔راج گڑھ پر بھی ان کی حکومت رہی تھی ان لوگوں کی آبادیاں ضلع بلند شہر کے چار مشرقی پرگنوں میں بکثرت پائی جاتی تھی ان کی زمینداری کے دوسواٹھاون گاؤں اور قصبے جن میں کچھ گاؤں علی گڑھ۔بدایوں۔اور مراد آباد اضلاع کے بھی تھے۔

581ھ۔1185ء۔1241 بکرمی میں جب مہاراجہ پرتھوی راج چوہان (والئی دہلی) نے مہوبہ واقع بندھیل کھنڈ پر فوج کشی کی تو: یوٹی واقع راجور عرف۔ماچیڑی کے رئیس کا بیٹا پرتاب سنگھ بھی پرتھوی راج کی فوج میں شامل ہونے کے لئے روانہ ہوا۔

سردار پرتاب سنگھ سے متعلق۔ٹھاکر اشرف علی خان بڈگرجر عرف دوندے خان لال خانی اپنی ''تاریخ اشرف نامہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (جب والئی دہلی مہاراجہ پرتھوی راج چوہان نے ''مہوبہ'' واقع بندھیل کھنڈ پر۔فوج کشی کی تو پرتاپ سنگھ نامی سردار بھی معہ دس ہزار سواروں کے اس کی فوج میں شامل ہونے کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں پرتاب سنگھ نے بمقام ''پہاسو'' (جو بلند شہر سے جنوب مشرق میں چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا) قیام کیا۔اسی روز کمہاری قوم کی ایک عورت وہاں پر آئی اور پرتاب سنگھ سے درخواست کی کہ:۔''(وہ اس کے شوہر کو کبیر یا کے ''مینہ سیوون'' کی قید سے آزاد کرادے'')۔

پرتاب سنگھ کو جب یہ معلوم ہوا یہ مینیہ میو لوگ بڑے لٹیرے اور ظالم ہیں اور یہ لوگ اپنے ہمسایوں پر بھی ظلم ڈھاتے ہیں اور اپنے راجہ "حاکم کول" کی بھی کم پرواہ کرتے ہیں تو اس نے مذکورہ عورت کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اس پر اس کمہاری نے طعنہ دیا کہ (تمہارے اِس انکار نے راجپوتی شان پر ایک داغ لگایا ہے) یہ طعنہ سنتے ہی پرتاب سنگھ۔ اِس کی مدد پر رضامند ہوا۔ اور فوراً کبیریا کا محاصرہ کر لیا۔ میوؤں نے بھی جم کر مقابلہ کیا لیکن پھر بھی شکست کھائی۔ جس کمہار کی خاطر یہ لڑائی لڑی گئی تھی وہ مارا گیا۔ جس کی بناء پر درخواست کرنے والی کمہاری عورت اپنے شوہر کے ساتھ "ستی ہوگئی" اور ستی ہوتے وقت اِس عورت نے دعا مانگی کہ۔

"اِس جگہ پر۔ پرتاب سنگھ اور اس کی اولاد۔ راج کرے"۔ اِس کمہاری کی یہ دُعا قبول ہوئی۔

سردار پرتاب سنگھ جو۔ اپنی فوج کے چند جوانوں کے علاج کی خاطر یہاں (پہاسو) میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسی دوران مینیہ کے "راجہ کول" نے پرتاب سنگھ سے مل کر اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی اور جہیز میں ڈیڑھ سو گاؤں کی زمینداری بھی اِسے عطا کر دی۔ اِس کے بعد پرتاب سنگھ مہوبہ گیا اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر واپس پہاسو آیا جس کے بعد اِس نے اور بھی بہت سے گاؤں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ جس کے بعد یہ ایک بہت بڑا راجہ بن گیا۔

☆ (اِس کے بعد اِس کے پوتے "بین راج" نے اپنا دارالخلافہ "پہاسو" سے بدل کر "چونڈیرہ" کو بنایا)۔ ☆

پرتاب سنگھ کی نویں پُشت میں "لال سنگھ" پیدا ہوا۔ جس کو۔ "(نورالدین جہانگیر۔ "بادشاہِ دہلی" عہدِ حکومت 1605ء تا 1627ء) نے اپنے زمانے میں۔ "خان" کے معزز خطاب سے نوازا۔ جس کے بعد یہ لال سنگھ اپنے نام میں "خان" کا لقب شامل کر کے "لال خان" کہلانے لگا۔ اور اپنی قوم۔ "لال خانی" کا مورثِ اعلیٰ بنا۔

☆ لال سنگھ (لال خان) کے بیٹے "سالباہن" کو۔ (شہاب الدین "شاہ جہاں"۔ "بادشاہِ دہلی" عہد حکومت 1627ء۔ 1658ء۔) نے "پہاسو" کے گرد و نواح میں چونسٹھ گاؤں کی زمینداری عطا کی تھی۔ جس

کو اس کے پوتے اعتماد علی خان نے۔ محی الدین محمد۔ اورنگ زیب عالمگیر ''بادشاہ دہلی'' عہد حکومت 1658ء۔تا مارچ 1707ء۔) میں۔ اپنی غفلت کے باعث گنوادی۔

(یاد رہے سالباہن کے اس پوتے نے اورنگ زیب عالمگیر کے ابتدائی دور میں مشرف با اسلام۔ ہوکر اپنا اسلامی نام۔ ''اعتماد علی خان'' پایا تھا۔)۔

اعتماد علی خان کی نسل میں سے ہونے والے ''تاہر علی خان'' نے۔ مذکورہ کھویا ہوا علاقہ اورنگ زیب بادشاہ کے جانشین اوّل۔ (شہزادہ معظم قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اوّل کے عہد حکومت۔ 1707ء تا 1712ء۔) کے زمانے میں حاصل کرلیا تھا اس کے بعد یہی مذکورہ علاقہ 1221ھ۔ 1806ء۔ 1862 بکرمی میں ''مکونہ'' کے مقام پر ''تاریخ اشرف نامہ'' کے مصنف ٹھاکر۔ اشرف علی خان عُرف دوندے خان لال خانی کا انگریز فوج سے مقابلہ کرنے کی پاداش میں ضبط کرلیا گیا۔

لال خانیوں میں دیگر ہندوانی رسم و رواج کے علاوہ شادی وغیرہ کے موقع پر۔ اپنے گھر کے دروازوں پر ''ستی'' ہونے والی اُس کمہاری عورت کی تصویر بنانے کی رسم آج بھی چلی آتی ہے۔ جس کی دعا کے صلے میں ان کے بزرگوں کو مذکورہ عظمت ملی۔

ضلع بلند شہر کے بڈگوجر مسلمان۔ خواہ۔ ہندو۔ سب کے سب درج ذیل پانچ شاخوں میں منقسم ہیں۔

(1) لال خانی (2) احمد خانی
(3) بکرم خانی (4) کمال خانی
(5) رائے خانی

(مذکورہ بالا تمام شاخوں کو۔ نور الدین جہانگیر (بادشاہ دہلی) کے عہد حکومت میں ''خان'' کا خطاب ملا تھا۔)

''ثابت خانی''

ناصرالدین محمد شاہ (رنگیلا) مغل بادشاہ (رنگیلا) کے عہد حکومت 1719ء۔تا1748ء۔) میں خانزادہ نواب ثابت خان (حاکم کول) نے بڈگوجر راجپوتوں کی اولاد میں سے ''کیسر سنگھ'' کو مسلمان بنانے کا شرف حاصل کیا تھا۔جس کی بناء پر کیسر سنگھ کے خاندان اور اس کی نسل نے نواب ثابت خان کے نام پر ہی اپنے آپ کو ''ثابت خانی'' کہلانا شروع کر دیا تھا۔

پہلے ثابت خانیوں کے اپنی ریاست میں کافی گاؤں تھے جو بعد میں نہیں رہے۔کیسر سنگھ کی وسیع ریاست کو بعد میں رانی مہا کنور کے نوکر جوالا بخش برہمن کے باپ نے دھوکے سے رانی مہا کنور نے بیع کرالیا تھا۔اپنے علاقے کو حاصل کرنے کے لئے رانی مذکور نے اپنے مذکورہ نوکر کے باپ کے خلاف دھوکہ دہی اور اس بیع کے ناجائز ہونے کا دعویٰ بھی دائر کیا تھا۔لیکن پریوی کونسل نے وارثانِ مشتری کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔

ثابت خانی بڈگوجروں میں ایک ''پلکھنہ'' نامی خاندان بھی تھا۔جس کا آخری رئیس راؤ دولت سنگھ ہوا تھا اور اُسی کے وقت میں اس کا علاقہ 1231ھ1815ء میں نیلام کر کے ٹھا کر مردان علی خان کے حوالے کر دیا تھا۔

''مہاراجگانِ بیانہ''

جادو بنسی خاندان جو اس سے پہلے عمدہ نسل چندر بنسی خاندان کے نام سے مشہور چلا آتا تھا۔ جادو پسر حجاتی کے بیٹے کرسنہ کی بیالیسویں پشت میں راجہ ''سور'' اور اس کے بیٹے ''راجہ سینی'' کی شہرۂ آفاق شہرت کے باعث یہ خاندان اپنی پانچ پشتوں تک خود کو ''سور۔ سینی'' کہلاتا رہا۔ راجہ سینی کی چھٹی پشت میں ہونے والے کرشن جی (کنہیا اوتار) کے زمانے میں یہ خاندان اپنے قدیم نام ''جادو بنسی'' ہی سے مشہور ہوا۔

یوں تو جادو بنسی (یادو بنسی) خاندان پہلے ہی سے بہت مشہور چلا آتا تھا لیکن کرشن جی کے زمانے میں اس خاندان کو چار چاند لگ گئے۔ چونکہ کرشن جی باپ کی جانب سے چندر بنسی۔ یعنی (جادو بنسی) اور ماں کی جانب سے سورج بنسی تھے۔ اس طرح ایک ہی پُتلے میں چاند اور سورج دونوں روشنیاں جمع ہو گئیں تھیں جن میں سے ایک شانِ جمالی و رحمانی اور دوسرے میں شانِ جلالی تھی۔

جادو بنسی کرشن جی کی بناء پر ہی آج تک علاقہ برج مقدس تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر ادوار کے مصائب اور راٹھوڑوں کے مسلسل دباؤ کے باوجود بھی انرودھ کی اولاد میں سے ایک سو سرداروں نے اپنے آباء و اجداد کے اصلی وطن متھرا کو نہیں چھوڑا ''علاقہ برج'' کی قدیم حدود سے کسی بھی صورت میں اپنے قدم باہر نہ نکالنا ان لوگوں کی بزرگی کا ایک قابل تحسین سرٹیفیکیٹ تھا۔ جو مسلمان حملہ آوروں کے وقت برقرار نہ رہ سکا۔

جادو بنسی راجاؤں کے بیانہ میں جو قلعہ جات اور تہہ خانے بنے ہوئے تھے اُن میں سے کھدائی کے دوران آج بھی مذکورہ راجاؤں کے آلاتِ جنگ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں صوبہ آگرہ کا نام بیانہ تھا بعض تاریخوں میں بیانہ کو ''تھنکر'' بھی تحریر کیا گیا ہے۔

سری کرشن جی کی بڑی رانی رکمنی سے پردوامن پیدا ہوا جس کے دو بیٹے انرودھ۔ اور۔ بجر ناتھ پیدا ہوئے بجر ناتھ کی نسل سے بھٹی اور جاڑیجہ شاخیں قائم ہوئیں اور انرودھ کی اولاد سے مہاراجگان قرولی۔ وبل

گڑھ میوات اور بھرت پور پیدا ہوئے۔

تاریخ ''مراۃ آفتاب نما'' اور دیگر تاریخوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ بال چند کے پردادا برہم پال نے بیانہ میں پہاڑ کے اوپر جو مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اس کی بال چند کے بیٹے بجے پال نے از سرنو مرمت وغیرہ کرانے کے بعد اس قلعے کا نام بجے مندر گڑھ۔ رکھ دیا تھا۔ اس قلعے کے اندر ایک لاٹھ بھی ہے جو نیلی لاٹھ کے نام سے مشہور ہے اس لاٹھ پر کندہ حروف باوجود کوشش کے محققین پڑھ نہیں پاتے۔ بیانہ کے اس قلعے کو پہلے سلطان محمود غزنوی کے بھتیجے مسعود سالار غازی نے 395ھ 1004ء۔ 1060 بکرمی میں فتح کیا تھا۔ مسعود سالار غازی جو اسلام کی ترقی کے لئے میوات میں آیا تھا (اُس وقت میوات میں تنور خاندان کی حکومت تھی) اس غازی کی آمد پر تنور قوم کے لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور ''قوم میوؤ'' بھی اُسی زمانے میں مسلمان ہوئی تھی۔

غزنوی خاندان کی حکومت کی باقاعدہ بنیاد غزنی کے پہلے فرمانروا الپتگین کی وفات کے بعد اُس کے داماد امیر ناصر الدین سبکتگین نے 367ھ۔ 977ء 1033 بکرمی میں غزنی میں تخت نشین ہو کر رکھی 387ھ 997ء میں سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا اسمٰعیل اپنے بڑے بھائی محمود غزنوی کی غیر موجودگی کی بناء پر غزنی کا بادشاہ بنا جس کو بعد میں شکست دے کر سلطان محمود نے 388ھ 998ء میں غزنی۔ کا تخت سنبھالا سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی کے وقت غزنی کا علاقہ موجودہ۔ افغانستان و خراسان پر مشتمل تھا سلطان محمود نے 1000ء سے 1026ء تک برصغیر پر سترہ حملے کئے جن میں 1025ء میں سومنات پر اس کا سولہواں حملہ تاریخوں میں ایک خاص شہرت کا حامل ہے۔ غزنی پر اس کا دور حکومت 30 اپریل 1030ء تک رہا۔

''تاریخ وقائع راجپوتانہ'' میں تحریر ہے کہ:۔

☆''(غزنوی خاندان کے معتمد ابوبکر شاہ قندھاری نے 1203 بکری یعنی (541ھ 1146ء) میں قلعہ بیانہ

(قلعہ بجے مندر گڑھ) پر حملہ آور ہو کر راجہ بجے پال کو شکست دی تھی)۔

اس لڑائی میں راجہ بجے پال اور ابوبکر شاہ دونوں مارے گئے ابوبکر شاہ قندھاری کا مزار بیانہ میں موجود ہے اس لڑائی میں کافی کشت وخون ہوا راجہ بجے پال کے قبیلے کے بہت سارے لوگ مارے گئے راجپوت فوج جم۔ کرلڑی ایک مدت تک لڑائی جاری رہنے کے بعد بھی جب یہ قلعہ فتح نہ ہو پایا تو ابوبکر شاہ کے دریافت کرنے پر ایک درویش نے بتایا کہ:۔"(فلاں جگہ دو ماموں بھانجے رہتے ہیں۔ اس قلعے کی فتح ان دونوں کے نام پر ہے)"۔ اس پر ابوبکر نے ان دونوں کو بلوا کر اپنے لشکر میں ملازم رکھ لیا اس کے بعد ایک بار پھر زور وشور سے لڑائی ہوئی کافی کشت وخون کے بعد ابوبکر نے یہ قلعہ بجے مندر گڑھ فتح کر لیا مذکورہ دونوں ماموں بھانجے شہید ہوئے ان دونوں کی درگاہیں قلعے کے نیچے پہاڑ سے متصل شہری آبادی میں بنی ہوئی ہیں ان کے علاوہ ہزاروں مسلمان جو اس لڑائی میں شہید ہوئے ان کی قبریں زیر بالائے کوہ اور قلعے کے گردونواح میں بنی ہوئی ہیں یہ تمام قبریں "گنج شہیداں" کے نام سے آج بھی مشہور چلی آتی ہیں۔

☆ابوبکر شاہ سے مقابلے کے لئے سوار ہوتے وقت راجہ بجے پال نے اپنی تمام رانیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد ان سے یہ کہا کہ:۔

☆"(میری فوج کی واپسی کے وقت اگر زرد نشان آگے آتے ہوئے دیکھو تو میری فتح جاننا۔ اور اگر سیاہ نشان آگے دیکھو تو میری شکست سمجھنا)"۔

لڑائی کے خاتمے کے بعد راجہ بجے پال کی فوج کی واپسی کے وقت جب اس کی رانیوں نے سیاہ نشان آگے آتے ہوئے دیکھا تو تمام رانیوں نے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لی اور اپنے خون میں بھیگے ہوئے اپنے پنجوں کے نشانات قلعہ بیانہ (بجے مندر گڑھ) کے در و دیوار پر لگا دیئے۔

(تاریخوں میں یہ ذکر بکثرت ملتا ہے کہ رانیوں کے اپنے خون میں بھیگے ہوئے۔ اپنے ہاتھوں کے

بچوں کے نشانات کئی سو سال تک قلعہ بجے مندر گڑھ کے در۔و۔دیوار پر پائے جاتے تھے)۔اس علاقہ بیانہ۔
''(قصبہ کاماں)''۔میں ایک جادو بنسی راجپوت ہندو راجہ کی بنوائی ہوئی چوراسی ستون پر مشتمل ایک شاندار و
مشہور عمارت جو۔''چوراسی کھم کی عمارت'' کے نام سے آج بھی موجود پائی جاتی ہے۔''یہ عمارت تاریخوں
میں راجہ بجے پال کے زمانے سے پہلے کی بتائی جاتی ہے'' اس عمارت کے دروازوں پر عربی عبارتیں کندہ ہیں
اور عمارت کے اندر دیواروں پر دیوی دیوتاؤں اور دیگر مورتیوں کی جو تصاویر بنی ہوئی ہیں ان سب کے منہ ناک
کان اور ہاتھ وغیرہ بگاڑ دیئے گئے ہیں۔

بیانہ کے علاقے میں جادو بنسی ہندو راجپوتوں کے جو مشہور مقامات مندر و عمارات وغیرہ بنے ہوئے
تھے ان سب کو مسلمانوں نے اپنی خانقاہوں اور مساجد وغیرہ میں تبدیل کرلیا ہے۔

ابوبکر شاہ قندھاری کی لڑائی میں مارے جانے والے چھتری راجپوت راجہ بجے پال کے بعد اس کا
بیٹا تہن پال 541ھ 1146ء میں گدی نشین ہوا۔جس نے بیانہ کے قریب ہی اپنے نام پر ایک شہر ''تہن
گڑھ'' آباد کیا۔اور پھر اسی شہر میں اپنی حفاظت کی خاطر ایک مضبوط ترین قلعہ تعمیر کرایا۔جس نے تاریخوں میں
''قلعہ تہن گڑھ'' کے نام سے شہرت پائی۔

کل علاقہ بیانہ جس میں ریاست بھرت پور اور کل علاقہ میوات جس میں پرگنہ فیروز پور جھرکا۔
نوح۔تاوڑو۔ہتھین۔رام گڑھ۔کشن گڑھ۔اور تجارہ وغیرہ شامل تھے۔یہ سب اسی راجہ تہن پال کے زیر
حکومت تھے۔راجہ تہن پال نے تاریخوں میں ''والئی تہن گڑھ'' کے نام سے شہرت پائی اور یہ 594ھ
1197ء 1254 بکرمی تک علاقہ بیانہ پر حکومت کرتا رہا۔

اسی راجہ تہن پال کے زمانے میں غزنوی خاندان کی حکومت 582ھ 1186ء 1242 بکرمی
میں سمٹ سمٹا کر پنجاب کے ایک حصے پر برائے نام باقی رہ گئی تھی۔

شہاب الدین محمد غوری نے 570ھ 1175ء میں ملتان سے جب اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو اس نے 585ھ۔1189ء میں غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو شکست دے کر غزنوی خاندان کی حکومت کے بچے کھچے آثار بھی۔ مٹا ڈالے اور لاہور کی فتح پر پنجاب میں ایک مضبوط مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

588ھ۔ 1192ء میں ترائن کی دوسری لڑائی میں شہاب الدین محمد غوری نے راجہ پرتھوی راج چوہان کو شکست دی جو اپنی شکست کے بعد میدان تراوڑی سے فرار ہوتے وقت سرستی کے مقام پر اپنی گرفتاری کے بعد غوری فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔

راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی شان وشوکت اور اُس کی سرکشی کی خبر جب اپنے عروج پر پہنچی تو شہاب الدین محمد غوری 594ھ 1197ء 1254 بکرمی میں قلعہ تہن گڑھ پر حملہ آور ہوا۔ اس حملے میں راجہ تہن پال شکست کھانے کے بعد اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں سمیت فرار ہو گیا۔

اپنی اس فتح کے بعد شہاب الدین محمد غوری نے کُل علاقہ بیانہ۔ (تھنکر) اور علاقہ میوات اپنے وفادار غلام سردار بہاؤالدین طغرل کے سپرد کر دیا اور اکثر رئیسانِ بیانہ کو قتل کرا دیا۔ باقی جو بچ نکلے وہ دیہات وصحرا میں سرگرداں پھرتے رہے۔

راجہ تہن پال کے ہاتھوں سے حکومتِ بیانہ کے نکل جانے کے پونے دوسو سال بعد اس راجہ تہن پال کی چھٹی پشت میں پیدا ہونے والے ''سانپر پال''۔ ''(بہادر ناہر خان مورث اعلےٰ قوم خانزادگانِ میوات)''۔ کو حکومتِ میوات 774ھ۔1372ء میں قلعہ الور کی فتح پر ہاتھ آئی جو اس کے خاندان میں ایک سو پچپن سال تک برقرار رہی۔

اس راجہ تہن پال کے بیٹوں میں ایک بیٹا باند پال بھی تھا جس کی تفصیل۔ ☆ (مہاراجگانِ

میوات)۔☆ کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔☆ جبکہ اس کے دیگر بیٹوں کی تفصیل دیگر۔''مہاراجگان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

شہاب الدین غوری نے 1198ء میں دہلی کو بھی فتح کر لیا اور پھر کچھ عرصے بعد 603ھ فروری 1206ء میں جہلم کے مقام پر شہادت پائی جس کے بعد اس کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے سلطنتِ دہلی پر باقاعدہ ''خاندانِ غلاماں'' حکومت کی بنیاد رکھی۔

''(عہدِ حکومت)''

خاندانِ غلاماں	1206ء	تا	1290ء
خاندانِ خلجی	1290ء	تا	1320ء
خاندانِ تغلق	1320ء	تا	1414ء
خاندانِ سادات	1414ء	تا	1451ء
خاندانِ لودھی	1451ء	تا	1526ء

درج بالا مختلف خاندان کی ہندوستان پر حکومت کے مختصر اذکار
اس تاریخ میں بیان کردیئے گئے ہیں۔

☆☆

مہاراجگان

''قرولی۔و۔سبل گڑھ''

راجہ تہن پال کے بیٹے دھرم پال نے دریائے چمبل کے مشرقی کنارے پر سبل گڑھ اور مغربی کنارے پر قرولی کو آباد کر کے اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ جس کو بعد میں مالوہ کے حکمراں سلطان محمود خلجی نے اپنے عہد حکومت۔ ''(15 مئی 1436ء تا 27 مئی 1469ء)''۔ کے زمانے میں اس قرولی کو 1454ء میں فتح کر کے اپنے خالصے میں شامل کر لیا تھا۔ جس کے بعد یہاں کے جادوبنسی راجپوت یہاں سے نکل کر پہاڑوں اور جنگلوں میں گذر بسر کرنے لگے تھے۔ لیکن ''جلال الدین اکبر'' (بادشاہ دہلی) کے عہد حکومت (1556ء تا 1605ء) میں جب گجرات اور مالوہ کے سوا تمام مضبوط مقامات اس کے قبضۂ اختیار میں آئے تو اس نے حسب معمول خاندانی راجپوتوں اور روئساء کی قدر دانی کرتے ہوئے قرولی والوں کو بھی کچھ جاگیریں اور منصب وغیرہ عطا کئے۔ اس کے بعد جب دہلی سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو مرہٹوں نے راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں کی طرح اس قرولی کو بھی اپنا ماتحت بنالیا۔

1210ھ 1796ء 1852 بکرمی میں مہاراجہ سبندھیا۔ نے سبل گڑھ چھین کر اس کو قرولی کے قدیم رئیس کے سپرد کر دیا۔

قرولی کا راجہ پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج پیشوا کو ادا کرتا تھا۔ جس کے عیوض اسے ''ماچلپور'' کا پرگنہ ملا ہوا تھا۔

مذکورہ ریاست پر درج ذیل راجگان و مہاراجگان نے حکومت کی تھی۔ ☆

☆ راجہ ہربخش پال دیو۔ ☆ راجہ پرتاب پال دیو۔ ☆ راجہ نرسنگ پال دیو۔
☆ راجہ بھرت پال۔ ☆ مہاراجہ مدن پال۔ ☆ مہاراجہ جے سنگھ پال۔
☆ مہاراجہ رجن پال۔ ☆ مہاراجہ بھنور پال۔ ☆ وغیرہ وغیرہ۔

☆☆

مہاراجگانِ بھرت پور

راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کے چھ بیٹوں میں ایک ''مدن پال'' بھی تھا۔ جس کی اولاد میں سے مہاراجگانِ بھرت پور پیدا ہوئے۔

کرنل جیمز ٹاڈ صاحب اپنی ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

☆ (دریائے گنگا اور جمنا کے ساحلوں پر جو جاٹ لوگ آباد ہیں۔ اُن کا رئیس اعظم بھرت پور کا فرمانروا ہے)۔

تاریخ پٹیالہ جلد دوئم ایڈیشن سوم 65 ص پر تحریر ہے کہ:۔

☆ (ہندوستان میں جو جاٹ کاشتکاروں کا عظیم گروہ آباد ہے وہ اپنے آپ کو جادو قوم کی اولاد میں سے بتاتے ہیں بیانہ اور بھرت پور کے رہنے والے جاٹ یادو قوم کو ہی اپنا سرچشمہ بتاتے ہیں)۔

تاریخ مرقع الور میں شیخ محمد مخدوم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (رئیسانِ بھرت پور کا مورث اعلےٰ تہن پال جادو (والئی بیانہ) کی اولاد میں سے ہوا جو کرشن جی کے خاندان میں سے تھا یہ موضع تھون اور سنسنی میں (جو اُن دنوں میں ریاست بھرت پور کے ماتحت تھیں)۔ چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر رہا کرتا تھا۔ اس کے جاٹ بننے کی روایت اس طرح لکھی گئی ہے کہ:

''ایک دفعہ ان راجپوتوں کی ایک جماعت کہیں لوٹنے کو جارہی تھی راستے میں۔ جاٹوں کی ایک بارات مل گئی ان لیٹروں نے اُس برات کو لوٹ لیا اور دلہن کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے۔ راجپوتوں کا سردار اس دلہن پر عاشق ہوگیا۔ آخر اس دلہن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام ''کھتوں'' رکھا گیا۔ جب کھتوں جوان ہوا تو راجپوتوں نے اِسے اپنی ذات میں شامل نہیں کیا۔ اور بیٹی دینے سے بھی انکار کردیا۔ ناچار اِس کی شادی جاٹوں میں ہوئی اور اس سے ہونے والی اولاد ہر جگہ جاٹ کہلائی)۔

اس کھنتوں کے چار بیٹے ۔ برج ۔ بھگوت ۔ جھونجا ۔ اور ۔ جینکھا ۔ پیدا ہوئے ۔ برج اور بھگوت اپنے مذہب پر قائم رہے باقی دو ب ۔ اور ۔ جینکھا دونوں بھائی مسلمان ہو گئے ان دونوں بھائیوں کی اولاد متفرق طور پر ۔ علاقہ میوات میں آباد ہو گئی ۔

☆ برج کی اولاد ٹھاکر کہلائی جو ۔ رئیسانِ بھرت پور کی مورثِ اعلیٰ بنی" ۔

☆ بھگوت کی اولاد "فوجدار" کہلائی ۔ جن کی ریاست بھرت پور میں بڑی عزت تھی ۔ اور موضع سنسنی ان کی سکونت کا اصلی وطن ہونے سے ان کی گوت "سنسوال" مشہور ہو گئی ۔

☆ برج کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جن میں بھاؤ سنگھ ۔ راجہ رام ۔ اور ۔ چوڑامل "چوڑامن" بہت ہی مشہور ہوئے ان میں سب سے زیادہ شہرت راجہ رام نے پائی ۔ جس کو اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے بیدار بخت نے 1101ھ ۔ 1689ء ۔ 1745 بکرمی میں قتل کرادیا اور پھر سنسنی کو بھی برباد کر دیا ۔ راجہ رام کے بعد اس کی بیوہ تارا بائی نے مغلوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی ۔

☆ راجہ رام کے قتل کے بعد اس کا بھائی چوڑامل (چوڑامن) جاٹوں کا سرگروہ بنا ۔ جس نے لوٹ مار کا پیشہ اپنایا ہوا تھا ۔ رعایا کو لوٹ مار سے بچانے کی خاطر بادشاہ فرخ سیر (عہد حکومت 1713ء ۔ تا 1719ء ۔) کے وزیر سیّد عبداللہ شاہ نے ٹھاکر چوڑامن کو "راہدار خان" کا خطاب اور کچھ گاؤں جاگیر میں عطا کئے لیکن یہ چوڑامل ۔ اپنی عادتوں سے باز نہ آیا مجبور ہو کر وزیر مذکور نے سوائی جے سنگھ (والئی جے پور) کو 1130ھ 1718ء 1774 بکرمی میں چوڑامل کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ۔ لیکن (والئی جیپور) ناکام واپس لوٹا ۔

سوائی جے سنگھ کے مددگار اپنے باغی بھتیجے بدن سنگھ بھاؤ سنگھ ۔ کو کچھ عرصے بعد جب چوڑامل نے اپنی قید سے رہا کیا تو یہ دوبارہ سوائی جے سنگھ (والئی جیپور) سے جاملا اور اُسے اپنا مددگار بنا کر یہ چوڑامل پر حملہ آور ہوا ۔ مسلسل چھ ماہ کے محاصرے کے بعد تھون فتح ہوا ۔ اور چوڑامل (چوڑامن) جان بچا کر اپنے بیٹے محکم

سنگھ سمیت بھاگ گیا۔

☆اس کے بعد 1131ھ 1719ء 1775 بکرمی میں اس کا بھائی بھاؤ سنگھ سردار بنا۔ اور پھر یہ موضع سنسنی سے اٹھ کر موضع تھون میں آیا اس کے دو بیٹے روپ سنگھ اور مذکورہ بدن سنگھ تھے جب بدن سنگھ جاٹوں کا سردار و رئیس بنا تو اسے سوائی جے سنگھ نے مقام ڈیگ کا راج دیا تھا۔

ناصر الدین محمد شاہ (رنگیلا) ''بادشاہ دہلی'' کے ضعف (عہد حکومت 1719ء تا 1748ء) سے فائدہ اٹھا کر بدن سنگھ نے کئی گاؤں پر اپنا قبضہ جمالیا اور کئی چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر اس نے لوٹ مار شروع کردی اور گڑھی تھون پر یہ اپنا مستقل قبضہ جما بیٹھا۔ غرض یہ کہ رفتہ رفتہ اس کی اولاد راجاؤں میں شمار ہوگئی۔

بدن سنگھ کے چار بیٹے سورج مل، سوبھارام، پرتاب سنگھ (رئیس ماچیڑی) اور ہرنرائن پیدا ہوئے بدن سنگھ پسر برج پسر کھتوں جاٹ کے بعد سورجمل کو اپنی آبائی گدی ملی۔

احمد شاہ بادشاہ (عہد حکومت 1748ء تا 1754ء) اور عزیز الدین عالمگیر ثانی عہد حکومت 1754ء تا 1759ء کے زمانے میں دہلی سلطنت کے ضعف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ ''ڈیگ'' اور بھرت پور میں راجہ سورجمل نے قلعے بنوائے اور گردونواح کا کُل علاقہ لڑ بھڑ کر اپنے قبضے میں کرلیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سورجمل نے کل علاقہ میوات فتح کرنے کے بعد ''قلعہ الور'' کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب یہ اس قلعے کے اخراجات برداشت نہ کر پایا تو اس نے اپنی فتح کے تقریباً۔ گیارہ ماہ بعد 1170ھ 25 نومبر بروز جمعہ 1757ء 1813 بکرمی میں قلعہ الور اپنے چھوٹے بھائی پرتاب سنگھ (رئیس ماچیڑی) کے سپرد کردیا جو اس قلعے کی نسبت (رئیس الور) بھی کہلایا۔ پرتاب سنگھ کے بعد یہ قلعہ الور اُس کے بیٹے بختاور سنگھ کو ملا جو نسل در نسل آج تک اُس کی اولاد کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ (قلعہ الور کی تفصیل ''راجہ حسن خان شاہ میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

جلال الدین شاہ عالم ثانی (عہد حکومت 1759ء تا 1806ء) کے زمانے 1177ھ 1763ء 1820 بکرمی میں شاہ عالم ثانی کے وزیر نواب نجیب الدولہ روہیلے پٹھان کی لڑائی میں سعید محمد خان بلوچ اور خانزادہ واحد خان بن نواب اسد خان علمدیا کے ہاتھوں راجہ سوز جمل مارا گیا۔

☆''راجہ سور جمل کی مزید تفصیل ''نواب اسد خان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے''۔

سور جمل کے پانچ بیٹے جواہر سنگھ، رتن سنگھ، مول سنگھ، ناہر سنگھ اور رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ سور جمل کی گدی اس کے بڑے بیٹے جواہر سنگھ کی ملی۔

1178ھ 1764ء 1821 بکرمی میں راجہ جواہر سنگھ اپنی فوج لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا اور پھر اس نے جاٹوں سے قلعے کو خوب لٹوایا یہاں تک کہ تختِ شاہی اور قلعے کے دروازے تک لوٹ کر یہ بھرت پور لے آیا۔ (مذکورہ جنگ کی تفصیل۔ ''نواب ذوالفقار خان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔☆ دہلی کی مذکورہ فتح کے بعد راجہ مذکور نے اپنے ہم عہد مادھو سنگھ (والئی جے پور) سے اس کا مقبوضہ علاقہ مقام ''کاماں'' طلب کیا۔ والئی جے پور کے انکار پر راجہ جواہر نے اُس سے جنگ شروع کر دی اس جنگ میں کچھواہوں کے کافی نامی سردار مثل ہر سہائے وگر سہائے وغیرہ مارے گئے اس جنگ میں راجہ جواہر کی شکست کے بعد خان زادہ نواب ذوالفقار خان (رئیس گھساولی) راجہ جواہر سنگھ کو اپنی فوج کے درمیان لے کر لڑتا بھڑتا اور اس راجہ کی جان بچاتا ہوا کشن گڑھ سے ہوتا ہوا اسے بخیریت بھرت پور واپس لے آیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد 1182ھ 1768ء 1825 بکرمی میں راجہ جواہر سنگھ قلعہ آگرہ میں دھوکے سے اپنے ملازم۔ ''مداری۔ میوؤ'' کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی رنجیت سنگھ گدی پر بیٹھا۔ (راجہ جواہر سنگھ اور مادھو سنگھ کی لڑائی کی تفصیل ''نواب ذوالفقار خان'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

☆☆

''راجگانِ میوات''

594ھ 1197ء 1254 بکرمی میں شہاب الدین محمد غوری کو جب راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی سرکشی کی خبر ملی تو وہ علاقہ میوات کا انتظام درست کرنے کی غرض سے راجہ تہن پال پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں ''والئی تہن گڑھ'' اپنی شکست کے بعد معہ اہل وعیال اور دیگر اپنے تمام راجپوت ساتھیوں کے جان بچاتے ہوئے بیانہ سے نکلا اور پہاڑوں کی جانب چلا گیا۔ اس جادو بنسی راجپوت راجہ تہن پال کا بیٹا۔ ''باند پال'' بیانہ سے نکل آنے کے بعد ایک عرصے تک دیہات وصحرا میں سرگرداں پھرتا رہا۔

ایک مدّت بعد اپنے گردونواح میں رہنے والے ایک مسلمان ''حقیقت کیش شاہ'' نامی درویش کی شہرت سن کر یہ باند پال اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رورو کر اسے اپنی داستان الم سناتے ہوئے یہ اس درویش سے اپنے لئے دعا کا طالب ہوا۔ اُس درویش نے اپنے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں باند پال کے لئے دعا مانگی اس کی دعا نے شرفِ قبولیت پا کر اپنا اثر دکھایا۔ جس کے بعد جلد ہی یہ باند پال فارغ البال ہو گیا۔

جس کے بعد اس باند پال نے قصبہ کاماں۔ ریاست بھرت پور) سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑ کے اوپر 613ھ 1216ء 1273 بکرمی میں موضع ''اجان گڑھ'' آباد کیا۔ اور وہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ باند پال کے بیٹے اننت پال کے ساتھ اُس کا چچازاد بھائی ''اجے پال'' اور ''ایتے پال'' بھی ''اجان گڑھ'' ہی میں آباد ہو گئے۔

اننت پال کے اُدھان پال پیدا ہوا۔ جس نے ''اجان گڑھ'' سے اٹھ کر پرگنہ تجارہ موضع کلتاج پور کے پاس پہاڑ کے اوپر اُس خاص مقام پر جو تجارہ۔ کو فیروز پور جھرکا سے علیحدہ کرتا ہے۔ وہاں ''موضع دورالہ'' آباد کیا اور یہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ پہاڑوں کے درمیان ''موضع دورالہ'' کے کھنڈرات و

نشانات وغیرہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔

اُدھان پال کے انسراج پیدا ہوا۔ جس نے موضع دوراله کو چھوڑا اور پرگنہ تجارہ کے ''موضع سرہٹہ'' میں آ کر آباد ہوا اور وہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

انسراج کے چھ بیٹے:۔ اُسیٰ عُرف راجہ امبھا، جاسی، لکھن سی عُرف لکھو۔ گوتھ راج۔ لکھن پال اور دھرم سی عرف دھرمو پیدا ہوئے۔

اُسیٰ عُرف راجہ امبھا، جاسی، لکھن سی اور گوتھ راج ان چاروں بھائیوں کی اولاد بہت پہلے مسلمان ہو چکی تھی۔

انسراج کے پانچویں بیٹے لکھن پال کے دو بیٹے سانپر پال اور شوپر پال پیدا ہوئے جو فیروز شاہ تغلق (بادشاہِ دہلی) کے عہد حکومت میں 757ھ 1355ء کاتک بدی دوج 1411 بکرمی بروز ہفتہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھوں برضا و رغبت مشرف با اسلام ہوئے ''سانپر پال'' کا اسلامی نام ''بہادر ناہر'' تجویز ہوا اور اس کے دوسرے بھائی شوپر پال کا نام چھجو رکھا گیا۔

ان کے مسلمان ہونے کی خوشی میں اسی فیروز شاہ تغلق بادشاہ نے مذکورہ دونوں بھائیوں کو۔ ''خان'' کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا۔

☆ چھجو خان (لاولد فوت ہوا)۔ اور بہادر ناہر خان (میوات کے خانزادہ قبیلے کا مورثِ اعلیٰ بنا)۔

☆ انسراج کے چھٹے بیٹے ''دھرم سی عُرف دھرمو'' کے چار بیٹے۔ جیتل، کوتل، راجل اور بیجل پیدا ہوئے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

☆ جیتل:۔ فقیر ہو گیا۔ اس کی اولاد ''حسینی فقیر'' کہلائی۔

☆ کوتل:۔ اس کی اولاد۔ نوگانواں میں آباد ہوئی۔

☆راجل:۔اس کی اولاد میں سے موضع ۔''اوندن'' کے خانزادے ہیں۔

☆ بیجل:۔اس کے مذکورہ سب بھائی جب مسلمان ہوگئے تو یہ خود کو تنہا محسوس کرتے ہوئے اُداس وغمگین رہنے لگا۔ بہادر ناہر خان نے اپنے چچازاد بھائی بیجل کی جب یہ حالت دیکھی تو اُس نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بیجل جو پہلے ہی سے اس دعوت کا منتظر تھا بغیر کسی تامل کے بخوشی یہ جی جان سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ یہ صوفی منش ہمہ وقت اپنے خالق ومالک کے گیان ودھیان میں مصروف رہتا تھا۔ اس کی نیک عادت وخصلت رحمدلی۔ خاموش طبعی اور خدا پرستی کی بناء پر اس کو اپنے تمام بھائیوں پر ایک خاص بزرگی حاصل تھی اس کے کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث سب بھائیوں کو اس کی دلداری منظور تھی۔ ہر ایک بھائی اپنی دلی گہرائیوں کے ساتھ اس کا ادب واحترام کیا کرتا تھا اور بہادر ناہر خان تو اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اور سیر وشکار کے وقت ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتا اور اس کا خاص خیال کرتا تھا۔

مورث اعلےٰ بہادر ناہر خان کی زندگی ہی میں بیجل کا انتقال مقام''گھیڑلی''(پرگنہ رام گڑھ) میں ہوگیا تھا۔ جہاں پر اس کا مزار آج تک موجود پایا جاتا ہے۔

اپنے بزرگوں کی زبانی یہ سنا جاتا ہے کہ تقسیم ہند 1947ء تک یہ دیکھا گیا تھا کہ میواتی خانزادے اور گردونواح کے دیگر لوگ ان کے مزار پر نذرونیاز اور چادر وغیرہ چڑھانے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہادر ناہر خان کی ہدایت کے تحت تمام خانزادگان وعہد بزرگان بیجل کے نام کی صحنک بھی بھرا کرتے تھے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ چاول پکا کر برائے ایصال ثواب اس پر فاتحہ دلا کر چاول بچوں، غُربا اور مساکین وغیرہ میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہاں پر یہ تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ آجکل خانزادوں نے اپنے ولی صفت بزرگ بیجل کو یکسر فراموش کردیا ہے۔

(سانپر پال شوپر پال یہ دونوں بھائی 1355ء میں مسلمان ہوئے)۔

☆☆☆

باب سوئم

باب سوئم
خانزادوں کی حکومت کا مختصر جائزہ

خانزادوں کی حکومت کے تفصیلی ذکر سے پہلے ضروری ہے کہ یہاں پر میواتی خانزادوں کی حکومت کا مختصر جائزہ تحریر کیا جائے۔

یوں تو چھتری راجپوت (جادوبنسی) خاندان جو ابتدا میں ''چندربنسی'' خاندان کے نام سے ہندوستان میں مشہور چلا آتا تھا کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ چونکہ اس خاندان کی شجاعت وعظمت سے متعلق دنیا بھر میں سینکڑوں تاریخیں شہادت کے طور پر آج بھی موجود پائی جاتی ہیں۔اس لئے یہاں پر صرف اتنی نشاندہی کافی ہوگی کہ برصغیر میں آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے سے ہی چھتری راجپوتوں کی حکومت چلی آتی تھی اور علاقہ میوات بھی ان جادوبنسی راجپوتوں کے ماتحت رہا تھا۔

علاقہ میوات کے جادوبنسی راجپوت خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص ''ادھان پال'' نامی (جو کہ راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی تیسری۔پشت میں سے تھا۔) نے پہاڑوں میں جا کر مقام۔''دورالہ'' آباد کیا اور وہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کی۔ادھان پال کے۔انسراج ہوا جو دورالہ سے اٹھ کر مقام''سرہٹہ''میں چلا آیا اور یہاں اپنی مستقل سکونت اختیار کی۔

☆کسی زمانے میں تجارے کے نزدیک یہ مقام''سرہٹہ'' جادوبنسی راجپوت راجہ سرماجیت کا دارالخلافہ رہا تھا اور اُسی زمانے میں راجہ چند۔کی راجدھانی الور۔کے نزدیک''آبھانیر''میں تھی۔جہاں سے اٹھنے کے بعد اسکے جنوب میں راجہ چند نے ایک شہر۔''ڈڈیکر'' بسایا تھا اور پھر اسی شہر میں اس نے اپنی حفاظت کی خاطر ایک مضبوط ترین قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔اس شہر۔''ڈڈیکر'' کے بسائے جانے سے متعلق خانزادوں کے میراسیوں کی زبان سے آج بھی اکثر درج ذیل شعر سُنا جاتا ہے۔

شہر ۔ ڈڈیکر پرگنہ الور گڑھ کے پاس
بستی راجہ چند کی آبھا نیر نکاس

غرض یہ کہ ایک طویل عرصے تک اس جادو بنسی خاندان کی ہندوستان اور علاقہ میوات پر حکومت رہی۔ مذکورہ خاندان کے زوال کے بعد ملک میوات کی حکومت تنور خاندان کے پاس چلی گئی۔

395ھ۔1004ء1060 بکرمی میں سلطان محمود غزنوی کا بھتیجا مسعود سالار غزنوی جب اسلام کی ترقی کی خاطر ''بیانہ'' ومیوات میں آیا تو اُس وقت تنور خاندان اور دیگر قبائل کے بہت سارے لوگ مشرف با اسلام ہوئے۔ علاقہ میوات میں رہنے والی قوم ''میو'' بھی اسی زمانے میں مسلمان ہوئی تھی''۔☆

اندر پرست جو بعد میں دہلی کے نام سے مشہور ہوا اسے یدھشٹر نے آباد کیا تھا۔ جس کی تفصیل ''کرشن جی'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔ اپنے انقلاب کے بعد یہ دہلی آٹھ سو سال تک ویران پڑی رہی۔ 176ھ792ء 848 بکرمی میں راجہ نگ پال تنوار نے اسے از سر نو آباد کرنے کے بعد اس پر اپنی حکومت قائم کی اور پھر اس کی بیس پشتوں تک دہلی سلطنت میں حکومت قائم رہی۔

راجہ انگ پال تنوار کی پشت کے بیسویں اور آخری راجہ انگ پال ثانی کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث اس نے 536ھ۔ 1141ء1198 بکرمی میں اپنی یہ سلطنتِ دہلی اپنے نواسے پرتھوی راج چوہان کے سپرد کر دی۔

راجہ پرتھوی راج چوہان نے اپنے عہد حکومت میں نومسلمین پر مظالم ڈھانے کے لئے علاقہ ڈھونڈھار سے بڈگوجروں کو بلوا کر میوات میں بسایا جو نومسلمین کی داڑھیاں مونڈتے زبردستی شراب پلاتے اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ اپنی آمد کے بعد ان بڈگوجروں نے میوات میں اپنی مستقل بود و

باش اختیار کرلی تھی۔ میوات میں تہنہ پور، ڈڈیکر، ڈھرہ اور حاجی پور وغیرہ ان بڈگوجروں کے خاص مسکن تھے۔

ہندوستان میں معزالدین محمد بن سام بلقب شہاب الدین محمد غوری نے 570ھ 1175ء 1231 بکرمی میں جب ملتان سے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو ان میواتی بڈگوجروں نے محمد غوری کے حملے کے خوف سے اپنی حفاظت کی خاطر الور کے پہاڑ کے اوپر پتھروں کا ایک بڑا سا احاطہ بنالیا تھا جو بعد کے مختلف ادوار میں اپنی تعمیر توسیع و ترقی کے مراحل سے گذرتا ہوا یہ تاریخوں میں ''قلعہ الور'' کے نام سے مشہور ہوا۔

محمد غوری کے دور سے پہلے ہی غزنوی حکومت سمٹ سمٹا کر پنجاب کے ایک حصے پر برائے نام باقی رہ گئی تھی۔

585ھ 1189ء میں یا بقول سیّد قاسم محمود ''اسلامی شاہکار انسائیکلو پیڈیا''۔ (582ھ 1186ء) میں محمد غوری نے لاہور کا محاصرہ کر کے خسرو ملک اور اُس کے بیٹے بہرام شاہ اور غزنوی خاندان کے دیگر افراد جو وہاں پر موجود تھے انہیں گرفتار کر کے غزنوی خاندان کی حکومت کے بچے کھچے آثار مٹا کر یہاں پر ایک مضبوط مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت سلطنتِ دہلی پر راجہ پرتھوی راج چوہان (والئی اجمیر) بدستور حکومت کر رہا تھا۔

☆ 587ھ 1191ء میں ترائن کے میدان میں محمد غوری اور پرتھوی راج کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں محمد غوری زخمی ہوا اسے زخمی حالت میں دیکھ کر ایک خلجی سردار جست لگا کر غوری کے گھوڑے کی پیٹھ پر اس کے پیچھے بیٹھا اور اسے میدانِ جنگ سے نکال کر باہر لے گیا۔

ترائن کی اس پہلی لڑائی میں اپنی شکست کا بے حد صدمہ ہوا جس پر غوری نے پرتھوی راج پر فتح حاصل کرنے کا عزم کرتے ہوئے فرش پر سونے اور زرہ بکتر کو جسم سے جدا نہ کرنے کی قسم کھائی۔

☆ 588ھ 1192ء میں ان کے درمیان ترائن کی دوسری لڑائی ہوئی جس میں پرتھوی راج

چوہان اپنی شکست کے بعد میدان تراوڑی سے فرار ہوتے وقت سرسوتی کے مقام پر اپنی گرفتاری کے بعد غوری فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد غوری نے قنوج اور دیگر علاقہ جات کے علاوہ اجمیر کو بھی فتح کیا اور اپنی فتح کے بعد اجمیر کی حکومت اس نے پرتھوی راج چوہان کے داماد کے سپرد کر دی اور پھر بنارس کی فتح کے بعد اس محمد غوری (لاولد) نے 1194ء میں اپنے وفادار غلام قطب الدین ایبک کو برصغیر میں اپنا نائب السلطنت مقرر کیا جس کے بعد یہ اپنے وطن غزنی واپس لوٹ گیا۔

پرتھوی راج چوہان کے قتل کے بعد میواتی بڈگوجروں کے سردار ہیمراج نے میوات میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس کی سرکشی کی خبر سن کر قطب الدین ایبک 1194ء میں میوات پر حملہ آور ہوا۔ اس حملے میں ہیمراج مارا گیا۔ اپنے سردار ہیمراج کے مارے جانے پر میواتی بڈگوجر اور بھی زیادہ سرکش ہو گئے۔ ان کی سرکشی کی خبر سن کر قطب الدین نے اپنے سپہ سالار سیّد وجیہہ الدین کو ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن یہ سپہ سالار مذکورہ بڈگوجروں کے ہاتھوں مارا گیا۔

سیّد وجیہہ الدین کے مارے جانے پر اس کے برادرزادہ۔ میراں حسین خنگ کو میوات پر فوج کشی کے لئے روانہ کیا گیا جس کو بعض نے جزیہ دینا قبول کیا اور بعض نے داخل اسلام ہو کر اپنی جان بچائی اس طرح راجہ پرتھوی راج چوہان کی پشت پناہی کے سبب علاقہ میوات پر بڈگوجروں کے تسلط کا دور اختتام پذیر ہوا۔

اس کے بعد قطب الدین نے کافی کچھ علاقہ جات فتح کر کے اپنی سلطنت میں اضافہ کیا اور پھر اپنے آقا شہاب الدین محمد غوری کی شہادت کے بعد 1206ء میں سلطنت دہلی پر تخت نشین ہو کر اس قطب الدین ایبک نے اپنے خاندانِ غلامان کی حکومت کی بنیاد رکھی۔

خاندان غلاماں کے آخری تاجدار سلطان کیقباد کے قتل کے بعد 13 جون 1290ء کو خاندانِ خلجی حکومت کا دور شروع ہوا۔

1194ء میں علاقہ میوات سے میواتی بڈگوجروں کے تسلط کے خاتمے کے بعد۔"ملک قوم نے سر اٹھایا اور پھر جلد ہی یہ لوگ"،"قلعہ الور" سمیت پورے علاقہ میوات پر قابض ومتصرف ہوگئے اور پھر ان لوگوں نے میوات پر تقریباً ساٹھ سال تک حکومت کی۔اس"ملک" قوم نے اپنے دور اقتدار میں قلعہ الور کی تعمیر وتوسیع میں نمایاں کردار۔ادا کیا۔

ان لوگوں کی لوٹ مار اور سرکشی سے تنگ آکر التمش کے بیٹے ناصرالدین محمود کے وزیر غیاث الدین (بلبن) نے 657ھ۔1259ء،1315 بکرمی میں میوات پر حملہ کیا اس حملے میں بارہ ہزار بقول بعض ایک لاکھ"ملک میواتیوں" کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

☆(تاریخوں میں اس ملک قوم سے متعلق کوئی ٹھوس و۔واضح ثبوت نہیں ملتے۔البتہ مختلف اقوام کے لوگوں کے خطابات ولقب وغیرہ تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں جبکہ ان"ملک"لوگوں کا ذکر تاریخوں میں برائے نام ملتا ہے جہاں ان کو ملک میوات کی نسبت صرف میواتی تحریر کیا گیا ہے۔) جیسا کہ:۔

مذکورہ"ملک"قوم سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب۔اپنی"تاریخ پاک وہند"ص139 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"1259ء میں میواتیوں نے دوبارہ بغاوت کی اور مسلمانوں کے کئی گاؤں تباہ کردیئے۔بلبن نے ایک زبردست فوج کے ساتھ ان میواتیوں کو کچل ڈالا۔میواتی جنگلوں میں بھاگ گئے لیکن بلبن نے وہاں بھی ان کا پیچھا کیا۔اور انہیں چن چن کر ختم کرڈالا۔چنانچہ بارہ ہزار میواتی موت کے گھاٹ اترے۔بعض مورخ بلبن کو ظالم اور خونی کے لقب سے یاد کرتے ہیں"۔

بلبن کے اس حملے کے خطاب یا قوم"ملک" کی علاقہ میوات سے حکومت اپنے اختتام کو پہنچی۔جس کے بعد چوہان راجپوتوں کی شاخ۔"نکوم" کو علاقہ میوات میں عروج حاصل ہوا۔جن کے

اذکار۔تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ان لوگوں کا زور اتنا بڑھا کہ 670ھ 1271ء۔1327 بکرمی میں قلعہ الور سمیت پورے علاقہ میوات کو اپنے قبضے میں لے کر یہ لوگ ''حاکمِ میوات'' کہلانے لگے۔

☆(نکوم قوم کی حکومت کی تفصیل ''ممتا کا انتقام ناہر حکومت کا قیام'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

کرشن جی عُرف کنہیا اوتار کی گیارہویں پُشت میں ہونے والے راجہ بجے پال۔(والئی بجے مندر گڑھ) علاقہ بیانہ کی (ابو بکر شاہ قندھاری کی لڑائی میں) موت کے بعد اس کا بیٹا راجہ تہن پال۔541ھ 1146ء 1203 بکرمی میں (والئی تہن گڑھ) بنا۔جس نے ہندوستان میں شہرۂ آفاق شہرت حاصل کی۔

☆(راجہ تہن پال کی تفصیل ''راجگانِ میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

594ھ۔1197ء۔1254 بکرمی میں شہاب الدین محمد غوری جب علاقہ بیانہ پر حملہ آور ہوا تو والئی تہن گڑھ اپنی شکست کے بعد معہ اہل دعیال فرار ہوگیا۔جس کے بعد اس خاندان کے ہاتھوں سے حکومت جاتی رہی۔

راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی چوتھی پشت میں انسراج پیدا ہوا۔اس انسراج کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔جن میں ایک لکھن پال بھی تھا۔اس لکھن پال کے دو بیٹے سانپر پال اور شوپر پال پیدا ہوئے۔

بپھرے ہوئے حملہ آور شیر سے اپنی جان بچانے کے صلے میں سانپر پال کو بادشاہ وقت فیروز شاہ تغلق نے اُس کی چابکدستی اور بہادری کو سراہتے ہوئے اِسے ''بہادر ناہر'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور نہایت ہی قیمتی خلعتِ فاخرہ عنایت کرتے ہوئے۔ایک سو مواضعات پر مشتمل ایک بہت بڑی جاگیر ضلع گوڑ گانواں کی تحصیل نوح میں بطور انعام عطا کیے جانے کا حکم صادر فرمایا اور اسے شکار کے وقت اپنے ساتھ

رہنے کا حکم دیتے ہوئے بروقت اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر شاباشی دیتے ہوئے کہا: ''کاش! تم مسلمان ہوتے''۔

بادشاہ دہلی کی اس قدر دانی اور اخلاقِ مسلمانی سے متاثر ہو کر بادشاہ کی دلی خواہش کے پیشِ نظر۔ سانپر پال اپنے بھائی شوپر پال اور معہ اہل وعیال۔ فیروز شاہ بادشاہ کے مرشد حضرت نصیر الدین ''چراغ دہلوی'' کے ہاتھوں 757ھ۔ 1355ء۔ کاتک بدی۔ دوج۔ 1411 بکرمی بروز ہفتہ برضا ورغبت مشرف با اسلام ہوا۔ اسلام قبول کرنے کی خوشی میں فیروز شاہ تغلق نے خوش ہو کر ان دونوں بھائیوں کو۔ ''خان'' کے عظیم خطاب سے نوازا۔ اور پھر سانپر پال کا اسلامی نام خطاب والا ''بہادر ناہر خان ہی تجویز پایا اور شوپر پال کا اسلامی نام ''چھجو خان'' رکھا گیا۔ ''جو لا ولد فوت ہوا''۔

☆ (حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی 757ھ۔ 1356ء۔ 1412 بکرمی میں وفات پاگئے)

''تاریخ طلسم ہند'' میں تحریر ہے کہ:۔

☆ ''سانپر پال جادو بنسی کو شیر کا شکار کرنے کے بعد۔

''ناہر رائے'' کہنے لگے تھے پھر مسلمان ہونے کے بعد۔

''ناہر خان'' ''مشہور ہو گیا''۔

سانپر پال۔ (بہادر ناہر خان)۔ ''مورثِ اعلےٰ۔ قوم خانزادہ گانِ میوات'' نے 1355ء میں مشرف با اسلام ہونے کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں۔ کی بناء پر اس نے قربت شاہی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہ دربار دہلی کی ایک منفرد۔ جاذبِ نظر اور زبردست شخصیت بن کر ہندوستان میں مقبولِ عام ہوا۔ اپنی وفا شعاری وشجاعت کے باعث ہندوستان میں یہ ایک ممتاز شخصیت بن کر ابھرا اور دربار فیروز کے آسمان پر روشن ستارے کی مانند چمکنے لگا۔

اسی زمانے میں علاقۂ میوات پر قوم نکوم حکومت کر رہی تھی جس کے مظالم کی داستانیں دُور دُور تک پھیلی ہوئیں تھیں یہ لوگ ہر سال ایک خاص تہوار کے موقع پر کسی نہ کسی ادنیٰ قوم کے نوجوان کو قلعہ الور میں موجود اپنی ''دُرگا دیوی'' کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔

770ھ۔1368ء۔1424 بکرمی میں اپنے دستور و عقیدے کے تحت نکوم سرداروں نے اُس بیوہ ڈومنی کے اکلوتے نوجوان بیٹے کو بھی اپنی درگا دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا جو قلعے کی صفائی وغیرہ کے علاوہ دُرگا دیوی کی پرستش کے وقت بھجن گایا کرتی تھی۔ اپنے بیٹے کی اس ناگہانی موت پر بے بس و بے یار و مدگار ڈومنی رو پیٹ کر بیٹھ رہی۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دربار فیروز شاہی سے نکلتی ہوئی بہادر ناہر خان کی شجاعت و حوصلے کی داستانیں ہواؤں کے دوش پر خوشبوئے مشک کی طرح پھیلتے ہوئے اور ہندوستان کے گلی کوچوں سے گذرتے ہوئے جب اِس ڈومنی تک پہنچیں تو اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑی اور اِسے امید کی کرن نظر آئی۔ نکوم سرداروں کے خلاف اِس کے دل میں انتقام کی دبی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکی جس کی بناء پر یہ اپنے بیٹے کی بے جا موت کے انتقام کی خاطر بہادر ناہر خان سے ملنے کے لئے مناسب موقع محل کے انتظار میں بے چین رہنے لگی اور پھر ایک روز موقع پا کر صبح سویرے قلعہ الور سے نکل کر یہ بہادر ناہر سے قصبہ نوح میں جا ملی۔

☆ سردار بہادر ناہر کے سامنے رو رو کر نکوم سرداروں کے ہاتھوں اپنے بیٹے کی بے جا قربانی کی داستانِ الم سناتے ہوئے اور ایک مقررہ شب کا ذکر کرتے ہوئے اِس ڈومنی نے بہادر ناہر کو قلعہ الور پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا اور۔ وچن دیتے ہوئے اپنی معاونت کا پختہ یقین دلایا۔

774ھ۔1372ء۔1428 بکرمی میں ڈومنی کی تجویز کے عین مطابق اُس کی بتائی ہوئی مقررہ شب کو بہادر ناہر خان نے ڈومنی کا سگنل ملتے ہی اپنی فوج سمیت قلعہ الور میں داخل ہو کر تمام۔ نکوم سرداروں کو

تہہ تیغ کر کے علاقہ میوات پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ جس کے بعد علاقہ میوات سے قوم نکوم کا صد سالہ دور حکومت اپنے اختتام کو پہنچا۔

☆(جس جگہ راکھ کا ٹوکرا پھینک کر ڈومنی نے بہادر ناہر خان کو حملے کا سگنل دیا تھا وہ جگہ۔ ہندوستان میں آج تک ''ڈومنی کا دانتا'' کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔)☆

قلعہ الور کی فتح کے بعد یہ والئی میوات کہلایا۔ جس کے بعد اس کی سلطنت کی تاریخ مشہور ہوئی اس نے ترکی۔ انگریزی۔ اردو۔ اور۔ فارسی تاریخوں میں ناہر میواتی کے نام سے شہرت پائی۔ اس سے پیدا ہونے والی نسل اِس کے ''خان'' کے خطاب کی نسبت ''خانزادہ'' کہلائی یہ اپنی راجپوت قوم کے ''خانزادہ قبیلے'' کا مورثِ اعلےٰ بنا۔ بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے علاقہ میوات کی آمدنی۔ بقول بابر بادشاہ۔ چار کڑور تنکہ نقرئی (یعنی پندرہ ہزار چھ سو پچیس من چاندی) سالانہ تھی جو اسے اپنے جدِّ۔ امجد راجہ تھن پال (والئی تھن گڑھ) کے ہاتھوں علاقہ بیانہ کی حکومت نکلنے کے پونے دوسو سال بعد ہاتھ آئی تھی۔

☆(بہادر ناہر کی حکومت کی تفصیل ''ناہر دورِ حکومت'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

(1) ناہر خان میواتی اپنی دانشمندانہ سیاست کے پیشِ نظر دربار تغلق کا ہیرو بنا رہا۔ اس نے تیس اکتیس سال تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ علاقہ میوات پر حکومت کی یہ والئی میوات قبول اسلام کی بناء پر اپنے ناراض خسر ٹھاکر جھاموں سنگھ اور اِس کے۔ ''بیٹوں کے ہاتھوں 805ھ 1402ء 1458 بکرمی میں شہید ہوا''۔ اس کے نو بیٹے پیدا ہوئے اور اِس نے تاریخوں میں ناہر میواتی کے نام سے شہرت پائی۔

(2) 1402ء میں بہادر ناہر میواتی کے بعد اس کا بیٹا بہادر خان (خلف ملکی بہادر خان) حکومت میوات پر قلعہ الور میں تخت نشین ہوا۔

موروثی جاگیر میں سے اِسے اپنے آٹھ بھائیوں کی نسبت زیادہ حصّہ ملا تھا۔ اِس نے 808ھ۔

1405ء۔ میں اپنے نام پر ایک نیا شہر "قصبہ بہادر پور" آباد کیا۔ جس میں اس نے یک مضبوط و پختہ قلعہ تعمیر کرایا اور اپنی رہائش کی خاطر اس قلعے میں ایک عمدہ محل تعمیر کرایا اس کے بعد الور کو چھوڑ کر بہادر پور کو اپنی راجدھانی بنایا۔

خانزادہ بہادر خان (والئی میوات دوم) کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے یہ والئی میوات نہایت ہی رحم دل و شفیق طبیعت کا مالک تھا اپنے بنوائے ہوئے خوبصورت محل کی آرائش وزیبائش نے تبدیلئ حیات کا بہانہ بن کر ایک روز اس کے تارِ نفس کو آ بجایا۔ حقائق خودی کی تان پر اس کی روح کو گرمایا۔ اور سفر آخرت کی جانب اس کا دھیان مبذول کرایا۔ تب اپنی زندگی کا پورا نفسِ مضمون اس کی سمجھ میں آیا۔ جس کے بعد اس کی زندگی کے رخ نے ۔ پلٹا کھایا۔ حکومت سے جی اکتایا۔ اور پھر سوزِ وحدانیت میں سرشار اپنے دھڑکتے دل کی تان پر دنیا کی ہر شئے جب اسے بے سود نظر آئی ۔ تب اُس نے اپنے من میں مالکِ کون و مکاں کی جوت جگائی ۔ اور پھر 815ھ۔ 1412ء۔ 1468 بکرمی میں اپنی حکومت میوات اپنے بڑے بیٹے اقلیم خان کے سپرد کرنے کے بعد اس نے رنگینئ دنیا سے منہ موڑا۔ اور قادر مطلق سے اپنا رشتہ جوڑا۔ اپنے عمدہ محل کو چھوڑا۔ اور قلعے میں اپنی مستقل سکونت اختیار کر کے خداوندِ قدوس سے لو لگائی اور پھر مختار کل کی رمز و رضا اپنائی اور پھر اسی قلعے میں عبادت و ریاضت کرتے ہوئے ایک طویل عرصے بعد اس نے وفات پائی جس کے بعد اسی قلعے میں اس کی تدفین عمل میں آئی ۔ (یاد رہے کہ شرف صاحب نے اپنی "تاریخ مرقعِ میوات" میں اس بہادر خان ("والئی میوات دوم") کی وفات 863ھ۔ یعنی (1459ء۔ 1515 بکرمی) بتائی ہے۔

(3) 1412ء۔ میں خانزادہ اقلیم خان ۔ حکومتِ میوات پر قلعہ الور میں تخت نشین ہوا۔ والئی میوات بننے کے بعد اپنی قوم نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا اور سردارانِ قوم ۔ خانزادگانِ میوات نے اِسے "راجہ" کے خطاب سے بھی نوازا۔ اس کے باوجود بھی راجہ اقلیم خان اپنی قوم کے جذبات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی

روکھی پھیکی طبیعت کو بدل نہ پایا۔ جس کی بناء پر جلد ہی مذکورہ خطاب اس کے حقیقی بھتیجے جلال خان بن فیروز خان کے پاس چلا گیا۔

سرداران قوم کی ناراضی کے بعد اپنے بھتیجے جلال خان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور قوم کا تمام تر جھکاؤ اس کی جانب دیکھ کر۔ اقلیم خان کو اپنے بعد اپنی حکومت اپنے بھائی، بھتیجوں اور بیٹوں میں تنازعے کے سبب لڑائی کا باعث بن کر اپنے پر خطر پر پھیلاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس خدشے کے پیش نظر اپنے خاندان کو آنے والی بڑی تباہی سے بچانے کی خاطر۔ اقلیم خان نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنی حکومت میوات 820ھ۔ 1417ء 1473 بکرمی میں اپنے حقیقی بھائی فیروز خان بن بہادر خان کے سپرد کردی۔ اقلیم خان کے بیٹوں نے بھی مذکورہ فیصلے کی تائید کی اس فیصلے نے خان زادوں کے سر پر آنے والے بڑے خطرے کو ٹال دیا۔

(4) 1417ء میں اپنے بھائی کی جانب سے ملی ہوئی حکومت میوات پر فیروز خان مسند نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکومت کے دوران اپنے نام پر ''قصبہ فیروز پور جھرکہ'' بسایا۔ اپنے آباء واجداد کی طرح اس کی خودمختارانہ حکومت کی بناء پر سادات خاندان کی حکومت کے بانی سید خضر خان (بادشاہ دہلی) نے 823ھ 1420ء 1476 بکرمی میں میوات پر فوج کشی کی فیروز خان (والئی میوات چہارم) نے بھی سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ بادشاہ ناکام ہو کر واپس دہلی لوٹ گیا۔ اور پھر جلد ہی 824ھ 20 مئی 1421ء میں یہ سید خضر خان وفات کر گیا اور پھر اس کی جگہ اس کا بیٹا سید مبارک شاہ بادشاہ بنا۔ سید خضر خان کی وفات کے کچھ عرصے بعد 825ھ 1422ء 1478 بکرمی میں فیروز خان (والئی میوات) بھی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

(5) فیروز خان کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خان 1422ء میں والئی میوات بنا۔ اس کے حقیقی چچا راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) سے ناراضی کے بعد سرداران قوم نے اس کی ذہانت کی بنیاد

پر اسے ''راجہ'' کا خطاب عطا کیا تھا۔قوم کی جانب سے راجہ کا خطاب پاتے ہی اس نے ''ڈھاڈولی'' کو چھوڑ کر ''اندور'' کو اپنی راجدھانی بنایا اور پھر یہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کی سید مبارک شاہ (بادشاہِ دہلی) سے اس کی ہمیشہ لڑائی رہی جب سید مبارک شاہ نے راجہ جلال خان کے بھائی سردار قدو خان (خداداد خان) کو 831ھ 1427ء میں گرفتاری کے بعد دیوار کے اندر زندہ چنوا دیا تو یہ اس کے بعد اور بھی زیادہ بگڑ گیا جس کے بعد اس والئی میوات نے اپنے بھائی کے انتقام کی خاطر زندگی بھر سید مبارک شاہ کو چین سے حکومت نہیں کرنے دی۔ 838ھ 20 فروری 1434ء میں بادشاہ کے وزیر سرور الملک کے اشارے پر سدپال نامی شخص نے سید مبارک شاہ کو قتل کر دیا جس کے بعد اس کا بھتیجا سید محمد شاہ بن سید فرید شاہ تخت دہلی پر بیٹھا 844ھ 1440ء میں راجہ جلال خان احمد خان ملک فخر الدین خان اور دیگر سرداران قوم خانزادہ گان میوات نے مالوہ کے حکمراں محمود خلجی کو بلا کر سید محمد شاہ بادشاہ (بادشاہ دہلی) سے بھڑا دیا۔اس جنگ میں بادشاہ کے وزیر اعظم خان زادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان (جاگیردار کلینجر) اور اس کے ہمعصر بہلول لودھی نے دہلی کو بچانے میں اپنا موثر کردار ادا کیا۔

847ھ 1443ء 1499 بکرمی میں راجہ جلال خان وفات پا گیا اس کے بعد سید محمد شاہ بادشاہ بھی 849ھ 1445ء میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔اس کے بعد اس کا بیٹا سید علاؤ الدین ''عالم شاہ'' کا لقب اختیار کر کے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔

(6) 1443ء میں راجہ جلال خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد خان (گل گورکھ) حکومت میوات پر تخت نشین ہوا۔

سادات خاندان کی حکومت کے آخری بادشاہ سید علاؤ الدین ''عالم شاہ'' کے وزیر خان زادہ حمید خان میواتی کے بل بوتے پر بہلول لودھی اپریل 1451ء میں جب تخت دہلی پر بیٹھا تو اس نے میواتی

خانزادوں کی سرکوبی کے لیے پہلے پہل اکتوبر 1451ء میں میوات پر فوج کشی کی اس وقت مہرولی سے لاڈوسرائے متصل دہلی تک پورے علاقہ میوات کا حاکم خان زادہ احمد خان (والئی میوات) تھا۔ جو بادشاہی فوج سے مغلوب ہوگیا۔ جس کے بعد اس نے عالم شاہ بادشاہ کے زمانے میں دبائے دہلی کے نزدیک ترین والے سات پرگنے بادشاہ کی نذر کیے اور بادشاہ نے خانزادوں میں نفاق ڈال کر اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر تجارے میں خانزادہ تاتار خان کو اپنا حاکم مقرر کیا۔

اس خلش کے باعث والئی میوات نے حسین شاہ شرقی حاکم جون پور کو بہلول بادشاہ کے خلاف اکسا کر جنگ پر آمادہ کرلیا۔ حاکم جون پور نے احمد خان (والئی میوات) کی بھرپور مدد کے نتیجے میں اٹاوہ پر اپنا قبضہ جمالیا اور وہاں پر بادشاہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم کو مار بھگایا۔

اس کے بعد بہلول بادشاہ میوات پر چڑھ آیا۔ والئی میوات بھی مدمقابل آیا، بادشاہ کے امیر (خانِ خاناں) نے والئی میوات کو سمجھایا۔ اور اس کی عائد کردہ شرط مان کر خان خاناں نے ان دونوں کے درمیان صلح کرادی جس کے بعد والئی میوات کے چچا خان زادہ مبارک خان (مشیر میوات) کے ذریعے راہ ورسم بڑھا کر بہلول بادشاہ نے احمد خان سے رشتے داری کرلی جس کے بعد بہلول بادشاہ اور والئی میوات دونوں ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن گئے۔

احمد خان (والئی میوات) نے 872ھ 1468ء 1524 بکرمی میں وفات پائی

(7) 1468ء میں اپنے والد احمد خان کی وفات کے بعد ذکریا خان حکومت میوات کی گدی پر مسند نشین ہوا۔ اس کی صوفیانہ عادت واطوار کے باعث دربار دہلی میں اس کا ایک خاص مقام تھا۔ اس نے جنگ وجدل کے بجائے امن وآشتی اور رحمدلی کو اپنا شعار بنایا جس کی بناء پر تاریخوں میں اسے "صلح پسند" والئی میوات کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس ذکریا خان (والئی میوات) نے 890ھ 1485ء 1541 بکرمی میں وفات

پائی اس کا مقبرہ تجارے میں 'بھرتری گنبد' کے نام سے مشہور ہے۔

(8) 1485ء میں اپنے والد خان زادہ ذکریا خان کی وفات کے بعد علاول خان میوات کی گدی پر مسند نشین ہوا۔

اس کی شادی سے متعلق تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند۔ تاریخ مرقع الور۔ تاریخ گزیٹیر الور۔ تاریخ مرقع میوات۔ تاریخ ضلع گوڑ گانواں۔ اور دیگر تاریخوں میں تحریر ہے کہ۔

اعظم ہمایوں خان شروانی افغان جو بہلول لودھی کے دربار میں ایک بڑا امیر و کبیر سردار تھا اسکی دولڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کی شادی سکندر شاہ لودھی بن بہلول لودھی (بادشاہ دہلی) سے ہوئی تھی جس سے ابراہیم شاہ لودھی پیدا ہوا۔ اور دوسری بیٹی علاول خان بن ذکریا خان خانزادہ (والئی میوات) سے بیاہی گئی تھی جس کے بطن سے نواب حسن خان خانزادہ (شاہ میوات) پیدا ہوا تھا۔

بہلول بادشاہ نے جب اپنے بیٹے سکندر لودھی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو علاول خان کو بھی ناگور کا صوبے دار مقرر کیا تھا۔ 1488ء میں بہلول کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا سکندر شاہ لودھی بادشاہ دہلی بنا تو اس نے اپنے حقیقی ہم زلف بھائی خانزادہ علاول خان کو اپنے امراء میں داخل کر کے رفتہ رفتہ اس کا اقتدار اتنا بڑھایا کہ اسے ملک میوات کا خود مختار بادشاہ بنا دیا۔

اپنے بیٹے خان زادہ حسن خان میواتی اور ہندوستان میں اس کی بڑھتی ہوئی شہرت کے پیش نظر علاول خان نے اپنی حکومت میوات کا نظم ونسق 910ھ 1504ء 1560 بکرمی میں اس کے سپرد کر دیا تھا۔

(9) علاول خان (والئی میوات) نے اپنے بیٹے حسن خان کی مقبولیت و ذہانت کے پیش نظر اپنے جیتے جی اپنی حکومت میوات کا نظم ونسق 910ھ 1504ء میں اس کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ خانزادہ حسن خان اپنے خاندان کے سابقہ آٹھ والیان میوات میں سب سے زیادہ شہرت کا حامل ہوا۔ اس نے اردو۔

فارسی۔ترکی اور انگریزی تاریخوں میں ''حسن خان میواتی'' کے نام سے شہرت پائی۔

923ھ نومبر 1517ء میں سکندر لودھی کے بعد جب اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت دہلی پر بیٹھا تو اس نے اپنے دور اقتدار میں اپنے اس حقیقی خالہ زاد بھائی خانزادہ حسن خان میواتی کا اقتدار اس قدر بڑھایا کہ یہ اپنے علاقہ میوات کا راجہ اور شاہ میوات کہلانے لگا۔

932ھ 02 اپریل 1526ء میں بابر بادشاہ سے ہونے والی پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی (بادشاہ دہلی) مارا گیا۔حسن خان میواتی کا باپ علاول خان اپنے خیمے کے اندر ایک زہر کی سازش کے نتیجے میں مردہ حالت میں پایا گیا اور حسن خان کا بیٹا خانزادہ ناہر خان بابر کا قیدی بنا۔بابر کی فتحیابی کا سب سے بڑا سبب اس کا توپ خانہ تھا چونکہ ہندوستانی فوج اس سے پہلے بندوق یا توپ سے روشناس نہ تھی۔

بابر کی قید سے اپنے بیٹے ناہر خان کی رہائی کے بعد حسن خان نے ابراہیم لودھی کے قتل کی انتقامی آگ میں رانا سانگا کے ساتھ مل کر یکم مارچ 1527ء میں آگرہ سے تیس کلومیٹر دور فتح پور سیکری میں داخل ہو کر بابر کو شکست فاش دی۔

اس فتح کے بعد حسن خان نے بابر کا تعاقب نہیں کیا جو اس کی سب سے بڑی بنیادی غلطی تھی جس کی بناء پر بابر کو سنبھلنے اور اپنی فوج منظم کرنے کا موقع فراہم ہوا، اپنی اس شکست کے بعد بابر نے داڑھی رکھ لی شراب پینے سے توبہ کر لی اور اپنے چار سو امراء کو شراب سے توبہ کرائی جس کے بعد شراب میں نمک ڈال کر اسے بہادیا گیا۔اور پھر جہاد کا ڈھونگ رچا کر اس بابر نے 15 بقول بعض 16 مارچ 1527ء کو فتح پور سیکری سے تیرہ کلومیٹر دور علاقہ بیانہ کے مقام ''کنواہہ'' میں آ کر دوبارہ جنگ کی جس میں رانا سانگا زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا۔اسے پالکی میں ڈال کر بمشکل تمام میدان جنگ سے باہر لایا گیا جس کے بعد اسے قلعہ میرٹھ پہنچا دیا گیا جہاں پر وہ اپنی مذکورہ شکست کے صدمے کے باعث نو۔دس ماہ بعد جنوری 1528ء میں وفات پا گیا۔

مذکور جنگ کے عین اختتام پر حسن خان میواتی کا گھوڑا نشیب میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ جس کی بناء پر حسن خان گھوڑے کی پیٹھ سے گرا۔ ابھی یہ پوری طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ اس کے مخالف رشتے داروں نے اپنے دل کی دیرینہ خلش مٹانے کے لئے یہ موقع مناسب جان کر انتقاماً اس کی پیشانی کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا اور پھر انتقام سے بچنے کی خاطر اس کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر اپنی پہچان کے خوف کے باعث یہاں سے فوراً فرار ہو گئے۔☆

اُس زمانے کا ذکر کرتے ہوئے ''نظام الدین احمد بخشی'' اپنی ''تارخ طبقاتِ اکبری'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(جب غلّے کی بڑی افراط ہوئی تو اِس (ابراہیم لودھی) کے دور میں ایک معذ ذحیثیت کے آدمی کی اوسط تنخواہ پانچ تنکے ماہانہ ہوگئی تھی۔ غلّہ ایک بہلولی میں دس من ملتا تھا۔ ایک بہلولی میں پانچ سیر گھی اور دس گز کپڑا ملتا تھا۔ ایک بہلولی سکّے میں ایک آدمی آگرہ سے دہلی تک سفر کرسکتا تھا۔ ایک بہلولی سکّے کا وزن پونے دو تولہ تانبے کے قریب ہوتا تھا)۔

بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے اِس علاقۂ میوات پر میواتی خانزادوں کی حکومت جو 774ھ۔ 1372ء۔ سے چلی آرہی تھی وہ حکومتِ میوات حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کے مارے جانے پر اپنے اختتام کو پہنچی۔

''شاہِ میوات'' کی موت کے بعد۔ میواتی خانزادوں کی جانب سے باقی ماندہ بغاوت کا خطرہ مٹانے اور اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر اپنی مذکورہ فتحیابی کے دس۔ بارہ دن بعد ماہ رجب 933ھ۔ 24 مارچ 1527ء۔ کو میوات پر اپنا بھرپور حملہ کیا۔ بابر کے اِس غیر متوقع و اچانک حملے میں ہزاروں خانزادے مارے گئے اِس حملے میں خانزادوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوا اِس حملے کے بعد میوات میں بھگدڑ مچی اور

خانزادوں کے ہزاروں خاندان اپنے ملک میوات سے مختلف مقامات کی جانب نقل مکانی کر گئے ار پھر جہاں گئے وہیں کے ہو رہے۔ جس کے بعد میوات کے خانزادوں سے ان کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ بابر کا یہ حملہ تاریخوں میں ''غدر میوات'' کے نام سے مشہور ہے۔

اپنے مذکورہ حملے کے بعد بابر نے تجارے میں ''چین تیمور سلطان'' کو اپنا حاکم مقرر کیا۔ اور۔ اللہ وردی خان کو الور کا حاکم بنایا۔

☆بابر کے بعد اس کے بیٹے ہمایوں بادشاہ نے اپنی جلاوطنی کے بعد اپنی بحالی حکومت 962ھ۔ فروری 1555ء۔ میں اپنی حکومت کے استحکام اور میواتی خانزادوں کے دل جیت کر انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے حسن خان (شاہ میوات) کے چچازاد بھائی خانزادہ جمال خان کی دختر۔ سلیمہ سلطانہ بیگم کی شادی اپنے وزیر (بہارلو کے ترکمان) مرزا بیرم خان (خانِ خاناں) سے کرائی تھی۔ اپنی شادی کی خوشی کے موقع پر مرزا بیرم خان نے۔ بابر بادشاہ کے زمانے میں ترک وطن خانزادوں کے لئے ملک میوات میں واپسی کا فرمان اپنے ہمایوں بادشاہ سے جاری کرالیا تھا لیکن مذکورہ فرمان واپسی کے بعد بھی خانزادے برائے نام اپنے ملک میوات واپس لوٹے۔

ہمایوں کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد حکومت 1556ء تا 1605ء میں خانزادے اس اکبر کی فوج میں زبردست سردار ہوئے۔

اکبر کے بعد اس کے بیٹے نورالدین جہانگیر کے عہد حکومت 1605ء تا 1627ء میں بھی ان خانزادوں کا دربار شاہی میں کافی اثر رسوخ رہا۔

جہانگیر بادشاہ کے بعد اس کے بیٹے شہاب الدین ''شاہ جہاں'' (شہزادہ خرم) کے عہد حکومت 1627ء تا 1658ء کے دوران اپنی حسن کارکردگی اور ذہانت کی بدولت خانزادہ فیروز خان دیپالپور

کی فوجداری پر مقرر رہااور پھر اسی شاہ جہاں بادشاہ نے اسے ''نواب'' کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا۔نواب فیروز خان نے اپنے گاؤں (سیملی) کواز سرنو آباد کرانے کے بعد اسے قصبے کی شکل میں تبدیل کیا اور پھر اپنے بادشاہ شاہ جہاں کے نام پر اس قصبے کا نام شاہ آباد رکھا۔

شاہ جہاں کے بعد اس کے بیٹے اورنگ زیب عالمگیر عہد حکومت 1658ء تا 03 مارچ 1707ء کے دوران عالمگیر نے اس نواب فیروز خان کو خلعت اور ہزاروی منصب سے سرفراز فرمایا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب اس کے جانشیں (شہزادہ معظم قطب الدین شاہ عالم (بہادر شاہ اول) کی لڑائی 1120ھ 1710ء میں جب اعظم شاہ ہوئی تو شاہ عالم سے نمک خواری کرتے ہوئے یہ نواب فیروز خان جوانمردی کے ساتھ لڑتا ہوا ندکورہ جنگ میں مارا گیا۔

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں نواب انتظام الدولہ خان خانزادہ کافی عرصے تک الور کا قلعہ دار رہا۔

اورنگ زیب حکومت کے خلاف خانزادہ اکرام خان نے بغاوت کی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پایا۔

خان زادہ ذوالفقار میواتی خانزادوں کا زبردست وآخری سردار تھا جو گھساولی میں رہتا تھا راجہ بختاور سنگھ (رئیس الور و ماچیڑی) نے مرہٹوں کی مدد سے 1218ھ 1803ء میں اسے گھساولی سے نکال دیا تھا جس کے بعد یہ نواب علی بہادر کی طرفداری میں راجہ ارجن لوئی بندھیلہ کی لڑائی میں مارا گیا۔

غرض یہ کہ مغلیہ سلطنت کے ادوار میں بھی ان خانزادوں نے کارہائے نمایاں انجام دے کر اپنے آباء واجداد کا نام روشن رکھا۔ان خانزادہ سرداروں کے حالات تاریخوں میں مختصر انداز میں پائے جاتے ہیں جو ابھی تحقیق طلب ہیں۔

☆☆

شاہانِ مغلیہ

ادوار

ظہیرالدین ''بابر''
1526ء تا 1530ء

نصیرالدین ''ہمایوں''
1530ء تا 1540ء

ہمایوں کی مراجعت
1555ء تا 1556ء

جلال الدین اکبر
1556ء تا 1605ء

نورالدین محمد جہانگیر ''غازی''
1605ء تا 1627ء

شہاب الدین شاہ جہاں
1627ء تا 1658ء

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر
1658ء تا 1707ء

قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول
1707ء تا 1712ء

معزالدین جہاندار شاہ
1712ء تا 1713ء

فرخ سیر
1713ء تا 1719ء

رفیع الدرجات
1719ء

نکوسیر
1719ء

رفیع الدولہ
1719ء

ناصرالدین محمد شاہ (رنگیلا)
1719ء تا 1748ء

احمد شاہ
1748ء تا 1754ء

عزیزالدین عالمگیر ثانی
1754ء تا 1759ء

جلال الدین شاہ عالم ثانی
1759ء تا 1806ء

اکبر شاہ ثانی
1806ء تا 1837ء

سراج الدین بہادر شاہ ثانی (بہادر شاہ ظفر) 1837ء تا 1857ء

1857ء میں مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد برطانوی حکومت نے میوات کا انتظام درست رکھنے کی غرض سے اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا برٹش انڈیا میں ضلع گوڑگانواں کے اندر صرف تحصیل ''فیروز پور جھرکا'' اور تحصیل نوح سالم اور کچھ حصہ گوڑگانواں کا رکھا تھا اور باقی حصہ ریاست الور اور ریاست بھرت پور میں شامل کر دیا تھا۔

برطانوی عہد حکومت میں بھی ان میواتی خانزادوں نے اپنی ایمانداری فرض شناسی اور اہم کردار کی بدولت برطانوی فوج میں ایک منفرد مقام پایا اور کمیشن بھی حاصل کیا۔ جس کا اعتراف انگریز مورخ مسٹر۔سی۔اے۔ ہیکٹ نے اپنی۔ ''تاریخ گزیٹیر الور'' میں کیا ہے۔

1947ء میں برطانوی حکومت کے خاتمے کے بعد ان خانزادوں کے حالات ''تقسیم ہند'' کے عنوان میں بیان کئے گئے ہیں۔

☆☆

''خان زادوں''

کا

''تحقیقی جائزہ''

جادو بنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کی تاریخ رقم کرتے ہوئے محققین و مورخین نے اپنی اپنی تاریخ میں بوجہ حکومت لفظ خان زادہ کے ساتھ لفظ میواتی بھی استعمال کیا ہے۔

درج ذیل تاریخی حوالہ جات۔بطور ثبوت میں اپنے قارئین کرام کے سامنے اس غرض سے پیش کر رہا ہوں کہ وہ لفظ ''میواتی'' کی اصلیت سے بخوبی واقف ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ مختلف تاریخوں میں علاقہ میوات پر حکومت کرنے والے سردارانِ قوم راجگان و حاکمین کو ہی میواتی لکھا گیا ہے نہ کہ میووں کو۔۔۔!

اب جو لوگ میوات کی وجہ تسمیہ میووں کے رہنے کی جگہ تصور کرتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہیں چونکہ مختلف محققین نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس بات کی واضح طور پر تصدیق کر دی ہے۔جیسا کہ

''تاریخ مرقع الور'' صفحہ نمبر 7 پر شیخ محمد مخدوم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(اکثر تواریخ سے اظہر ہے کہ باشندگان میوات کا قدیم لقب ''میواتی'' مقرر ہے۔پس بود و باش میوات سے یہاں کے ساکنین نے لقب میوو کا پایا۔نہ کہ سکونتِ قوم میوو سے اس ملک کو اسم میوات ہاتھ آیا)

اخبار ''آفتاب میوات'' کے ایڈیٹر،مولوی عبد الشکور صاحب اپنی ''تاریخ میوات'' کے صفحہ نمبر 58 لغایت 80 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''خانزادہ'' جو جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ ہے یہ ایک عرصہ دراز تک اپنے میواتی مسلمان بھائیوں پر حکمرانی کرتا رہا ہے۔ہندو۔مسلم۔تاریخوں میں ان خانزادوں کو ''میواتی'' ہی کہا گیا ہے۔اور وہ

میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں میوات میں القاب وخطاب، راجگی، کنور، ٹھاکر، چودھری میاں اور خان وغیرہ سے ان کو یاد کرتے ہیں چنانچہ ''خان زادہ قوم'' کا مورث اعلیٰ سانپر پال فیروز شاہ بادشاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا جس نے اسے ''بہادر تاہر'' اور ''خان'' کا خطاب دیا تھا۔اسی واسطے اب خانزادہ قوم کے ہر ایک فرد کو ''خان صاحب'' کہتے ہیں اور یہ خانزادہ قوم اسی نام سے موسوم ہوئی خانزادے بھائی اپنی قومیت کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں کبھی مغل بنتے ہیں کبھی پٹھان'' جو سراسر علم تاریخی سے لاعلمی کی دلیل ہے'' ورنہ وہ خاصے جادو بنسی نسل کے چھتری ہیں۔جب بہادر تاہر میوات کا حاکم بن بیٹھا تو سلطان ابوبکر تغلق نے کئی بار اس سے مدد مانگی تھی میوات کی حکومت مدت تک اس کی اولاد کے پاس رہی کیونکہ اس نے اپنی عین حیات میں ہی اپنا علاقہ اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ نمبر 310 پر رقمطراز ہیں کہ۔

(''829ھ میں سلطان مبارک شاہ میوات کی طرف گیا۔بہادر تاہر خان میواتی کے پوتوں جلال خان، قدو خان، احمد خان اور ملک فخر الدین خان میواتیوں نے کوہستان اندور کو اپنا مقام بنایا۔'')

یہی مولوی ذکاء اللہ صاحب اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم کے صفحہ نمبر 312، صفحہ نمبر 339، اور 340 پر جگہ جگہ ملک قدو خان ملک فخر الدین خان اور حسن خان (شاہِ میوات) وغیرہ خانزادگان میوات کو میواتی تحریر فرماتے ہیں۔

محمد قاسم فرشتہ نے اپنا ''تاریخ فرشتہ'' جلد اول صفحہ نمبر 238 تا 254 میں مذکورہ خانزادوں کو بارہا میواتی تحریر کیا ہے، اور صفحہ نمبر 300 پر تاہر خان ولد خانزادہ حسن خان (شاہ میوات) کو صاف طور پر میواتی لکھا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی ''منتخب التواریخ'' جلد اول صفحہ نمبر 259 مطبوعہ کالج پریس کلکتہ

1868ء میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

(''ابوبکر شاہ بتقویت بہادر تاہر خان خانزادہ میواتی صف آرائی کرو۔ در میدان فیروز آباد با محمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت'')

ترجمہ:''خانزادہ بہادر تاہر خان میواتی کی طاقت پر ابوبکر شاہ نے صف آرائی کی اور فیروز آباد کے میدان میں محمد شاہ سے جنگ کر کے فتح مند ہوا۔''

یہی ملا عبدالقادر بدایونی اپنی منتخب التواریخ جلد اول صفحہ نمبر 303 پر خانزادہ حسن خان ''شاہ میوات'' بن علاول خان (والئی میوات) سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:۔

(خانزادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خان میواتی بودند سلطان محمود خلجی را، از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند۔)

ترجمہ ''میوات کے خانزادے حسن خان میواتی کے آباء واجداد تھے جنہوں نے سلطان محمود خلجی کو مالوہ سے دہلی سلطنت کے لئے بلوایا تھا۔''

ملا عبدالقادر بدایونی اپنی فارسی منتخب التواریخ جلد اول صفحہ نمبر 340 پر 965ھ۔1557ء میں میوات میں ظاہر ہونے والے ''نقلی حسن خان'' کے قتل سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''بعد از چند گاہ، بعضے از خانزادہ ہائے میواتی بنا بر حمیت و غیرت اورا بقتل رسانیدند''

ترجمہ'' کچھ عرصے بعد میواتی خانزادوں میں سے کچھ نے اسے حمیت و غیرت کی بناء پر قتل کر دیا''

عاشق علی صاحب ناطق کلانوری اپنی تاریخ ''سرتاج التوریخ'' جلد اول صفحہ نمبر 533 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆''(خانزادے لوگ علاقہ میوات کے رہنے والے ہیں اور ان کی تین بڑی شاخیں۔ تنور، جادو،

بگولے ہیں)''

پنڈت جوالا سہائے عدالتی۔ راج بھرت پور اپنی تاریخ ''وقائع راجپوتانہ'' صفحہ نمبر 276 مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ 1877ء صفحہ نمبر 276 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(خانزادے لوگ اگر چہ بلحاظ تعداد تھوڑے ہیں مگر جادو راجہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بہت بہادر اور مشہور ہیں اسی وجہ سے چندر بنسی کی عمدہ نسل سے شمار ہوتے ہیں۔ اس جادو خاندان سے دو بھائی سانپر پال اور شوپر پال فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے)۔

خانزادہ راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) کے بعد اُس کے حقیقی بھائی فیروز خان (والئی میوات چہارم) نے جب میوات کی حکومت سنبھالی تو اس نے قصبہ ''اندور'' کو اپنی راجدھانی بنایا اور پھر قصبہ فیروز پور جھرکہ کی بنیاد رکھ کر اسے آباد کیا۔ اِس کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خان (والئی میوات) بنا۔

اپنی تاریخ میں ملاّ عبدالقادر بدایونی نے جہاں دیگر سرادارانِ قوم خانزادہ کو میواتی تحریر کیا ہے بالکل اسی طرح اپنی منتخب التواریخ جلد اوّل صفحہ 107 پر مذکورہ والئی میوات پنجم کو صاف طور پر۔ (خانزادہ جلال خان میواتی) لکھا ہے۔

اسی طرح انگریز مورخ مسٹر۔ سی۔ اے۔ ہیکٹ نے اپنی انگلش تاریخ ''گزیٹر الور'' کے صفحہ 171 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆(1428ء۔ میں بادشاہ نے میوات پر قابو پایا۔ لیکن ریواڑی۔ اُس زمانے میں بھی میواتی خانزادوں کے قبضے میں تھی)۔

مولوی نجم الغنی رام پوری صاحب اپنی تاریخ ''کارنامۂ راجپوتانِ ہند'' صفحہ 345 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(نواب حسن خان جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی کی تاریخوں میں ''حسن خان میواتی'' کے نام سے مشہور ہے وہ اسی قوم خانزادہ میں سے ہوا ہے)۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی تاریخ۔''تاریخ ہندوستان'' جلد سوم صفحہ 110 پر خانزادہ علاول خان (والئی میوات) کے فرزند خانزادہ حسن خان (شاہِ میوات) سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(حسن خان میواتی کو میوات کی حکومت (جس کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی سالانہ تھی ۔)وراثت میں ہاتھ آئی تھی اور یہ بادشاہِ دہلی کا برائے نام مطیع تھا)۔

مولوی محمد حسین دہلوی اپنی تاریخ ''دربار اکبری'' صفحہ 567 پر بیان کرتے ہیں کہ:۔

☆(بیرم خان کو تو ایک عالم جانتا ہے۔عبدالرحیم (خان خاناں) کی ماں کا حال بھی سُن لو جمال خان میواتی کی بیٹی اور حسن خان میواتی کی بھتیجی تھی بڑی بہن اکبر بادشاہ کے محل میں تھی چھوٹی بیٹی وزیر مذکور کے حرم سرا میں)۔

کرنل ٹاڈ صاحب نے اپنی انگلش تاریخ۔''ٹاڈ راجستھان'' جلد اوّل صفحہ 617 پر ''سیواجی'' کی جنگی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا ہے اُس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆(بالکل اسی کے مطابق میواتی خانزادوں نے شاہانِ دہلی۔ کے مقابلے میں فوجی حکمتِ عملی اختیار کی تھی)۔

انگریز مورخ مسٹر۔ اے ہیکٹ بیان کرتے ہیں کہ مشہور زمانہ چندر بنسی راجپوت خاندان جس نے شہرت یافتہ راجہ جادو کے بعد جادو بنسی خاندان کے نام سے شہرت پائی۔

اس جادو بنسی خاندان کے مشہور قبیلے ''خان زادہ'' سے متعلق اپنے تاثرات اپنی تاریخ۔''گزیٹیر الور'' صفحہ 168 پر جو بیان کیے ہیں وہ من وعن انگریزی میں شرف صاحب نے اپنی تاریخ ''مرقع میوات''

ایڈیشن ثانی صفحہ 135 پر درج کئے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆(میوات کی اکثر آبادی جسے ''میوؤ'' کہا جاتا ہے وہ مسلمان اور راجپوت ہونے کی دعوے دار ہے۔ لیکن انہیں مسلمان میواتی سرداروں کے ساتھ ملانا صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان میواتی سردار صرف ''خانزادے'' ہی ہیں۔ جن کا ذکر فارسی تاریخ والوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے اور ان ہی خانزادوں کو میواتی کہا گیا ہے نہ کہ میوؤ کو۔! یہ خانزادے مسلمان ہیں جیسے کے میوؤ۔ اور انہیں میوؤں سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ اِن دونوں قبیلوں کا آپس میں کوئی بھی لگاؤ نہ تھا لیکن گذشتہ ادوار میں بیرونی حملہ آوروں سے نمٹنے کے لئے ان کا آپس میں اتحاد قائم رہا یہ لوگ دہلی کے اردگرد سکونت پذیر رہے'' درحقیقت تاریخوں میں لفظ میواتی حکمران جماعت کا عکس ہے جبکہ لفظِ ''میوؤ'' محکوم جماعت کے لئے آیا ہے اگرچہ میوؤ کا لفظ موجودہ زمانے کی ساخت نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ تاریخوں کے اندر کہیں نہیں ملتا دراصل۔ لفظ میواتی غیر معمولی طور ر''خان زادہ'' لفظ میں تبدیل ہو چکا ہے اور ان ہی میواتی سرداروں نے جنہیں ''خانزادہ'' کہا جاتا ہے موجودہ مقام حاصل کیا ہے''۔

''خانزادے
تاریخ کے آئینے میں''

تاریخ ھٰذا میں تحریر کئے گئے شجرۂ ہائے نسب کے مطابق'' جادو بنسی راجپوت'' راجہ تہن پال۔ (والئی تہن گڑھ) کی چوتھی پشت میں انسراج پیدا ہوا۔ جس کے لکھمن پال پیدا ہوا۔ اور اس لکھمن پال کے دو بیٹے سانپر پال اور شوپر پال پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھائی 1355ء میں فیروز شاہ تغلق کے مُرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھوں مشرف با اسلام ہوئے۔ جس کے بعد فیروز شاہ بادشاہ کی جانب سے سانپر پال کا خطاب ولقب والا اسلامی نام'' بہادر ناہر خان'' ہی تجویز پایا۔ جس کی تفصیل'' بہادر ناہر کے داخل اسلام پر

موزخین کی آرا"۔ میں بیان کی گئی ہے۔

☆اس بہادر ناہر خان سے ہونے والی نسل اس کے اعزازی لقب۔"خان" کی نسبت خانزادہ کہلائی اور یہ بہادر ناہر خان اپنی خانزادہ قوم کا"مورث" اعلیٰ" کہلایا۔

مختلف ادوار کے مختلف محققین اور تاریخ نویسوں نے اپنی اپنی تحقیق کے بعد لفظ"خانزادہ" سے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے۔ان کی روشنی میں اپنی تحقیق کے بعد۔

جناب شرف صاحب اپنی۔"تاریخ مرقع میوات" صفحہ 79 (ایڈیشن ثانی) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(لفظ۔"خانزادہ"۔دو لفظ۔"خان" اور"زادہ" سے مرکب ہے۔"خان" کے معنی۔سردار ۔رئیس۔اور۔امیر کے ہیں اور یہ ایک معذذ خطاب بھی ہے۔جبکہ"زادہ" کے معنی۔"پیدا شدہ" کے ہیں۔پس ۔"خانزادہ" کے معنی۔سردارزادہ۔امیرزادہ۔یا۔رئیس زادہ کے ہوتے ہیں)۔

ہندوستانی فاتح اِس"خان" اور لفظ"خانزادہ" کو اپنا قومی اور معذذ لفظ سمجھتے ہیں۔اور ان الفاظ کو وہ اپنے شاہی خاندان کے افراد کے لئے استعمال کرتے تھے۔البتہ جب بھی یہ کبھی اپنے کسی امیر۔وزیر یا سردار وغیرہ سے خوش ہوتے تو عموماً یہ انہیں اسی معذذ خطاب سے نوازتے۔جس طرح سانپر پال کو فیروز شاہ نے "خان" کے معذذ خطاب سے سرفراز فرمایا۔

اس سانپر پال (بہادر ناہر خان)"مورثِ اعلیٰ قوم" جادونسی راجپوت خانزادگانِ میوات" کا تاریخوں میں پورا نام بہادر ناہر خان اور بعض تاریخوں میں"بہادر ناہر" لکھا گیا ہے اور بعد میں کثرت استعمال سے صرف"ناہر میواتی" تحریر کیا گیا ہے۔

ملک میوات میں ابتداء سے اپنے آباء واجداد اور اپنی مستقل بود و باش کے باعث ان میوات کے

خانزادوں کومختلف تاریخوں میں زیادہ تر میواتی ہی تحریر کیا گیا ہے اور یہ لوگ بھی خودکو میوات میں اپنی سکونت کی بناء پر میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔

جیسا کہ اردو۔ فارسی۔ ترکی اور انگریزی تاریخوں میں سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق (بادشاہِ دہلی) کے وزیراعظم ملّو خان عرف اقبال خان بن خانزادہ بہادر خان (والئی میوات) کو ملّو۔ اقبال خان میواتی۔ اور بعض جگہ صرف ملّو۔ میواتی تحریر کیا گیا ہے۔ اور بالکل اسی طرح۔ منشی خداداد خان عظیم آبادی نے اپنی (تاریخ خانانِ میوات) میں اور سیّد قاسم محمود نے اپنے (اسلامی شاہکار انسائیکلو پیڈیا)۔ میں سیّد محمد شاہ بن سیّد فرید شاہ (بادشاہِ دہلی) کے وزیراعظم خانزادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان عرف فتح خان کو صرف حمید خان میواتی لکھا ہے۔ غرض یہ کہ تمام تر تاریخوں میں فیروز خان۔ جلال خان۔ قدّو خان۔ ملک فخر الدین خان۔ احمد خان اور شاہ میوات حسن خان وغیرہ خانزادگان (والیانِ میوات۔ و۔ سردارانِ قوم کو میواتی تحریر کیا گیا ہے)۔

اس لفظ میواتی سے متعلق تفصیل "لفظ میواتی کی وضاحت" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

مذکورہ سلسلے میں مولوی عبدالشکور "ایڈیٹر آفتاب" اپنی "تاریخ میوات" صفحہ 45 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"(ہندو۔ مسلم۔ تاریخوں میں۔ ان خانزادوں کو میواتی کہا گیا ہے۔ اور یہ میواتی۔ ہی کہلاتے رہے ہیں)"۔

ملک میوات کے مذکورہ جادوبنسی راجپوت میواتی خان زادوں سے متعلق مختلف مورخین کی چند آراء درج ذیل ہیں۔

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی "تاریخ آئینہ حقیقت نما" کا حوالہ دیتے ہوئے جناب شرف صاحب اپنی "تاریخ مرقعٔ میوات" کے صفحہ 154 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(بہادر ناہر نے اپنی جاگیر میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنایا جو "قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر" کے نام

مشہور ہوا۔ اس قلعے کے نشانات اب تک موضع کوٹلہ میں موجود ہیں۔ بہادر ناہر نے کچھ دنوں بعد ہی اسلام قبول کرلیا۔ اور فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد سلطنتِ دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر میوات پر قابض و متصرف ہوگیا۔ بہادر ناہر کو بعد میں اسی بادشاہ کی طرف سے ''خان جادو'' کا معزز لقب ملا تھا۔ جس کو بعد میں ''خانزادہ'' بنالیا گیا)۔

مولوی عبدالشکور صاحب اپنے اخبار'' آفتاب میوات''مطبوعہ۔15-09-1934 صفحہ 2 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(میوات کے خانزادوں کے مورثِ اعلےٰ کو ایک پٹھان بادشاہ نے مسلمان بنا کر''خان'' کے خطاب سے سراہا تھا۔ اس وجہ سے یہ لوگ ''خانزادے'' کہلانے لگے۔ ورنہ یہ جادو نسل کے راجپوت ہیں)۔

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی'' تاریخ ارژنگِ تجارہ''صفحہ 29، صفحہ 30 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(یہ خانزادے لوگ سابق میں بہت معزز اور نامور ہوئے ہیں۔ پہلے ان کی جاگیریں بہت تھیں ۔اب عہدہ چودھراہت۔ زمانۂ اکبر بادشاہ سے تجارہ والوں کے قبضے میں چلا آتا ہے۔امیر خان اور ننھے خان چودھریان تجارہ اس وقت مقرر ہیں۔ قیامِ سلطنت تیموریہ سے بروئے سند۔ لشکر خان کو عالمگیر بادشاہ کے عہد تک بابت حق چودھر معقول رقم ملتی رہی ہیں)۔

اطراف پورب میں جو'' خانزادے'' یہاں کے سابق سے گئے ہوئے ہیں وہ اب تک بھی وہاں کے رئیس اور جاگیردار ہیں۔

رسم ہنود جو اس قوم میں چلی آتی ہیں۔ بعض ان میں موقوف ہوگئی ہیں۔ اور بعض اب تک رائج ہیں ۔ان کی رشتے داریاں سادات اور مسلمان چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں۔ اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی رشتے کرنے لگے ہیں۔

اولاد ملک علاؤالدین خان خانزادے سے تجارے میں اکرام خان اور شاہ آباد میں نواب فیروز خان جاگیردار ہوئے ہیں مگر یہ ایسے مشہور۔ و۔ نامور نہیں ہوئے جیسے بہادر خان ''برادر۔ ملک علاؤالدین خان'' کی اولاد میں سے ہوئے ہیں۔ مثلاً۔ قدو خان۔ جلال خان۔ احمد خان۔ عالم خان۔ ملک فخرالدین خان اور حسن خان۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

مولوی عبدالشکور صاحب اپنے۔ ''رسالہ۔ حالاتِ میوات'' کے صفحہ 33، صفحہ 34 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

☆ (بہادر ناہر کی اولاد بہت دنوں تک برسرِ عروج رہی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو انہوں نے اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا تھا۔ خانزادوں کی قوم ایک بڑی قوم ہے۔ جو یوپی پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ کے مقامات میں بکثرت ملتی ہے۔ خانزادے کئی نسلوں سے ہیں بعض ان میں سے اپنے آپ کو۔ ''ملک'' بھی کہتے ہیں۔ جو خانزادوں ہی کا پرانا نام ہے)۔

☆ مولوی محبوب علی دہلوی۔ اپنی ''تاریخ حکایاتِ میوات'' قلمی کتب خانہ جامع مسجد دہلی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (بعد قبولیت اسلام کے۔ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی نے سانبر پال اور شوپر پال کو اپنے مریدانِ خاص میں شامل فرمایا پھر حضور بادشاہ خطاب اس گروہ کا۔ باعتبار عالی نسبی۔ ''خانزادہ'' عطا فرمایا گیا۔ اور یہ خطاب ''خانزادہ'' ولایت افغانستان میں شاہی خاندان کے واسطے مخصوص ہے۔ اس کے بعد بادشاہ مذکور نے ان کو اپنے مقربان خاص میں شامل فرمالیا۔ اور ایک سو مواضعات جاگیر میں عطا فرمائے اور میوات کا انتظام تفویض فرمایا)۔

''تاریخ تیموری'' کے مصنف جناب خداداد خان عظیم آبادی اپنی ''تاریخ خانان میوات'' صفحہ 22 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (سانپر پال جادو کو پہلے فیروز شاہ سے ''بہادر ناہر'' کا خطاب ملا تھا جب امیر تیمور ہندوستان میں آیا اور بہادر ناہر نے دو سفید رنگ کے طوطے بطور تحفہ امیر مذکور کے پاس بھیجے تو اس نے خوش ہو کر اپنے ملکی قاعدے کے بموجب اس کو ''خان'' کا خطاب مرحمت فرمایا تب سے اُسے بہادر ناہر خان اور کثرتِ استعمال سے صرف ناہر خان بھی کہنے لگے)۔

(اپنی شریں گفتاری کی بناء پر اپنی مثال آپ مذکورہ طوطے پورے ہندوستان میں ''کا کا توا'' کے نام سے شہرت رکھتے تھے)۔

جن کے متعلق تیمور خود بیان کرتا ہے کہ:۔

☆ (میں نے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی تھی جس کا خیر مقدم بہادر ناہر نے اچھی طرح سے کیا اور عمدہ جواب لکھا۔ جواب کے ساتھ ہی دو سفید رنگ کے طوطے جو شاہان دہلی سے تعلق رکھتے تھے پیش کئے)۔

☆ (طوطوں کی نسبت تعریف کرتے ہوئے تیمور نے مزید تحریر کیا ہے کہ:۔)۔

☆ (بہادر ناہر خان معہ بیٹوں اور ان آدمیوں کے جو کہ میوات میں میرے ڈر سے پناہ گزیں ہوئے تھے مجھے سلام کرنے کے واسطے آئے ان میں ایک شخص سیّد خضر خان بھی تھا۔ جو کہ مغلوں کا منظور نظر تھا)۔

مسٹر سی۔اے ہیکٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی تاریخ ''گزیٹر الور'' صفحہ 203 پر جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

☆ (بہادر ناہر۔اپنی قوم کا وہ پہلا شخص ہے جس کا ذکر فارسی تاریخوں میں کیا گیا ہے۔ ''خانزادے'' لوگ اپنے آپ کو ''خان جادو'' بیان کرتے ہیں یہ ''خان جادو'' کا لفظ۔راجپوت قوم کے

شاہزادے کے لئے ہے جس سے وہ نکلے ہیں۔ یہ لفظ زیادہ شریف بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے ورنہ اصلی اور درست خطاب ان کا ''خانزادہ'' ہے)۔

مولوی نجم الغنی رام پوری اپنی تاریخ ''کارنامۂ راجپوتان ہند'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (خانزادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے ۔ وہ تاریخوں کے ذریعے نومسلم چندربنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں)۔

شاہان دہلی کی جانب سے کچھ خانزادوں کو ''ملک'' کا خطاب بھی عطا ہوا تھا افغانوں کے اندر بھی پٹھانوں کی طرح ''ملک'' کا خطاب بہت ہی معتذ سمجھا جاتا رہا ہے پٹھانوں کے دور میں بھی خانزادے بہت بڑے امیر و کبیر و نامی سردار گذرے ہیں۔ جنہیں ملک کے خطاب سے نوازا گیا۔ تاریخوں میں بہت سے میواتی خانزادے ملک کے خطاب سے مشہور ہیں:۔ جیسا کہ خانزادہ ملک علاؤالدین خان ۔ خانزادہ ملک سراج خان ۔ خانزادہ ملک اہرودخان (آڑ دو خان) ۔ خانزادہ ملک مجاہد خان ۔ خانزادہ ملک فخر الدین خان وغیرہ وغیرہ۔

☆ ''خانزادہ'' خطاب کی ترکوں اور افغان و پٹھانوں میں بڑی عزت و توقیر تھی اس لفظ ''خانزادہ'' کو نہایت ہی معتذ سمجھا جاتا رہا ہے اسی بناء پر بابر بادشاہ کی بہن کا نام ''خانزادہ بیگم'' رکھا گیا تھا۔ اور مہابت خان کے سپہ سالار کے بیٹے کا نام بھی خانزادہ خان تھا۔ اسی قدیم رسم و رواج کو اپناتے ہوئے انگریز حکومت نے بھی مسلمانوں کو ''سر''۔ ''خان صاحب'' اور۔ رائے صاحب وغیرہ کے خطابات سے نوازا اور اسی کی بناء پر رائے صاحب کی اولاد کو ''رائے زادہ'' کہا جاتا ہے جس قاعدے کے تحت شاہزادہ ۔ شریف زادہ ۔ شیخ زادہ وغیرہ کے الفاظ بنے ہیں بالکل اسی طرح بہادر نامبر خان کے ''خان'' کے لقب کی نسبت اس سے پیدا ہونے والی نسل ''خانزادہ'' کہلائی۔

خانزادے افغان۔ پٹھان اور ترکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بیرم خان (خان خاناں) کے فرزند عبدالرحیم (خان خاناں)۔ (جو بہارلو قوم کا ترکمان تھا) کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اکثر لوگ یہ پوچھا کرتے تھے کہ۔ ''یہ کون سا خانزادہ'' ہے۔

☆ (یہاں پر یہ یاد رہے کہ افغان۔ ترک اور پٹھان خانزادوں کا شجرے کے لحاظ سے بہادر ناہر خان جادوبنسی کی نسل سے ہونے والے میوات کے خانزادوں کا کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ مذکورہ تمام خانزادے شجرے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں)۔

''علاقہ میوات کے راجپوت خانزادے ''سری کرشن جی'' کی نسل سے ہیں''

درج بالا لفظ ''ملک'' کیلئے ''تاریخ غیاث اللغات'' مطبوعہ نولکشور ''پریس لکھنؤ'' صفحہ 442 پر تحریر ہے کہ:۔

☆ (ملک بفتح میم وکسر لام بمعنی بادشاہ ونیز بزمانہ قدیم امیر وسردار را ہم ملک مے گفتند۔ و بفتحتین بمعنی فرشتہ ومقدس وغیرہ۔ آمدہ)۔

ترجمہ:۔ ملک جس کے میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہو اس کے معنی ''بادشاہ'' کے ہیں۔ اور اسی بناء پر قدیم زمانے میں امیروں اور سرداروں کو ''ملک'' کہتے تھے۔ اور دونوں یعنی میم اور لام پر زبر لگانے سے ''ملک'' بنتا ہے۔ جس کے معنی فرشتہ۔ پاک اور مقدس وغیرہ ہوتی ہے۔

''خانزادے''
اور
(تاثراتِ ہیکٹ)

یوں تو خانزادوں کی عظمت شجاعت وحکومت کا ذکر اردو۔ فارسی۔ ترکی اور انگریزی تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔ جیسا کہ میوات کے ان خانزادوں سے متعلق۔

انگریز مورّخ مسٹر۔سی۔اے۔ہیکٹ (سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی ''تاریخ۔گزیٹر الور'' کے صفحہ 168 لغایت 276 پر جو تحریر کیا ہے۔ اس کا ترجمہ شرف صاحب نے اپنی تاریخ ''مرقع میوات'' کے صفحہ 155 تا صفحہ 165 پر اس طرح بیان کیا ہے۔

☆ (میوات کی آبادی کا زیادہ حصہ میووں پر مشتمل ہے جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن ان میووکو ان مسلمان میواتی سرداروں سے ہرگز غلط ملط نہیں کرنا چاہیے جن کا ذکر فارسی تاریخ دانوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ کیونکہ وہ میواتی سردار صرف خانزادے ہیں۔

خانزادہ وہ قوم ہے۔ جو کہ میوؤں کی طرح مذہب سے اگر چہ مسلمان ہے مگر طرز تمدن اور معاشرت میں پہلے سے بھی اور اس موجودہ وقت میں بھی اس سے بدرجہ بہتر اور افضل ہے اور ان کو میوؤں کے ساتھ کوئی بھی نسبت یا تعلق نہیں ہے۔ لیکن بہت پرانے زمانے میں بغاوت اور شوروشر کے موقعوں پر وہ بھی میوؤں کے حمایتی بن جاتے تھے۔ انہیں لوٹ مار کے واسطے میوات میں بہت شہرت رہی ہے اور یہی وجہ تھی کہ میوات شاہان دہلی کے پہلو میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔

☆ درحقیقت میواتی لفظ کا مفہوم ''صرف حکومت کرنے والی جماعت کے لئے مقرر ہے''۔ اور میوؔ کا لفظ ''صرف محکوم جماعت کے لئے آیا ہے''۔

اگر چہ میوو کا لفظ موجودہ زمانے کی ساخت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ تاریخوں میں نہیں ملتا۔ لیکن

میواتی لفظ غیر معمولی طور پر "خانزادہ" کے لفظ سے تبدیل ہوگیا ہے "میواتی" اور "خانزادہ" یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ "پرتھی راج راسا" کتاب میں میوات کا بہت جگہ ذکر کیا گیا ہے ۔اوراس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میوات کے حکمراں ۔ جادوبنسی خاندان سے ہوئے ہیں۔ جس کا ثبوت مقامی روایتوں سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔اور فارسی تاریخ دانوں نے بھی ان جادولوگوں کو جو بعد میں مسلمان ہوگئے ۔"میواتی کے نام سے پکارا ہے" اور میواتی کا لفظ ۔چاند بھاٹ نے بھی ان سرداروں کے واسطے استعمال کیا ہے جوکہ چندربنسی خاندان سے تھے اور جادو مہاراجہ قرولی اپنے آپ کو ان کا بڑا۔ سردار کہتا ہے۔

میوات کے حکمرانوں کے تعلقات شاہان دہلی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ بادشاہ کی وفات یعنی 1388ء۔ کے بعد "بہادر ناہر خان میواتی" ایک شخص ملتا ہے۔ جس کا ہندوانی نام ساہر پال تھا اور جس کا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے۔ اس "بہادر ناہر" کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی۔ یہ "بہادر ناہر" جوکہ پیدائشی "جادو قوم" کا تھا۔ قوم خانزادہ کا مورثِ اعلیٰ ہوا ہے۔☆ جس کی سلطنت کی تاریخ بعد میں بہت مشہور ہوگئی تھی۔

بہادر ناہر نے فیروز کے پوتے ابوبکر کی بڑی مدد کی تھی اس ابوبکر شاہ نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ اپنے چچا ناصرالدین محمد شاہ کو دہلی سے نکال کر خود تخت نشین ہو جائے۔ لیکن چند ماہ بعد ابوبکر۔ ناصرالدین محمد شاہ سے مغلوب ہوگیا۔اور بہادر ناہر خان کے پاس "قلعہ کوٹلہ" میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ ناصرالدین نے اس کا تعاقب کیا اور لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں بہادر ناہر اور ابوبکر دونوں پسپا ہوگئے۔ابوبکر تو عمر بھر کے واسطے نظر بند کردیا گیا۔ ناصرالدین بیمار ہوگیا۔ اور بہادر ناہر نے تمام علاقے کو دہلی دروازے تک غارت کردیا۔ مگر ناصرالدین محمد اس سے پہلے کہ پوری طرح صحت یاب ہو۔ میوات میں کوٹلہ کے مقام پر حملہ آور ہوا۔ بہادر ناہر وہاں سے فیروز پور جھر کہ چلا گیا۔ جب ناصرالدین محمد شاہ تغلق ۔(1394ء۔ میں) مرگیا تو بہادر ناہر

اپنے پوتے ملّو اقبال خان سے مل گیا۔ ان دونوں نے مل کر تخت دہلی کے لئے دو جانشین پیدا کر دیئے۔ یہاں تک کہ تین سال تک دہلی میں دو بادشاہ حکمراں رہے۔ بہت سے مورخ اور خود بادشاہ بھی بہادر ناہر کے چال چلن اور رسم و رواج کا ذکر نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

☆ یہ واقعہ تیمور لنگ کے وقت 1398ء کا ہے۔

تیمور۔ خود یہ بیان کرتا ہے کہ:۔ میں نے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی تھی ۔جس کا خیر مقدم بہادر ناہر نے اچھی طرح سے کیا۔ اور عمدہ جواب لکھا۔ جواب کے ساتھ ہی دو سفید رنگ کے طوطے جو کہ شاہان دہلی سے تعلق رکھتے تھے۔ پیش کئے۔

تیمور نے ان طوطوں کی بہت تعریف کی ہے اس کے بعد بہادر ناہر اور اس کے بیٹے مع ان آدمیوں کے جو کہ میوات میں تیمور کے ڈر سے پناہ گزیں ہوئے تھے۔ تیمور کو سلام کرنے کے واسطے آئے۔ ان میں سے ایک شخص خضر خان بھی تھا جو کہ مغلوں کا منظور نظر تھا۔

بہادر ناہر نے تیس سال سے کچھ زیادہ عرصے تک پولیٹیکل اسٹیج پر نہایت دانشمندانہ پارٹ انجام دیا تھا۔

پہاڑوں کا سلسلہ جہاں اس نے اپنے رہنے کی جگہ مقرر کی تھی وہ پناہ کی نہایت موزوں جگہ تھی ان پہاڑوں پر خود اس نے اور اس کے خاندان کے دیگر اصحاب نے اور بہت سے قلعے بنائے تھے جن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

1421ء۔ میں سید خضر خان کی جگہ سید مبارک شاہ تخت نشین ہوا جس نے 1424ء۔ میں میوات پر چڑھائی کی۔ میواتی خانزادوں نے اپنا ملک اجاڑ کر تجارے کی پہاڑیوں میں پناہ لے لی۔ یہ پہاڑیاں ایسی تھیں کہ بادشاہ کو بغیر ان کے فتح کئے ہوئے مجبوراً واپس دہلی جانا پڑا تھا۔ ایک سال بعد بادشاہ نے پھر میوات

کی طرف مارچ کیا۔اس وقت بہادر ناہر کے پوتے جلال خان ۔قدوخان اور کئی میواتی بھی جوان کے ساتھ مل گئے تھے۔انہوں نے وہی پرانا طریقہ جو کہ پہلے استعمال کیا تھا اب بھی وہی استعمال کیا۔یہ اپنے ملک کو اجاڑ کر ''اندور'' پہنچ گئے۔جو کہ کوٹلہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔وہاں بادشاہ سے مقابلہ کر کے کچھ عرصے بعد یہ ''اندور'' سے بھی نکل گئے۔جس کے بعد بادشاہ نے اندور کو برباد کردیا۔پھر یہ خانزادے الور کی پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔جہاں انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔مگر آخر کار وہاں بھی مغلوب ہو گئے۔

ان پے در پے حملوں نے خانزادوں کو خاموش نہیں بنادیا۔اس واقعے کے چار مہینے بعد بادشاہ نے پھر فوجیں بھیجیں۔ان فوجوں نے میوات میں جگہ جگہ آگ لگادی۔اور خوب دل کھول کر قتل وغارت کیا۔

1427ء۔میں بادشاہ نے خانزادہ قدوخان کو قتل کرادیا اور پھر میوات کے خلاف فوجیں بھیجیں ۔میوات کے باشندے اپنے پرانے رواج کے مطابق اپنے اپنے شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں بھاگ گئے ۔جلال خان خانزادے نے معہ احمد خان اور مبارک خان کے جو کہ اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ایک اور فوج قلعہ الور میں جمع کی اور ایسی بہادری سے لڑے کہ بادشاہ کی فوج کے کمانڈر کو ناکام واپس جانا پڑا۔

1451ء۔میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا۔اس کی پہلی حرکت میوات پر فوج کشی تھی۔خانزادہ احمد خان جو کہ اس وقت مہرولی۔ سے۔لاڈو سرائے۔متصل دہلی تک اور پورے میوات کا حاکم تھا۔بادشاہی فوج سے مغلوب ہو گیا اور سات پرگنے بادشاہ کی نذر کیئے۔

1488ء۔میں سکندر لودھی تخت پر بیٹھا اس زمانے میں تجارہ میں ایک گورنر بادشاہ کی طرف سے رہتا تھا۔اس کے نہایت معتمدوں اور مشہور ومعروف افسروں میں سے ایک افسر خانزادہ عالم خان بھی تھا۔

1526ء۔میں ہندوستان کے اندر ایک نئی طاقت ظاہر ہوئی۔جس نے (یعنی بابر نے) جو کہ تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔پانی پت کی لڑائی فتح کرنے کے بعد اس نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا۔اس

نے یہ ارادہ کیا کہ میرا حملہ صرف لوٹ مار کا نہیں ۔ بلکہ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ راجپوتوں نے اپنی آخری کوشش اپنی آزادی کے واسطے کی تھی۔

☆ (رانا سانگا نے حسن خان میواتی کو دعوت دی کہ:۔

''وہ اس قوم کی مدد کرے۔ جس قوم سے وہ خود پیدا ہوا ہے'')۔

تاکہ مسلمانوں کی طاقت جو کہ شمال کی طرف بڑھ رہی ہے اسے روکا جاسکے۔ اس وقت خانزادہ حسن خان کی پولیٹیکل (سیاسی) پوزیشن بڑی زبردست تھی۔

بابر اپنی سوانح حیات ''توزک بابری'' میں ذکر کرتا ہے کہ:۔

(اس زمانے میں حسن خان جو کچھ فساد یا گڑبڑ چاہتا وہ کرا سکتا تھا)۔

وہ (بابر) یہ بھی بیان کرتا ہے کہ:۔

''میں نے بے فائدہ حسن خان کے ساتھ فیور کیا۔ کیونکہ حسن خان کی تمام محبت ہندوؤں کے ساتھ تھی اور اس کے علاقے کی موجودگی نے جو کہ دہلی کے ساتھ ملحق تھا میری مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا تھا۔''

حسن خان کے رہنے کی جگہ اس وقت الور میں تھی مگر بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ بہادر پور میں تھا۔ غرض یہ کہ۔ ''حسن خان شاید۔ یا۔ تو اس لڑائی میں مارا گیا۔ یا۔ لڑائی کے بعد اسے اس کے رشتے داروں کی سازش سے قتل کرا دیا گیا''۔ بابر نے فتح پور سیکری سے چل کر الور سے چھ کوس کے فاصلے پر آن کر ڈیرے ڈال دیئے۔ یہاں پر ایک پیغام حسن خان کے بیٹے ناہر خان نے معافی کا بابر کے پاس بھیجا اور بابر سے جان کی حفاظت کا وعدہ لے کر خود اس کے پاس گیا اور سات لاکھ روپے کا پرگنہ جاگیر میں حاصل کیا۔

بابر بیان کرتا ہے کہ:۔ حسن خان کے آباء و۔ اجداد نے ''تجارہ'' کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا۔ مگر جب میں میوات میں آیا تو اس وقت ان کا دار الخلافہ ''الور'' تھا۔ میں نے تجارے کا علاقہ فتح کرنے کے بعد

اسے ''چین تیمور'' کو بخش دیا۔ اور ''الور'' اللہ وردی خان کو دے دیا۔ جس نے فتح پور سیکری میں میری مدد کی تھی۔

خانزادہ سرداروں کی سیاسی طاقت اس وقت بالکل درہم برہم ہوگئی تھی اور اس کے بعد پھر بہادر ناہر اور۔ حسن خان جیسے آدمی اس قوم میں دکھائی نہیں دیئے۔ جو کہ کبھی بادشاہ کے موافق اور کبھی مخالف بن جاتے تھے۔

اکبر اور شاہ جہاں کے وقتوں میں خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست تھی جو کہ موجودہ صدی تک قائم رہی جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔

جس ملک پر خانزادوں نے حکومت کی تھی۔ اس کی وسعت مسلمان مورخین کی کتابوں مقامی روایتوں اور ان عمارات کے کھنڈرات سے جو کہ انہوں نے بنائے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دور کے علاقوں کے ریواڑی۔ سہنہ۔ گوڑ گانواں۔ وغیرہ کے مقامات بھی جو کہ تجارے سے بہت دور نہیں ہیں۔ وہ سب کے سب بہت مدت بعد تک ان ہی (خانزادوں) کے قبضے میں رہے تھے اور بہت سے مقبرے۔ مساجد۔ اور کھنڈرات جو کہ اب تک سہنہ وغیرہ میں موجود ہیں ان ہی (خانزادوں) کے بنائے ہوئے ثابت ہوئے ہیں۔ خود خانزادوں کا یہ بھی بیان ہے کہ:۔ ''ہمارے چودہ سو چوراسی کھیڑے (گاؤں) تھے''۔

ہمایوں بادشاہ کی لڑائی جو تخت دہلی واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان والوں سے ہوئی تھی۔ اس میں خانزادوں نے بادشاہ کے خلاف مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ ہمایوں نے جمال خان خانزادہ کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے ان خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی (یہ جمال خان خانزادہ۔ ''بابر کے حریف'' خانزادہ حسن خان میواتی کا چچازاد بھائی تھا)۔ اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی۔ بیرم خان ''خان خاناں'' سے ہوئی تھی۔

(یادرہے کے:۔ ''تاریخ گزیٹیر الور انگلش'' اور ''تاریخ مآثر الامراء'' فارسی میں جمال خان خانزادہ کی بڑی

لڑکی کا عقد۔ ہمایوں بادشاہ سے ہونا لکھا ہے۔ جبکہ مورخین کی اکثریت اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس بات پر متفق ہے کہ بڑی لڑکی کا عقد اکبر بادشاہ سے ہوا تھا جیسا کہ:۔

مولوی ذکاء اللہ:۔ ''تاریخ ہندوستان'' جلد پنجم صفحہ 26

شیخ محمد مخدوم:۔ ''تاریخ اَرژنگ تجارہ'' صفحہ 29

مولوی محمد حسین:۔ ''تاریخ دربار اکبری'' صفحہ 567، پر رقمطراز ہیں کہ:۔

''حسن خان خانزادہ (رئیس میوات) کا ایک بھائی جمال خان تھا۔ جس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی اور دوسری بیرم خان مدار المہام سلطنت کو بیاہی تھی۔ جس سے عبدالرحیم ''خان خاناں'' پیدا ہوا تھا''۔

☆ (مذکورہ سلسلے کی اصل حقیقت ''حسن خان شاہِ میوات'' کے عنوان میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے)۔

اس کے بعد بھی اکبر بادشاہ کے زمانے میں خانزادے لوگ بادشاہ کی فوج کے بڑے زبردست اور مشہور سردار۔ و۔ سپاہی بنے ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کے زمانے میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خان خانزادے نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا تھا اور تجارے کے گورنر سے نقارہ و نشان وغیرہ چھین کر اس کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ لیکن اکرام خان اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔

1803ء۔ میں راجہ پرتاب سنگھ (کے بیٹے راجہ بختاور سنگھ) ''رئیس الور'' نے مرہٹوں کی مدد سے نواب ذوالفقار خان کو جو کہ آخری زبردست خانزادہ تھا اور اس کے پاس بھرت پور کے قریب کا علاقہ تھا اسے اس کے قلعے سے جو کہ ''گھساولی'' کے نام سے مشہور تھا۔ نکال دیا تھا۔ اور پھر اس کی جگہ گوبند گڑھ بسایا۔ پُر۔ اور مانڈل کا علاقہ ایک عرصے تک رمباز خان خانزادے کے کہ خاندان میں رہا۔ لیکن محمد شاہ (رنگیلا) ''بادشاہ دہلی'' کے عہد ابتری میں اودے پور کے رانا نے یہ علاقہ ان سے چھین لیا۔ عالمگیر ثانی کے زمانے میں نواب

انتظام الدولہ خان خانزادہ ایک عرصے تک الور کا قلعہ دار رہا تھا۔ وہ تعظیم جو دربار میں جگہ ملنے کا ذریعہ ہوتی ہے وہ ''شاہ آباد'' کے نواب کے پاس بھی تھی۔ جس کا نام ''فیروز خان'' تھا۔

خانزادے جو کہ میوات کے پرانے حکمراں ہیں اور جن کی بابت پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ آجکل آبادی سے لحاظ سے غیر معروف ہیں مگر طرز تمدن میں یہ میوؤں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ یہ میوؤں کی نسبت بعد میں مسلمان ہوئے ہیں مگر ان (میووں) سے بہتر مسلمان ہیں۔ یہ (خانزادے) کوئی ہندو تہوار نہیں مناتے اور ہندووں کے دیوتاؤں یا مقبروں کو بھی یہ پرستش کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ مگر برہمن لوگ ان کی شادی کے معاملات میں کچھ حصہ لیتے ہیں اور یہ کچھ ہندو رسومات بھی برتتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر میوؤں کی طرح غریب بھی ہیں۔ یہ عبادت بھی کرتے ہیں اور یہ اپنی عورتوں کو کھیتوں میں کام نہیں کرنے دیتے۔ البتہ یہ فرسٹ کلاس کے کاشتکار نہیں ہیں ان کو صرف اپنی عورتوں کی پردہ داری کی وجہ سے دوسری قوموں کی نسبت کاشتکاری میں زیادہ نقصان رہتا ہے۔ اب کسی خانزادے کے پاس ریاست الور میں کوئی جاگیر نہیں رہی۔

جو خانزادے لوگ پورب یعنی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے تھے وہ وہاں دریائے گنگا کے میدانی شہروں میں تجارت وزراعت کرتے ہیں۔ اور اب ان کا کوئی تعلق میوات کے خانزادوں کے ملک میں نہیں رہا ہے۔

جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب بھی فوجی ملازمت کے بہت شائق ہیں۔ اور برطانیہ کی فوجوں میں موجود ہیں۔ نیز الور کی ریاست میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ ان میں سے دولھے خان۔ خانزادہ جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ اوفیسر ہے۔ اور بہت بڑا آدمی ہے وہ دربار میں معذز عہدے کا حقدار بھی ہے۔ اور شاہ آباد کے خانزادوں کے خاندان میں سے اب بھی قلعہ دار موجود ہیں اور پینتیس گھوڑوں

کے سوا ایک مقررہ تنخواہ پر مہیا کرتے ہیں۔

تجارے میں ایک خانزادہ چودھری بھی ہے۔ کل چھبیس گاؤں خانزادوں کے اس پرگنہ تجارہ میں موجود ہیں۔ ان گاؤں میں بہت سے مالکان اراضی خود کاشت بھی کرتے ہیں۔ میوات سے باہر کے خانزادوں کے گاؤں کا کوئی حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔

☆" (مندرجہ بالا حالات جو کچھ خانزادوں سے متعلق بیان کئے گئے ہیں وہ سب فارسی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں جو کہ معلومات کا بہت ہی معتبر ذریعہ ہیں۔)"

خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص ادھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا۔ اور یہ تہن پال "بیانہ" کا جادو سردار تھا۔ ادھان پال نے اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروز پور جھرکہ سے علیحدہ کرتے ہیں۔ اور خاص کر اس جگہ پر جس کو "دورالہ" کہتے ہیں اور جس کے کھنڈرات اب بھی ملتے ہیں۔ بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد وہ "سرہٹے" میں چلا گیا جو کہ چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلے میں واقع ہے جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتا سانپر پال فیروز شاہ (تغلق) کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو "کوٹلہ" میں آباد کیا تھا۔ اس نے کل علاقہ میوات پر اور اس کے علاوہ دیگر اضلاع پر بھی حکومت کی تھی اس کے لڑکے اور پوتے بڑی بڑی جگہوں پر آباد ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ چودہ سو چوراسی کھیڑے (گاؤں) ان کے ماتحت تھے جن میں اب بھی ان کے بنائے ہوئے مکانات کے کھنڈرات اور مقبرے پائے جاتے ہیں جو کہ خاص ان ہی (خانزادوں) سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو تبدیلیاں تجارہ کے پرگنے میں پچھلے ایک سو پچاس سال کے عرصے میں وجود میں آئی ہیں وہ قانون گوئے کے دفتر میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہیں۔ تجارے کے پرگنے کے چودھری کا عہدہ قانونگوئے

کے ساتھ پشتوں سے چلا آتا ہے جو کہ ''ملک پور'' کے سرکش خان زادوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ خاندان بہت مشہور اور ملنے کے قابل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ موجودہ چودھری کے آباءواجداد کو اکبر کے زمانے میں ایک بڑی رقم ملتی تھی۔

یہ تعجب خیز امر ہے کہ تجارے کا چودھری اور قانونگوئے۔ ایک ہی بولے جاتے ہیں واقعی اورنگ زیب کے زمانے میں پندرہ سوروپے کی نانکاران کو ملتی تھی۔

تجارے کے گردونواح کی عمارات میں لال خان اور ملک علاؤالدین خان خانزادے کے مقبرے شہر میں واقع ہیں۔ اور حسن خان کا مقبرہ نلے کے کنارے پر جنوب کی طرف واقع ہے تجارے کی پہاڑیاں بھی ایک زمانے میں بہت مشہور تھیں تاریخوں میں پرانے زمانے کی روایتیں۔ ان خانزادہ سرداروں کا ذکر بتلاتی ہی جنہوں نے ان پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں لے کران پر قلعے بنائے تھے۔ یہ پہاڑیاں اوپر سے خوب چوڑی ہیں اور ان کی چوٹی پر ایک سڑک ایسی نکالی گئی تھی جو کہ خانزادوں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کو ملاتی تھی جو انہوں نے اندور کوٹلہ اور گھرول میں بنائے تھے۔

☆ (خان زادوں کے بنائے ہوئے کچھ گاؤں اور قصبوں کا مختصر ذکر بھی یہاں پر تحریر کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا)۔

(1)۔ قصبہ شاہ آباد:۔ قصبہ شاہ آباد تجارے کے مغرب میں تین میل کے فاصلے پر واقع ہے جس کے مالک اور بسوے دار خانزادے ہیں۔ وہاں پر خانزادوں کے مقبرے موجود ہیں جن کی بابت اکبر بادشاہ کے زمانے کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ:۔

☆ (تجارہ اور شاہ آباد۔ اس علاقے (میوات) کے بڑے مشہور شہر تھے تجارے سے سات میل کے فاصلے پر ''سڑک کے اوپر جو کہ تجارے سے کشن گڑھ کو جاتی ہے'' ایک گاؤں خانزادوں کا ''بھنڈوی'' آباد ہے جس میں خانزادوں کے چند بڑے بڑے مالدار خاندان آباد ہیں جنہوں نے اس میں ایک باغ اور ایک مکان

مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے بنوا رکھا تھا۔اس باغ میں ایک مقبرہ اور ایک مسجد بھی بڑی اچھی بنی ہوئی تھی)۔

(2) دمدمہ:۔(یہ سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف واقع ہے۔اس کے پاس ایک فصیل دار شہر بسا ہوا تھا جس کو۔''گھرول'' کہتے تھے اور وہ اپنے کھنڈرات کی وجہ سے اب بھی مشہور ہے۔یہ شہر خانزادوں کا بسایا ہوا تھا یہ اُس راستے کی گذرگاہ پر واقع ہے جو کہ کوٹلے کو(جہاں بہادر ناہر خان کا قلعہ تھا) جاتا ہے اور پھر وہاں سے ''اندور'' کے قلعہ کو جاتا ہے اس راستے پر جہاں سے وہ ٹوٹا ہوا ہے کھڑنچے بنے ہوئے ہیں۔یہ کھڑنچے غالباً دہلی کے بادشاہوں نے بابر کی فتح کے بعد خانزادوں کو مطیع رکھنے کی غرض سے بنوائے تھے)۔

(3) منڈھا:۔ (یہ گاؤں سیدوں کا ہے اس میں ایک قلعہ جو کہ آدھا تیار ہو چکا ہے اس قلعے کی تعمیر نواب فیض اللہ خان خانزادے نے جو کہ شاہ آباد کا رہنے والا اور اس کا حکمران تھا کوئی اسی (80) سال گذرے اس کی تعمیر شروع کی تھی۔جب منڈھے کے سیدوں نے اس کے ساتھ رشتے ناطے کرنے سے انکار کردیا تو اس نے ان لوگوں (سیدوں) کی بیس حویلیاں برباد کر کے یہ قلعہ بنوانا شروع کیا تھا۔جو کہ نواب مذکور کی وفات پر نا تمام رہ گیا)

(4) اندور:۔(اندور آجکل کھنڈرات کی صورت میں آباد ہے اس شہر کی جگہ موجودہ ٹپوکڑہ مشہور ہوگیا ہے جیسا کہ کتاب (آئین اکبری) میں تحریر ہے کہ:۔

☆(شہر اندور شاہی زمانے میں ''پرگنہ اندور'' لکھا جاتا تھا ''پرگنہ نوح'' بھی پہلے زمانے میں پرگنہ اندور ہی میں شامل تھا اگرچہ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ شہر میوات کے چند مشہور مقامات میں سے تھا۔بہادر ناہر خان کی وفات کے بعد یہ شہر ''اندور'' جلال خان خانزادے کے وقت میں میوات کا سب سے بڑا شہر اور قلعہ بن گیا تھا۔یہ جلال خان خانزادہ جو کہ بہادر ناہر کے خاندان میں سے تھا۔اندور کے ساتھ خاص تعلق رکھتا تھا۔اور اسے

اپنی راجدھانی بنائے ہوئے تھا۔ وہ روایتیں جو تاریخوں میں اس (جلال خان) کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی دعویٰ شاہان دہلی کی مخالفت تھا۔ جلال خان کا مقبرہ ''اندور'' کے جنوب میں واقع ہے۔ اس جگہ تقریباً چودہ۔ پندرہ گنبد موجود ہیں جو کہ ان شریف خانزادوں کی یادگاریں ہیں)۔☆

اگرچہ اندور کے موجودہ خانزادے اب غریب ہیں مگر ان پاس اس پرانے زمانے کے ریکارڈ موجود ہیں جب ان کا زمانہ بہت اچھا۔

ایک نوشتہ جو کہ ان کے پاس لکھا موجود ہے اور اس پر اکبر بادشاہ کی مہر لگی ہوئی ہے یہ 07، ربیع الاول 970ھ۔(1562ء۔) کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں یہ تحریر ہے کہ:۔

☆(سرکار الور کے قانونگوئے۔ چودھری اور مقدموں کو چاہیے کہ ان چند خانزادوں کی جو کہ:۔ ''اندور'' کے خاندان سے ہیں۔ ان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں ان (خانزادوں) کو ہم نے فوج میں کمیشن دیا ہے)۔

(5) جھوانہ:۔ ''آجکل یہ میوؤں کا گاؤں ہے۔ اور ٹپوکڑے کے شمال مشرق میں پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس گاؤں میں خان زادوں کی اپنے زمانے میں ان کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد بھی ہے۔ اور دیگر چند ایک نشانیاں بھی ان کی موجود ہیں۔ خان زادوں کو اس گاؤں سے ''راؤ بہادر سنگھ'' نے۔ (جو کہ بڈ گوجر راجپوت اور گھاسیڑا کا رہنے والا تھا۔) نکال دیا تھا۔''

(6) فتح آباد:۔ یہ کشن گڑھ کی تحصیل میں واقع ہے۔ یہاں کے سوداگروں نے جو کہ بہت مالدار تھے۔ علمدیکا۔ کے خان زادوں کو جانی نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے وہاں ۔کے خان زادوں نے مل کر فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو جان سے مار دیا تھا۔ اس واقعہ کو تقریباً ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں۔ (یاد رہے یہ واقعہ۔'' گزیٹر الور'' کے لکھے جانے سے ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہے۔) جیسا کہ فتح آباد والوں کی رشتے داری بھرت پور

کے جاٹوں سے تھی۔ اس لئے انہوں نے ان جاٹوں کو اپنی مدد کے لئے بلا کر خان زادوں پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں خان زادوں کے ساتھ میو بھی شامل تھے۔ جنھوں نے مل کر فتح آباد کو برباد کر دیا اور۔ وہاں کے کل لوگوں کو مارا پیٹا۔ چنانچہ اس وقت سے آج (گزیٹر الور کے لکھے جانے) تک یہ گاؤں برباد پڑا رہا۔

(7) گھساولی:۔ گھساولی۔ (موجودہ گوبند گڑھ) کے گردونواح میں۔ راجہ بختاور سنگھ الور۔ والے کے زمانے میں خانزادوں کے پاس بہت سے گاؤں تھے اور نواب ذوالفقار خان ان سب کا حاکم تھا۔ اس کا قلعہ۔ ''گھساولی قلعہ'' کہلاتا تھا۔

، 1803ء میں راجہ بختاور سنگھ نے مرہٹوں کی مدد سے اس (نواب ذوالفقار خان) کو نکال دیا تھا۔ اور پانچ سو گھوڑے جو کہ اس قلعے میں اس (نواب) کے پاس موجود تھے اُن کو اپنے قبضے میں لے کر قلعہ گھساولی کو برباد کر دیا۔ یہ جگہ آجکل سرکاری گھاس کا میدان بنا ہوا ہے۔ بہراوت کا گاؤں گوبند گڑھ کے جنوب میں چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جہاں پر ایک مکان اور ایک تھڑا بنا ہوا ہے۔ اس جگہ ناہر خان خانزادہ جو کہ اس نواب ذوالفقار خان کا بھائی تھا اس تھڑے پر بیٹھ کر انصاف کیا کرتا تھا۔ اسی جگہ پر ایک قلعہ بھی ہے جس کے اندر ناہر خان رہتا تھا۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ:۔

'' کہ گردونواح کے گاؤں کے آدمی جو کہ ناہر خان سے تعلق رکھتے تھے یا اس کے بھائی کے خاندان سے ہیں اب بھی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ جو کہ قسم ودھرم سے ہوتا ہے اسی تھڑے پر آ کر کرتے ہیں۔

1803ء۔ میں پدم سنگھ نے بھوج پور پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس گاؤں پر پدم سنگھ کے قابض ہونے میں گھساولی کے خانزادوں نے اس کی مدد کی تھی۔

(8) مبارک پور:۔ یہ رام گڑھ کی تحصیل میں ہے۔ جو کہ رام گڑھ سے آٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ خانزادوں کا گاؤں کل ریاست الور میں سب سے زیادہ خوشحال ہے۔ پہلے یہ گاؤں پٹھانوں کا بتلایا

جاتا تھا۔ مگر صدیوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ چلا آتا ہے۔

(9) الور:۔ یہاں کا قلعہ۔ نکوم راجپوتوں نے بنایا تھا جو کہ الور کے پہلے تھے اس حکمران خاندان کی تباہی کا ذکر تاریخوں سے اور مقامی روایتوں سے اس طرح کیا جاتا ہے کہ:۔

(ان کی آپس میں سخت مخالفت تھی۔ اور نکوم راجپوتوں کی بربادی کا دوسرا سبب آدمیوں کی قربانی تھا۔ جو کہ وہ روزمرہ کسی ذلیل یا کمین مرد یا عورت کو ''درگا دیوی'' کی نذر چڑھاتے تھے۔ چونکہ یہ آدمی کسی نیچ ذات کا ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک دن ایک بیوہ عورت ڈومنی کا لڑکا بھی اس دیوی کی نذر چڑھا دیا گیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے ڈومنی نے کوٹلے کے خانزادہ سردار بہادر ناہر سے عرض کیا کہ آپ الور کا قلعہ آسانی کے ساتھ فتح کر سکتے ہیں۔ یعنی جب وہ لوگ دیوی کی پوجا میں مشغول ہوں۔ ان پر حملہ کر دیا جائے کیونکہ اس وقت وہ لوگ اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ خانزادوں کی فوجی پارٹی قلعے کے نیچے انتظار میں پڑی رہی ڈومنی نے عین ٹھیک وقت پر راکھ کا ٹوکرا پھینک کر سگنل دیا اس وقت ایک کامیاب حملہ کیا گیا۔ اور وہ جگہ جہاں سے راکھ پھینکی گئی تھی وہ آج بھی ''ڈومنی دانتے'' کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

شجرۂ نسب

''اول تا اولاد بہادر ناہر خان''

راجپوتوں کے شجرہ ہائے سے متعلق ''کرنل ٹاڈ صاحب'' اپنی تاریخ ''ٹاڈ راجستھان'' جلد اول صفحہ 90 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (پرانی تاریخوں میں راجپوتوں کے شجرہ ہائے حسب ونسب میں پشتوں کی کمی بیشی ہے۔ نام بھی بدلے ہوئے ہیں۔ کوئی نام پہلے لکھا گیا ہے اور کوئی بعد میں۔ لیکن اہل نظر اور مبصر لوگ اس تبدیلی یا

اختلاف پر مطلق نظر نہیں کرتے)۔

مرحوم شرف الدین احمد خان ''شرف'' (ساٹھاواڑی) نے اپنی انتھک کاوش و تحقیق کے بعد خانزادہ راجپوت قوم کا شجرہ نسب اول تا اولاد بہادر ناہر خان (والئی میوات اول۔ مورث اعلیٰ۔ قوم جادو بنسی راجپوت خانزادگان میوات)۔ کو بالترتیب چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جو انہوں نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے صفحہ 216، 217، پر ذیل تاریخوں سے مطابقت کرنے کے بعد تحریر کیا ہے۔

(1) تاریخ راج بھرت پور (2) مہابھارت پران ٹاڈ۔ راجستھان

(3) ''تاریخ راجپوتانہ'' (وحید اللہ) (4) تاریخ۔ ارژنگ تجارہ

(5) سرتاج التواریخ (6) کارنامۂ راجپوتان ہند

(7) وقائع راجپوتانہ (8) تاریخ خانان میوات پوتھی جاگھ

(9) تاریخ قرولی (10) تحریرات رانایان میوات

ان کے علاوہ اور دیگر تاریخوں میں بھی یہ شجرے اسی طرح چار حصوں میں تقسیم پائے جاتے ہیں۔

(1) حصہ اول:۔ وشن جی سے کرشن جی (عرف کنہیا اوتار تک کا ہے)۔

(2) حصہ دوم:۔ کرشن جی سے راجہ تھن پال (والئی تھن گڑھ علاقہ بیانہ) تک کا ہے۔

(3) حصہ سوم:۔ راجہ تھن پال سے راجہ سانپر پال (بہادر ناہر خان مورث اعلیٰ خانزادگان میوات) تک کا ہے۔

(4) حصہ چہارم:۔ اسلامی زمانے بہادر ناہر خان میواتی کے بعد کا ہے۔

خانزادگان میوات کے شجرہ ہائے نسب سے متعلق شرف صاحب اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' ایڈیشن ثانی صفحہ 346 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (خانزادوں کا شجرہ نسب بہت سی تاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔ جن میں سے ''پنڈت جوالا سہائے عدالتی راج

بھرت پور'' نے اپنی ''تاریخ وقائع راجپوتانہ'' صفحہ 32 پر ''بحوالہ پنڈت بلدیہ سنگھ'' اور وحید اللہ صاحب اور منشی خداداد خان عظیم آبادی ''تاریخ خانان میوات'' صفحہ 11 پر کرشن جی عرف شیام سے لے کر ساپر پال (بہادر ناہر خان) تک بیاسی پشتیں درج فرمائی ہیں۔ لیکن مولوی نجم الغنی رام پوری نے اپنی ''تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند'' صفحہ 345 پر کرشن جی سے ساپر پال تک صرف اٹھارہ پشتیں لکھی ہیں)۔

سلسلہ شجرہ ہائے نسب میں پائی جانے والی پشتوں کی کمی سے متعلق سر سید احمد اپنی کتاب۔ ''الخطبات الاحمدیہ'' صفحہ 49 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(بعض مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب کے اندر ناموں کی بہت کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو شعروں سے اخذ کیا ہے اور شاعروں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں ان ہی لوگوں کا ذکر کرتے تھے۔ جنہوں نے کسی بڑے کام کی وجہ سے شہرت پائی ہو۔ غیر مشہور آدمیوں کے نام شعروں میں عام روایتوں میں نہیں پائے جاتے تھے یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ انساب قائم کیا اس میں غیر مشہور آدمیوں کے نام چھوٹ گئے)۔

مصدقہ طور پر تاریخوں میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ شاعروں نے اپنے اپنے اشعار میں غیر معروف شخصیات کے نام حذف کر دیئے جس کی بناء پر مشرقی مورخین کی تحریر کردہ تاریخوں میں پائے جانے والے شجرہ ہائے نسب میں پشتوں کی بہت کمی پائی جاتی ہے۔

(2) حصہ دوم:۔

کرشن جی ____ پردومن ____ انرودھ ____ چتر سین

اگر سین ____ دھرم سین ____ تچھ پال ____ برہم پال

چندر پال ____ سہن پال ____ بال چند ____ بجے پال

تہن پال

(والئی تہن گڑھ)

(3) حصہ سوم:۔

راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) ____ باندل پال ____ انتے پال

ادھان پال ____ انراج ____ لکھن پال ←

لکھن پال کے (سانپر پال اور شوپر پال) پیدا ہوئے۔

☆ "سانپر پال کا اسلامی نام "بہادر ناہر خان" تجویز ہوا۔ جبکہ شوپر پال کا اسلامی نام "چھجو خان" رکھا گیا۔ (جو لاولد فوت ہوا)۔

(4) حصہ چہارم:۔ بہادر ناہر خان میواتی کی تین شادیاں ہوئیں۔

(1) پہلی شادی ☆ ٹھاکر جھاموں سنگھ چوہان متوطن موضع جھاموں داس پرگنہ کشن گڑھ کی دختر "رانی پھول کنوار" سے ہوئی جس سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

(1) بہادر خان (2) شاہ محمد خان (3) ملک علاؤالدین خان (4) پیر شہاب خان

(2) دوسری شادی "رانی دوسر" سے ہوئی جو "بسوئے" کے بڈگوجر کی دختر تھی جس کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔

(1) ملک اہرودخان (عرف آڑدوخان)　　(2) سراج خان

(3) ملک فتح اللہ خان (عرف فتح خان)

(3) تیسری شادی ☆ کوٹہ بوندی کے ہاڈا رراجپوتوں کی بیٹی سے ہوئی جس سے دو بیٹے ہوئے۔

(1) نورخان　　(2) نظام خان

☆ بہادر ناہر خان ۔(والئی میوات اول مورث اعلےٰ قوم راجپوت خانزادگان میوات) کے درج بالا نو بیٹے۔ ☆ بہادر خان (الور) ''والئی میوات دوم'' ☆ شاہ محمد خان (جاگیردار ریواڑی)
☆ ملک علاؤالدین خان (جاگیردار تجارہ) ☆ پیر شہاب خان (جاگیردار پہاڑی)
☆ ملک اہرودخان (عرف آڑدوخان) (جاگیردار اندور) ☆ سراج خان (جاگیردار سہنہ)
☆ ملک فتح اللہ خان ''عرف فتح خان'' (جاگیردار کلنجر) ☆ ملک نورخان (جاگیردار نوح) ☆ نظام خان (جاگیردار مانڈی کھیڑہ) کہلائے۔

☆ بہادر ناہر خان (والئی میوات اول) کی نسل سے والیان میوات ہونے والوں کی ترتیب اس طرح ہے۔

(1) بہادر ناہر خان (2) بہادر خان ''والئی میوات دوم اس صوفیانہ زندگی اپنا کر گوشہ نشینی کے وقت اپنی حکومت میوات اپنے بیٹے راجہ اقلیم خان کے سپرد کردی (3) راجہ اقلیم خان نے بھی اپنے جیتے جی اپنی یہ حکومت میوات اپنے حقیقی بھائی فیروز خان کے سپرد کردی تھی۔ (4) فیروز خان (5) راجہ جلال خان (6) احمد خان (عرف گل گورکھ) (7) ذکریا خان (8) علاول خان (9) راجہ حسن خان میواتی۔

☆☆

بہادر ناہر
''کے داخل اسلام پر مورخین کی آراء''

مسٹر جیمز ٹاڈ اپنی انگلش تاریخ ''ٹاڈ راجستھان'' جلد اول صفحہ 182 پر بیان کرتے ہیں کہ:۔
(ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے ''سری نرائن جی'' عرف ''وشن جی'' پیدا ہوئے وشن جی کے برہما جی پیدا ہوئے برہما جی کے دو بیٹے مریچ اور اترے پیدا ہوئے مریچ کے کیشب اور کیشب کے سورج پیدا ہوا جس سے ''سورج بنسی خاندان'' جاری ہوا۔☆ اور برہما جی کے دوسرے بیٹے اترے کے سمدر اور سمدر کے چاند پیدا ہوا جس سے ''چندر بنسی خاندان'' جاری ہوا۔☆ چاند کی پانچویں پشت میں (جاتی۔یا۔بیاتی) پیدا ہوا جس کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن میں پورو۔اورو۔اور (جودھا۔یادو۔یا جادو) یہ تینوں بہت ہی زیادہ مشہور ہوئے۔چندر بنسی خاندان مذکورہ راجہ جادو کی شہرت کے باعث جادو بنسی خاندان کے نام سے مشہور ہوا)۔راجہ جادو کی اکتالیسویں پشت میں راجہ ''سور'' پیدا ہوا جو بہت ہی زیادہ شہرت کا حامل ہوا۔اس راجہ سور کے راجہ ''سینی'' پیدا ہوا جو باپ کی طرح نامور وزبردست راجہ تھا۔ان دونوں باپ بیٹوں کی شہرت کے باعث مذکورہ چندر بنسی خاندان جو راجہ ''یادو۔یا جادو'' کے بعد جادو بنسی خاندان کے نام سے مشہور چلا آتا تھا۔اب خود کو ''سور۔سینی خاندان'' کہلانے لگا۔مذکورہ راجہ سینی کی چھٹی پشت میں کرشن جی۔عرف (کنہیا اوتار) پیدا ہوئے۔تاریخوں میں کرشن جی باپ کی طرف سے چندر بنسی (جادو بنسی) اور ماں کی طرف سے سورج بنسی ثابت ہوئے ہیں کرشن جی کا مندر۔ناتھ دوارا۔اودے پور میں واقع ہے۔ان کی پرستش مقام متھرا سے جاری ہوئی ان کے عالی شان مندر۔گیا جی۔دوارکا۔اور کل برج میں واقع ہیں۔اس جادو بنسی کرشن جی نے ہندو مذہب کو کافی رونق وترقی بخشی اس کرشن جی کے زمانے میں ہونے والی مشہور عالم۔ ''جنگ مہابھارت'' میں مذکورہ جادو بنسی خاندان کو ناقابل تلافی جانی و مالی نقصان

پہنچا۔ جس کا تفصیلی ذکر۔ ''کرشن جی'' کے عنوان میں کیا گیا ہے۔ کرشن جی شہرت کے باعث مذکورہ چندر بنسی (سورسینی) خاندان اپنے سابق خاندان جادو بنسی نام سے مشہور ہوا۔

جادو بنسی کرشن جی کی گیارہویں پشت میں راجہ بجے پال پیدا ہوا جو ابوبکر شاہ قندھاری کے حملے کے وقت 541ھ۔1146ء۔1203 بکرمی میں مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) بنا۔ راجہ تہن پال کے ہاتھوں سے علاقہ ''بیانہ'' کی حکومت شہاب الدین محمد غوری کے حملے کے وقت 594ھ۔1197ء۔1254ء بکرمی میں جاتی رہی۔ اس کے بعد یہ خاندان مختلف دیہات وصحرا میں بے سروسامانی حالت میں سرگرداں پھرتا رہا اور اپنی پانچ پشتوں تک کسی خاص شہرت کا حامل نہ ہو پایا۔ (اس خاندان کا ذکر مختلف ''مہاراجگان'' کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے)۔

☆جادو بنسی راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی چوتھی پشت میں ہونے والے ''انسراج'' کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن میں ایک لکھن پال بھی تھا۔ اس لکھن پال کے دو بیٹے۔ سانپر پال اور شوپر پال پیدا ہوئے۔ یہ بھائی معہ اہل وعیال برضاو۔ رغبت فیروز شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) کے مرشد حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے ہاتھوں 757ھ۔1355ء۔ کا تک بدی۔ دوتج 1411 بکرمی بروز ہفتہ مشرف بااسلام ہوئے ان کے مسلمان ہونے پر فیروز شاہ بادشاہ نے خوش ہوکر ان دونوں بھائیوں کو ''خان'' کے عظیم خطاب سے نوازا۔

شوپر پال کا اسلامی نام ''چھجو خان'' رکھا گیا جو لاولد فوت ہوا۔ اور سانپر پال کا اسلامی نام خطاب ولقب والا ''بہادر ناہر خان'' ہی تجویز پایا۔

اس بہادر ناہر خان کو 1372ء۔ قلعہ الور کی فتح پر ملک میوات کی حکومت ہاتھ آئی جس کا تفصیلی ذکر (ممتا کا انتقام ناہر حکومت کا قیام) میں کیا گیا ہے اس نے تیس اکتیس سال تک علاقہ میوات پر نہایت شان و

شوکت کے ساتھ خود مختارانہ حکومت کی۔قبول اسلام پر اپنے ناراض خسر ٹھاکر جھاموں سنگھ اور اس کے بیٹوں کے ہاتھوں اس ناہر میواتی نے 1402ء۔میں شہادت پائی۔

اس بہادر ناہر خان سے پیدا ہونے والی نسل اس کے ''خان'' کے عظیم خطاب کی نسبت ''خانزادہ'' کہلائی اس نے اردو۔فارسی۔ترکی۔اور۔انگریزی تاریخوں میں (ناہر خان میواتی) کے نام سے شہرت پائی یہ جادو بنسی راجپوت سردار اپنے ''خانزادہ قبیلے'' کا مورث اعلےٰ بنا۔اس کے خاندان میں علاقہ میوات پر (جس کی آمدنی پندرہ ہزار چھ سو پچیس من چاندی سالانہ تھی) ایک سو پچپن سال تک خود مختارانہ حکومت رہی ۔جو اس ناہر خان کی ساتویں پشت میں ہونے والے نویں شاہ میوات خانزادہ حسن خان ''جس نے فارسی اردو تاریخوں میں حسن خان میواتی (معاون رانا سانگا) کے نام سے شہرت پائی'' کی 1527ء۔میں بابر کی جنگ میں موت کے بعد اپنے اختتام کو پہنچی۔

مذکورہ بہادر ناہر خان میواتی (والئی میوات اول) ''مورث اعلےٰ قوم جادو بنسی راجپوت خانزدگان میوات'' کے مشرف با اسلام ہونے سے متعلق مختلف مورخین کی آراء درج ذیل ہیں۔

(1) مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی تاریخ ''آئینہ حقیقت نما'' جلد دوم تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (بہادر ناہر خان میواتی کا اصل ہندوانی نام سمیر پال۔یا۔سانپر پال تھا۔جس کے زمانے میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا ان دنوں فیروز شاہ تغلق شیر کے شکار کی خاطر جنگل میں گیا۔جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ساتھ تھے ان میں سانپر پال بھی تھا۔سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا۔اتفاقاً کاری زخم نہ لگا۔شیر سلطان کی طرف جھپٹا لیکن عین اسی حالت میں سانپر پال نے بڑھ کر شیر کے تیر مار کر کام تمام کر دیا اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر پڑا۔اس چابک دستی اور قادر اندازی سے بادشاہ نے خوش ہو کر سانپر پال کو ''بہادر ناہر'' کا خطاب عطا کیا اور پھر کچھ دنوں بعد اس کو اسلام میں داخل فرمالیا اور

میوات میں ایک جاگیر عطا کی جو ضلع گوڑ گانواں کی تحصیل نوح میں تھی۔ بہادر ناہر خان کو اسی بادشاہ کی طرف سے ''خان جادو'' کا معذز لقب ملا تھا۔ جس کو بعد میں ''خانزادہ'' بنالیا گیا تھا)۔

(2) جناب حمید قلندر شاعر اپنی ''تاریخ خیر المجالس'' ملفوظات حضرت نصیر الدین ''چراغ دہلوی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(بعہد فیروز شاہ باربک 757ھ۔ میں پہلے پہل جس جادو بنسی راجپوت نے غاشیۂ فرمانبرداری دین ومذہب کا بطیب خاطر خود اپنے دوش پر لیا اور آبیاری کلمہ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و شاداب بنایا وہ سانپر پال مورث اعلےٰ خانزادگان میوات اور اس کا خلف ملکی بہادر ہوا ہے۔ جس کے مورثوں کا زاد بوم مقام تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے اقبال کی رہبری سے وہاں سے برآمد ہو کر اپنی ہمت وشجاعت کی بدولت ملک میوات کو تاخت و تاراج کیا۔ اور پیشہ راہ زنی وغارتگری کا اختیار کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ شدہ۔ شدہ ایک بڑی جماعت بہم پہنچائی اور اس دیار میں بڑے نامی وگرامی ہو کر عنایات شاہی کی بدولت معذز و رئیس میوات ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانے سے لے کر تا عہد بابر بادشاہ کے وقت میں ان کی اولاد سے خانزادہ حسن خان حاکم و مالک قلعہ الور تھا۔ ریاست وحکومت۔ ولایت میوات بالاستقلال قریب دوسو سال کے خاندان میں ان کے رہی اس عرصے میں یہ لوگ کبھی تو اطاعت وفرمانبرداری شاہان دہلی کی کرتے تھے اور کبھی حاکم بااختیار ہو کر جنگ وسرکشی اور بغاوت پر کمر باندھ لیتے تھے)۔

(3) مولوی محبوب علی دہلوی اپنی ''تاریخ حکایات میوات'' (قلمی کتب خانہ جامع مسجد دہلی) میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆یہ خانزادے لوگ جادو اولاد سری کرشن جی متھرا باشی میں سے ہیں جن کے آباؤاجداد تہن گڑھ علاقہ بیانہ میں رہتے تھے ان میں سے تہن پال کی اولاد میں سے سانپر پال اور شوپر پال (مورث اعلےٰ

خانزادگان علاقہ میوات میں رہتے تھے اور ہمیشہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے اور رہزنی وزقذانی سے گذر اوقات اپنی کرتے تھے۔ چنانچہ الغیاث ایذارسانی و تکلیف دہی ان کی خلائق مظلوم حضور بادشاہ وقت تک ہمیشہ پہنچاتی تھی ۔انجام کار حضور بادشاہ سے اشتہار ہوا کہ:۔

☆(قضاقان و ستمگران مذکور حاضر ہو کر اطاعت سلطانی قبول کریں اور پیشہ قذائی و رہزنی جو کہ سراسر باعث گمراہی وضلالت ان کا ہے چھوڑ دیں۔ تو واسطے وجہ معاش ان کی سرکار سے تجویز معقول کی جائے گی اور پچھلے قصور بھی ان کے معاف ہوں گے)۔

بالتماس اس خبر کے سانپر پال اور شوپر پسران لکھن پال پسر بحضور جناب شیخ نصیرالدین صاحب ''چراغ دہلوی'' جو فیروز شاہ بادشاہ وقت کے پیر تھے بایں غرض حاضر ہوئے کہ وہ اپنے توسل سے بادشاہ کے حضور میں حاضر کر کے عفو تقصیرات ماضیہ کی کرادیں اور بنابر وظیفہ آئندہ سفارش فرمائیں۔

پس ایسا ہی ہوا۔ شیخ مذکور نے اول بفہمائش بلیغ ان کو 757ھ میں شریک اسلام کیا اور پھر بزمرہ مریدان خاص میں شامل فرما کر اور بادشاہ کے حضور میں حاضر کر کے بعد عفو تقصیرات گذشتہ برائے گذارہ آئندہ سفارش کامل فرمائی اور پیشہ رہزنی وقذانی سے عہد کرایا۔

مولوی نجم الغنی رام پوری صاحب اپنی'' تاریخ کارنامۂ راجپوتان ہند'' کے صفحہ 345، صفحہ 346 پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

(4) (میوات کے پرگنہ تجارہ میں (جو۔ الور سے تیس میل شمال میں ہے) ایک قوم'' خانزادہ'' نام قدیم سے آباد ہے جو چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے۔ سری کرشن جی کی بارہویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا۔ جس نے شہر بیانہ کے قریب'' قلعہ تہن گڑھ'' بنایا تھا۔ تہن پال کا بیٹا باند پال مدت تک ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ آخر اس نے 1273 بکرمی (یعنی 613ھ۔ 1216ء۔) میں'' اجان گڑھ'' آباد کیا اس کے

بعد اس کا بیٹا انتے پال جانشین ہوا انتے پال کے بعد اس کا بیٹا ادھان پال اور ادھان پال کے بعد اس کا بیٹا انسراج ہوا۔انسراج کے چند بیٹے تھے ان میں سے لکھن پال پسر انسراج کے دو بیٹے سانپر پال اور شوپر پال پیدا ہوئے یہ دونوں فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رغبت دلی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔اور بعض کہتے ہیں کہ غارتگری کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہو کر جاں بری ہوئے۔

خانزادوں کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگوں کو''خان جادو'' کا خطاب ملا تھا۔عوام غلطی سے ''خانزادہ'' کہنے لگے لیکن محققین تاریخ کا اکثریتی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے ان کو''خانزادہ'' کا خطاب دیا تھا۔جو بہت عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا اور جو کوئی بھی معذز ہندو مسلمان ہوتا تھا۔وہ''خانزادہ'' کہلاتا تھا۔بہر صورت سانپر پال ایک شیر کو مارنے کی وجہ سے''بہادر ناہر'' کے خطاب سے مخاطب ہوا۔اور شوپر پال''چھجو خان'' کہلایا۔

سانپر پال''بہادر ناہر خان'' کے نو بیٹوں میں سے ملک علاوالدین نامی کی اولاد زیادہ پھیلی ان خانزادوں کا بہت سی کتابوں میں تاریخی سلسلہ مذکور ہے۔ان دونوں صورتوں میں وہ نومسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں۔ان کی رشتے داریاں اکثر شریف لوگوں اور ان نومسلموں سے ہوتی رہی ہیں جو چوہان وغیرہ قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد الور اور ہریانہ کے علاقے میں رانگھڑ کہلاتے ہیں۔خانزادے لوگ چار پانچ سو برس سے اکثر نامور چلے آتے ہیں۔نواب حسن خان جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی تاریخوں میں حسن خان میواتی کے نام سے مشہور ہے''اور جو بابر بادشاہ کے مقابلے پر رانا سانگا کے ہمراہ دس ہزار سوار لے جا کر مارا گیا تھا اور جس کی بیٹی سے اکبر کے وزیر بیرم خان کا بیٹا''عبدالرحیم خان خاناں'' سپہ سالار پیدا ہوا تھا)۔وہ اسی قوم خانزادہ میں سے ہوا ہے۔عہد شاہ جہاں بادشاہ میں فیروز خان خانزادے نے

رسوخ حاصل کر کے خطاب نوابی پایا تھا اور ''شاہ آباد'' کو آباد کیا تھا۔ سو۔ ڈیڑ سو برس کے قریب جاگیر اور حکومت جاتی رہنے کے سبب اب وہ انگریزی سواروں وغیرہ میں نوکری کرتے ہیں یا تجارہ وغیرہ کے مقامات میں زمینداری کر رہے ہیں۔

مولوی مظہر الدین مینجر ''اخبار الامان'' ''دہلی'' اپنے ضمیمہ اخبار ''الور نمبر'' مطبوعہ 22 جنوری 1933ء۔ میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

(5) (جیسا کہ ''قلعہ الور'' کے نام سے بھی ثابت ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں نے تعمیر کرایا تھا پہلے یہاں چوہان راجپوت رہتے تھے جو نکمب کے لقب سے مشہور تھے 1549 بکرمی۔ (یعنی 899ھ۔ 1493ء۔) میں علاؤل خان نے (جو ایک خانزادہ سردار تھا) نکمبوں کو شکست دی اور انہیں قتل کیا۔ اس لئے کہ رہزنی اور غارتگری ان نکمبوں کا پیشہ تھا اور مخلوق خدا ان کے جور و جبر سے تنگ رہتی تھی پہلے یہاں صرف پتھروں کا ایک احاطہ تھا۔ جس کے اندر نکمب رہتے تھے لیکن علاول خان خانزادے نے اسے ایک قلعہ کی شکل میں تعمیر کیا۔ یہ شخص افغان بادشاہوں کے زمانے میں ایک بڑا بہادر امیر گذرا ہے۔ جو افغانوں کی حمایت میں بابر سے بھی لڑا تھا۔ اور جب اس کا بیٹا حسن خان بابر کے مقابلے میں مارا گیا تو مغلوں نے الور کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

الور کی وجہ تسمیہ میں بہت اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ علاول خان بانی کے نام پر اس کا نام ''علول'' مشہور ہو گیا۔ اور پھر تبدیل اسماء کے مختلف مدارج سے گذر کر الور ہو گیا۔

یہ قوم خانزادہ چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ثابت ہوتی ہے۔ سری کرشن کی بارہویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا۔ جس نے شہر بیانہ کے قریب ''قلعہ تہن گڑھ'' تعمیر کیا۔ تہن پال جادو خانزادوں کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ اس کی ساتویں پشت میں سانپر پال اور شوپر پال دو بھائی تھے یہ دونوں

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں تخت نشین ہوئے اس کے بعد ان لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔

خانزادوں نے بڑے بڑے کارہائے سلطنت انجام دیئے ہیں۔ اور ان میں سے بہت نامور اصحاب پیدا ہوئے ہیں۔ جن کا حال مختصراً اتنا ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ علاول خان (بانئ قلعہ الور) کا فرزند نواب حسن خان میوات کی تاریخ میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ اور فارسی تاریخیں اس حسن خان میواتی کے تذکروں سے لبریز ہیں۔ اس نے دس ہزار سواروں کے ساتھ بابر جیسے باسطوت بادشاہ سے جنگ کی تھی۔ اس کی ایک دختر بادشاہ کے مشہور وزیر نواب بیرم خان کے عقد میں آئی تھی جس کے بطن سے عبدالرحیم (خان خاناں) پیدا ہوا تھا۔ اسی لائق خاتون کی آغوش تربیت تھی جس سے نکل کر خان خاناں دور اکبری کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارا بن کر چمکا تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں فیروز خان خانزادے نے دہلی میں خاص رسوخ حاصل کیا اور ''نواب'' کے خطاب سے مشرف ہوا۔ اس نے شاہ جہاں کے نام پر ''شاہ آباد'' بسایا تھا۔

(بحوالہ تاریخ مرقع میوات صفحہ 150، صفحہ 151 ''ایڈیشن ثانی'')۔

مسٹر۔ رام سروپ گپتا اپنے۔ ''جغرافیہ ضلع گوڑگانواں'' صفحہ 65 مطبوعہ 1932ء۔ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(6) (خانزادہ انگریزی علاقے میں زیادہ تر نوح اور ''فیروز پور جھرکا'' کی تحصیل میں جو ضلع گوڑگانواں میں ہیں پائے جاتے ہیں ان کا نکاس یادو بنسی راجپوتوں سے ہے جن کے بزرگ سومتر پال یا سانپر پال کو فیروز شاہ بادشاہ نے مسلمان بنایا تھا۔ یہ لوگ میوؤں کے ساتھ مطلق شادی بیاہ نہیں کرتے بعض عمارات اب تک بھی ان کی پرانی شان و عظمت کو ظاہر کرتی ہیں)۔

پنڈت جوالا سہائے عدالتی راج بھرت پور ''تاریخ وقائع راجپوتانہ'' صفحہ 276 (رپورٹ 1871-72ء) میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

(7) (خانزادے لوگ اگرچہ باعتبار تعداد تھوڑے ہیں مگر جادو راجہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بہت مشہور اور بہادر ہیں اور اسی سبب سے ''جادو بنسی'' کی عمدہ نسل سے شمار کئے جاتے ہیں اس جادو خاندان سے دو بھائی سانپر پال اور شوپر پال فیروز بادشاہ کے عہد میں بمرور عرصہ پانچ سو پچاس سال مسلمان ہوئے تھے اور بادشاہ مذکورہ کے متوسلوں اور معتمدوں میں داخل ہو کر بخطاب نوابی جھجھر۔ اور۔ ریواڑی کے نواح میں مسکن گزیں ہوئے تھے ان کے پاس صدہا۔ دیہات تھے۔ مگر جب حکومت جاتی رہی تو اب یہ صرف زمیندار رہ گئے ہیں ملک میوات کی نزاعوں اور تکراروں میں جو اکثر بادشاہان دہلی کے ساتھ ہوتی رہیں خانزادے صد ہا سال سے ان میں کارہائے نمایاں کرتے اور داد شجاعت دیتے رہے ہیں۔ لیکن اس موجودہ صدی کے شروع سے ان کی اس علاقہ میوات میں کہیں حکومت باقی نہیں رہی آجکل بھی اگرچہ ان کی آبادی بہت تھوڑے دیہاتوں میں رہی ہے تاہم یہ بہت دلاور اور مہم آور قوم مانی جاتی ہے۔ علاقہ الور کی دیگر اقوام کی بنسبت انگریزی رسالوں میں خانزادے لوگ سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔

مسلمان راجپوت جو رانگھڑ کہلاتے ہیں وہ خانزادوں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور یہ رانگھڑ بادشاہوں کے عہد حکومت میں حکماً مسلمان ہوئے ہیں مثل خانزادوں کے انہوں نے دل سے کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ خانزادوں کی تو سیدوں اور پٹھانوں سے رشتے داریاں ہوتی رہی ہیں۔ مگر رانگھڑوں کی سیدوں اور دیگر اقوام سے رشتے داریاں نہیں ہوتیں۔

انگریز مورخ۔ مسٹر۔ سی۔ اے۔ ہیکٹ (سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی ''گزیٹیر الور'' صفحہ 203 پر جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

(8) (خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص ادھان پال، نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں ہوا تھا۔ اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا جو تجارہ کو فیروز پور جھرکا سے علیحدہ کرتے ہیں اور اس

خاص جگہ پر بود و باش اختیار کرلی تھی۔ جس کو" دورالہ کہتے تھے اور جس کے کھنڈرات اب تک بھی ملتے ہیں اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر۔ "سرہٹہ" میں چلا گیا تھا۔ جوکہ اس سے چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ جہاں پر اب بھی کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتا۔ سانپر پال نامی فیروزشاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اپنے تمیس کوٹلہ میں آباد کیا تھا)۔

ایک قومی روایت جس نے عربوں کے قاعدے کے مطابق نسل در نسل چل کر اپنے معتبر ہونے کا درجہ حاصل کیا ہے اسے جناب شرف الدین احمد خان "شرف" نے اپنی "تاریخ مرقع میوات" (ایڈیشن ثانی) کے صفحہ 77 پر اس طرح رقم فرمایا ہے۔

(9) (ایک دفعہ فیروز شاہ بادشاہ کا اجمیر کو جاتے ہوئے راستے میں تجارہ کے پاس مقام ہوا۔ بادشاہ شکار کھیلنے کو نکلا۔ اتفاقاً سانپر پال بھی وہاں شکار کے لئے آیا ہوا تھا۔ بادشاہ کو سانپر پال فتح آباد کے پہاڑوں میں لے گیا۔ جہاں شیر نے ایک گوجر کی گائے چیر پھاڑ ڈالی تھی۔ شیر پہاڑ کی کھوہ میں پڑا سوتا تھا۔ بادشاہ نے اس پر تیر کا نشانہ لگانا چاہا سانپر پال نے عرض کیا کہ:۔ "حضور۔ شیر کا شکار تلوار سے کیا جائے تو زیادہ بہادری ہے۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ:۔ "اچھا تم ہی تلوار سے شیر کا شکار کرو" س کے بعد سانپر پال نے شیر کو للکارا اور پھر اس نے تلوار کی ایسی ضرب ماری کہ شیر کہ دو ٹکڑے ہوگئے۔ سانپر پال کی یہ بہادری دیکھ کر بادشاہ نے شفقت سے اپنا ہاتھ سانپر پال کے سر پر پھیرا اور فرمایا شاباش تم بڑے بہادر ہو آج سے تمہارا نام "بہادر ناہر" رکھا جاتا ہے۔ اس روز سے اس کا خطاب "بہادر ناہر" مشہور ہوگیا اس بہادری کے صلے میں فیروز بادشاہ نے سانپر پال کو ایک خلعت فاخرہ اور کچھ جاگیر ملک میوات میں بطور انعام عطا فرمائی اور اسے شکار کے وقت اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ اس نوازش خسروانہ کو دیکھ کر سانپر پال دلی رغبت سے معہ اہل و عیال داخل اسلام ہوگیا)۔

مولوی محبوب علی دہلوی دوسری جگہ اپنی ''تاریخ حکایات میوات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(10) (بعد قبولیت اسلام کے حضرت نصیر الدین ''چراغ دہلوی'' نے سانپر پال اور شوپر پال کو مریدان خاص میں داخل فرمایا۔اور۔پھر حضور بادشاہ سے خطاب اس گروہ کا باعتبار عالی نسبی (خانزادہ) عطا فرمایا گیا یہ خطاب ''خانزادہ'' ولایت افغانستان میں اس خاندان کے واسطے مخصوص ہے جو ہمیشہ سے اپنی قوم عالی نسب اور والا دودمان ہوتا ہے اس کے بعد بادشاہ مذکور نے ان کو اپنے مقربان خاص میں شامل فرما کر ایک سو مواضعات جاگیر میں عطا فرمائے اور میوات کا انتظام تفویض فرمایا)۔

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ مرقع الور'' مطبوعہ 1889ء۔میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(11) (سانپر پال بندوق کا بانی کار تھا۔اور یہ دل کا دلیر و جرار ایک دن جنگل کو بقصد شکار جا نکلا۔قضارا فیروز شاہ باربک بھی ادھر آنکلا دونوں ایک شیر سے دوچار ہوئے اور درپئے شکار ہوئے فیروز شاہ نے جو تفنگ (بندوق) سر کی۔گولی سر نشانہ سے سرکی۔یعنی وار خالی گیا۔شیر غرایا۔اور۔سیدھا آیا۔سانپر پال نے بے خطا اس کو نشانہ بندوق بنایا۔گولی اس کی ایسی کارگر ہوئی کہ شیر اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ پایا۔فیروز شاہ باربک نے اس ضرب دست سانپر پال کو بہت پسند کیا۔اور قدر دانی سے اس کو خطاب ''بہادر ناہر سے سربلند کیا جو بخت سانپر پال کا سازگار ہوا۔اس مرحمت شاہی پر وہ مسلمان ہونے کو تیار ہوا بادشاہ نے اس کی خواہش پا کر 757ھ۔میں اسے مسلمان بنایا)۔

یہی شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی دوسری ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' (مطبوعہ 1875ء۔) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(12) (لکھن پال کے دو بیٹے شوپر پال اور سانپر پال پیدا ہوئے یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوئے سانپر پال کا نام ''بہادر ناہر'' اور شوپر پال کا چھجو خان رکھا گیا ان کے مسلمان ہونے کی ایک

روایت یہ ہے کہ:۔رغبت دلی سے اسلام کی طرف راغب ہوکر حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے مریدوں میں داخل ہوئے۔دوسری روایت یہ ہے کہ وہ پیشہ رہزنی وغارتگری رکھتے تھے اس وجہ سے ان کو فیروزشاہ کے سامنے پیش کیا گیا جس پر وہ وعدہ معافی کے بدلے رہا ہوکر اسلام میں داخل ہوئے)۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ شیخ صاحب نے اپنی ذاتی رنجش کے باعث اپنی تاریخ مرقع الور اور ''تاریخ ارژنگِ تجارہ میں'' خانزادوں کی تاریخ سے متعلق اپنے متضاد بیانات اور دروغگوئی سے کام لیا ہے اس سلسلے میں خانزادہ منشی احمد خان کی تاریخ ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' اور اور شرف صاحب کی تاریخ ''مرقع میوات'' میں درج ''قومی مدافعت'' کے عنوان میں مدلل بحث کی گئی ہے۔علاوہ ازیں تاریخ ھذا میں درج ''قبول اسلام پر تبصرہ'' کے عنوان میں بھی اس سلسلے کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔اس لئے بیجا طوالت مضمون کے پیش نظر یہاں پر یہ تحریر کرنا کافی ہوگا کہ شیخ محمد مخدوم صاحب نے بغیر کسی تامل کے مختلف اوقات یا ایک ہی وقت میں خانزادوں سے اپنی ذاتی رنجش کی بناء پر اپنے بے بنیاد و متضاد بیان تحریر کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔

جیسا کہ مذکوہ بالا بیان میں شیخ صاحب نے ''شیر کا شکار بندوق سے کرنا دکھایا ہے'' جوکہ صریحاً غلط ہے۔چونکہ بادشاہ شیر کا شکار تیر آتشیں سے کیا کرتا تھا چونکہ اس زمانے میں بندوق کا نام ونشان تک نہ تھا۔بلکہ اس زمانے کے ایک سو کہتر سال بعد ہندوستان میں بابر کی آمد پر اس کے ہاتھوں میں بندوق دیکھ کر لوگ اس سے روشناس ہوئے تھے۔

☆اس ضمن میں معتبر تاریخی دلیل اس طرح ہے کہ۔ضیاء الدین برنی صاحب اور جناب سراج عفیف یہ دونوں شخص زمانہ فیروزشاہی کے معتبر مورخ گذرے ہیں جو سیر وشکار میں ہمہ وقت فیروزشاہ بادشاہ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور تمام تر شاہی حالات مذکورہ مورخین کی آنکھوں کے سامنے سے گذرتے تھے لیکن ان دونوں میں سے کسی بھی ایک نے بندوق یا اس قسم کے کسی بھی دوسرے ہتھیار کا ذکر اپنی تاریخ میں کہیں بھی نہیں

کیا۔ اور نہ ہی بذات خود فیروز شاہ بادشاہ نے اپنی خودنوشت تاریخ ''فتوحات فیروز شاہی'' میں مذکورہ قسم کا کوئی ذکر کیا ہے۔

دربار فیروز شاہی کے معتبر مورخ جناب سراج عفیف صاحب اپنی تاریخ ''فیروز شاہی'' صفحہ 322 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(الحاص ہر سال آں خسرو خوش خصال از شہر فیروز آباد برائے شکار سواری کردے ایں۔ مورخ ضعیف شمس سراج عفیف برابر ہمراہ بودے شاہشاہ بر شکار تیر آتشیں اندا ختے۔

از گرگ و گوزن و گو رنخچیر
جز شیر نزل بد یگرے تیر

تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے حضرات ہی نہیں بلکہ ہر شعور شخص اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ بندوق سے شیر کا شکار کرنا اتنی بڑی بہادری نہیں کہ جس کے عوض کسی کو اتنے بڑے اور بھاری انعامات و خطاب غیرہ سے نوازا جائے۔

دنیا بھر کی تاریخوں سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سانپر پال (بہادر ناہر خان) کے مذکورہ واقعہ شکار یعنی 1355ء۔ سے پہلے یا اس کے ایک سو اکہتر سال بعد تک دنیا میں بندوق کا وجود قطعئی طور پر نہ تھا۔ 1526ء۔ میں جب ظہیر الدین محمد بابر ہندوستان میں آیا تو لوگوں نے سب سے پہلے بندوق اس کے ہاتھ میں دیکھی۔

اس سلسلے میں اشفاق حسین وکیل مراء آبادی اپنی کتاب ''خون کے آنسو'' حصہ اول صفحہ 66 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(دنیا نے سب سے پہلے بابر کے ہاتھوں میں بندوق دیکھی تھی یہ یا تو اس کی ایجاد تھی یا کسی ترک کی ایجاد ہے)۔

جناب فیروز الدین لاہوری اپنی "تاریخ پنجاب" صفحہ 97 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

☆(بابر سے پہلے نہ تو کوئی بندوق بنانا جانتا تھا اور نہ ہی اس کا استعمال ہوتا تھا)۔

☆(یاد رہے بابر نے سب سے پہلے توپ کا استعمال قلعہ باجوڑ کی فتحیابی کے وقت 925ھ۔ 1519ء۔1575 بکرمی میں کیا تھا اس کے بعد 1526 میں اس توپ کا استعمال ابراہیم لودھی کے خلاف ہوا۔ جبکہ اس سے پہلے دنیا میں کہیں بھی کوئی بندوق یا توپ سے روشناس نہ تھا بابر کی فتوحات کا سب سے بڑا سبب اس کا توپ خانہ ہی تھا)۔

مذکورہ تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں یہ حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ:۔

☆(سلطان فیروز شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) نے جنگل میں شکار کھیلتے وقت شیر کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا نشانہ خطا ہوا یا اتفاقاً کاری زخم نہ لگا۔ جس پر یہ شیر سلطان کی طرف جھپٹا۔ لیکن عین اسی حالت میں شیر کے بادشاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی (بہادر ناہر خان جس کا ہندوانی نام سانپر پال تھا)۔ نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے شیر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور وہ شیر سلطان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر پڑا۔ اس چابک دستی اور قادر اندازی سے خوش ہو کر بادشاہ نے سانپر پال کو "بہادر ناہر" کا خطاب عطا کیا۔ اور اپنی جان بچ جانے کی خوشی میں سلطان نے بروقت سانپر پال کو خلعت فاخرہ سے نواز کر ایک سو مواضعات پر مشتمل ایک بہت بڑی جاگیر ضلع گوڑگانواں کی تحصیل نوح میں اسے بطور انعام دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اور پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی بہادری کی داد دے کر بادشاہ نے شکار کے وقت اسے اپنے ساتھ رہنے کا حکم دے کر کہا:۔ "کاش! تم مسلمان ہوتے)"۔

اس قدر دانی و مرحمت شاہی اور اخلاق مسلمانی سے متاثر ہو کر یہ سانپر پال چند روز بعد 1355ء۔ میں برضا و رغبت معہ برادر و اہل و عیال بادشاہ کے مرشد حضرت نصیر الدین "چراغ دہلوی" کے ہاتھوں مشرف

با اسلام ہو کر ان کے مریدان خاص میں شامل ہوا اس موقع پر فیروز شاہ بادشاہ نے خوش ہو کر اس بہادر ناہر کو ''خان'' کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا جس کے بعد بادشاہ کی جانب سے اس کا اسلامی نام خطاب ولقب والا ''بہادر ناہر خان'' ہی تجویز پایا۔

☆ (سید قاسم محمود کے ''اسلامی شاہکار۔ انسائیکلو پیڈیا'' میں تحریر ہے کہ:۔

☆ (''حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی'' 757ھ۔ 1356ء۔ میں وفات پا گئے)۔

☆☆

قبول اسلام پر
''تبصرہ''

علاقہ میوات کے جادو بنسی راجپوت (خانزادہ) قبیلے کے مورث اعلیٰ (سانپر پال) ''بہادر ناہر خان'' کے قبول اسلام سے متعلق تاریخ ہٰذا میں بیان کئے گئے مستند تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں اصل حقیقت واضح ہو کر سامنے آچکی ہے۔ اس کے باوجود بھی دو چار مورخین کی عجلت پسند تحقیق یا ان کی ذاتی رنجش اور ان کے متضاد بیانات کے ابہام کو دور کرنے کی خاطر مذکورہ سلسلے پر مزید روشنی ڈالنے اور اپنی ذاتی رائے قائم کرنے سے پیشتر یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ:۔

☆ ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' اور ''تاریخ مرقع الور'' کے مصنف ''جناب شیخ محمد مخدوم صاحب ''(متوطن تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر) جو تجارہ کے تحصیلدار تھے ان کے عائد کردہ غلط احکامات کی حکم عدولی میواتی خانزادوں کی جانب سے اکثر ہوتی رہتی تھی۔ ان کے غلط احکامات کی بدولت رسالدار میجر رحیم خان کے والد چودھری امیر خان خانزادہ متوطن تجارہ نے ایک مرتبہ شیخ صاحب کی اچھی خاصی بے عزتی کر دی بات

ہاتھاپائی تک پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پر موجود لوگوں نے معاملہ رفع دفع کرادیا۔اس کے بعد شیخ صاحب نے اپنی اس ذاتی رنجش کو بنیاد بنا کر ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' تحریر فرمائی اور فرائض اور مختلف مورخین کی تحقیق کو بالائے طاق رکھ کر۔اپنی انا کو بروئے کارلائے اور مورخ کے فرائض کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی عداوت کے طیش میں بغیر کسی تحقیق وتاریخی ثبوت کے اپنی خلش کے باعث جذبات کی رو میں بہتے ہوئے جو دل میں آیا۔خانزادوں کے خلاف وہ اپنی تاریخ ارژنگ تجارہ (1875ء)۔میں رقم فرمایا۔

☆جب یہ کتاب خانزادہ منشی احمد خان متوطن کوٹقاسم کی نظروں کے سامنے آئی تو قومی مدافعت کے پیش نظراس کے جواب میں آپ نے مختلف تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں ایک مدلل اور تنقیدی ''تاریخ ناسخ ارژنگ تجارہ'' فارسی زبان میں تحریر فرمائی۔

ان ہی دنوں میں پی۔ڈبلیو۔مسٹر پولٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے ریاست الور کی تاریخ لکھنے کا کام شیخ محمد مخدوم صاحب کے سپرد کیا تھا۔شیخ صاحب کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ پہلے اپنے خلاف لکھی ہوئی تاریخ ''ناسخ ارژنگ تجارہ'' کا جواب دیتے جس میں ان کے حسب ونسب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا۔لیکن ان سے جب اس مستند تاریخ کا جواب نہ بن پڑا تو یہ (شیخ صاحب) اس قدر بھنائے کہ اپنی تاریخ کی تحریر میں گالی گفتار پر اُتر آئے اور اپنی ''تاریخ مرقع الور'' میں بیک وقت متضاد بیانات کام میں لانے سے بھی نہ گھبرائے اور پھر نہ صرف چودھری امیر خان اور خان زادہ منشی احمد خان کے خلاف زہر اگلنے پر اکتفا کیا بلکہ شیخ صاحب نے پوری قوم خانزادہ کے خلاف بغیر کسی تاریخی ثبوت کے جو دل میں آیا وہ اپنی اس دوسری ''تاریخ مرقع الور'' میں میں بھی تحریر فرمایا۔

☆اس کے بعد 1935ء۔میں شائع ہونے والی اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے صفحہ 94 تا صفحہ 128 پر ''قومی مدافعت'' کے عنوان میں ''شرف صاحب'' نے شیخ صاحب کے خانزادوں کے

خلاف تحریر کردہ بے بنیاد اور حسد بھرے اعتراضات کے مدلل و مستند جوابات رقم کرتے ہوئے شیخ محمد مخدوم صاحب کا قرض چکایا اور خانزادہ نسل کے تعلیمیافتہ طبقے کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار ہٹایا۔

اپنی ہر ممکن کوشش کے باوجود بھی شیخ صاحب اپنی عداوتی تحریر کی چادر میں اس چاند کو نہ ڈھانپ سکے اس کی حقیقی ضو پر کشش کرنیں ان کی تحریر ہی کے ذریعے کہیں نہ کہیں سے بے تحاشہ پھوٹ پڑیں۔

غرض یہ کہ اخلاقاً نہ چاہتے ہوئے بھی خلاف طبیعت مجبوراً یہاں پر یہ تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ:۔

''ایسی تاریخیں جو کسی کی خوشامد یا اپنی ذاتی عداوت کی رو میں بہتے ہوئے حقائق پر پردہ ڈال کر تحریر کی جاتی ہیں وہ کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں بلکہ ایسی گمراہ کن تاریخیں ناقص و نا تمام ہوتی ہیں''۔

شیخ صاحب جیسے حاسد مورخین کی نسبت ''ابن خلدون'' کا حوالہ دیتے ہوئے مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد اول صفحہ 19 لغایت 22 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (جو مورخ کسی دوسری قوم کی تاریخ لکھتا ہے اور وہ اپنی کسی ذاتی عداوت کی وجہ سے یا نا اہلی سے تاریخ کو لغو و مہمل اور وہمیات سے بھر دیتا ہے اور بہت سی بے ہودہ باتیں اپنی طرف سے ملا دیتا ہے اور اکثر ضعیف اور اپنی بنائی ہوئی روایات داخل کر دیتا ہے لہٰذا مورخ کو چاہیے کہ جن باتوں کو سنے یا دیکھے یا تاریخوں سے نقل کرے اگر وہ تاریخی قواعد کی رو سے درست ہوں تو قبول کرے ورنہ رد کر دے)۔

''تاریخ کی تالیف کے وقت حقائق سے چشم پوشی کرنا مورخ کے شایان شان نہیں''۔

اس سلسلے میں ضیاء الدین برنی صاحب کی تاریخ ''فیروز شاہی'' مطبوعہ 1914ء۔ کا حوالہ دیتے ہوئے شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد اول صفحہ 8 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (اگر مورخ کو کسی عصر و عہد میں کسی بزرگ وغیرہ سے کوفتگی پہنچی ہو تو تاریخ کی تالیف کے وقت قہر پر اس کی نظر نہ ہو۔ بلکہ مورخ کو دیناً۔ ایماناً۔ اعتقاداً۔ اخلاقاً۔ مذہباً۔ راست و درست لکھنا منظور نظر ہونا چاہیے

اور قیامت کے روز جواب کا خوف اس کو ہونا چاہیے)۔

یہاں پر اس بات سے انحراف نہیں کہ اس زمانے میں حکومت کے خواہاں یا حکومت کے چھن جانے پر باہمت واہل شجاعت لوگ شیوۂ رہزنی۔ غارتگری وایذارسانی اختیار کرلیا کرتے۔ جس کو ہم باالفاظ دیگر اس وقت کی حکومت کے خلاف احتجاج یا بغاوت بھی کہہ سکتے ہیں۔ قحط وغیرہ کی صورت میں ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اور جو بھی لوگ ان لوگوں کی صف میں شامل ہوجاتے تھے وہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ حکومت کی جانب سے ان کی سزا موت ہے۔ اسی بنیاد پر یہ لوگ اپنے سرداروں کے ساتھ انتہا حد تک وفادار وجاں نثار ہوتے تھے۔ یہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود بھی نہایت بے جگری کے ساتھ لڑتے اور اپنے گردونواح کے علاقہ جات کو تاخت وتاراج بنا کر اپنی حکومت قائم کرلیا کرتے تھے۔ اس پیشے کو نہ صرف راجپوتوں نے اپنایا بلکہ خود امیر تیمور نے بھی ایسا ہی کیا تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ کہ اس قسم کے لوگ یا تو اپنی جان دیدیتے تھے یا اپنی منزل مقصود کو پالیا کرتے تھے۔ مذکورہ تحریر کی روشنی میں اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ اپنے جد۔ امجد راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) سے علاقہ بیانہ کی حکومت چھن جانے کے بعد ساتر پال (بہادر ناہر خان اور شوپر پال (چھجو خان) نے بھی یہی طریقہ کار اپنالیا ہو تب بھی پیشے کی بناء پر ان لوگوں کی سزائے موت کی دلیل سے اختلاف اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ:۔

☆"فیروز شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) نے عقوبت اور عذاب کی بجائے نرمی اور رحمدلی کو اپنا بنیادی اصول بنایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نہ کسی کی جان لیتا ہے اور نہ ہی کسی کی آبرو سے کھیلتا ہے۔ اس نے سخت و بے ہودہ اور ظالمانہ سزائیں سب کی سب ممنوع قرار دیں تھیں اور اپنے آقا محمد تغلق کی جانب سے قید کئے ہوئے تمام ہندوؤں کو بغیر مسلمان کئے انعام واکرام سے نواز کر انہیں آزاد کردیا تھا۔ بادشاہ کی اس نرمی ورحمدلی کی بناء پر ہندوستان دارالسلام بن گیا اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے"۔

بادشاہ کی نرم دلی سے متعلق جناب رشید اختر ندوی صاحب اپنی ''تاریخ مسلمان حکمران'' صفحہ 740، صفحہ 741 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(بلاشبہ فیروز شاہ تغلق کا یہ ایک امتیازی وصف ہے کہ اس نے نہ تو تخت کے حصول کے لئے خوں ریزی کی اور نہ ہی تخت پر بیٹھنے کے چالیس سال بعد تک سولہ مجرموں کے سوا کسی دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگے)۔

اسی قسم کے تاثرات مشہور مورخ شیخ ضیاء الدین برنی صاحب اپنی ''تاریخ فیروز شاہی'' میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆(چالیس سال کی مدت میں فیروز بادشاہ نیک بخت و مہربان نے نادہندامراء اور کارکنان کو بھی کبھی کوئی سزا نہ دی۔ انہوں نے جو سرکاری رقوم دبالیں ان پر انہیں رسوا کرنے کی بجائے ان سے مروت برتی اور روز روز انہیں مہلت عطا کرتا رہا۔ اگر کسی پر ایک لاکھ روپیہ واجب الادا تھا اور اس نے دس ہزار لا دیئے تو اسی پر قناعت کر لی اور دیوان وزارت کو حکم دیا کہ اس کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی کاروائی نہ کی جائے)۔

فیروز شاہ بادشاہ کے مذکورہ صبر و تحمل پر نظر رکھتے ہوئے اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بادشاہ نے اسلام کی ترغیب و اشاعت کے لئے زبردستی کے عمل کی بجائے نرمی و رحمدلی کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ اس قسم کے تاثرات فیروز بادشاہ کی اپنی ''تاریخ فتوحات فیروز شاہی'' میں بھی پائے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تاریخی دلائل کی روشنی میں نمایاں طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ۔

''بادشاہ نے سانپر پال اور شوپر پال کے خلاف ایسا کوئی وعدہ معافی اشتہار جاری نہیں کیا تھا''۔ اس لئے یہاں پر مولوی نجم الغنی صاحب کے اپنی ''تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند'' میں سانپر پال اور شوپر پال کے قبول اسلام سے متضاد بیان کہ ''ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رغبت دلی

سے اسلام میں داخل ہوئے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ غارتگری کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہو کر جاں بری ہوئے تھے"۔ محبوب علی دیگر اور مولوی صاحب کے مذکورہ دوسرے غیر مستند قول کی یہاں پر نفی کی جاتی ہے۔

لیکن ممکن ہے معترضین میری مذکورہ بحث پر اکتفانہ کریں اور ابہام باقی رہ جائے اس لئے اب ہم اس پہاڑی جنگل کی جانب چلتے ہیں جہاں پر شیر کا شکار ہو رہا ہے۔ متضاد رائے رکھنے والوں کو اپنی رائے سے متفق کرنے کی غرض سے ان سے میں یہاں پر یہ سوال کرتا ہوں کہ (سزائے موت کے مستحق ایک اشتہاری ملزم اور بادشاہ کا اس قدر قریب تر ہونا کیا ممکن سی بات ہے۔؟ بس یہاں پر ان دونوں کا قریب ہونا دانشمندانہ سوچ کی کھلی دلیل ہے ان دونوں کے رفقاء کار کے مابین کسی بھی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ جس کے باعث یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کی جانب سے اس (سانپر پال) کے خلاف کسی بھی قسم کا کوئی اشتہار معافی وغیرہ جاری نہیں ہوا تھا۔ بالفرض کوئی ایسا اشتہار جاری ہوا ہوتا تو اس صورت میں اس کے اسلام قبول کرنے پر اس کی مجبوری جاں بخشی کے پیش نظر اس کا سسر ٹھاکر جھاموں سنگھ معہ بیٹوں کے اس جانی دشمن نہ بنتا۔

اور نہ ہی یہ (بہادر ناہر خان) اپنے چچازاد بھائی بیجل کو مسلمان ہونے کی ہدایت کرتا جو اس ناہر میواتی کے مسلمان ہونے کے ایک عرصے بعد ناہر خان کی ہدایت پر مسلمان ہوا تھا۔ غرض یہ کہ ناہر خان معہ اہل وعیال برضا ور غبت دلی مشرف با اسلام ہوا تھا۔ ورنہ بصورت دیگر شیر کے شکار میں بادشاہ کی جان بچانے کے صلے میں ناہر خان انعام واکرام پانے کے بجائے بادشاہ سے اپنی سزا کی معافی کا اعلان کراتا بھلا تختہ دار پر کھڑے ہوئے انسان کو بھاری انعام واکرام وغیرہ (جو نام ونشان کی تصدیق کے بعد دیا جاتا ہے) سے کیا فائدہ۔؟

اس کے علاوہ سانپر پال کو بندوق کا بانی کار بتانے اور بندوق سے شیر کا شکار کر دکھانے والی "شیخ

صاحب'' کی ''تاریخ مرقع الور'' مطبوعہ 1889ء کی تحریر سے اختلاف اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ بندوق تو ہندوستان میں سب سے پہلے 1526ء۔ میں بابر بادشاہ کے ہاتھ میں دیکھی گئی تھی جو اس سانپر پال (بہادر ناہر خان) کے پونے دوسو سال بعد ہندوستان میں آیا تھا۔ اس بابر سے پہلے دنیا میں کہیں بھی بندوق کا وجود نہ تھا۔

☆اس سلسلے کی تفصیل (بہادر ناہر خان کے داخل اسلام پر مورخین کی آراء) کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

تمام تر تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں سانپر پال کے قبول اسلام سے متعلق نمایاں طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ:۔

☆(757ھ۔1355ء۔1411 بکرمی میں شہر'' حصار فیروزہ'' کے پہاڑی سلسلے کے قریب شکار کے موقع پر فیروز شاہ بادشاہ کے اپنے محافظین و امراء کے علاوہ تماشبین لوگوں کا ایک خاصا مجمع ہوگیا تھا جس میں یہیں کہیں آس پاس سے آکر سانپر پال بھی شامل ہوا۔ اور شوق سلطانی کا نظارہ کرنے لگا۔

بادشاہ نے شیر کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا تیر کمان سے نکلا نشانہ خطا ہوا یا بقول بعض کاری زخم نہ لگا شیر سلطان کی طرف لپکا سلطان خوفزدہ ہوا محافظین کے ہوش اڑے مجمع حواس باختہ ہوا لیکن نہایت ہوشمندی کے ساتھ سانپر پال اس رنگ اڑے مجمع سے نکلا اور دوڑ کر بجلی کی طرح درمیان میں آیا شیر بادشاہ تک پہنچتا۔ اس سے پہلے سانپر پال نے بڑھ کر تلوار سے شیر پر ایک ایسی کاری ضرب ماری جس سے شیر دو ٹکڑے ہوکر بادشاہ کے قریب آن گرا۔

اس موقع پر عالم حیرانی کے حصار میں محصور پشیمان محافظین کے دل کی دھڑکنیں لوٹ کر واپس اپنے معمول پر آنے لگیں ادھر سانپ سونگھے دم بخود مجمع میں جان پڑی سانس لیا۔ سناٹا کھسکا۔ سکتہ ٹوٹا ہلچل مچی اور پھر واہ۔ واہ کی صداؤں میں خوشی کی لہر دوڑنے لگی۔

بادشاہ بھی اس پھرتی قادر اندازی وحوصلہ مندی سے بے حد متاثر ہوا اور اپنی جان بچ جانے کی خوشی میں بادشاہ نے سانپر پال کو قیمتی خلعت فاخرہ اور ایک سو مواضعات پر مشتمل قصبہ نوح کی ایک بہت بڑی جاگیر بطور انعام عطا فرمائی اور "بہادر ناہر" کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور شکار کے وقت اسے اپنے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔اور پھر اس کی بہادری کی داد دیتے اور شفقت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بادشاہ نے حسرت آمیز لہجے میں کہا:۔("☆کاش!تم مسلمان ہوتے۔☆")

مذکورہ قدر دانی ۔اخلاق انسانی۔اور کردار مسلمانی کے علاوہ بادشاہ کی دلی خواہش کی عکاسی کرتے ہوئے مذکورہ چار الفاظ سانپر پال کے زنگ آلود دل پر ایمانی کرن کی شعائیں چھوڑ گئے۔

گھر پہنچ کر سانپر پال نے اپنے بھائی شوپر پال اور اہل خانہ کو واقعۂ شکار کی روداد سناتے ہوئے جب بادشاہ کی دلی خواہش کا اظہار کیا تو وہ سب بغیر کسی حیل وحجت کے بخوشی مسلمان ہونے پر تیار ہوئے ۔جس کے بعد ان کے درمیان قبولیت اسلام کے لئے ہفتے کا دن طے پایا۔

سانپر پال اپنے بھائی اور اہل وعیال سمیت طے شدہ روز دربار فیروز میں شرف باریاب ہوا اور یہاں بادشاہ کے پیر مرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھوں اپنے بھائی اور اہل وعیال سمیت مشرف بااسلام ہو کر ان کے مریدان خاص میں شامل ہوا۔اس پر مسرت موقع پر بادشاہ نے خوش ہو کر ان دونوں بھائیوں کو "خان" کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا شوپر پال کا اسلامی نام ۔چھجو خان رکھا گیا جو لاولد فوت ہوا اور سانپر پال کا اسلامی نام خطاب ولقب والا "بہادر ناہر خان" ہی تجویز پایا۔☆بہادر ناہر خان کے لقب "خان" کی نسبت اس سے پیدا ہونے والی نسل "خانزادہ" کہلائی۔

بہادر ناہر خان کے مشرف بااسلام ہونے کے کم وبیش ایک دو ماہ بعد اس کے مرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی 757ھ۔1356ء۔1412 بکرمی میں وفات پا گئے۔

ان کی وفات سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی (تاریخ پاک و ہند) ''کیبر اسٹریٹ اردو بازار لاہور'' صفحہ 413 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(سلطان فیروز شاہ ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا انہوں نے 1356ء میں وفات پائی ان کے ملفوظات پر مشتمل کتاب کا نام ''خیر المجالس'' ہے)۔

☆☆

ممتا کا انتقام
ناہر حکومت کا قیام
1372ء-1402ء

فقط اس آسرے پر رات کاٹی شمع نے روکر
کہ شاید صبح تک زندہ میرا پروانہ ہوجائے

757ھ 1355ء میں سانپر پال نے اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے بپھرے ہوئے حملہ آور شیر کے دو ٹکڑے کر کے بادشاہ دہلی کی جان بچائی تھی۔ جس کے صلے میں فیروز شاہ بادشاہ نے اس سانپر پال کو علاقہ میوات کے ضلع گوڑ گانواں کی تحصیل نوح میں ایک سو مواضعات پر مشتمل جاگیر ایک خلعت فاخرہ اور ''بہادر ناہر'' کا خطاب عطا فرمایا۔ اس مرحمت شاہی اور اخلاق مسلمانی سے متاثر ہو کر یہ مسلمان ہونے پر تیار ہوا۔ جس پر بادشاہ کے پیر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اسے اپنے ہاتھوں مشرف با اسلام فرمایا۔ داخل اسلام ہونے کی خوشی کے موقع پر اس (سانپر پال) نے بادشاہ کی جانب سے ''خان'' کا لقب اور خطاب والا نام (بہادر ناہر خان) تجویز پایا۔ جس کے بعد اسی فیروز شاہ تغلق کی خواہش کے تحت شکار کے وقت اس کا بادشاہ کے ساتھ رہنا ضروری ہوا۔ جس کے باعث اس بہادر ناہر خان کا زیادہ تر وقت دربار فیروز شاہی میں گذرنے لگا۔

قربت شاہی میں آکر بہادر ناہر خان کی خداداد صلاحیتوں کے جوہر تیزی کے ساتھ دربار فیروز پر آشکا

ہونے لگے۔اور پھر جلد ہی اس کی ذہانت ہمت وخلوص کا اثر دربار فیروز شاہی کی بنیادوں میں جا کر جم گیا۔اس کے خلوص حوصلے اور وفاداری سے متاثر ہو کر فیروز شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) نے اسے اپنے بااعتماد امراء و کبار میں شامل کرلیا۔اوراس کی ہر بات اور تمام تر تجاویز دربار فیروز میں ایک خاص اور پائیدار اہمیت رکھنے لگی۔جس کے بعد یہ (بہادر ناہر خان) دربار فیروز تغلق کی مانی ہوئی ایک اہم اور زبردست شخصیت بن کر ہندوستان میں مقبول عام ہوا۔

اس کی مذکورہ شخصیت کے اعتراف میں مسٹرسی۔اے۔ہیکٹ (سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی انگلش تاریخ گزیٹر الور صفحہ 170 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ شرف صاحب نے اپنی تاریخ مرقع میوات کے صفحہ 236، پراس طرح بیان کیا ہے۔

''(فیروز شاہ تغلق کی وفات یعنی 1388ء کے بعد''بہادر ناہر خان میواتی''(جس کا ہندوانی نام سانپر پال تھا۔)ایک شخص ملتا ہے۔جس کا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے اس''بہادر ناہر'' کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی یہ بہادر ناہر پیدائشی جادو بنسی قوم کا تھا جو خان زادوں کا مورث اعلےٰ ہوا ہے اس کی سلطنت کی تاریخ بعد میں مشہور ہوگئی تھی۔'')

اس ناہر میواتی کے زمانے میں پورے علاقہ میوات پر پھیلی ہوئی چوہان راجپوت قوم کی شاخ ''نکوم'' ملک میوات پر 670ھ 1271ء 1327 بکرمی سے باقاعدہ حکومت کررہی تھی۔جن کے مظالم کی دردناک ومشہور داستانیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئیں تھیں 770ھ 1368ء 1424 بکرمی میں اس نکوم قوم کی صد سالہ حکومت کے خاتمے کا سبب بن کررونما ہونے والی ان کے ظلم سے متعلق ایک مشہور روایت جو مسٹرسی۔اے۔ہیکٹ کی انگلش تاریخ ''گزیٹر الور''شرف صاحب کی تاریخ مرقع میوات اور دیگر اردو، فارسی تاریخوں میں جابجا پائی جاتی ہے ان سب کا متن اس طرح ہے کہ:

(یہ نکوم قوم کے لو V قلعہ الور میں موجود ''دُرگا دیوی کی مورت'' کی پرستش کیا کرتے تھے اور اس دیوی مورت پر یہ لوگ اپنا اندھا اعتقاد رکھتے تھے اپنی اس مورتی کی خوشنودی کی خاطر یہ لوگ روزانہ کسی نہ کسی ادنیٰ (نیچ) قوم کے نوجوان کو اس دُرگا دیوی کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اس سلسلے میں ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ایسا کرنے سے دیوی مورت خوش ہوگی۔ جس کی بناء پر یہ لوگ ہر آفات سے محفوظ رہیں گے اور ان کی حکومت کو استحکام ملے گا۔ اور خوشحالی و فارغ البالی ہمیشہ ان کے قدم چومتی رہے گی۔ ایک روز یہ ظالم نکوم سردار اس بے یار و مددگار بیوہ ڈومنی کے اکلوتے نوجوان بیٹے کو بھی اس دیوی مورت کی بھینٹ چڑھانے کے لئے پکڑ لائے جو قلعے کی صفائی وغیرہ کے علاوہ درگا دیوی کی پرستش کے وقت بھجن گایا کرتی تھی۔)

''(یاد رہے کہ مذکورہ درگا دیوی کی مورت آج بھی ہندوستان کے ''قلعہ الور'' میں موجود پائی جاتی ہے جس کے لئے ریاست کی جانب سے پہلے کی طرح آج بھی مقررہ سالانہ اخراجات بدستور دیئے جاتے ہیں۔''

''(یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تاریخوں میں زیادہ تر ''درگا دیوی'' پر روزانہ بھینٹ چڑھائے جانے کا ذکر پایا جاتا ہے جبکہ ہندوانہ رسم و رواج کے پیش نظر سال میں صرف ایک مرتبہ کسی خاص تہوار کے موقع پر درگا دیوی پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔'')

ان نکوم سرداروں کے نرغے میں جب اس ڈومنی نے اپنے لخت جگر کو درگا دیوی کے قریب کھڑا پایا تو کلیجہ اچھل کر اس کے منہ میں آیا۔ منہ ماتھا پیٹتی اور چیختی چلاتی ہوئی بھاگ کر یہ اپنے بیٹے کے گلے سے جا لپٹی بیٹا بھی ممتا کو پا کر پکار پکار کر دہائی دینے لگا۔ ان دونوں ماں بیٹوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھایا جب ان دونوں کی چیخ و پکار سے پورا قلعہ گونجنے لگا تو ایک نکوم سردار نے بڑھ کر اپنے بیٹے سے لپٹی ہوئی ڈومنی کے بال پکڑے اور اسے کھینچ بیٹے کے گلے سے الگ ہٹایا۔ جس کے بعد ڈومنی نے وہاں پر موجود تمام سرداروں کے

پیروں میں اپنا دوپٹہ ڈالنا شروع کیا۔ اوران کے آگے ہاتھ جوڑ کر انہیں دیوی مورت کا واسطہ دیتے ہوئے اس نے ان سب سرداران قوم نکوم کے سامنے اپنی جھولی پھیلائی اور پھر روتے ہوئے یہ ایک ایک سردار سے اپنے اکلوتے بیٹے کا جیون دان مانگنے لگی۔ لیکن ہر سردار نے دھکا مکا دے کر اسے اپنے سے دور ہٹایا۔ غرض یہ کہ ڈومنی کی سابقہ خدمات اوراس کی بے بسی پر کسی بھی سردار کو رحم نہ آیا۔

ایک طرف تو دیوی مورت کے پیچھے "ہونی" اپنے خوفناک پر پھیلائے اس ڈومنی کے نوجوان بیٹے پر تاک جمائے ہوئے نہایت محتاط انداز میں اس کی بقیہ زندگی کے سانس گننے میں مصروف تھی۔ جبکہ دوسری جانب "جب تک سانس تب تک آس" کے تحت ہول کھائی ممتا تڑپتی پھڑکتی ہوئی جلدی جلدی اپنی ہر ممکن تدبیر کے جال بچھاتے ہوئے اپنے بیٹے کی جان بچانے کی فکر میں سرداران قوم نکوم کے پیروں تلے فٹ بال بنی ہوئی تھی۔

جب اس دکھیاری بیوہ کی منت وسماجت اور تمام تر آہ وزاریاں بے سود ثابت ہوئیں تو اس بے یار ومددگار بیوہ کے آس پاس مایوسی کے سائے منڈلانے لگے۔ جب اسے اپنی تقدیر کے تمام دروازے بند نظر آئے تو یہ روتے پیٹتے ایک بار پھر سرداران قوم کے قدموں میں گری اور اپنی آخری کوشش میں یہ ان سے اپنے بیٹے کی جان کے بدلے اپنی جان کی پیشکش کرنے لگی۔ لیکن اس نقار خانے میں طوطی کی آواز سننے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

طاقتور اور بے بس وکمزور مظلوم کے درمیان مصلحت کی ناکام کوشش کے اس دلخراش سے پر ایک شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

موت کی ضد کہ ٹلوں تو جان لے کے ٹلوں

سر بسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

غرض یہ کہ ماہئی بے آب کی مانند تڑپتے ہوئے اس ڈومنی نے سرداران قوم کے سامنے اپنی آہ وزاری منت سماجت اور عاجزی وخوشامد کی انتہا کر دی اس کے باوجود بھی قزاق اجل نے ملک عدم سے لائی ہوئی ڈولی اس بے بس بیوہ کے اکلوتے بیٹے کے سامنے ڈال دی اس وقت الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا کے تحت ''ہونی'' نے اپنا سر اٹھایا اور پھر یہ ''ہونی'' تقدیر کا روپ دھار کر اپنا وار کرنے میں کامیاب ہوئی اور قذاق اجل اس کے بیٹے کی روح کو اپنے کاندھوں پر ڈال کر ملک عدم کی جانب روانہ ہوا۔ اس وقت تدبیر ہار کر روتی پیٹتی تڑپتی اور اپنے چہرے پر خاک ملتی ہوئی نہایت بے بسی کے عالم میں اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔ ماں نے جب بیٹے کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو دل بیٹھا ٹانگیں لرزیں آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا سر چکرایا اور پھر اس پر غشی کا دورہ طاری ہوا یہ زمین پر گری اسی حالت میں نکوم سرداروں نے اس بے ہوش ڈومنی کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور دیوی مورت کے کمرے سے اسے نکال باہر کیا۔

دیکھا گیا ہے کہ: (''غروب آفتاب کے وقت سایہ اپنے قد سے زیادہ طویل نظر آتا ہے۔ جو کچھ زیادہ دیر پا نہیں ہوتا)''۔

یا یوں سمجھئے کہ: ''(پہاڑ کی بلندی پر نمودار ہونے والے پھول کو دیکھ کر وہاں کی پسگردائی کے رہائش پذیر لوگ اس علاقے کو چھوڑ کر محفوظ مقامات کی جانب چلے جاتے ہیں۔ ''چونکہ پہاڑ کے اوپر بلندی پر اگا ہوا یہ بڑا پھول اپنے نیچے لئے ہوئے ''آتش فشاں'' کی علامت ہوتا ہے۔'')

بالکل اسی طرح اونیٰ (نیچ) ذات کے لوگوں کے اترے ہوئے افسردہ چہرے اور مذکورہ نکوم سرداروں کے مظالم اپنی انتہا پر پہنچ کر اپنے اقتدار کے خاتمے کی نشاندہی کرنے لگے تھے۔

رنج والم کی پگڈنڈی پر بہتے ہوئے وقت کے بے رحم دھارے نے ڈومنی کے چمکدار وسیاہ بالوں میں سفیدی چھڑکنا شروع کر دی۔ اس کے نرم و نازک ہونٹوں پر پپڑی جم گئی اور مسلسل بہتے ہوئے اشکوں نے

اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ڈال دیئے۔ بیٹے کی اس ناگہانی موت کے غم نے دیمک بن کر اس کے گداز جسم کو چاٹنا شروع کر دیا۔ اندھیری رات میں قلعے کا ہولناک سناٹا اسے کھانے لگا۔ جبکہ دوسری طرف پورا میوات اسے سنسان و ویران نظر آنے لگا۔ بیٹے کی یاد میں یہ گھٹنوں میں سر دیے کر آہیں بھرتی سسک سسک کر روتی اور کچھ دیر رونے کے بعد خود ہی چپ ہو جاتی۔ یہ ڈومنی جو اس بھری دنیا میں بالکل بے سہارا ہو کر رہ گئی تھی اپنے لئے موت کی دعائیں مانگنے لگی۔ اس کے قرب و جوار میں اس کا کوئی برائے نام بھی ایسا ہمدرد نہ تھا جو اس بپتا کی ماری اور زمانے کی ستائی ہوئی بیوہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتا۔ اس بے حس دنیا میں جب ڈومنی نے اپنے آپ کو بالکل تنہا پایا اور اپنے چاروں طرف اجاڑ کے سوا اسے اپنا کوئی بھی غمگسار نظر نہ آیا تو اسے اس وقت اپنا ماضی اور ہمدرد و پر خلوص پری وار یاد آیا۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی اور اس بار پھر ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے منہ ڈھانپ کر رونا شروع کر دیا۔

ایک زمانہ تھا کہ ریاست الور کے کسی گاؤں میں مقیم غم کی ماری اس ڈومنی کا گھر بھی خوشیوں کا گہوارہ تھا۔

اپنے جیون کے بیتے ہوئے وہ سہانے دن اسے یاد آئے جب روزانہ شام ڈھلے اس کے پری وار کے افراد اور دیگر عزیز و اقارب ایک ہی جگہ جمع ہو کر راگ و رنگ کی محفل جماتے تھے۔ بعض اوقات تو رات گئے تک قصے کہانیوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ جب کبھی گاؤں بستی سے کسی بچے کی پیدائش، سالگرہ، شادی و منگنی یا کسی دیگر تقریبات وغیرہ کے موقع پر اس ڈومنی کے گھرانے کو بلاوا آتا تو ان لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا وہ دن تیاری بناؤ سنگھار اور ملے ہوئے وقت کے انتظار کی بے چینی و خوشی میں گذرتا تھا۔

اس ڈومنی کی خوشیوں اور بے فکری فرصت کے وہ سہانے دن خواب ہوئے جب یہ ساون کے مہینے

میں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ مل کر جھولا جھولتے ہوئے ساون کے گیت گایا کرتی تھی۔اور والدین کے منع کرنے کے باوجود بھی یہ بارش میں نہاتی اور بارش کے گندے پانی میں کھیلتے کودتے ہوئے مٹی کے گھروندے بناتی اور بنا کر مٹاتی تھی۔اس کے علاوہ کٹی ہوئی پتنگ کو لوٹنے کے لئے شور مچاتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگنا۔اور چور سپاہی کے کھیل میں درختوں پر چڑھنا اور کودنا اس کی فطرت کے خاص مشاغل میں شامل تھا۔

اس ڈومنی کی ضدی طبیعت ہونے کے باوجود بھی چھوٹی ہونے کے ناطے ماں باپ، بہن بھائی سب ہی اس پر جان چھڑکتے اور اس کی معمولی سی تکلیف پر سب کے سب تڑپ اٹھتے تھے۔

کھیل کود کے جیون سے گذرتی ہوئی جب یہ ڈومنی سن بلوغت کی منزل پر پہنچی تو اسے رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا۔

زندگی کے اس نئے و حسین موڑ پر اس کے ہمدرد خوش مزاج جیون ساتھی کی محبت و چاہت نے اس ڈومنی کے جیون میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔جس کے بعد اس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات کی مانند گذرنے لگی۔

شادی کے کچھ سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت مند بیٹے سے نوازا بیٹے کو پا کر ڈومنی کے انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی۔وہ اس بچے کو گود میں لئے لوریاں سناتی دن بھر کھلکھلاتی اور کچھ گنگناتی ہی رہتی تھی۔بیوی کی دیرینہ تمنا کی تکمیل یعنی بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کے شوہر کے پیر بھی خوشی سے زمین پر نہ ٹکتے تھے۔غرض یہ کہ اس بچے کی پیدائش نے پورے گھرانے کے ماحول کو پر مسرت و پر رونق بنایا ہوا تھا۔

ابھی یہ بچہ بمشکل پیر ہی چلنے پایا تھا کہ یہ ہنسی خوشی و بے فکری کے دن اس ڈومنی کی قسمت کو راس نہ آئے۔زمانے کی نظر لگی یا تقدیر کی بساط الٹی خوشیوں نے اس سے منہ موڑا اور اسے رنج والم نے آن گھیرا اور سال چھ مہینے کے وقفے وقفے سے اس کے خاندان کا ایک ایک فرد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے زندگی کے سفر

میں اس سے بچھڑ گیا۔

بات بات پر قہقہہ لگانے والی ڈومنی اپنے خاندان کے ہر فرد کی موت پر اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ یہ اپنی باقی ماندہ زندگی کے حصے میں ہنسنا بھول گئی۔اس کا ہنستا کھیلتا گھر ایک ماتم کدہ بن کر رہ گیا۔شوہر کی ہزار ہا تسلیاں دینے کے باوجود بھی ڈومنی کی آنکھ کے آنسو نہ ٹوٹے اپنی پیاری وغم کی ماری بیوی کو دن رات روتے ہوئے دیکھ کر اس کا کمزور و بے بس شوہر بھی رنجیدہ سا رہنے لگا۔اور پھر یہ دن بہ دن کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا اس کی بگڑتی ہوئی صحت کے پیش نظر اسے خوش کرنے کی خاطر ڈومنی دل پر زور دے کر کبھی کبھار ہنستی اور مسکراتی مگر

گو لاکھ لبوں پہ ہو تبسم لیکن
درد پھر درد ہے چہرے سے عیاں ہوتا ہے

اس کی بھیگی ہوئی پلکیں اس کے چھپ چھپ کر رونے کی غمازی کیا کرتی تھیں اشکبار ڈومنی کی حالت زار کو مسلسل دیکھتے ہوئے اس کے بیمار شوہر کی قوت مدافعت بھی جواب دے گئی۔اور یہ اپنی چہیتی بیوی کے شدت غم کو اپنے دل سے لگا کر جلد ہی چار پائی سے جالگا۔اسے رات بھر کھانستے اور جاگتے ہوئے دیکھ کر ڈومنی گھبرائی اور اس کی ہر ممکن خدمت تدابیر تعویز گنڈے علاج معالجے اور جھاڑا پھونکی کے ساتھ ساتھ تسلیاں دیتے ہوئے اس نے اپنے شوہر کی زندگی اور اس کی خوشی کی خاطر اس سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بچھڑے ہوئے پری وار کو بھول کر آئندہ ہمیشہ خوش وخرم رہے گی۔چونکہ اب ڈومنی کے پاس اس کے سوا اور کوئی بھی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنے دکھ درد میں بیتے ہوئے دنوں کو ''پانی کے قطرے پر منہ بولتی خوشنما تصویر بنانے والے مصور کی رضا جان کر فراموش کردے''بس اسی نظریے کے تحت یہ ڈومنی اپنے پیاروں کی یادوں کے نقوش اپنے ذہن سے مٹانے لگی ابھی یہ اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب بھی نہ ہو پائی تھی اور عرصہ بھی کوئی

چھ سات سال سے کچھ زیادہ نہ گذرا تھا کہ اس کے جیون پر ایک اور بجلی کوندی۔ اس وقت اس پر غم کا بہت ہی بڑا پہاڑ ٹوٹ پڑا جب اس کا یہ ہمدرد وغمگسار جیون ساتھی اسے داغ مفارقت دے کر اسے دنیا کی ٹھوکروں میں تنہا روتے ہوئے چھوڑ کر ملک عدم کی جانب روانہ ہوا۔

اس بار پھر منہ ماتھا پیٹتی ہوئی یہ ڈومنی رنج والم کی تاریک وادی میں ڈوب گئی۔ شوہر کی موت نے اسے زندگی کی اس شکستہ و ناپائیدار دیوار پر لا کھڑا کیا۔ جہاں پر اس کی زندگی ''مفلس کی جوانی اور جاڑے کی چاندنی کی مانند گذرنے لگی۔

بھائی مرے بل گھٹے پتا مرے پت جائے
بھیڑ لگے مندر میں اس دم جب ماتا مرجائے

غرض یہ کہ بھائی بہن ماتا پتا شوہر اور دیگر عزیز واقارب اس ڈومنی کو روتا ہوا چھوڑ کر جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو رو رو کر یہ حال سے بے حال ہوئی اور اس نے دنیا میں اپنے آپ کو بالکل تنہا پایا۔ پورے میوات میں جب اسے اپنا کوئی بھی غمگسار نظر نہ آیا تو اس نے اپنے کمسن بیٹے کو صبر کی ڈھال بنایا اور اسے اپنا کل سرمایہ حیات جان کر اس کی پرورش کو اپنا مقصد حیات بنایا اور پھر اپنے تمام رنج والم پس پشت ڈالتے ہوئے یہ ڈومنی اپنے بچے کا ہاتھ تھام کر پیٹ کے جہنم کی آگ بجھانے کی خاطر نہایت حوصلے کے ساتھ ایک بار پھر یہ دنیا کے پر رونق میلے کے جھمگٹے میں اتر گئی۔ پہلے پہل تو یہ آس پاس کی گاؤں بستی میں محنت مزدوری اور مانگ تانگ کر گذارہ کرتی رہی لیکن کچھ عرصے بعد اس نے اپنی زندگی قلعہ الور سے منسوب کردی۔ قلعہ الور کی کبھی کبھار تھوڑی بہت صفائی کے علاوہ قلعہ الور میں موجود ''درگا دیوی'' کی پوجا کے وقت بھجن گاتی اس موقع پر نکوم سرداروں سے انعام واکرام پاتی اور قلعے میں ملنے والی روٹی ٹکڑا کھا کر اپنا گذارہ کرنے لگی۔ غرضیکہ یہاں پہنچ کر اس نے کچھ نہ کچھ اطمینان کا سانس لیا کہتے ہیں کہ وقت بھی ایک بڑا حکیم ہے۔ اس گذرتے ہوئے

وقت نے مرہم بن کر ڈومنی کے دل کے زخموں کو چند ہی سالوں میں مندمل کر دیا اور پھر یہ جیون کی راہ میں بچھڑے ہوئے اپنے پیاروں کو بھول کر اپنی دنیا میں مگن ہوگئی۔ جب بیٹا دکھ سکھ کی سننے کے قابل ہوا تو اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اداسی اداس ہو کر اپنے ڈیرے سمیٹنے لگی۔ جس کے بعد اس کے دل میں جینے کی امنگ بیدار ہو کر وجد کرنے اور گنگنانے لگی۔ بیٹے کو جوانی کی دہلیز پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی اجڑی اور ویران دنیا ایک بار پھر نئے سرے سے آباد ہونے لگی۔ اور اپنے بیٹے کے رشتے کے بارے میں سوچنے لگی۔ اور پھر یہ رات تو رات دن میں بھی اپنے پوتوں کو کھلانے اور نہلانے دھلانے کے خواب دیکھنے لگی۔

دکھیاری غم کی ماری اس بے خبر ناری کو کیا خبر کہ: ''جہاں یہ پر سمیٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے اور پھر کاتب تقدیر کے سوا نصیبوں کا لکھا۔ کس نے جانا۔ ابھی اس کا بیٹا جوانی کی دہلیز پوری طرح پار بھی نہ کر پایا تھا کہ اس بار گردشِ تقدیر نے پھر پلٹا کھایا اور اس کا یہ نوجوان بیٹا ان ظالم تکوم سرداروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس مجبور و بے بس ڈومنی کے ساتھ تقدیر نے اس بار اپنا یہ آخری کھیل کچھ اس بیدردو سفاکانہ انداز میں کھیلا کہ اس کی دنیا بالکل اجڑ کر رہ گئی۔ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہمت جواب دے گئی اور یہ مکمل طور پر حوصلہ ہار بیٹھی اور اپنے لئے موت کی دعائیں مانگنے لگی۔ اس بھری دنیا میں جب اس حواس باختہ ڈومنی نے خود کو بالکل تنہا پایا اور اسے جب اپنا کوئی ہمدرد نظر نہ آیا تو یہ اپنے بیٹے کی ناگہانی موت پر قلعہ الور کے در و دیوار سے لپٹ کر اور پھوٹ پھوٹ کر اس قدر روئی کہ اس کی آواز بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بقول ناصر۔

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

تحفظ ذات کے محور پر اپنے مفاد کے گرد گھومتی ہوئی اس پر فریب ورنگین دنیا کے مفاد پرست وبے حس سماج میں نت نئے جنم لینے والے مظالم کے گرداب میں گھری ہوئی پتا کی ماری یہ ڈومنی اکیلی ہی نہیں بلکہ جیون کے ہر موڑ ہر دور میں مرد حضرات کی اکثریت نت نئے انداز لئے ہمیشہ حوا کی اس کمزور و معصوم بیٹی کی تذلیل ورسوائی پر کمربستہ رہی ہے۔ حقائق زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے والے غیر ذمہ دار لوگ تو اس نازک ونفیس دیوی سے دن بھر محنت ومشقت کا کام لیتے ہوئے اسے مارنا پیٹنا ہی شیوہ مردانگی جان کر اپنی خودنمائی وبالادستی بیان کرنے میں کوئی بھی عار محسوس نہیں کرتے احساس کمتری ونفسیاتی امراض میں مبتلا لوگ اپنے خاندان کی اس بنیاد کو اپنے پیر کی جوتی اور اپنی باندی جان کر ہمیشہ اسے ہی موردالزام ٹھہراتے ہیں اور اپنی انا کی تسکین پاتے ہیں۔

انبیاء کرام صوفیا کرام علماء شہداء وشرفاء اور اس دنیا کی دیگر ممتاز شخصیات کو جنم دینے والی شفقت ومحبت سے مزین اس خاتون کے مقام عظمت کو قدرت کی نعمتوں کے منحرف لوگ کیا جانیں؟ انہیں کیا معلوم کہ: قدرت کی عطا کردہ نعمتوں میں ''عورت'' سرفہرست وہ انمول نعمت ہے جس نے اپنے نازک رخساروں پر چھلکتے ہوئے سفید وسرخی مائل رنگ کے دلنشیں عرق سے جنت کے پھیکے حسن کی آبیاری کر کے اسے خوشنما اور جاذب نظر بنایا۔ اور پھر زیور شرم وحیا سے آراستہ اس شہزادی نے اپنے مچلتے ہوئے شباب اور مقناطیسی حسن کی خوبصورتی کے چار چاند لگا کر اس سنسان وپراسرار جنت کو پررونق وپرکشش بنا کر اسے خوب سے خوب تر کے مقام تک پہنچایا۔

اس کے بعد اس ماہ جبیں نے اس پر بہار جنت کے خاموش ماحول میں اپنے حسن کے سہانے ومن پسند قوس وقزح جیسے رنگین رنگ بکھیرتے ہوئے۔ وہاں کے خوشگوار موسم کی برستی ہوئی شبنم کی لطیف ہواؤں میں آدم کے قریب تر ہوتے ہوئے اس نے اپنی غزالی وسحر انگیز آنکھوں میں پیار کے بیش قیمت موتیوں کے

بہتے دریا کو سمو کر اپنے محبت بھرے دھڑکتے دل کی دھیمی دھن اور گلاب کی پتی سے مشابہہ اپنے نرم نازک وسرخ لبوں کی تان پر مسکراتے ہوئے اس نے چاہت ومحبت کے روح پرور ساز اور اپنی شیریں گفتاری کی لے پر نہایت ہی میٹھے انداز میں پیار کا پر سرور و پر کیف ایسا سنگیت چھیڑا جو آدم کی رگ رگ میں سرایت کرتے ہوئے اس کی روح کے لئے راحت اور دل کے لئے چین وتسکین کا باعث بنا جس کے بعد آدم مسرتوں کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے وجد میں آ کر جھومنے لگا۔

اس سے عرق گلاب میں نہائی ہوئی اس خوبصورت وخوب سیرت لاجونتی نے آدم کو اپنی دل نشین خوشبو سے مہکتی ہوئی نرم و نازک بازو پر سکون آغوش میں لیا۔ اور اس کے سر کے بالوں میں اپنی خوبصورت ومخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے جب اسے لذت عشق ومحبت کی تڑپ سے روشناس کرایا تو (آدم) اس نازنین کی ناز وادا کی گرفت میں آیا اور پھر اس کے گیسوئے دراز کا گرویدہ ہو کر یہ اس صنف نازک کی نشیلی ومقناطیسی آنکھوں کے پراسرار بھنور میں ڈوب گیا۔ اور دل میں بسی اس روپ متی کی خاطر ہر ملنے والے غم کو اپنانے کا تہیہ کرتے ہوئے یہ کیف وسرور کی مستی میں مدہوش ہو کر عالم بے خودی میں اس قدر بے خوف ہوا کہ اپنے انجام کی پرواہ کئے بغیر اپنی مشیر کی خوشی کی خاطر اس کے مشورے پر عمل پیرا ہو کر دانستہ طور پر یہ فرمان الٰہی کو نظر انداز کر بیٹھا۔ جس کے نتیجے میں اس نے جنت کے پر لطف وگل پوش مناظر سے منہ موڑا خوشبوئے مشک سے مہکتے ہوئے باغ بہشت کو چھوڑا اور قسمت میں لکھا ہوا اپنا پر کٹھن رخت سفر سمیٹا اور جنت کے پر سکون ماحول کو خیر باد کہتے ہوئے یہ پر خار راہوں کو اپنا کر ٹھنڈی آہیں بھرتا ہوا کرہ ارض کے سفر پر چل نکلا۔

یہ آدم کی شدت محبت وخلوص اور انتہائے وفا کا وہ رنگین وسنگین لمحہ تھا جہاں پر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا درج ذیل شعر صادق آتا ہے (جس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔)

آنکھوں میں آؤ بیٹھو آنکھیں میں بند کرلوں
دیکھے نہ کوئی تم کو دیکھوں نہ میں کسی کو
''امان''

تاریخ کا یہ ایک ایسا عجیب انوکھا اور المناک بگولہ تھا جس کی لپیٹ میں آ کر آدم نے اداسی و مایوسی کی مالا گلے میں ڈالی سینکڑوں رنج والم کا بوجھ سر پر اٹھایا اور پھولوں کی سیج کو چھوڑ کر اپنی تمام تر آسائش و مسرتوں کے نقوش ستاتے ہوئے اس نے بے سکونی بے چینی و تڑپ کا درد دل میں بسایا اور پھر یہ رضواں کی حیرانی و سرگردانی سے نظریں چراتے ہوئے ابلیس کے قہقہوں کی گونج میں تاریک و دشوار گذار راستے کے ذریعے تپتی و پرکٹھن ہولناک وادی کے طویل سفر کے دوران ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے یہ کرہ ارض کے ملک ''سری لنکا'' کی بلند و بالا پہاڑی پر آن اترا اور اس کی مشیر شریک حیات ((بی بی حوا) کو عربستان کے موجودہ شہر ''جدہ'' کی پہاڑی پر اتار دیا گیا۔

(''یاد رہے کہ عربی لفظ ''جدہ'' کے معنیٰ ''وادی'' کے ہیں۔ اور موجودہ ملک ''سری لنکا'' کا قدیم نام ''سراندیپ'' رامائن کے زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا جو ایک طویل عرصے بعد ''سیلون'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اس کے بعد دنیا میں پہلی خاتون وزیر اعظم منتخب ہونے والی (سری ماؤ بندرانائیکے) جس کو ہمہ وقت شوہر کے غم میں رونے کی بناء پر ''(غمزدہ بیوہ)'' بھی کہا جاتا ہے'') نے 1970ء میں دوبارہ برسر اقتدار آ کر ''سیلون'' کا نام بدل کر ''سری لنکا'' رکھا۔)

ایک طویل عرصے کے بعد بچھڑے ہوئے ان مسافروں پر رحمان و رحیم ہونے کے ناطے غفور الرحیم نے اپنا کرم فرمایا۔ اور ان دونوں کا ملاپ میدان عرفات کی پہاڑی پر کرا دیا اور پھر اپنے ان اشکبار پیاروں کی دلجوئی کی خاطر ایک رنگین و دلچسپ نئی کائنات کا سلسلہ جاری فرما دیا جس کی رنگینیوں میں ڈوب کر اپنے مذکورہ نقصان کا

احساس ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ نسل آدم کی ہزار ہا خطاؤں کوتاہوں اور نافرمانیوں کے باوجود بھی خالق اکبر نے ان پر اپنی بے شمار نعمتوں کا نزول بدستور جاری رکھا۔ جبکہ مذکورہ سانحے کے سلسلے میں عجز و انکسار کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ بیباک و ناشکرا انسان اپنے مہربان و شفیق مالک حقیقی سے یوں گویا ہوا۔

باغ بہشت سے مجھے اذن سفر دیا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

''اقبال''

خسارے کو اپنانے والے ان بندوں کی مسلسل نافرمانیوں کے باوجود بھی اپنی محبت کے باعث خداوند کریم کی ان پر اپنی رحمت کی مسلسل بارش کو دیکھ کر اس کے عبادت گذار و فرمانبردار فرشتے عالم حیرانی میں متعجب ہو کر یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے کہ:

آداب سے غافل ہیں یہ سکان زمین کیسے ہیں
شوخ گستاخ یہ پستی کے مکین کیسے ہیں

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

''اقبال''

بہر حال انسان کسی حال میں بھی خوش نہیں اللہ تعالی ہمارے حال پر اپنا کرم فرمائے۔ آمین

برسر مطلب یہ کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یہ کھلکھلاتی مسکراتی پیار کی دیوی مذکورہ عظیم سانحے کا سبب بنی لیکن ساتھ ساتھ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ:۔ یہ خاتون یاقوت و مرجان جیسی شفاف ☆ اور ہیرے کی مانند چمکتی ہوئی باغ بہشت کی حوروں کے حسن کا عکس ☆ جنت کی تمام تر رعنائیوں کا

نچوڑ ☆ گلشن کائنات کی بہار ☆ چاندنی کا نور ☆ حضرت آدم کی دعا ☆ جنت کی رونق ☆ اور بزرگ و برتر کی عطا کردہ نعمتوں میں سے یہ وہ نایاب تحفہ ہے:۔ جس کے بغیر جنت جنت نہ تھی ☆ اور کائنات کائنات نہ ہوتی ☆ دراصل یہ عورت:۔ قدرت کی صناعی کا منہ بولتا وہ پرکشش شاہکار ہے جس کے بغیر مرد ادھورا ☆ گھر قبرستان ☆ اور دنیا ویران ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ:۔ ''آسمان کا حسن تاروں سے ☆ عورت کا حسن بالوں سے ☆ اور کائنات کا حسن عورت سے'' وابستہ ہے۔ ☆ موجودہ اس کائنات کی تمام تر رونق چہل پہل اور خوبصورتی کے وجود کی بنیاد یہی عورت ہے اگر یہ نہ ہو تو اس دلچسپ و رنگین کائنات کا وجود سسک سسک کر دم توڑ دے سچ تو یہ ہے کہ اس کائنات میں اپنی جاذبیت و دلچسپی کے سہانے و پرکشش رنگ بکھیرتی ہوئی یہ نازک و نفیس پیار کی دیوی جنت سے آیا ہوا محبت کا وہ خوشنما پھول ہے جس نے اپنی مختلف بھینی خوشبو سے اپنے اپنے گھر کو مہکاتے ہوئے پرسکون پررونق و پرمسرت آستانہ بنایا ہوا ہے۔

اس کے باوجود بھی زمانے میں اس پھول کو دھول جان کر اکثر پیروں تلے روندا گیا ہے۔ مرد حضرات کی اکثریت نے اپنی بالادستی کا بول بالا رکھنے کی غرض سے اس کمزور و معصوم عورت کی شخصیت کو مسخ اور اس کے وقار کو پامال کیا ہے ورنہ یہ عورت بہت ساری خوبیوں کی ملکہ ہے۔ بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہ:

مرد کی تین بدترین خصلتیں اگر عورت میں پائی جائیں تو وہ اس کی بہترین خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں جیسا کہ:

1۔ ''مغروری'' مرد کی بدترین خصلتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اگر یہی خصلت عورت میں پائی جائے تو یہ اس کی عزت کی ضمانت بن جاتی ہے۔

2۔ ''کنجوسی'' مرد کی بدترین خصلت کہلاتی ہے جبکہ عورت کی یہی خصلت کفایت شعاری کے روپ میں اپنے خاندان کے آڑے وقت میں بہت بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے۔

3۔''بزدلی'' مرد کی بدترین خصلت میں شمار ہوتی ہے اگر یہی خصلت عورت میں پائی جائے تو یہ اپنے فیصلے قدرت کے سپرد کر کے اپنے خاندان کو ایک بڑے فساد اور تباہی سے بچالیتی ہے۔

قابل صد احترام یہ عورت سرتاپا مجموعہ خلوص ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔قصہ مختصر یوں کہ اس کا کوئی بھی ''پن'' جذبہ ایثار و محبت سے خالی نہیں ہوتا۔

اگر یہ بیٹی کے روپ میں ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور گھر کی زینت بنی رہتی ہے۔یہ اپنے بھائی پر بہت ہی زیادہ ناز کرتی ہے۔اور اس ناز کو اپنا مان جان کر اپنے ماتھے کا جھومر بنائے رکھتی ہے۔اور اپنی والدہ کا دست و بازو بن کر اپنے گھریلو تمام تر کام نہایت ذمہ داری اور اور خوش اسلوبی سے نمٹاتے ہوئے اپنے والدین کے دکھ درد میں برابر کی شریک اور ان کی خوشی کی خاطر ان کی مرضی پر قربان ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔اس کی منشاء معلوم کئے بغیر والدین جب اس کا دامن کسی اجنبی کے سپرد کر دیتے ہیں تو یہ والدین کے سر سے اپنا اترتا بوجھ دیکھ کر انہیں دعائیں دیتی ہوئی بغیر کسی چوں وچرا کے اپنے والدین کے ایک اشارے پر خوشی خوشی اس اجنبی کی سیرت وصورت دیکھے بغیر ایک پالتو جانور کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہولیتی ہے۔اگر اسے صاف ستھرے ذہن کا باضمیر ذمہ دار و محبت کرنے والا جیون ساتھی مل جائے تو اس کی زندگی کا چمن کھل اٹھتا ہے۔اور اس بیٹی کی خوشی پر والدین کو بھی اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔اور اگر اس کا دامن کسی گری ذہنیت کے غیر ذمہ دار عزت سے مبرہ لالچی و کم ظرف کے ہاتھوں میں آجائے تو یہ نازوں پلی جیتے جی جہنم واصل ہو جاتی ہے اور پھر بیٹی کے اس روگ پر والدین کی زندگی کا بقیہ حصہ زچگی کے درد سے زیادہ دردناک اور کینسر کے مرض سے زیادہ ہولناک ہو جاتا ہے۔

علماء کا کہنا ہے کہ: ہر شخص کے تین باپ ہوتے ہیں۔جن میں سے پہلا باپ وہ ہے جس کے نطفے سے پیدا ہوا۔اور دوسرا وہ ہے جس نے اپنی دختر اس کے عقد میں دینے کے بعد بیٹی کو دکھ سکھ میں رکھنے سے

متعلق اس نے کبھی بھی اس سے باز پرس یا شکوہ شکایت نہیں کی۔ اور تیسرا باپ وہ ہے جس نے علم کی روشنی میں اسے ادب و اخلاق اور شناس کا درس دیتے ہوئے اسے فرش سے عرش پر پہنچایا۔ مذکورہ تینوں میں سے افضل ترین باپ علم دینے والے استاد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے نمبر کے باپ کی اہمیت کو اللہ پر بھروسہ رکھنے والے اعلیٰ ظرف و ذمہ دار خاندانی لوگوں نے ہی جانا ہے جو دکھ سکھ میں باعزت طریقے سے اپنے قول و قرار کو نبھاتے ہیں۔ بصورت دیگر اس باپ کو کبھی کبھار پچھتاوے کے کونے میں بیٹھے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے ہی دیکھا گیا ہے اور بعض اوقات تو پرائے مال پر نظر رکھنے والے اور راتوں رات لکھ پتی بننے کے خواب دیکھنے والے مفاد پرست بے حس و خود غرض لالچی داماد کی بیجا فرمائشوں کے بوجھ تلے دب کر پورا خاندان تباہی کے کنارے جا لگتا ہے جہاں بیٹی کے بے بس و مجبور والدین کو اپنے باقی ماندہ بچوں کے تاریک مستقبل اور خون کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ یہ سو فیصد سچ ہے کہ "ہر شئے اپنی اصلیت پر لوٹتی ہے" یہی وجہ تھی جو اگلے زمانے کے لوگ غریبی امیری یا لڑکے کو نہیں بلکہ شادی سے پہلے وہ لڑکے کے خاندان والوں سے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔ طوالت مضمون کے پیش نظر یہاں پر یہ کہنا کافی ہوگا کہ مذکورہ وجوہات کی بناء پر بیٹی سے نہیں۔ بیٹی کے مقدر سے لوگ پہلے بھی ڈرتے تھے اور آج بھی خوفزدہ رہتے ہیں اسی نظریے کے تحت بزرگوں کی درج ذیل کہاوت آج بھی مشہور چلی آتی ہے۔

سفر بھلا نہ کوس کا ۔ بیٹی بھلی نہ ایک
قرض بھلا نہ باپ کا ۔ مالک راکھے ٹیک

فرمانبرداری اور شرم و حیا کے لبادے میں لپٹی ہوئی۔ رخصتی کے وقت اپنے بابل کے گھر کو خیر باد کہتے ہوئے اور اپنی پیاری ممتا کو روتے ہوئے چھوڑ کر جب یہ بیوی کے روپ میں اپنے سرتاج کے گھر پہنچتی ہے تو اسے یہاں جو بھی روکھا سوکھا کھلایا جاتا ہے کھا لیتی ہے اور جو بھی پھٹا پرانا پہنایا جاتا ہے وہ پہن لیتی

ہے۔اس سلسلے میں وہ اپنے شوہر کی عزت کی خاطر کسی سے بھی کوئی ذکر اذکار یا شکایت نہیں کرتی بلکہ یہ اپنی خواہشات وحسرتوں کا گلا گھونٹ کر خود کو سسرال والوں کے حال میں ڈھال لیتی ہے۔

غرض یہ کہ اپنی ہنسی خوشی و بے فکری کے دن اپنے بابل کے آشیانے میں چھوڑ کر جب یہ سہمی ہوئی فاختہ کی طرح اپنی زندگی کے نئے رخ پر اڑتی ہوئی اپنے بالم کے صحن میں اتر کر اپنے پر سمیٹتی ہے تو یہاں کے اچھے برے دنوں کو اپنا نصیب جان کر سسرال کے سکھ چین کی خاطر یہ خلوص وفا اور محبت کی دھن میں ہنسی خوشی اپنی زندگی کے دن گذارنے لگتی ہے۔اور اپنے ساجن کا دل جیتنے اور اس کی ہدایت کے مطابق ساس نند کو خوش رکھنے کی خاطر گھر کے کام کاج میں یہ سرگاڑی اور پاؤں پہیہ کئے رہتی ہے اور اپنے سسرال والوں کی تنقید اور ان کی ناک بھوں چڑھتے ہوئے دیکھ کر بھی یہ انجان بنی اپنے کام سے کام رکھتی ہے ہر وقت اپنی ساس نند کی فرمانبرداری اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کر انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے اس کی تمام تر کوشش کے باوجود بھی اس کی یہ بیل منڈھے چڑھتی بہت ہی کم نظر آتی ہے۔

رات گئے تک یہ اپنے سر کے سائیں کے انتظار میں اس کے قدموں کی آہٹ پر کان دھرے اور دروازے پر نظریں جمائے ہوئے اونگھتی رہتی ہے۔اور اس کی آمد پر اسے کھلانے پلانے کے فرض سے فارغ ہو کر بچا کھچا خود کھا لینے کے بعد اپنے میکے اور سسرال والوں کے لئے دعائے خیر مانگتی ہوئی یہ سو رہتی ہے اور پھر صبح سویرے اٹھ کر کولھو کے بیل کی طرح حسب معمول اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتی ہے۔

یہ پتنی اپنے پتی کے گھر جب ''ماں'' کا روپ اختیار کرتی ہے تو اس کے لئے سسرال والوں کی چاہت بھی کروٹ لینے لگتی ہے اور یہ بھی اس گھر میں اپنی جمتی جڑیں دیکھ کر نہال ہو جاتی ہے۔اور خوشی سے یہ پھولی نہیں سماتی اس روپ میں یہ اپنا بچا کھچا آرام بھی بالائے طاق رکھ کر سرد و گرم راتوں کی پرواہ کئے بغیر چوکنا نیند سونا شروع کر دیتی ہے۔اولاد کو یہ اپنا خون پلا کر پروان چڑھاتی ہے اور اسے ہنستے کھیلتے دیکھ کر خوش ہوتی

ہے اوراس کی معمولی سی تکلیف پر یہ تڑپ اٹھتی ہے اس کی شفایابی کے لئے تعویذ گنڈے جھاڑا پھونکی علاج معالجے کے ساتھ ساتھ اضطراب کے عالم میں یہ ڈھیر ساری منتیں بھی مان لیتی ہے۔اسے اپنی صحت اوراپنے کھانے پینے کی پرواہ نہیں ہوتی لیکن یہ اپنی اولاد کواچھے سے اچھا کھلانے اور پہنانے کے ساتھ ساتھ اسے خوش وخرم دیکھنے کی خواہاں رہتی ہے بچہ تو بچہ اگر جوان بیٹا بھی رات کے وقت جب تک گھر میں نہ آجائے اس وقت تک یہ اپنے اوپر نیند حرام کر لیتی ہے۔اور بے چین ہوئی صحن میں اور کبھی گھر کے دروازے سے جھانک کر نہایت بیقراری کے عالم میں اس کی منتظر رہتی ہے۔اوراس کے آنے پر ہی یہ اطمینان کا سانس لے کر مطمئن ہوکر سوتی ہے اپنی ذمہ داریوں میں پرورش کے اہم ترین اضافے کے سبب چوکنا نیند سونے اور بے سکون ہونے کے باوجود بھی یہ ماں کے روپ میں اپنے آپ کو بہت ہی زیادہ خوش نصیب تصور کرتی ہے۔اولاد خواہ کتنی ہی نافرمان و بے ادب کیوں نہ ہولیکن یہ کسی بھی صورت میں اسے بددعانہیں دیتی بلکہ ہر وقت اولاد کی خوشیوں کی خاطر ہر مشکل مرحلے سے گذرنے کے لئے یہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے تیار رہتی ہے۔

وفاؤں کے خمیر سے بنی ہوئی یہ دیوی: اپنے لئے اپنے پیاروں کا دروازہ کھلا رکھنے کی نیت سے یہ کسی کی بھی ملکیت میں سے اپنا حصہ لینا برا سمجھتی ہے۔اور کبھی بھی اپنے حصے کے لئے یہ بذات خودنہیں جھگڑتی بالفرض اسے بن مانگنے ہنسی خوشی اگر اپنا حصہ مل بھی جائے تو یہ ملے ہوئے حصے کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے مذکورہ حصے کو ان لوگوں کے سپرد کردیتی ہے جن کے گھر میں یہ رہائش پذیر ہوتی ہے چونکہ اس کا اپنا کوئی بھی ذاتی گھر نہیں ہوتا۔ابتدا میں یہ باپ یا بھائیوں کے گھر میں رہتی ہے۔اوراس کے بعد عالم شباب میں یہ اپنے شوہر کے گھر میں پناہ گزیں ہوجاتی ہے۔اور پھر یہ اپنے بوڑھے شوہر یا اپنے جوان بیٹوں کے گھر سے ان کے کاندھوں پر سوار ہوکر ملک عدم کے سفر پر روانہ ہوجاتی ہے۔

عورت: سراپا بھولی بھالی رحم بھری ایک ایسی دیوی ہے۔جو اپنے تو اپنے اغیار کے دکھ درد دیکھ کر

تڑپ اٹھتی ہے۔اور اپنی فطرت کے عین مطابق بے چین ہو کر اپنا دامن پھیلائے ان کے دکھ کے مداوے اور ان کی خوشیوں کی خاطر دعائیں مانگتی رہتی ہے۔(تالاب میں کھلے ہوئے کنول کے پھول سے مشابہہ اس روپ متی کے کئی روپ ہیں)

یوں تو عورت :اپنے ہر روپ میں سکون قلب اور قابل صد احترام ہے۔مگر ''ماں'' کے روپ کو ہر مکتبہ فکر نے نہایت ہی مقدس و پر عظمت قرار دیا ہے۔علمائے دین کا کہنا ہے کہ جب ماں کو خدا نے بنانا چاہا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ:

چاند کی ٹھنڈک۔۔شبنم کے آنسو۔۔بلبل کے نغمے۔۔چکوری کی تڑپ۔۔گلاب کے رنگ ۔۔پھولوں کی مہک۔۔کوئل کی کوک۔۔سمندر کی گہرائی۔۔دریاؤں کی روانی۔۔موجوں کا جوش۔۔کہکشاں کی رنگینی۔۔زمین کی چمک۔۔صبح کا نور۔۔قوس وقزح کی دلکشی۔۔اور آفتاب کی تمازت کو جمع کیا جائے تاکہ ماں کی تخلیق کی جائے۔

مذکورہ اشیاء جمع ہونے پر جب قادر مطلق نے ''ماں'' کو بنایا تو فرشتوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ :اے مالک دوجہاں تو نے اپنی طرف سے اس میں کیا شامل کیا۔۔؟

(تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔''محبت'')

اس کے بعد خالق کون ومکاں نے اپنی تخلیق کے اس پر مقدس و پر وقار روپ کے اعتراف میں اس کے پیروں تلے جنت کی نشاندہی کرتے ہوئے مذکورہ پر عظمت روپ کی دعاؤں میں تیر کی تاثیر اور آہوں میں برق نما اثر رکھا۔

مذکورہ ''محبت'' ہی کے سلسلے میں علمائے دین ومفکرین اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ:

''ماں'' کے بغیر گھر قبرستان ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت

کا عکس ماں کی محبت میں نمایاں نظر آتا ہے۔

القصہ مختصر یوں کہ: تمام تر رونقیں اپنے دامن میں سمیٹ کر جنت کو بے رونق اور سونا کر آنے والی یہ معصوم و پیاری ناری اپنے مختلف روپ میں اپنی وفا و محبت کی پر کشش دھیمی خوشبو سے پورے عالم کو مہکائے اور جاذب نظر بنائے ہوئے جینے کی امنگ کو بیدار اور وجود کائنات اور اس کی دلچسپ رنگینیوں کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

الغرض: بپتا کی ماری اور زمانے کی ستائی ہوئی مذکورہ بالا بے سہارا ڈومنی کے آنسو جب خشک ہوئے تو اس کے دکھے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی اس کی برق نما اور پُر اثر آہیں بادلوں کو چیر کر آسمان سے ٹکراتے ہوئے سراپا احتجاج بن کر بے بسی کے عالم میں مچلنے اور فریاد کرنے لگیں۔جس کے نتیجے میں "رحمان ورحیم" نے اس دکھیاری پر کرم فرمایا۔اور اس کے صبر کی خاطر اس کے سابقہ رنج والم کے صلے میں اسے یہ موقع فراہم کیا کہ اس کے زمانے میں دربار فیروز شاہی سے نکلتی ہوئی بہادر ناہر خان میواتی کی شجاعت اور حوصلے کی داستانیں قصے کہانیوں کے روپ میں ہواؤں کے دوش پر خوشبوئے مشک کی طرح پھیلتے ہوئے ہندوستان کے گاؤں بستی اور گلی کوچوں سے گذرتے ہوئے جب اس ڈومنی تک پہنچیں تو اسے امید کی ایک کرن نظر آئی کل تک اپنے لئے موت کی دعائیں مانگنے والی یہ ڈومنی اپنے سارے غم بھول گئی اس کے دل میں خوشی کی ایک انجانی سی لہر دوڑی اور جینے کی امنگ ابھری اس کی ہمت بندھی اور دل میں ایک حوصلہ سا پیدا ہوا اسے محسوس ہونے لگا کہ اس کی زندگی کے بجھتے ہوئے چراغ میں جیسے تیل پڑ گیا ہو۔جس کے بعد اس کے دل میں یہ خیال ابھرنے لگا کہ:

غم کی اندھیری رات میں تو غم کا غم نہ کر
صبح ضرور آئے گی صبح کا انتظار کر

اس بے بس ڈومنی کو بہادر ناہر خان کے نام میں اپنائیت کی جھلک نظر آنے لگی۔ اپنے بیٹے کی بے جا موت کے انتقام کی خاطر بن دیکھے ناہر میواتی کو اپنا ہمدرد جان کر یہ اس کی شجاعت کے قصے کہانیوں میں دلچسپی لینے لگی۔ اور قلعے میں جانے کی بجائے یہ کئی کئی روز اسی گاؤں بستی میں گذارنے لگی جہاں بہادر ناہر میواتی کے ذکر اذکار چلتے رہتے تھے۔ نہایت ہی محتاط طریقے سے یہ ڈومنی ناہر خان سے متعلق معلومات حاصل کرنے لگی وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب اسے بہادر ناہر کی قصبہ نوح میں موجودگی کی خبر ملی تو اس نے اپنے دل میں اس سے ملنے کا عزم صمیم کرلیا۔ اور یہ بے چین ہو کر ناہر سے ملنے کے لیے موقع محل کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگی بالآخر ایک روز موقع پا کر صبح صادق اپنے بھگوان کا نام لے کر سینکڑوں بہانوں کا بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے یہ قلعہ الور سے نکلی اور اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھتی ہوئی۔ اس لہراتی اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر چل پڑی جو ویران جھاڑیوں گھنے درختوں اور اونچی اونچی فصلوں کے درمیان سے گذرتی اور (اربلی) پہاڑ کی جڑوں سے ٹکراتی ہوئی اسی پہاڑ کے اوپر سے ہوتی ہوئی اس کے پندرہ بیس کلومیٹر کے پر خطر و دشوار گذار راستے کو عبور کرنے کے بعد بھی ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد "قصبہ نوح" سے جا ملتی تھی۔ دوران سفر اس ڈومنی کے ارادے میں اس قدر مضبوطی رہی کہ یہ اب اپنے بھگوان کے روکے بھی رکنے کو تیار نہ تھی اس کی عمر رسیدہ رگوں میں اس بار پھر اپنی گذشتہ بھرپور جوانی کا خون دوڑنے لگا۔ جس کے باعث یہ ڈومنی:

سوچ کر نکلی قلعے سے دل کو سمجھاتی ہوئی
دشمنوں کو بددعا دینے لگی یہ ڈومنی جاتی ہوئی
آہ بھرتی بیٹھتی بیٹے کا غم کھاتی ہوئی
دل میں اپنی سلگی چنگاری کو بھڑکاتی ہوئی
دل پہ چھائے خوف کو ٹھوکر سے ٹھکراتی ہوئی
انتقامی تان پر مظلومیت کے زمزمے گاتی ہوئی
خون ناحق کی بدولت ٹھوکریں کھاتی ہوئی
نوح کے رستے میں اپنے اشک ٹپکاتی ہوئی
یاد جب آئے سفر میں عہد ماضی کے نقوش
دل کو پیار سے خوبصورت خواب دکھلاتی ہوئی
زخمی ناگن کی طرح لہراتی چھپتی پیچ وخم کھاتی ہوئی
انتقام جوش میں لوگوں سے کتراتی ہوئی
عہد ماضی کے مظالم دل میں دہراتی ہوئی
زخم دل سوز جگر سے حوصلہ پاتی ہوئی
دیکھتی مڑتی تڑپتی اور گھبراتی ہوئی
عزم صادق کے سہارے دل کو بہلاتی ہوئی
شیر چیتے بھیڑیئے کے خوف کو دل سے نکال
جان لیوا پر خطر راہوں سے ٹکراتی ہوئی
اک بغاوت کا سمندر موجزن دل میں لئے
''ناہر'' سے ملنے چلی یہ ڈومنی آنچل کو لہراتی ہوئی

(امان نوشہروری)

قلعہ الور سے کافی دور نکل آنے کے بعد اس ڈومنی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور پھر راستے سے کافی دور ہٹ کر ایک بستی سے کچھ فاصلے پر یہ ستانے کی خاطر ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے اپنے دوپٹے کا اینڈھا بنایا اور اسے اپنے سرہانے لگا کر لیٹ گئی۔ اس کے بعد یہ آس پاس سے بے خبر ہو کر تخیلات کی دنیا میں ڈوب گئی۔ اپنے منصوبے کی ادھیڑ بن میں شاید یہ رات بھر سو نہ پائی تھی جس کی بناء پر آنکھ لگ گئی۔ کافی دیر بعد جب آفتاب سرخ مئے برسانے لگا اور گاؤں کے کچے مکانوں سے دھواں اٹھنے لگا تب یہ تھکی ہاری ڈومنی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اٹھ کر قریب والی بستی میں جا پہنچی۔ اور وہیں سے مانگ تانگ کر کھا پینے کے بعد وہیں کہیں سو رہی۔ اور دوسرے روز اٹھ کر یہ پھر اپنی منزل کی جانب چل پڑی۔

غرض یہ کہ اپنی پیرسنی کے باوجود بھی یہ دن میں کافی کچھ سفر کر لیتی اور جنگلی جانوروں کے خدشے کے پیش نظر غروب آفتاب سے پہلے ہی راستے کی کسی بستی میں ٹھہرتی اور وہیں مانگ تانگ کر کھاتی اور جو کچھ بچ رہتا اسے اپنے دوپٹہ کے پلے میں باندھ کر وہیں سو رہتی اور پھر صبح اٹھ کر حسب معمول اپنا سفر کرتی اور راستے میں بھوک لگنے پر کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر اپنے دوپٹے کے پلے سے کھول کر روکھا سوکھا کھاتی اور آس پاس سے پانی پی کر کچھ دیر ستانے کے بعد پھر اپنے سفر پر رواں دواں ہو جاتی۔

قلعہ الور سے قصبہ نوح تک کا فاصلہ ایک سو تیس کلومیٹر سے کچھ کم نہ تھا اس صنف نازک اور قسمت کی ماری کے پاؤں میں چھالے پڑتے اور پھوٹتے رہے۔ اور کئی بار۔

رستے میں رو رو کر پوچھا اس سے پاؤں کے چھالوں نے
بستی کتنی دور بسالی دل میں بسنے والوں نے

مگر اس آبلہ پا ڈومنی نے اپنے چھالوں کی سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنے منصوبے کی تکمیل کی خاطر اس پندرہ بیس کلومیٹر دشوار گذار اور پر خطر پہاڑی راستے کی بھی پرواہ نہ کی جو خونخوار جنگلی جانوروں کا خاص مسکن تھا۔

بالآخر کم وبیش تین چار روز بعد شام ڈھلنے سے پہلے ہی یہ قصبہ نوح میں آن پہنچی اور ایک فقیرنی کے روپ میں امداد و خیرات کے بہانے اس نے بہادر ناہر خان کے آستانے اور اس سے مناسب وقت ملاقات سے متعلق یہاں کے لوگوں سے معلومات حاصل کر لی اور پھر ملاقات کے لئے دوسرے دن کے انتظار میں کھا پی کر یہیں سو رہی دوسرے دن ملاقات کے لئے یہ اس کے آستانے کی جانب چل پڑی اور سوچنے لگی۔

رو رو کے غم کی رات تو اپنی گذر گئی
اب دیکھئے لاتی ہے صبح کیا نصیب میں

(امان نوشہروی)

غرض یہ کہ جلد ہی یہ بہادر ناہر خان کے آستانے پر جا پہنچی اور وہاں پر موجود لوگوں کی جانب نظریں پھیرتے ہوئے ناہر خان کے سامنے اس ڈومنی نے نہایت ادب سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اپنا سر جھکایا اور اسے نمسکار کرتے ہوئے یہ زمین پر بیٹھ گئی اس اجنبی عورت کو دیکھ وہاں پر موجود تمام لوگوں پر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی کو توڑتے ہوئے سردار بہادر ناہر نے اس اجنبی عورت سے وجہ ملاقات دریافت کی۔؟ جس پر اس ڈومنی نے ایک بار پھر وہاں پر موجود لوگوں کی جانب نظریں اٹھائیں اپنے دوپٹے کو درست کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا کہ اپنے بیٹے کی موت کا منظر سامنے آیا۔ جسم میں بجلی کی لہر کوندی دل دھڑکا لب تھرتھرائے اور لفظ ''سرکار'' کہتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے جن کو اپنے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے یہ خاموش وادی میں اتر گئی۔ جس کے بعد ناہر خان میواتی نے وہاں پر موجود لوگوں کی جانب دیکھا جو اس کا اشارہ پاتے ہی یہاں سے نکل گئے۔ اور تنہائی میں ملاقات کی متمنی ڈومنی کا وہ مسئلہ جو یہ زبان سے نہ کہہ پائی وہ اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے حل کر دیا بقول ایک شاعر

اچھا ہوا کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑے
اظہار غم کا ورنہ سلیقہ نہ تھا مجھے

اس کے بعد یہ ڈومنی رورو کر بہادر ناہر کے سامنے داستان الم بیان کرنے لگی۔

ناہر خان اور اس ڈومنی کی اس ملاقات تنہائی سے متعلق: انگریز مورخ مسٹر سی۔اے۔ ہیکٹ کی انگلش تاریخ۔ ''گزیٹیر الور 68 لغایت اردو صفحہ 276، اور شرف صاحب کی تاریخ ''مرقع میوات'' صفحہ 237 اور دیگر تاریخوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان سب کا متن اس طرح ہے کہ:

''(مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات بہادر ناہر خان کی اہم شخصیت بہادری وشجاعت اور شاہی دربار میں اثر رسوخ کے چرچے ہندوستان کی گلی کوچوں میں خوشبوئے مشک کی مانند پھیلتے ہوئے جب اس بے یارومددگار ڈومنی تک پہنچے تو اسے امید کی ایک کرن نظر آئی اور پھر اس زمانے کی ستائی ہوئی ڈومنی نے اپنی پہلی فرصت میں بہادر ناہر خان میواتی سے ملاقات کی اور رورو کر اپنی داستان الم سناتے ہوئے اس ڈومنی نے ناہر خان کو قلعہ الور پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور ایک مقررہ شب کا ذکر کرتے ہوئے اس نے یہ تجویز پیش کی کہ اس رات یہ نکوم قوم کے تمام سردار قلعہ الور میں جمع ہو کر ساری رات درگا دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور پوجا ختم ہونے تک یہ لوگ ہتھیاروں پر ہاتھ ڈالنا بہت ہی بڑا پاپ سمجھتے ہیں۔ اس مقررہ رات کے پچھلے پہر کے آس پاس یہ لوگ درگا دیوی کی پوجا کے دوران شراب کے نشے میں جب مدہوش ہو جائیں گے اس وقت قلعے کی بالائی منزل کی فلاں سمت سے میں راکھ کا ٹوکرا پھینک کر آپ کو ان پر حملہ کا سگنل دوں گی۔ اس مقررہ شب کو قلعے کے نیچے اپنے سپاہیوں سمیت آپ میرے سگنل کا انتظار کریں۔ جوں ہی قلعے پر سے میں راکھ کا ٹوکرا نیچے پھینکوں اسی وقت آپ اپنی فوج سمیت قلعے میں داخل ہو کر ان لوگوں پر حملہ کر دیں کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔'')

ڈومنی کی مذکورہ تجویز سن کر بہادر ناہر خان کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ پڑی اور پھر ان دونوں کے درمیان مذکورہ تجویز پر وعدہ وعید پختہ ہوئے اس کے بعد اس تھکی ہاری ڈومنی نے یہ رات ناہر آستانے پر ہی گذاری ڈومنی کی خاطر مدارت کی گئی۔اور پھر صبح سویرے کھا پینے کے بعد اپنی واپسی سے پہلے ڈومنی نے ایک بار پھر سردار ناہر میواتی کو مقررہ شب سے متعلق یاددہانی کرائی جس پر ناہر میواتی نے ڈومنی کو راجپوتی وچن دیتے ہوئے یقین دلایا کہ مقررہ شب کو وہ ہر صورت میں قلعے کے نزدیک ہو کر بے چینی کے ساتھ اس کے سگنل کا انتظار کرے گا۔مذکورہ تجویز پر جب ان دونوں نے اپنے عہد و پیماں کے درمیان پختہ تسلی کر لی تو ناہر خان نے اپنے چند گھڑ سوار اس ڈومنی کے ہمراہ روانہ کیے تا کہ وہ اسے پر خطر پہاڑی راستہ عبور کرانے کے بعد کسی محفوظ مقام تک چھوڑ آئیں تا کہ یہ ڈومنی جنگلی جانوروں کا شکار ہونے سے بچے اور اپنے بنائے ہوئے منصوبے کی تکمیل ہو سکے۔یہ گھڑ سوار اپنے درمیان ڈومنی کو لے کر روانہ ہوئے اور پہاڑی راستہ عبور کرانے کے بعد ایک محفوظ مقام تک اسے پہنچا کر واپس چلے گئے۔اس کے بعد ڈومنی نے یہاں سے پہلے کی طرح پا پیادہ اپنا سفر شروع کیا اور پھر واپس قلعے میں پہنچ کر اس نے اس وقت اطمینان کا سانس لیا جب قلعے میں اس کی غیر موجودگی سے متعلق کسی کو شائبہ تک نہ گذرا۔الغرض ڈومنی کے سر سے جب یہ بڑا بوجھ اترا تو یہ قلعے میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر اطمینان کے سائے میں رات بھر پر سکون نیند سونے لگی۔اب اسے کوئی بھی فکر نہ تھی اگر فکر تھی تو صرف اس قول و قرار والی مقررہ شب کی فکر تھی جس کے انتظار میں یہ گن گن کر دن گذارنے لگی تھی۔

بالآخر دو چار ماہ بعد وہ آفتاب بھی نمودار ہوا جس کے پیچھے وچن والی مذکورہ شب لگی ہوئی تھی۔دن نکلتے ہی ڈومنی نے قلعے کی صفائی ستھرائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دی۔اور ادھر ناہر خان نے بھی شام ڈھلتے ہی قلعہ الور سے کئی میل دور اپنا پڑاؤ ڈال کر اپنی فوج کو قلعہ الور پر حملہ کرنے سے متعلق ہدایات دینا شروع کر دیں۔

سورج غروب ہوتے ہی قلعے میں چراغاں کیا گیا۔ اور پھر کچھ دیر بعد ''درگا دیوی'' کی پوجا کی خاطر سرداران قوم نکوم کی آمد کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔

مکمل تاریکی پھیلنے کے کچھ دیر بعد اپنے سپاہیوں کے تمام گھوڑوں کی نگہداشت کی خاطر ناہر خان اپنے چند سپاہیوں کو اس پڑاؤ کے مقام پر چھوڑ کر اپنے باقی جاں نثاروں کے ہمراہ پاپیادہ ویران مقامات سے گذرتا ہوا یہ قلعہ الور کی جانب بڑھنے لگا۔ رات کے دوسرے پہر کے وسط میں وہاں پہنچ کر اس نے اپنی پوری فوج کو قلعے کی فصیل کے نزدیک منتشر کر دیا جو پہاڑ کے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گئی۔

594ھ 1197ء 1254 بکرمی میں شہاب الدین محمد غوری کے حملے وقت اپنے جدّ امجد راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کے ہاتھوں سے حکومت بیانہ کے نکل جانے کے بعد یہ حکومت میوات آج اس ناہر خان کو اپنے قدموں میں جھکتی نظر آ رہی تھی۔ لمحے منٹوں میں اور منٹ گھنٹوں میں تبدیل ہوتے ہوئے وقت گذر رہا تھا اور اس ناہر خان کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا اور یہ بار بار ستاروں کی چال پر وقت کا تعین کر رہا تھا۔

جب ممتا کی آہوں کا حقیقی روپ اس کے انتقام کی تکمیل کے مراحل میں داخل ہونے لگا تو ناہر خان نے اپنی عقابی نظریں قلعے کی بالائی منزل کے اس حصے پر مرکوز کر دیں جہاں پر سے ڈومنی نے اسے سگنل دینے کا وعدہ کیا تھا یہ وقت ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا جہاں پر ناہر میواتی کو اپنی پلکیں جھپکنا بھی اپنی طبعیت پر گراں گذر رہا تھا۔ ابھی کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ قلعے کی بالائی منزل پر ڈومنی کا سایہ سر پر ٹوکرا اٹھائے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ یہ دیکھتے ہی ناہر خان اپنی فوج سمیت چوکنا ہوا اور جوں ہی ڈومنی نے اپنے قول و قرار کے مطابق قلعے کی بالائی منزل سے راکھ کا ٹوکرا نیچے پھینک کر حملے کا سگنل دیا اُس سے بہادر ناہر خان اپنے سپاہیوں سمیت دبے پاؤں نہایت پھرتی کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا۔ جہاں پر ایک شور برپا ہوا اور پھر ناہر خان اور اس کے سپاہیوں نے آن کی آن میں نہتے نکوم سرداروں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔

ڈومنی کو اپنے انتقام کی تکمیل میں نکوم سرداروں کے مارے جانے سے متعلق جب صبح صادق مکمل

طور پر یقین ہو گیا تو ایک بار پھر اپنے پیاروں کی یاد میں اس کے دل پر رنج والم اور ماضی کی یادوں کے میلے لگنے شروع ہوئے۔ بیٹے کی یاد پر دل میں ایک ہوک سی اٹھی دل تڑپا اور جسم میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی اپنی کامیابی پر یہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور پھر قلعے کی بالائی منزل سے اتر کر یہ نیچے آئی۔ اور دیوی مورت کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اور نکوم سرداروں کی لاشوں اور ان کے جمے ہوئے خون پر اپنے پیر رکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی اسی اثناء میں جب ضبط کا بندھن ٹوٹا تو اس کے دل سے غم کا لاوا پھوٹا تو یہ تیزی کے ساتھ آکر بہادر ناہر خان کے قدموں میں گری اور منہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ناہر میواتی نے کچھ دیر بعد دونوں بازؤں سے پکڑ کر اس ڈومنی کو اٹھایا اور اس کے سر پر شفقت سے اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دینے کے بعد ناہر خان نے اپنے اہلکاروں کو ہدایت دی کہ وہ اس ڈومنی کو قلعے میں ہر ضروریات زندگی فراہم کریں اور اس کی ہر خواہش کا خاص خیال رکھیں یہ سن کر ڈومنی نے جھولی پساری اور پھر اس کے اہل وعیال اور اسے درازی عمر اور اس کی اس حکومت کے قائم رہنے کی دعائیں دینے لگی اس کے بعد ناہر خان نے علاقہ میوات پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ جس کے بعد سب سے پہلے کوکائے چوہان (رئیس ماہاری) نے اس کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

ناہر خان میواتی کی حکومت کے ذکر میں ڈومنی کا ذکر سر فہرست تاریخی اوراق پر روشن ستارے کی مانند چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ڈومنی نے اپنے بیٹے کی موت کے انتقام کے صلے میں اپنا نام بہادر ناہر خان کے نام سے جوڑ کر خود کو امر کر لیا۔ اس ڈومنی نے قلعے کے اوپر سے جس جگہ راکھ کا ٹوکرا پھینک کر ناہر خان کو حملے کا سگنل دیا تھا وہ جگہ ''ڈومنی کا داسا'' کے نام سے آج بھی مشہور چلی آتی ہے۔

اس عورت کی بیشتر عجیب انوکھی دلنشین رنگین و غمگین داستانوں کو آج بھی سوالیہ نشانات کے ساتھ اقوام عالم کے سامنے تاریخی اوراق اپنی زینت بنائے ہوئے ہیں۔ کہیں اسے خاتون جنت کے لقب سے یاد کیا گیا اور کہیں اس کی عظمت کی قسمیں کھائی گئیں۔ کبھی اس کی چادر عظمت کا واسطہ دے کر قدرت سے بھیک

مانگی گئی اور کبھی اس کے وقار کو سر بازار پامال کیا گیا۔ کبھی یہ محبت کی راہ میں پکارتے ہوئے گمنامی کی تاریک وادی میں اتر گئی۔ کہیں اس نے محبت کے آنسوؤں میں ڈوب کر موت کو گلے سے لگایا۔ اور کبھی یہ محبت میں روتے روتے آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھی اور کبھی اس کی آنکھ سے نکلے ہوئے محبت کے چار آنسوؤں کے تقدس نے ''تاج محل'' نام کا خوبصورت شاہکار بنادیا۔ کبھی یہ عشق کی پگڈنڈی پر بھاگتے ہوئے راستے کی اڑتی ہوئی خاک میں مدفون ہو کر محبت میں امر ہوئی۔ اور کبھی اندھیری رات میں محبت کی خاطر یہ عشق کے دریا میں کودی اور اپنی جان دے کر نام کر گئی۔ کبھی اس نے تاج و تخت کو چھوڑا اور محبت کی خاطر غربت سے رشتہ جوڑا اور کبھی اس نے محبت کی خاطر دنیا کی جوانی کو اپنا کر آخرت کی جوانی سے منہ موڑا اور کبھی کوئی اس خاتون کی خدمات کے صلے میں بزرگ و برگزیدہ صحابہ کرام کی صف میں جا شامل ہوا۔

سچ تو یہ ہے کہ عورت سمندر کی مانند گہری اور چشمے کے پانی کی طرح شفاف ہے اس کے الفاظ میں تسکین کی لہریں پائی جاتی ہیں اس کا ساتھ زندگی کا ٹھیراؤ سکون واطمینان کا سایہ اور وقار کا باعث ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد اگر معاشرے کی تصویر پر بناتا ہے تو عورت اس میں اپنی دلکشی کے پرکشش وجاذب نظر رنگین رنگ بھرتی ہے۔

قصہ مختصر یوں کہ یہ پر عظمت خاتون اپنی وفاشعاری ذمہ داری شرافت اور اپنی شرم وحیا کے سبب تاریخی زینت کا ایک ایسا دلچسپ رنگین وروشن باب ہے جس کو کسی بھی صورت میں نظر انداز کرنا ممکن نہیں غرض یہ کہ ممتا کے انتقام کو بنیاد بنا کر 774ھ 1372ء 1428 بکرمی میں اس جادو بنسی راجپوت سردار بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات) نے قلعہ الور کی فتح پر ''قوم نکوم'' کے صد سالہ دور حکومت کو اس کے اختتام پر پہنچا کر اپنی حکومت میوات کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان کے اس علاقہ میوات کا طول 160 کلومیٹر اور ارض 120 کلومیٹر تھا۔

☆☆

ناہر" دور حکومت"

ہندوستان کے مشہور شہر دہلی سے پچیس میل یعنی چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر جنوب کی جانب بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے علاقہ میوات کے خانزادے چھتری راجپوت کی عمدہ نسل چندر بنسی خاندان کے سری کرشن جی عرف (کنہیا اوتار) (ہری شام) کی نسل سے ثابت ہوئے ہیں۔(یاد رہے اس چندر بنسی خاندان نے راجہ جودھا کے بعد جادو بنسی خاندان کے نام سے شہرت پائی تھی۔) سری کرشن جی (کنہیا اوتار) کی چھہترویں یا بقول بعض بارہویں پشت میں راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) پیدا ہوا۔اس راجہ تہن پال کی علاقہ بیانہ سے میوات کی خود مختارانہ حکومت کا خاتمہ اس وقت ہوا جب معزالدین محمد بن سام" (بلقب شہاب الدین محمد غوری)" نے قلعہ تہن گڑھ فتح کرنے کے بعد 594ھ 1197ء 1254 بکرمی میں اپنے سردار بہاؤالدین طغرل کو حاکم میوات مقرر کر دیا تھا۔راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کے بعد سے لے کر اس کی چھٹی پشت میں پیدا ہونے والے بہادر ناہر خان" مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات"۔(جس کا ہندوانی نام۔سانپر پال تھا۔) کے مسلمان ہونے تک یہ خاندان کسی خاص شہرت کا حامل نہ ہو پایا۔غرض یہ کہ راجہ تہن پال کے بعد سے لے کر لکھن پال تک اس خاندان کی پانچ پشتیں چھوٹی چھوٹی جاگیروں کی مالک رہیں۔

☆ (جن کے اذکار" مہاراجگان" کے عنوانات میں بیان کئے گئے ہیں۔)

☆ پہاڑی خطے ملک میوات میں یہ لوگ دہلی سے اربلی پہاڑ (کالے پہاڑ) کی شاخ کے آس پاس رہائش پزیر تھے اس کہ علاوہ یہ مذکورہ لوگ مشرق میں اس متوازی شاخ کے اردگرد بھی پھیلے ہوئے تھے جو شمالاً جنوباً قصبہ سہنہ کے مشرق سے لے کر کلنجر بازیدپور، پنگواں، خان پور، جھمراوٹ اور "دوسی خانزادہ" سے ہوتی ہوئی قصبہ پہاڑی اور قصبہ کاماں سے گذر کر ریاست بھرت پور تک جا پہنچتی تھی۔مورث اعلےٰ قوم خانزادگان

میوات بہادر ناہر خان (والئی میوات اول) کے والد لکھن پال اور اس کے دادا انسراج کی سکونت بھی پہاڑ کے عین دامن میں مقام سرہٹہ پرگنہ تجارہ میں تھی۔

اس پہاڑی خطے میوات کے فراخ علاقے میں آبادان لوگوں کے موروثی مقامات پر گھنی جھاڑیاں اور گھنداردرخت وغیرہ بکثرت اپنے سینے پر لئے ہوئے راجپوتوں کی شان وشوکت کی گواہی دیتے تھے اس زمانے میں حکومت کی جانب سے کوئی منظم نظام نہ ہونے کی بناء پر ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول کے تحت ہر طاقت ور کسی نہ کسی کمزور کا کچھ نہ کچھ علاقہ دبا کر اپنی حکومت کا جھنڈا نصب کر کے حاکم بن بیٹھتا تھا۔

بپھرے ہوئے حملہ آور شیر سے بادشاہ کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنی تلوار سے شیر کے دوٹکڑے کر دینے کے بعد بہادر ناہر خان میواتی کو قربتِ شاہی کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے بعد اس کی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دربارِ شاہی پر آشکار ہونے لگے اور پھر اس کا اثر رسوخ دربارِ شاہی کی جڑوں میں جا کر جم گیا جس کے بعد یہ دربار فیروز تغلق پر چھا گیا۔ اور اس کے بعد بہادر ناہر خان کی قسمت کا ستارہ بتدریج ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ سرزمین ہند پر چمکنے لگا۔

دربارِ فیروز تغلق سے نکلتی ہوئی اس کی وفا شعاری۔ خودمختاری اور ہمت وحوصلے کی داستانیں قصے کہانیوں کا روپ لے کر ہندوستان کی گاؤں بستیوں شہروں گلی کوچوں اور چوراہوں سے گزرتے ہوئے اس کی شجاعت کے چرچے غائبانہ طور پر پورے ہندوستان کو اس بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات) سے متعارف کراتے رہے۔

گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ممتا کے انتقامی روپ میں بہادر ناہر کی زندگی کی وہ سہانی گھڑی بھی آئی جب اس نے بے یارومددگار ڈومنی کے اکلوتے بیٹے کے خون ناحق کو اپنی سلطنت کی بنیاد بنایا۔
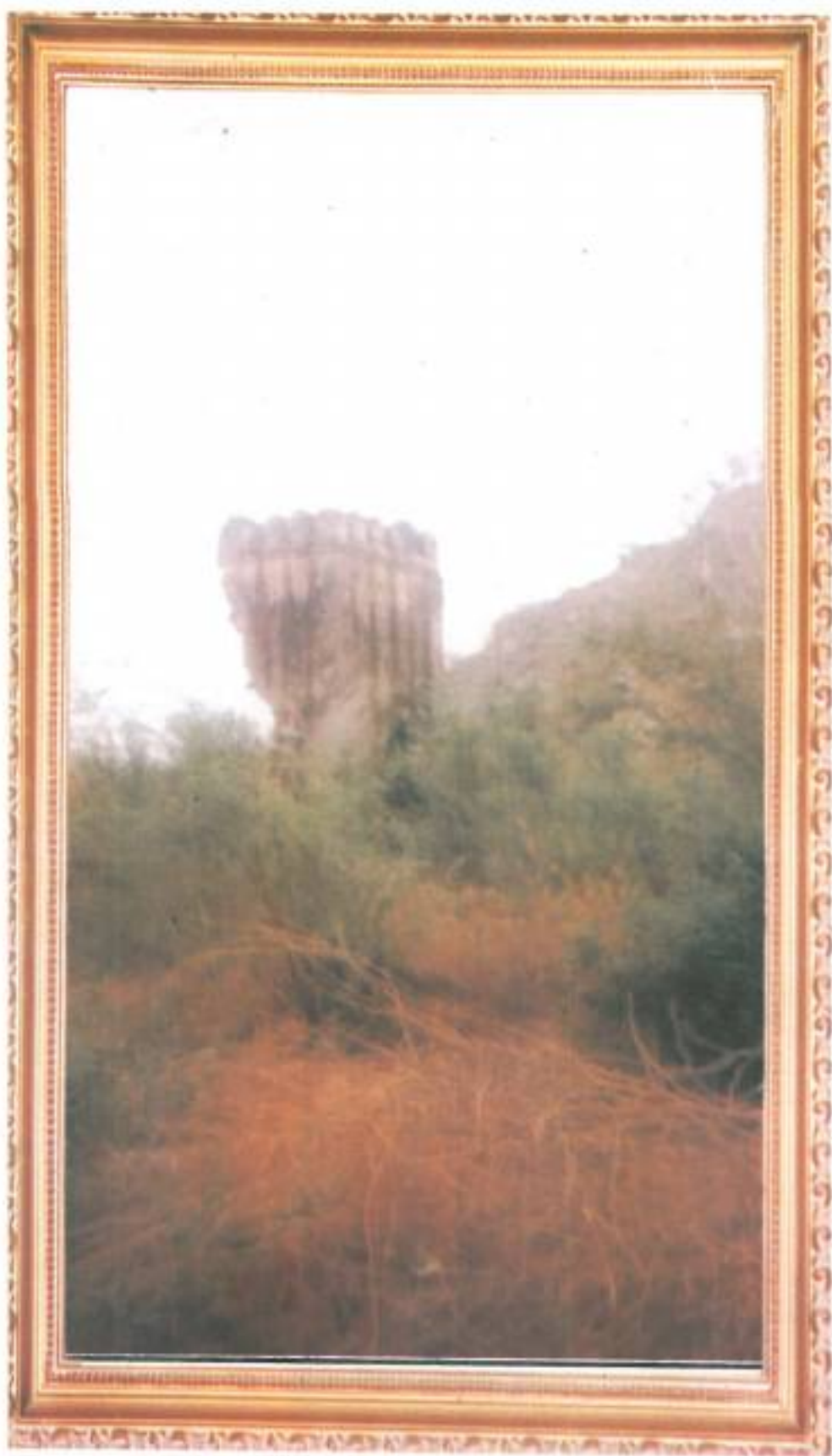
ناہر مقبرہ (واقع کوٹلہ بہادر ناہر خان

مضبوطی کی بناء پر تاریخوں میں ایک خاص شہرت کے حامل ہیں۔ یہ قلعے آج بھی سرزمین ہند پر موجود پائے جاتے ہیں۔

قلعہ اندور۔قلعہ گھرول۔اور قلعہ کوٹلہ ناہر۔جس کو۔''تاریخ فرشتہ''میں۔''قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر''تحریر کیا گیا ہے''۔مذکورہ تینوں قلعے پہاڑ کے اوپر نکالی ہوئی چوڑی سڑک کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے کوملانے کی بناء پر جنگی لحاظ سے نہایت ہی موزوں قرار پائے ہیں۔

سرزمین ہند پر میوات کے خانزادوں کی سابقہ عظمت کی گواہی دینے والے مذکورہ قلعہ جات سے متعلق:۔

مسٹر پی اے ہیک نے اپنی انگریزی''تاریخ گزیٹیرالور'' میں جوتحریر کیا ہےاس کااردوترجمہاس طرح ہے۔

''(تجارے کی پہاڑیاں خانزادوں کے زمانے میں بہت مشہور تھیں۔جن پران خانزادہ سرداروں کے قلعے اور مکانات بنے ہوئے تھے۔یہ پہاڑیاں اوپر سے اتنی چوڑی ہیں کہ ان کی چوٹی پرایک سڑک ایسی نکالی گئی جوکہ خانزادوں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کوملاتی ہے جوانہوں نے اندوراور کوٹلے کی پہاڑیوں میں بنائے ہوئے تھے۔)''

(یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تجارے کے پہاڑ سے ایک چشمہ ابلتا ہے۔جس کا صاف و شفاف پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا ہوتا ہے،اس چشمے کا پانی اپنی جگہ سے نکلنے کے بعد کچھ دور چل کر پہاڑ میں ہی ضم ہوجاتا ہے)

788ھ،1386ء میں فیروز شاہ بادشاہ نے اپنی ضعیفی کے باعث اپنی سلطنت کے تمام تر کام اپنے وزیر خان جہاں عرف تاج الدین کے سپرد کردیئے تھے تاج الدین جوایک مدت سے بادشاہی کے خواب دیکھتا چلا آرہا تھا۔اس موقع کوغنیمت جان کراس نے فیروز شاہ اوراس کے بیٹے ناصرالدین محمد شاہ تغلق میں

دشمنی کرادی تاکہ حصول تخت میں آسانی رہے لیکن جلد ہی جب خاں جہاں کا یہ راز افشاء ہوا تو یہ فیروز تغلق کے بیٹے شہزادہ ناصر الدین محمد شاہ سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگ نکلا اور دربار فیروز کے معتمد امیر بہادر ناہر خان کے پاس میوات میں پہنچ کر اس سے پناہ کا طالب ہوا۔ والئی میوات ناہر خان میواتی دہلی دربار کی ایک زبردست و با اعتماد شخصیت تھی۔ اس لئے والئی میوات نے دربار فیروز شاہی کے اعتماد کو برقرار رکھنے کی غرض سے اپنے پاس آئے ہوئے پناہ کے طالب وزیر خان جہاں کو اپنے ماتحت سردار کو کائے چوہان (رئیس ماہاری) کے پاس بخاطر حفاظت روانہ کر دیا۔ اس وزیر کی گرفتاری کے لئے جب محمد شاہ نے اپنے بیٹے سکندر شاہ تغلق کو روانہ کیا تو رئیس ماہاری اس کی حفاظت نہ کر پایا۔ اور اس سردار نے وزیر خان جہاں کو سکندر شاہ کے سپرد کر دیا۔ اپنی گرفتاری کے بعد دربار فیروز شاہی میں پہنچ کر اس وزیر خان جہاں نے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف کیا اور فیروز شاہ بادشاہ سے معافی کا طلبگار رہوا۔ نرم دل بادشاہ نے اپنے اس مذکورہ وزیر کی پچھلی تمام خطاؤ کو معاف کرتے ہوئے اسے دوبارہ اس کے سابقہ عہدے پر بحال کر دیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد فیروز شاہ بادشاہ کسی بات پر اپنے بیٹے ناصر الدین محمد شاہ سے بھی ناراض ہو گیا اور پھر اپنے امراء کے مشورے سے اس نے اپنے بیٹے محمد شاہ کی بجائے اپنے پوتے تغلق بن فتح خان کو اپنا جانشین نامزد کر دیا جو فیروز شاہ بادشاہ کی وفات (ماہ رمضان 790ھ 1388ء) کے بعد "سلطان غیاث الدین تغلق ثانی" کے لقب سے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔

تغلق بن فتح خان بلقب سلطان غیاث الدین تغلق ثانی نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد بہادر ناہر خان (والئی میوات) کو اپنے دربار میں میوات سے بلوایا اور صلاح و مشورے کے بعد ناہر خان کو اپنے وزیر خان جہاں عرف تاج الدین کے ہمراہ ایک بہت بڑا لشکر دے کر ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز تغلق کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ والئی میوات ناہر خان کے بھرپور حملے سے شہزادہ ناصر الدین محمد شاہ شکست کھا کر قلعہ کوٹ

نگر میں جا چھپا۔
محمد شاہ کے بھاگ جانے پر وزیر خان جہاں اور بہادر ناہر خان (والئی میوات) واپس دہلی لوٹ آئے۔

اس کے کچھ عرصے بعد سلطان غیاث الدین (تغلق ثانی) اپنے چچازاد بھائی ''ابوبکر بن ظفر خان تغلق'' کی بغاوت میں مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد 791ھ، 19 ستمبر 1389ء میں ابوبکر بن ظفر تغلق سلطنتِ دہلی کے تاج و تخت کا مالک بنا۔ ابوبکر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اپنے خیر خواہ وزیر رکن الدین کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنا تخت غیر محفوظ کر لیا تھا۔ اسی دوران اس کا چچا محمد شاہ بن فیروز تغلق سرمور کی پہاڑیوں سے نکل کر حصولِ تخت کے لئے سامانہ پہنچ گیا ابوبکر اور محمد شاہ کے درمیان دہلی شہر کے باہر لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ''بہادر ناہر خان میواتی نے ابوبکر تغلق کا بھرپور ساتھ دیا۔ جس کے باعث اس جنگ میں شہزادہ ناصر الدین محمد شاہ تغلق شکست کھا کر دوآب کی جانب بھاگ گیا۔

اس کے بعد 02، جمادی الاول 792ھ 1390ء میں اپنے بھتیجے ابوبکر شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) سے لڑنے کے لئے ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز تغلق فیروز آباد آن پہنچا اس کی آمد پر ابوبکر شاہ نے اپنے محسن والئی میوات بہادر ناہر خان میواتی کو پھر پیغام بھیجا کہ:

''(وہ اس آڑے وقت میں اس کی مدد کرے۔)''

اس پیغام کے ملتے ہی (والئی میوات) اپنے میوات سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر فیروز آباد آن پہنچا۔ جب راجپوت خانزادوں کا یہ لشکر شہر میں داخل ہوا تو ابوبکر خوشی میں مست ہو کر باہمت و باحوصلہ ہو گیا جبکہ دوسری طرف مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات کے راجپوتی لشکر کے آمد کی خبر پا کر شہزادہ محمد شاہ تغلق حوصلہ ہار بیٹھا۔ دوسرے روز بہادر ناہر خان میواتی کے ساتھ مل کر ابوبکر شہر سے باہر نکل کر فیروز آباد کے میدان میں آیا۔ جہاں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں کافی کشت۔ وخون ہوا۔ والئی میوات کی فوج نے اپنے

راجپوتی جنگی جوہر دکھاتے ہوئے شہزادہ ناصر الدین محمد شاہ تغلق کو شکست فاش دی محمد شاہ اپنی جان بچا کر جالیسر کی جانب بھاگ گیا اور پھر اس نے "جالیسر" ہی کو اپنا مرکز بنایا۔

مذکورہ جنگ کا ذکر ملا عبدالقادر، بدایوانی اپنی فارسی "منتخب التواریخ" جلد اول صفحہ 259، پر تحریر فرماتے ہیں کہ: "(ابوبکر شاہ، بتقویت خانزادہ بہادر ناہر خان میواتی صف آرائی کردہ 02، جمادی الاول سن مذکور در میدان فیراز آباد محمد شاہ جنگ کردہ، فیروز گشت۔)"

"(ترجمہ: ابوبکر شاہ نے ۰۲، جمادی الاول سن مذکور (یعنی 792ھ، 1390ء) میں خانزادہ بہادر ناہر خان میواتی کی طاقت پر محمد شاہ سے جنگ کر کے فیروز آباد کے میدان پر فتح حاصل کی۔)"

اس فتحیابی کے بعد جلد ہی ابوبکر کا ایک ہمراز سردار اسلام خان کسی بات پر اس سے ناراض ہوا۔ اور اپنے ایک خط کے ذریعے ابوبکر شاہ کی تمام تر کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے محمد شاہ بن فیراز تغلق کو دہلی پر حملے کی دعوت دی۔ ابوبکر جب سردار اسلام خان کے اس راز سے باخبر ہوا تو اس کا اپنے دیگر امراء سے بھی اعتماد اٹھ گیا اور دہلی کے اندر وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگا۔ اس لئے خاص معتمدوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے کر وہ والئی میوات سے ملاقات کے بہانے میوات کے "قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر" میں بہادر ناہر خان میواتی کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔ ابوبکر تغلق کی اس عدم موجودگی میں اسلام خان کا اشارہ پاتے ہی ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز تغلق بلا روک ٹوک دہلی میں داخل ہو کر 792ھ 31، اگست 1390ء کو فیروز آباد میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

"مذکورہ سلسلے کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک و ہند" (علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور) صفحہ 247 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆"(اپنے چچا محمد شاہ کو شکست دینے کے باوجود بھی ابوبکر کی حیثیت دہلی میں محفوظ نہ تھی اس لئے

اس نے اپنے ایک حامی سردار بہادر ناہر خان کے پاس میوات میں پناہ لی اس کی عدم موجودگی میں شہزادہ محمد چند امراء کی دعوت پر دہلی میں داخل ہوا اور ناصر الدین محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوگیا۔)'' ☆

بہادر ناہر خان (والئی میوات اول) کی مدد کی بناء پر محمد بن فیروز تغلق دوبار شکست کھا چکا تھا۔ اس لئے اسے بخوبی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ بہادر ناہر میواتی ہر موڑ پر ابوبکر تغلق کی ہر ممکن مدد کرے گا۔ اسی خدشے کے تحت اس مرتبہ ماہ محرم 793ھ، 1391ء 1447 بکرمی میں یہ رائے رانا اور ہندو وغیرہ پر مشتمل ایک بہت ہی بڑا اجرار لشکر لے کر میوات پر حملہ آور ہوا۔

ابوبکر کا مددگار بن کر بہادر ناہر خان اپنے قلعہ کوٹلہ ناہر سے باہر آیا گھمسان کی جنگ ہوئی ابوبکر شاہ تغلق جان توڑ کر لڑا۔ مگر محمد شاہ تغلق کے بیٹے ہمایوں خان (سکندر شاہ تغلق) نے بڑی ہمت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور وہ اس قدر جم کر لڑا کہ بہادر ناہر خان میواتی (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات) اور ابوبکر شاہ تغلق کو واپس ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں جانا پڑا محمد شاہ تغلق کی ٹڈی دل فوج نے قلعہ کوٹلہ کو اپنے مکمل گھیرے میں لے لیا جس کے بعد ابوبکر اور بہادر ناہر میواتی صلح پر آمادہ ہوئے۔

ناصر الدین محمد تغلق نے میواتی خان زادوں کی بغاوت کے خدشے کے پیش نظر ناہر خان میواتی (والئی میوات) کو تو بروقت خلعت فاخرہ اور انعام و اکرام سے نواز کر رخصت کر دیا۔ مگر اپنے بھتیجے ابوبکر کو محمد شاہ اپنے ساتھ لے گیا اور اسے ''قلعہ میرٹھ'' میں قید کر دیا جہاں وہ حالت اسیری میں وفات پا گیا۔

ماہ رمضان 792ھ، 1390ء میں دربار شاہی کے چند امراء کا ابوبکر سے ناراض ہو کر اپنے پوشیدہ خطوط کے ذریعے محمد شاہ کو دہلی پر حملے کی دعوت دینے کے راز کے افشاء ہونے پر خود کو غیر محفوظ جان کر ابوبکر کی ناہر خان میواتی کے ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں پناہ گزینی اور اس کی عدم موجودگی میں محمد شاہ تغلق کی دہلی میں اپنی تخت نشینی کے بعد اس کی ماہ محرم 793ھ 1391ء میں میوات میں ہونے والی مذکورہ جنگ اور جنگ کی صلح پر بہادر ناہر کو

انعام واکرام کے بعد رخصتی اور ابوبکر تغلق کی قلعہ میرٹھ میں حالت اسیری میں وفات کا ذکر:

''ملا عبدالقادر بدایونی'' اپنی فارسی ''منتخب التواریخ'' اول صفحہ 261 پر اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

''در ماہ رمضان سن مذکورہ مبشر چپ وبعضے از بندگان فیروز شاہی بسبے از اسباب از ابوبکر رنجیدہ بودند پنہانی خطوط بہ محمد شاہ نوشتہ اور ااستدعا نمودہ وابوبکر شاہ بعد از وقوف برآں حال بے دست وپا شدہ بہ تقریب استمداد از بہادر ناہر روسے بجانب کوٹلہ میوات نہاد وبعد ازیں حادثہ کمر متوانست بست وہم دریں کوٹلہ بود تا آنکہ بکوچ متواتر محمد شاہ برسر ابوبکر رفت وبہادر ناہر میواتی وابوبکر شاہ کہ پناہ بہ او بردہ بودند بعد از جنگ بسیار امان خورستہ محمد شاہ رادیدند وبہادر ناہر خلعت ونوازش یافت وابوبکر شاہ راور قلعہ میرٹھ محبوس ساختند تا بہ ہماں جس از جس خانہ دنیا رست'' (مرقع میوات صفحہ 239)

مذکورہ سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر صاحب اپنی ''تاریخ پاک ہند'' علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور صفحہ 248 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(ناصرالدین نے ابوبکر کے خلاف فوج کشی کی اور اب گرفتار کر کے قید کر لیا لیکن اس کے حامی سردار بہادر ناہر کو معاف کر دیا اور ابوبکر میرٹھ کے مقام پر حالت اسیری میں مرگیا۔) ناصرالدین محمد شاہ کی میوات سے واپسی کے بعد 794ھ، 1392ء میں والئی میوات نے محمد شاہ (بادشاہ دہلی) کے خلاف بغاوت کر دی۔ ابوبکر کو اپنی قیدی بنا کر لے آنے کے بعد: بہادر ناہر کی اس بغاوت پر بادشاہ کا یہ خدشہ یقین میں تبدیل ہو گیا بہادر ناہر خان (والئی میوات) اس کی حکومت کے لئے مسلسل ایک خطرہ ہے۔ اور وہ کسی بھی وقت اپنی اور ابوبکر کی شکست کا بدلہ لینے کے بہانے اس سے ٹکرا کر اس کی حکومت پر قابض ہوسکتا ہے اس خدشے کی بناء پر محمد شاہ (بادشاہ دہلی) نے بہادر ناہر خان (والئی میوات) کی حکومت کو کمزور کرنے کی غرض سے ماہ شوال 795ھ، 1393ء

1449 بکرمی میں میوات پر ایک زبردست حملہ کر کے اسے تاراج و برباد کیا اس حملے میں میوات کے راجپوت خانزادوں کا بھاری جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس حملے کے بعد بادشاہ جالیسر پہنچ کر بیمار پڑ گیا۔

بادشاہ دہلی کی واپسی کے بعد اپنے علاقہ میوات کے نقصان پر بہادر ناہر خان میواتی بگڑ گیا اور اس نے دہلی پر مسلسل حملے شروع کر دیئے۔ اور دہلی کے اردگرد کے بہت سے مواضعات لوٹ کھسوٹ کر اس (والئی میوات) نے تباہ و برباد کر دیئے اسی اثنا میں دوآب کے زمینداروں نے بھی بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ 796ھ جنوری 1394ء میں اپنے آخری حملے کے دوران والئی میوات بہادر ناہر نے دہلی کو دہلی دروازے تک برباد کر دیا۔

مذکورہ حملوں سے متعلق: پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک ہند" (اردو بازار لاہور) صفحہ 248، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆"(اسی اثناء میں دوآب کے زمیداروں نے بغاوت کر دی۔ ان کے خلاف فوج کشی کی گئی۔ بہادر ناہر نے دہلی پر حملے شروع کر دیئے۔)"

ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ کو جب بہادر ناہر کی سرکشی اور دہلی کی بربادی کی خبر ملی تو اس نے مجبوراً اپنی بیماری کی حالت میں 796ھ 1394ء ہی میں میوات پر فوج کشی کی۔ بادشاہ دہلی جب کوٹلہ کے قریب پہنچا تو بہادر ناہر خان میواتی مقابلے پر آیا۔ ان دونوں کے درمیان خوں ریز جنگ ہوئی۔ والئی میوات کو جب اپنی کامیابی کسی بھی صورت میں نظر نہ آئی تو یہ واپس اپنے قلعہ کوٹلہ میں آیا اور پھر یہاں سے جھرکہ کے پہاڑوں کی جانب نکل گیا۔

ناصر الدین محمد شاہ اپنی بیماری کے غلبے کی وجہ سے واپس دہلی آ گیا اور 17، ربیع الاول 796ھ 1394ء میں وفات پا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا "ہمایوں تغلق، علاؤالدین سکندر شاہ" کا لقب اختیار

کر کے تختِ دہلی پر بیٹھا مگر یہ اپنی تخت نشینی کے چند روز بعد وفات کر گیا۔

علاؤالدین سکندر شاہ کی وفات کے بعد امراء دہلی نے اس کے دوسرے بھائی محمود تغلق کو 796ھ مارچ 1394ء میں ''سلطان نصیرالدین محمود'' کا لقب دے کر تختِ دہلی پر بٹھا دیا۔

سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق کے زمانے میں جب باغیوں نے سر اٹھایا تو ان کی سرکوبی کے لئے یہ گوالیار گیا۔ جہاں پر والئی میوات بہادر ناہر خان کے پوتے سردار ملوخان نے بادشاہ دہلی کے ایک امیر سردار سعادت خان پر حملہ کر کے اسے قتل کرنا چاہا لیکن اس حملے میں سعادت خان کے بچ جانے پر ملوخان یہاں سے بھاگ نکلا اور دہلی میں آ کر نصیرالدین محمود کے وزیر مقرب خان کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ جب گوالیار سے سلطان محمود واپس دہلی آیا تو مقرب خان اپنے بادشاہ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا۔ لیکن مقرب خان (وکیل سلطنت) نے (ملوخان کو اپنے پاس پناہ دینے کی بناء پر۔) سلطان محمود کو خود سے ناراض پایا۔ جس کی بناء پر مقرب خان کی اپنے بادشاہ سے لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں سردار بہادر ناہر خان (والئی میوات) اور اس کا پوتا ملوخان۔ (وکیل سلطنت مقرب خان) کے طرفدار بن کر سلطان محمود سے لڑتے رہے۔ تین ماہ کی مسلسل لڑائی کے بعد جب بادشاہ دہلی کو اپنی کامیابی خطرے میں نظر آئی تو اس نے اپنے وزیر مقرب خان سے صلح کر لی اور اس کے تمام قصور معاف کر دیئے اس کے بعد سلطان محمود شاہ تغلق شہر میں داخل ہوا۔ اور پھر اپنے وزیر مقرب خان کی سفارش پر بہادر ناہر خان میواتی کو ایک بھاری جمعیت کے ساتھ 797ھ 1395ء میں پرانی دہلی کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے پوتے خان زادہ ملو کو 'اقبال خان'' کے خطاب سے نواز کر ''قلعہ سیری'' اس کے سپرد کیا۔ (اس قلعہ نما شہر سیری کی بنیاد 1303ء میں علاؤالدین خلجی نے رکھی تھی۔ اپنے دشمن پر سلطان نصیرالدین محمود کی مذکورہ نوازش کی بناء پر اس کا امیر سعادت خان اس سے ناراض ہوا۔ اور پھر جلد ہی سردار سعادت خان نے چند امراء کو اپنے ساتھ ملا کر۔ نصرت شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ تغلق کو ''فیروز آباد'' میں اپنا

بادشاہ بنالیا اور سلطنت کا تمام تر کاروبار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مذکورہ سازش میں بعض مورخین خانزادہ ملو اقبال کو بھی شریک کار ٹھہراتے ہیں جیسا کہ:۔

پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک ہند'' ''علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور'' صفحہ 249 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(ملو نے پہلے نصرت شاہ کا ساتھ دیا۔ پھر اس کے خلاف ہوگیا۔ اور اسے دہلی سے نکال دیا۔ مقرب خان نے ایک دفعہ ملو کی جان بچائی تھی اسی کی کوشش سے اسے ''اقبال خان'' کا خطاب حاصل ہوا تھا۔ ملو نے اپنے محسن کے ساتھ غداری کی محمود تغلق کی حکومت دہلی چار دیواری تک محدود تھی۔)''

سلطنت دہلی پر جب مذکورہ دونوں بادشاہ حکومت کر رہے تھے اس دوران بہادر ناہر خان میواتی (والئی میوات) کسی بات پر یہ سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق سے ناراض ہوا۔ جس کے بعد اس نے اپنے پوتے ملو خان کو اشارہ دے کر مذکورہ دونوں بادشاہوں میں لڑائی کرادی۔ یہ لڑائی کم وبیش ڈھائی سال تک رہی۔ ملو خان پہلے تو سلطان محمود کا طرفدار بن کر نصرت شاہ سے لڑتا رہا اور پھر یہ ماہ شوال 800ھ 1397ء میں سلطان محمود سے ناراض ہوکر نصرت شاہ بادشاہ سے فیروز آباد میں جاملا اور تین دن بعد ہی نصرت شاہ سے کیے ہوئے تمام وعدہ وعہد توڑ کر ملو خان قلعہ سیری سے نصرت شاہ پر حملہ آور ہوا نصرت شاہ اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لاکر معہ اہل وعیال پانی پت کی جانب بھاگ گیا۔ اس کے بعد ملو اقبال خان فیروز آباد میں تخت نشین ہوا۔ اور پھر یہ سلطان محمود کے وزیر مقرب خان سے لڑائی لڑنے لگا امراء نے ان دونوں کے درمیان صلح کرائی مگر ملو خان نے بدعہدی کر کے ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر اپنے محسن مقرب خان کو بھی موت کے گھات اتاردیا اور پھر فیروز آباد اور دہلی پر اپنا قبضہ جما کر یہ خانزادہ ملو خان ذیقعد 800ھ 1397ء میں سلطان نصیر الدین محمود کا وزیر اعظم بن بیٹھا۔ اپنے وزیر مقرب خان کے مارے جانے پر سلطان محمود بے بس

ہو کر مکمل طور پر خانزادہ ملو اقبال خان کے قبضہ اختیار میں آ گیا جس کے بعد یہ ملو خان کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے لگا۔ غرض یہ کہ بہادر ناہر خان کے ذہن کی اختراع اپنی تکمیل سے ہمکنار ہوئی۔

دہلی سلطنت پر ملو اقبال کے قبضے کے ایک ڈیڑھ ماہ بعد 08 محرم 801ھ 1398ء میں امیر تیمور ہندوستانی سرحد میں داخل ہوا اور مختلف علاقہ جات کو فتح کرتا ہوا یہ ماہ ربیع الاول 801ھ 1398ء میں دہلی سے چھ میل (ساڑھے نو کلو میٹر) دور قصر جہاں نما میں آ پہنچا۔ جہاں 07، ربیع الاول 801ھ 1398ء کو ملو اقبال اپنے بادشاہ سلطان محمود کے ہمراہ امیر تیمور سے مدمقابل ہوا۔ مگر اپنی شکست کے بعد ملو اور سلطان محمود دونوں فرار ہو گئے۔ اور تیمور بھی دیگر علاقہ جات فتح کرنے کی غرض سے یہاں سے چلا گیا اس کے جاتے ہی ملو اقبال اور سلطان محمود تغلق دوبارہ دہلی پر قابض ہو گئے۔

اپنے پہلے حملے کے کم وبیش سوا دو ماہ بعد سلطنت دہلی پر دوبارہ حملے کی خاطر امیر تیمور ماہ جمادی الاول 801ھ 1398ء میں فیروز آباد آن پہنچا۔ اور یہاں پہنچتے ہی تیمور نے اپنے امراء کے مشورے پر اپنے ایک لاکھ کافر جنگی قیدیوں کو قتل کرا دیا۔ جس کے بعد یہ ملو خان اور سلطان نصیر الدین محمود سے مدمقابل ہوا۔ سلطان اور ملو اقبال اپنی شکست کے بعد فرار ہوئے تیمور نے ان کے تعاقب میں اپنے فوجی دستے روانہ کیے مگر یہ دونوں ہاتھ نہ آئے۔ ملو اقبال مقام چونڈیرہ ضلع بلند شہر چلا گیا اور سلطان محمود گجرات کی جانب نکل گیا۔ (امیر تیمور کے مذکورہ حملوں کی تفصیل (ملو اقبال خان کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے۔)

بادشاہ اور ملو خان کے فرار کے بعد تیموری فوج نے مسلسل پانچ روز تک دہلی میں قتل عام جاری رکھا اس قتل عام میں اسی ہزار بقول بعض ایک لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے جن میں بڑے بڑے علماء کرام صوفیاء کرام اور بہت سارے بے گناہ شامل تھے۔ ان کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے اس کے علاوہ مال غنیمت میں مردوں عورتوں بچوں صناعوں دستکاروں، معماروں اور دیگر ہنرمندوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنے ساتھ سمر

قند لے جایا گیا۔

امیر تیمور نے اپنی واپسی کے وقت (والئی میوات) کی شجاعت کے چرچے سن کر ناہر میواتی کے پاس اپنی ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر روانہ کی جس کا بہادر ناہر خان میواتی نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور عمدہ جواب لکھا اور جواب کے ساتھ ہی بہادر ناہر خان (والئی میوات) نے سفید رنگ کے دو طوطے ''(جو اپنی شیریں گفتاری میں اپنی مثال آپ کی بناء پر پورے ہندوستان میں'' (کاکا، توا کے نام سے ایک خاص شہرت رکھتے تھے)'' (تیمور کو بطور تحفہ بھیجے۔) (یاد رہے طوطے کا یہ جوڑا ''فیروز شاہ نے بہادر ناہر کو بطور تحفہ عنایت کیا تھا۔ ایک زمانے میں طوطے کا یہ جوڑ ادر بار فیروز شاہی کے امراء و کبار کو اپنی شیریں گفتاری سے محفوظ کیا کرتا تھا۔'' (ان طوطوں کی شیریں گفتاری کا ذکر مختلف تاریخوں میں جا بجا پایا جاتا ہے)''۔ شاہان دہلی سے تعلق رکھنے والا یہ عظیم نایاب و شاندار تحفہ جب امیر تیمور کے پاس پہنچا تو وہ ان طوطوں کی شیریں گفتاری سن کر نہ صرف متعجب و حیران ہوا بلکہ بہت ہی زیادہ خوش ہوا۔ اور پھر فوراً اس نے اپنے خادمین خاص کو ان نایاب طوطوں کی حفاظت و خوراک پر معمور کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ روزانہ ان طوطوں کی میٹھی اور پیاری باتیں اسے سنوایا کریں۔

ناہر خان میواتی کے مذکورہ اخلاص و محبت کے اظہار سے متاثر ہو کر امیر تیمور نے سید شمس الدین ترمذی اور علاؤالدین نائب شیخا کھوکھری کو اپنی جانب سے بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات) کے پاس بالمشافہ ملاقات کی غرض سے روانہ کیا۔

پیغام ملاقات ملتے ہی تیموری سرداروں کے ساتھ اپنے بیٹوں اور اپنے پوتے کلتاج خان (قلتاش خان) اور ان تمام سرداروں کو جو اس کے پاس'' (قلعہ کوٹلہ ناہر)'' میں پناہ گزیں تھے جن میں مغلوں کا منظور نظر ''سید خضر خان'' بھی تھا اپنے ہمراہ لے کر بہادر ناہر خان بروز جمعہ 24، جمادی الاول 801ھ

1398ء1454 بکرمی کو امیر تیمور سے ملاقات کے لئے ''فیرز آباد'' آ پہنچا۔

(مذکورہ ملاقات کا ذکر ''سید خضر خان'' کے عنوان میں بیان کیا گیا۔) اور ''سید خضر خان کی کوٹلہ ناہر میں پناہ گزینی کا ذکر ''ملو اقبال خان'' کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔ ملک میوات کے راجپوت خانزادہ قبیلے کی شجاعت اور میوات پر ان کی خود مختارانہ حکومت سے باخبر امیر تیمور ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد یہ جان چکا تھا کہ سری کرشن جیؒ (اوتار) کی نسل کے راجہ تہن پال (والئی تہن گڑھ) کی نسل کے مذکورہ سردار بہادر ناہر خان میواتی کی دربار فیروز شاہی کے امراء و کبار میں ایک زبردست و خاص اہمیت رہی ہے۔ اور سلطنت دہلی کے لئے دو بادشاہ پیدا کرنے کے بعد ان میں خانہ جنگی کرانا بھی اسی سردار کے ذہن کی اختراع ہے غرض یہ کہ والئی میوات کے حسب نسب کے ساتھ ساتھ تیمور اس کے پوتے قلتاش خان کی جنگی صلاحیتوں اور اس کی مہارت شمشیر زنی و تیر اندازی کی شہرت بھی سن چکا تھا۔ اس لئے بہادر ناہر خان (والئی میوات) کی آمد کے وقت امیر تیمور نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس کی بہت ہی زیادہ عزت افزائی کی اور مذکورہ سفید طوطوں کے تحفے کی نسبت تعریف کرتے ہوئے تیمور نے اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

دورانِ ملاقات والئی میوات نے جب اپنے ساتھ لائے ہوئے پوتے قلتاش خان کی شجاعت اور سیّد خضر خان کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے انہیں امیر تیمور سے متعارف کرایا تو ان دونوں کو امیر تیمور نے والئی میوات سے طلب کرکے اپنی مہمات میں شامل کرلیا۔ اور پھر اس خوشگوار و طویل ملاقات کے اختتام پر تیمور نے والئی میوات کو۔ ''خان'' کے عظیم خطاب سے نوازا۔

اس سلسلے میں جناب خداداد خان عظیم آبادی اپنی ''تاریخ خانانِ میوات'' 22 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (''ساپر پال'' جادو'' کو پہلے فیروز شاہ سے ''بہادر ناہر'' کا خطاب ملا تھا۔ جب امیر تیمور

ہندوستان میں آیا اور بہادر ناہر نے دو سفید رنگ کے طوطے بطورِ تحفہ امیر مذکور کے پاس بھیجے تو اس نے خوش ہو کر اپنے ملکی قاعدے کے بموجب اس کو ''خان'' کے خطاب سے مرحمت فرمایا۔ تب سے اُسے ''بہادر ناہر خان'' اور کثرتِ استعمال سے صرف ''ناہر خان'' بھی کہنے لگے'')۔☆

☆ (یہاں پر یہ یاد رہے کہ اس سے پہلے 1355ء میں۔ شیر مار کر اس کی جان بچانے کے صلے میں فیروز شاہ تغلق نے سانپر پال کو۔ ''بہادر ناہر'' کا خطاب عطا کیا اور پھر مسلمان ہونے پر اسے ''خان'' کے عظیم خطاب سے نوازا تھا۔ جس کے بعد اس سانپر پال کا اسلامی نام ''بہادر ناہر خان'' ہی تجویز ہوا)۔☆

اس مرتبہ امیر تیمور دہلی (فیروز آباد) میں اپنے دس دن بقول بعض چودہ دن قیام کے بعد سیّد خضر خان اور خان زادہ قلتاش خان کو اپنے ہمراہ لے کر میرٹھ کی جانب چلا گیا۔

تیمور کی یہاں سے واپسی کے بعد گلی سڑی لاشوں سے تعفّن پھیل گیا۔ طاعون کی وباء پھوٹ پڑی اس بیماری سے بے شمار لوگ لقمہء اجل بنے پورے دو ماہ تک قلعہ سیری اور پرانی دہلی ویران پڑی رہی اس عرصے میں یہاں انسان تو کیا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔

تیمور کی یہاں سے واپسی کے تین یا ساڑھے تین ماہ بعد ماہ رمضان 801ھ 1398ء میں اس موقع کو غنیمت جان کر نصرت شاہ تغلق نے ویران پڑی ہوئی دہلی پر اپنا قبضہ جمالیا۔ اور پھر جلد ہی نصرت شاہ نے ماہ شوال 801ھ 1398ء میں پیر شہاب خان کو ملو اقبال کے دفعیہ کی خاطر بلند شہر کی جانب روانہ کیا۔ ملو خان کا اشارہ پا کر اس کے عزیز و اقارب نے خانزادہ پیر شہاب خان کو قتل کر کے اس کا کُل سامان لوٹ لیا۔ اس کے بعد ملو نے مال اسباب جمع کیا اور پیر شہاب کے قتل کے دو تین ماہ بعد ماہ محرم 802ھ 1399ء میں یہ دہلی پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ تغلق مقابلے کی تاب نہ لا کر اپنی جان بچاتے ہوئے میوات کی جانب بھاگ گیا۔ سلطنتِ دہلی پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد ملو نے گجرات سے سلطان محمود کو بلوا کر تختِ دہلی پر بٹھا دیا۔ اور

سلطنت کے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اسے روٹی کپڑا اور مکان پر رکھتے ہوئے پہلے کی طرح برائے نام اپنا بادشاہ بنالیا۔ اور سلطان نصیر الدین محمود تغلق نے بھی پہلے کی طرح صبر کیا اور سلطنت کے کاموں میں کوئی بھی دخل نہ دیا۔

ماہ جمادی الاوّل 803ھ 1400ء میں ملّو۔ اقبال خان نے جب مبارک شاہ شرقی (حاکم جونپور) پر حملے کے لئے قنوج کی جانب کوچ کیا تو بہادر ناہر خان (والئی میوات اوّل) اپنے پوتے ملّو کا مدد گار بن کر اس کے ساتھ گیا تو راستے میں ''قلعہ بیتالی'' کے قریب رائے سمیر اور وہاں کے دیگر سردار جو سب یہاں ملّو سے مقابلے کے لئے جمع ہوئے تھے اُن سب کو ان دادا پوتوں نے مل کر شکست فاش دی۔ اس کے بعد جب یہ قنوج کی جانب گئے تو راستے میں گنگا ندی حائل تھی۔ ان دونوں فوجوں نے اپنے اپنے کنارے پر۔ پڑاؤ ڈالے رکھا۔ اور ندی عبور کرنے کی کسی کو مجال نہ ہوئی دو ماہ بعد دونوں فوجیں بغیر کوئی معرکہ کئے منتشر ہو گئیں۔ یہاں سے واپسی کے بعد بہادر ناہر خان نے سلطنت کے کاموں میں دلچسپی لینا کم کر دی۔

804ھ 1401ء 1457 بکرمی میں ناہر خان نے اپنے پرگنہ جات اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کر دیئے۔

دربار فیروز کی معتمد و بااثر شخصیت یہ بہادر ناہر خان دربار فیروز شاہی کے آسمان پر سب سے زیادہ ستارا بن کر چمکا۔ اور قلعہ الور کی فتح کے بعد اس کی سلطنت کی تاریخ مشہور ہوگئی اس کی حکومت و شجاعت کے اذکار فارسی، ترکی، اُردو اور انگریزی تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اس جادو بنسی راجپوت سردار بہادر ناہر کے خطاب ''خان'' کی نسبت اس سے پیدا ہونے والی نسل خانزادہ کہلائی اور یہ اپنی قوم کا مورثِ اعلیٰ ہوا۔

خانزادہ قوم سے متعلق مولوی عبدالشکور اپنے ''رسالۂ حالاتِ میوات'' صفحہ 32، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''بہادر ناہر خان کی اولاد بہت دنوں تک برسرِ عروج رہی۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو انہوں نے اپنا مطیع وفرمانبردار بنالیا تھا۔ خانزادوں کی قوم ایک بڑی قوم ہے۔'')

بہادر ناہر کے قبول اسلام پر ناراض اس کے خسر ٹھاکر جھاموں سنگھ نے 805ھ، 1402ء 1458 بکرمی میں اپنے بیٹوں کی مدد سے اسے شہید کردیا اس نے تمیں اکتیس سال تک علاقہ میوات پر خودمختیارانہ حکومت کی اس کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا بہادر خان حکومت میوات کی گدی پر مسند نشین ہوا۔

☆☆

(ناہر۔گنہ جات کی تقسیم)

جادوبنسی راجپوت سردار بہادر ناہر خان والئی میوات اول (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات) نے اپنی پیرسنی کے باعث نہ صرف اپنی حکومت کے کاموں میں دلچسپی لینا ترک کردی بلکہ اس نے 804ھ 1401ء میں اپنا مقبوضہ علاقہ اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کردیا تاکہ اس کے بعد بھائیوں میں کسی بھی قسم کا کوئی نفاق نہ پڑے۔

بہادر ناہر خان کے پرگنہ جات کی اپنے بیٹوں میں تقسیم سے متعلق: مولوی عبدالشکور صاحب اپنی۔ ''تاریخ میوات'' صفحہ 50، لغایت 80 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(جب بہادر ناہر خان میوات کا حاکم بن بیٹھا تو سلطان ابوبکر تغلق نے کئی بار اس سے مدد مانگی تھی۔ میوات کی حکومت مدت تک اس کی اولاد کے پاس رہی۔ کیونکہ اس نے اپنی عین حیات ہی میں اپنا علاقہ اپنے بیٹوں میں تقسیم کردیا تھا۔'')

''بعض مورخین نے اپنی ایک مرکزی طاقت کو نو حصوں میں تقسیم کرنا ناہر خان کی سیاسی غلطی قرار دی ہے۔'' جبکہ یہاں پر بھائیوں میں اتفاق واتحاد برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلامی نقطہ نظر سے بھی اس وراثت کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دراصل ناہر خان میواتی کے اس دانشمندانہ قدم نے ہی خان زادوں کی خودمختیارانہ حکومت کو علاقہ میوات پر ایک سو پچپن سال کے طویل عرصے پر محیط کردیا۔

مختلف تاریخوں میں پایا جانے والا درج ذیل پرگنہ جات کی وراثت کا نقشہ جو مولوی شرف الدین احمد خان ''شرف'' نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے 243 ص اور 244 ص پر درج کیا ہے وہ اس طرح ہے۔

بہادرناہرخان۔والئ میوات اول(مورث اعلیٰ قوم خانزادگان میوات)کے "(پرگنہ جات کی تقسیم)"

نمبرشمار	نام فرزند	تعداد پرگنہ جات	نام دارالریاست	نام پرگنہ جات ومحلات
1	خان زادہ شاہ محمد خان (یہ لاولد فوت ہوا)	2	ریواڑی	جھجر، ریواڑی شاہ محمد کی وفات کے بعد مذکورہ علاقے اس کے بھتیجے سردار نصو سلطان خان کو ملے
2	خان زادہ بہادر خان (والئ میوات دوم)	22	الور	حویلی الور، بہادر پور (کا علاقہ) بالئیہ، ڈونگر پور ڈ یکر، بہروز، اسماعیل پور، کھلورہ، بہرکول، بیراٹھ، تھانہ موج پور، ہرسانہ حاجی پور، حسن پور، بڑودہ فتح خان، گھاٹہ، سوانہ، موزگانہ، منڈ اور ہرسورہ، بجھیڑہ
3	خان زادہ ملک علاؤالدین خان	14	تجارہ	حویلی تجارہ، رسکن، ہرسولی، بھنڈوسی مہسانہ، سوراداس، بھنڈوسی کل گاؤں موسے پور، اودے پور، پاٹن بینگن ہیڑی، خضر پور، گوتولی، سیملی (یادرہے ازسرنوتعمیر کے بعد نواب فیروز خان نے اس (سیملی) کا نام شاہ آبادرکھا تھا)

نمبر شمار	نام فرزند	تعداد پرگنہ جات	نام دارالریاست	نام پرگنہ جات ومحلات
4	خانزادہ پیر شہاب خان (شہید)	10	پہاڑی	پہاڑی۔ساکرس۔بہادس پنگواں۔جھراوٹ۔خان پور فیروز پور۔کھوہ کلاں۔کھوہ خرد علی نگر۔عرف (گھساؤلی)
5	ملک اہرودخان عرف (آڑدوخان) خانزادہ	10	اندور	اندور، بہوڑہ، سیرالہ، تاوڑو، پاٹودی، سرولی، کوٹلہ، دھولی پہاڑی، ماچھرولی، علمدیکا
6	خانزادہ سراج خان	01	سہنہ	سہنہ
7	فتح اللہ خان خانزادہ عرف (فتح خان)	3	کلنجر	کلنجر، سونکھ، سونکھری
8	خانزادہ نور خان	6	نوح	نوح، بڑوجی، اوجینیہ، اومری، اومرہ، کڑبڑہ
9	خانزادہ نظام خان	3	مانڈی کھیڑہ	مانڈی کھیڑہ، نگینہ، سانتھاواڑی
	ٹوٹل پرگنہ جات	71		

ناہر خان کی شہادت

757ھ،1355ء،1411 بکرمی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ اور فیروز شاہ تغلق (بادشاہ دہلی) کے مرشد حضرت نصیر الدین ''چراغ دہلوی'' کے ہاتھوں اپنے داماد سانپر پال (بہادر ناہر خان) کے مشرف با اسلام ہونے کے بعد اس کا خسر ٹھاکر جھاموں سنگھ اس کا جانی دشمن صرف اس لئے بن گیا تھا۔ کہ اس کے داماد بہادر ناہر خان (مورث اعلٰے قوم خانزادگان میوات) نے اپنے ساتھ اپنی بیوی ''(یعنی جھاموں سنگھ کی بیٹی)'' کو بھی داخل اسلام کر کے اس کے نزدیک ہندوؤں کی عمدہ اور اونچی ذات پر ایک بدنما داغ لگایا تھا۔ اور اس داغ کو اپنے داماد (بہادر ناہر میواتی) کے خون سے دھونے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن داخل اسلام کے ہونے سے لے کر اب تک کے اس طویل عرصے میں اپنے داماد کے خلاف بنائی ہوئی ٹھاکر جھاموں سنگھ کی تمام تر تدبیر وتراکیب بے سود رہیں جس کا اسے بڑا قلق رہا۔

804ھ1401ء میں اپنے پرگنہ جات کی وراثت کے بعد جب بہادر ناہر خان (والئی میوات) نے اپنی حکومت کے کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تو جھاموں سنگھ (رئیس جھاموداس) کے دل میں عرصہ دراز سے پرورش پانے والی خلش عود کر آئی۔ اس موقع کو اس نے غنیمت جانا۔ چونکہ پرگنہ جات کی وارثت کے بعد ایک مرکزی طاقت نو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور دوسری تقویت رانا کو اس خیال نے بھی بخشی کہ جاگیر کی مساوی وارثت نہ ہونے کی بناء پر ممکن ہے کہ باپ کے خلاف بیٹوں کے دلوں میں رنجش نے بھی جنم لیا ہو۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر رانا جھاموں سنگھ نے اپنے داماد بہادر ناہر خان سے بذریعہ پیغام ایک عرصہ پہلے اپنی بے وجہ ناراضی کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اپنے ہاں مہمان بننے کی عاجزانہ پیشکش کی جسے ناہر خان میواتی نے بخوشی قبول کر لیا۔

805ھ 1402ء 1458 بکرمی میں نیک نیت ناہر خان جھاموداس پہنچ کر جب اپنے سسر کا

مہمان بنا تو چالباز سسر اور اس کے معاون و مددگار بیٹے اسے دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور نہایت اخلاص ومحبت سے پیش آئے۔ عرصہ دراز پہلے والی متلاشی منزل اپنے قریب پا کر رانا مذکور نے اپنے داماد کی خاطر ومدارت میں کوئی بھی کسر باقی نہ اٹھار کھی دن اس کی میٹھی اور بے مقصد طویل گفتگو میں گذرتا گیا۔ جوں جوں آفتاب مغربی پہاڑیوں کی سمت بڑھتا گیا۔ اسی انداز سے رانا مذکور کے چہرے کا رنگ بھی پھیکا پڑتا گیا۔ اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ جنہیں ناہر میواتی کے ساتھ آنے والے خدمتگار نے محسوس کیا، خدمتگار کے دل میں سینکڑوں شکوک وشبہات جنم لے کر مٹتے رہے۔ اپنی پریشانی کی تہہ تک نہ پہنچنے کی بناء پر اس نے اپنے آقا کے سامنے اپنے دل کی بے چینی کے اظہار خیال سے اپنی خاموشی کو بہتر جانا چونکہ ناہر خان اپنے سسر کی اس ملاقات پر بہت خوش تھا۔

الغرض، شام ڈھلی تاریکی پھیلی رات ہوئی لوگ اپنی مصروفیات سے فارغ ہوئے اور پھر نیند نے آزادی تفکرات کی چادر بچھائی اور خاموشی کی اوٹ میں اپنے آرام وسکون کے پر پھیلائے اور لوگوں کو ان کے مستقبل کے دھندلکوں سے نکالتے ہوئے پورے علاقے کو اپنی نرم وگداز اور محبت بھری آغوش میں لے کر۔ انہیں شفقت بھری۔ میٹھی لوریوں کے ساز پر یہ نیند اپنے پیار بھرے جھونکوں میں جھولا جھلاتے ہوئے سلانے لگی رات کی پرسکون خاموشی اپنے میٹھے اور سحر نما انداز کے باوجود بھی یہ نیند بہادر ناہر میواتی کے اس خدمتگار پر اپنا غلبہ حاصل نہ کر پائی جس کے دل میں ایک انجانا خوف بے چینی کا باعث بن کر۔ کروٹیں لے رہا تھا۔ یہ اپنی اس بے چینی کی گھتی کو سلجھانے میں مصروف باعمل تھا کہ اچانک اس کی نظر جھاموں کے بیٹے پر پڑی جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہوا اور یہ نیم وا۔ آنکھوں سے آنے والے کی حرکات وسکنات دیکھتا رہا۔ وہ اس کے قریب آ کر رکا۔ اور اس کے سونے کا اطمینان کرنے کے بعد یہ دبے پاؤں واپس اسی طرف لوٹ گیا جہاں سردار ناہر محوِ خواب تھا۔ یہ خدمتگار۔ رانا کے بیٹے کی واپسی کے بعد اُس کے مشکوک انداز

کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بغیر کسی تامّل کے اٹھ کر اسی سمت لپکا جس طرف وہ ابھی ابھی گیا تھا۔ لیکن یہ خدمتگار دبے پاؤں چل کر دیوار کے قریب کچھ فاصلے پر آ کر رکا اور سوچنے لگا اُسے اب کیا کرنا چاہیے ابھی وہ اپنے دل میں کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک اپنے سردار بہادر ناہر کی کربناک چیخ و پکار اور کچھ قتل سے مترادف آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرائیں تو یہ سہم کر جم گیا۔ اپنے سردار کے خلاف رانا کی دیرینہ خلش سے باخبر اس خدمتگار کو جب اپنے آقا کی شہادت کا سو فیصد یقین ہوا تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکی یہ خوفزدہ ہو کر کانپنے لگا۔ جو ہونا تھا وہ سامنے آیا۔ اب یہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ جب اسے اپنے سینے میں یہی موت پنجے گاڑتی نظر آئی تو اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچائے۔ یہ حواس باختہ خدمتگار فوراً واپس پلٹا۔ گھوڑا کھولا اور نہایت محتاط انداز میں تھڑی سے باہر نکلا اور کچھ دور آ کر اس نے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے چاروں طرف اچٹتی نظر ڈالی اور پھر ایک ہی جست میں گھوڑے پر سوار ہو کر اس خدمتگار نے غازی کا رخ تجارے کی جانب کر دیا۔

☆ سنتے آئے ہیں کہ گھوڑا بہت ہی سمجھدار جانور ہے یہ رات کے اندھیرے میں بھی اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے۔ کھولتے سوار ہوتے لگام ڈالتے یا پکڑتے وقت ہنہنانا اس کی فطرت کا ایک خاص جُز ہے لیکن اس نے بھی شاید خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ جو اپنی فطرت کے برعکس اس خادم کے اشارے پر چل رہا تھا۔

اس خدمتگار کو جب اپنی ننگی پیٹھ پر پایا تو اس غازی نے بغیر ایڑ لگے ہی ہواؤں سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

خطرے کی حد سے باہر نکلنے کے بعد خادم کے ضبط کا بندھن ٹوٹا۔ اُس کا دل اپنے مالک کی جدائی میں بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ذہن میں سوالات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ یہ کیسی دشمنی تھی جس نے مقدس رشتے کا خیال تک نہ کیا؟

یہ کیسا ناتا تھا جس نے نواسوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھادی؟

میں تجارے والوں کو کیونکر بتاؤں گا کہ ان کے سروں سے شفقت کا سایہ آج اٹھ گیا۔؟ کیا سردار اسی پیغام رسانی کے لئے مجھے اپنے ساتھ لایا تھا۔؟

افسوس! کہ میں اپنے سردار کی حفاظت نہ کر سکا۔

غرض یہ کہ بے بسی اور پچھتاوے کے سمندر میں غوطہ زن خادم کے ذہن میں سینکڑوں سوالات ابھرتے اور مٹتے رہے اور اپنے مہربان مالک کی اس بے وقت جدائی کے غم کا لاوا بجلی کی لہر کی طرح دل میں اترتے ہوئے ہیجانی کیفیت پیدا کرنے کے بعد پانی بن کر آنکھوں سے بہتا رہا۔ اور یہ غازی جس نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنا سفر طے کیا تھا۔ تجارے میں داخل ہوتے ہی یہ اپنی فطرت پر اترا اور اپنی زوردار ٹاپوں کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی زودار ہنہناہٹ سے پورے تجارے کو بیدار کر دیا یہ جس گلی سے گذرتا گیا لوگ باہر نکلتے رہے اور خوف و ہراس پھیلتا گیا۔ بالآخر یہ ملک علاؤالدین کے دروازے پر آن کر یکسر بدلا اور مچلنے لگا۔ خادم نے اس پر جس قدر قابو پانے کی کوشش کی اسی قدر یہ اپنی پوری طاقت سے ہنہناتے ہوئے اپنی پچھلی ٹانگوں پر بار بار کھڑے ہو کر اپنے اگلے پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ اس کی مسلسل چیخ وپکار نے پورے محلے کو بیدار کر کے خوفزدہ کر دیا علاؤالدین بھی گھر سے باہر نکل آیا خادم پر نظر پڑتے ہی علاؤالدین کا ماتھا ٹھنکا اور یہ چلایا۔ بابا۔؟

اس پر خادم نے منہ ماتھا پیٹتے ہوئے اور روتے ہوئے جواب دیا سردار۔ ہم لٹ گئے بابا کو رانا جھاموں نے قتل کر دیا۔ یہ سنتے ہی دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی مستورات کے رونے پیٹنے کی صدائیں تجارے کی فضاؤں میں بلند ہوئیں اور ملک علاؤالدین تجارے کی گلیوں میں دوڑتے بھاگتے ہوئے لوگوں کے ایک ایک کے دروازے کو کھٹکا کر انہیں جمع کرنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گھڑسواروں کا ایک قافلہ اس

کے گھر کے سامنے جمع ہوگیا اس کے بعد خانزادہ ملک علاؤالدین خان کی سرکردگی میں یہ قافلہ اسی سمت روانہ ہوا جس طرف سے ابھی ابھی ایک گھڑ سوار منحوس خبر لایا تھا۔ اس قافلے کو دیکھنے لئے بین کرتی ہوئی عورتیں اپنی چھتوں پر چڑھ گئیں اور لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم تجارے سے باہر نکل آیا اور گھڑ سواروں کا یہ مختصر سا قافلہ اپنے پیچھے گرد و غبار اڑاتا ہوا جلد ہی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

علاؤالدین نے برق وباد کی مانند جھاموں داس پہنچ کر اپنے نانا کے گھر کو اپنے مضبوط گھیرے میں لیا اور پھر اپنے چند جاں نثاروں سمیت گھر میں داخل ہو کر اپنے باپ کے قاتل رانا جھاموں سنگھ کو معہ اہل دعیال قتل کردیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے نانا کے پورے گھر میں آگ لگادی اور پھر اپنے باپ کے جسد خاکی کو ''کوہ بلونا'' متصل جھاموں داس پرگنہ تجارہ میں سپرد خاک کرنے کے بعد یہ تجارے میں واپس آیا۔ جہاں پر ہزاروں سوگواران پہلے ہی سے موجود تھے جو اسے دیکھتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور تجارے میں پھر گھروں سے آہ وبکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں اس موقع پر یہ علاؤالدین بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا اور لوگوں سے لپٹ لپٹ کر رونے لگا۔ اس طرح ایک بار پھر یہ تجارہ آہوں اور سسکیوں کی اداس فضاؤں میں ڈوب گیا۔

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' میں ''بہادر ناہر خان'' کی موت سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(ٹھاکر جھاموں سنگھ نے اپنے داماد سانپر پال کو اپنے گھر بلا کر قتل کردیا)'' خانزادہ قوم کی جانب سے خراج عقیدت کے ساتھ ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے اس محترم شاعر کے لئے جس نے بہادر ناہر خان میواتی کی وفات پر درج ذیل قطعہ رقم فرمایا۔

تیغ ستم چو بر سر ناہر شدہ رواں
اقبال تیغ و دیگ ہمہ از جہاں برفت
ہاتف بگفت ازسر افسوس ایں سخن
ناہر بخواب دائمی سوئے جناں برفت

تاریخی روایات سے ہٹ کر مذکورہ سلسلے میں تحقیق طلب ایک عام روایت جو میواتی خانزادوں کے بزرگوں اوران کے میراسیوں کی زبانی اکثر سنی جاتی ہے وہ اس طرح ہے۔

☆اپنے سُسر ٹھاکر جھاموں سنگھ کی دعوت پر ناہر خان جب اس کے گھر واقع جھاموداس (جھامرانا) پہنچا تو جھاموں سنگھ اپنے بیٹوں سمیت ناہر خان کے استقبال کے لئے گھر سے باہر پہلے ہی سے موجود تھا۔ ابھی ناہر خان میواتی اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے اترنے بھی نہ پایا تھا کہ رانا جھاموں کا اشارہ پاتے ہی اس کے بیٹوں میں سے کسی ایک نے اپنی تلوار کی ایسی ایک کاری ضرب ماری جس سے بہادر ناہر کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر گرا۔ عین اسی وقت ناہر خان کا گھوڑا تجارے کی جانب بھاگ پڑا۔ راستے میں منڈھا۔ کے قریب کنوئیں پر پانی بھرنے والی عورت نے جب اس دوڑتے ہوئے گھوڑے پر سوار کو دیکھا تو وہ چلائی ''لوگو دیکھو گھوڑے پر بغیر سر کا سوار جارہا ہے'' اس عورت کی چیخ وپکار پر گھوڑے کی پیٹھ سے ناہر خان کا دھڑ وہیں زمین پر گر پڑا اور گھوڑا اپنی اسی برق رفتاری سے تجارے کی جانب دوڑ گیا۔☆

قبول اسلام کی خلش کے باعث اپنے والد کی مذکورہ شہادت کے فوراً بعد خان زادہ ملک علاؤالدین خان نے اپنے جاں نثاروں سمیت جھاموداس پہنچ کر اپنے نانا کو اس کے اہل وعیال سمیت قتل کر کے اُس کے گھر کو آگ لگادی۔

اس کے بعد اپنے والد کے سر کو جھاموں داس (جھامرانا) کے نزدیک پہاڑ سے متصل فتح آباد کی

گونی میں دفن کیا اور دھڑ کو اُس کے گرنے والی جگہ "منڈھا" میں تدفین کیا۔ جہاں پر آج بھی ایک چبوترہ سا بنا ہوا ہے۔ اس طرح بہادر ناہر خان کی دو قبریں بتائی جاتی ہیں۔ (یاد رہے، مذکورہ مزار (چبوترہ) رائی کھیڑے اور کھیڑے کے درمیان واقع ہے)۔

علاوہ ازیں ہندوستان گھوم کر آنے والے دو چار نوجوانوں کو کہنا ہے کہ:

سُرخ پتھروں سے تعمیر شدہ بہادر ناہر خان کا مرمت طلب مقبرہ۔ "کوٹلہ ناہر" سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جس کی تصویر بھی مجھے موصول ہوئی ہے۔☆

اس کے باوجود بھی یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ معاملہ ابھی تحقیق طلب ہے۔

نوناہر (شجرہ نسب)

بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ) کے نو بیٹے ہوئے

جو اپنے اپنے علاقہ جات کے جاگیردار و سردار کہلائے جن کے نام درج ذیل ہیں۔
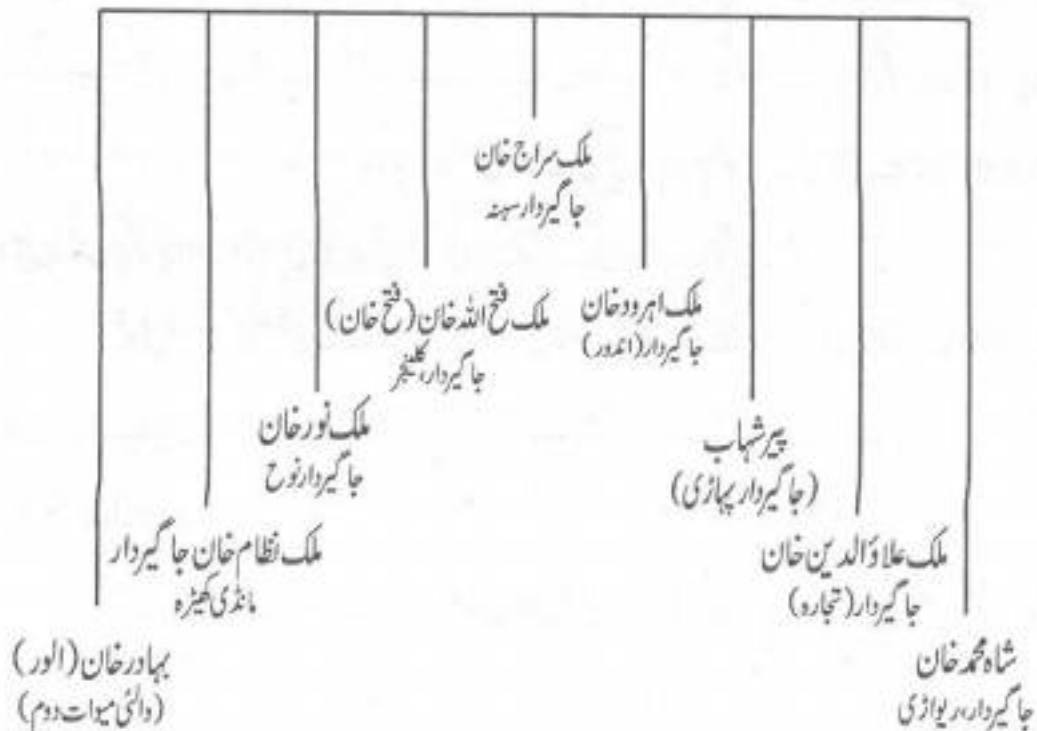
''سراج خان''

خانزادہ ملک سراج خان کو اپنی موروثی جاگیر میں سے قصبہ ''سہنا'' وارثت میں ملا تھا۔ سراج خان نے اس قصبے کو اپنا دارالریاست بنا کر یہاں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کی جس کے بعد یہ اس قصبے کا حاکم و جاگیردار کہلایا۔ اس قصبہ سہنہ کے ماتحت تین سو ساٹھ گاؤں و قصبہ جات تھے یہ قصبہ سہنہ (سہنہ تاوڑی) کے نام سے مشہور ہے۔ قصبہ سوہنا علاقہ میوات کے اندر پہاڑ کے دامن میں دہلی سے چھپن کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے۔ یہاں پر پہاڑ میں ایک گندھک کی کان سے نکلتا ہوا گرم پانی کا چشمہ بھی موجود ہے۔ اس چشمے کے نکلتے ہوئے پانی میں گندھک کی بُو شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے اور اس پانی کا رنگ سبزی مائل ہے۔ موسم سرما میں اس چشمے کا پانی اتنا گرم ہوتا ہے کہ باآسانی جسم پر نہیں ڈالا جاسکتا یہ پانی جلد کی بیماری کے لئے اکسیر اعظم کا درجہ رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ دور دراز کے لوگ جلد کی بیماری سے شفایابی حاصل کرنے کی غرض سے یہاں پر غسل کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ 1935ء سے پہلے رات کے وقت بعض اوقات اس چشمے سے خود بخود آگ ظاہر ہوا کرتی تھی جو بعد میں بند ہوگئی۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانے ہی سے یہ ایک علیحدہ پرگنہ چلا آتا تھا اور اسی وقت سے اس قصبہ ''سہنا'' پر میواتی خانزادوں کا عمل دخل چلا آتا تھا۔

کسی زمانے میں ''مہدو'' نامی بڈگوجر راجپوت ''جالندھر'' سے آکر یہاں آباد ہوا تھا۔ جس کے آباد ہونے کی روایت مختلف تاریخوں میں اس طرح پائی جاتی ہے کہ۔

''(اپنی دیوی کی جانب سے مہدو بڈگوجر کو یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ یہاں (جالندھر) سے دکن کی جانب سفر کرے اور راستے میں جہاں بھی اس کی بَیل گاڑی کی دھری ٹوٹ جائے وہیں پر وہ اپنی سکونت اختیار

کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی دیوی کی مذکورہ ہدایت پر عمل کیا اور اس کی بیل گاڑی کی دھری قصبہ سہنا میں آ کر ٹوٹ گئی جہاں پر اس نے اپنے ساتھیوں سمیت سکونت اختیار کر لی۔)''

سید الطاف حسین اپنی ''تاریخ ضلع گوڑ گانواں'' میں خانزادوں کی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''(بڑگوجر راجپوتوں نے اکیس لڑائیاں خانزادوں سے لڑیں لیکن ہر لڑائی میں ان کو شکست اور خانزادوں کو فتح حاصل ہوتی رہی۔ آخر مہدو بڑگوجر نے اپنی مسلسل ناکامی سے تنگ آ کر اپنے ہم جدی کان کنور ''راجہ قنوج'' کو اپنی مدد کے لئے بلوایا جو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ خان زادوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں شکست دی'')

شرف صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' میں اور دیگر مورخین نے اپنی اپنی تاریخوں میں مذکورہ روایت سے انحراف اس بنیاد پر کیا ہے کہ اگر بڑگوجر راجپوتوں کو خان زادوں پر فتح حاصل ہوئی ہوتی تو بڑگوجروں سے یہ علاقہ نہ جاتا اور نہ ہی اس قصبے پر خانزادوں کی حکومت قائم ہوتی جو ایک ۔۔۔۔۔طویل عرصے تک برقرار رہی جس کا اعتراف مختلف تاریخوں میں جا بجا پایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں قصبہ ''سوہنا'' سے متعلق یہی الطاف حسین صاحب اپنی ''(تاریخ ضلع گوڑ گانواں)'' صفحہ 49 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(وقت تسلط قوم خانزادہ کے اس قصبے میں عمدہ عمارات و مساجد وغیرہ تعمیر ہوئیں۔)''

سید الطاف حسین صاحب کی مذکورہ تحریر سے بھی اس قصبہ سوہنا پر خان زادوں کی حکومت کا واضح ثبوت سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی تاریخ میں اس بات سے انکار نہیں پایا جاتا کہ اپنے دور حکومت میں خانزادوں نے اس قصبے کے اندر عمدہ عمدہ عمارات نہ بنائیں ہوں۔

منہدم قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر خان
مورث اعلیٰ خانزادگان واقع پہاڑ کوٹلہ ضلع گاڑگانوں

داری کی بناء پر قصبہ سوہنا کے خانزادوں نے (مانڈی کھیڑہ کے رہنے والے "بینگیا پٹی کے محمد یعقوب خان بن خانزادہ اسماعیل خان کو شہید کرنے والے دوہے کے رئیس محمد الدین کو قتل کرنے میں) مانڈی کھیڑہ کے خانزادوں کا ساتھ دے کر اُن کے انتقام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کی مذکورہ خودداری کے علاوہ اِن کے مظالم کی بہت سی روایات مشہور تھیں۔ جن میں سے ایک خاص روایت جو خانزادوں کے بزرگوں کی زبانی اکثر آج بھی سنی جاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ:۔

☆ (یہ لوگ نہ صرف رعایا پر ظلم کرتے تھے۔ بلکہ قصبہ سوہنا میں رہائش پذیر ایک۔ "ولایت شاہ" نامی درویش کو بھی بہت ہی زیادہ ستایا کرتے تھے ایک روز گاؤں کے قریب چند گوالیوں نے ولایت شاہ درویش کو پکڑ لیا اور وہ اپنے دوستوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے شاہ جی اس کی نماز جنازہ پڑھایئے، اس پر شاہ صاحب نے ان لڑکوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ: "زندہ لوگوں کی نماز جنازہ نہیں ہوا کرتی" اس پر وہ لڑکا اپنے ساتھیوں سمیت بضد ہو کر کہنے لگا کہ "شاہ صاحب اگر آج اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی گئی تو آج آپ کی بھی خیر نہیں" اس پر ولایت شاہ نے مجبور ہو کر اس لڑکے سے کہا: بیٹے تیرے نصیب میں اگر یہی لکھا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے شاہ جی نے اس لڑکے کو حکم دیا کہ تم لیٹ جاؤ تا کہ تمہاری نماز جنازہ پڑھائی جائے۔ اس حکم پر لڑکا لیٹ گیا۔ اور شاہ صاحب نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی اور پھر دعائے مغفرت کئے بغیر شاہ صاحب جنگل کی جانب چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد گوالیوں نے جب اپنے ساتھی کو اٹھایا تو وہ اٹھ نہ پایا چونکہ نماز کے دوران موت کے خوف کے باعث اس گوالئے پر سکتہ طاری ہو گیا یا بقول بعض یہ کومے میں چلا گیا تھا۔ اسے مردہ جان کر سب ساتھی گھبرائے اور شور مچاتے ہوئے جنگل کی جانب گئے۔ اور وہاں سے شاہ جی کو پکڑ کر مارتے پیٹتے ہوئے اُسی مقام پر لے آئے جہاں ان کا ساتھی پڑا ہوا تھا۔ اور یہاں آ کر ان لوگوں نے ولایت شاہ سے کہا کہ: اسے مارا بھی تم نے ہے اور اسے اب زندہ بھی تم کرو گے۔ اس پر شاہ صاحب نے

فرمایا:۔ ''زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔اب میں کیا کرسکتا ہوں'' اس پر گوالیوں میں اشتعال بڑھا اور مارنے مرنے پر تیار ہوئے۔شاہ صاحب مجبور ہوئے اور آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور پھر قادر مطلق کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے اور پھر کچھ دیر بعد اس نیم مردہ لڑکے سے یوں گویا ہوئے۔'' (اٹھ خدا کا نام لے اور کھڑا ہوجا)''۔

شاہ صاحب کے یہ الفاظ سنتے ہی لڑکا کھڑا ہوگیا۔گوالئے اپنے ساتھی کو زندہ پا کر خوش ہوئے۔شاہ جی جلال میں آئے اور جنگل میں جا کر جھنڈوں کو جڑوں سمیت اکھاڑنے لگے۔

قصبہ سوہنا میں جہاں شاہ جی کو ستانے والے لوگ رہتے تھے۔وہیں پر ان سے عقیدت ومحبت رکھنے والے لوگ بھی رہا کرتے تھے۔جن میں سے کسی ایک عقیدت مند خانزادے کا گذر جب اس طرف سے ہوا۔تو اس نے ولایت شاہ عرف (میاں جی) سے دریافت کیا۔'' (میاں جی آج آپ خلاف معمول یہ کیا شغل فرمارہے ہیں)''۔اس پر میاں جی نے جواب میں فرمایا۔'' خانزادوں کی جڑیں اکھاڑ رہا ہوں''۔ اس پر یہ شخص میاں جی کی منت وسماجت کرنے لگا کہ وہ ایسا نہ کریں۔لیکن شاہ صاحب کے جلال میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔جس کی بناء پر یہ شخص میاں جی کے قدموں میں گر کر معافی مانگتے ہوئے عرض کرنے لگا۔'' (حضور اب تک آپ ہماری کافی جڑیں کھود چکے ہو۔خدارا۔ہمارے کچھ نشانات تو چھوڑ دیجئے)۔اس منت وسماجت پر ولایت شاہ درویش نے جڑیں کھودنا بند کیں اور اٹھتے ہوئے فرمایا۔(بس میرا یہ حکم ہے کہ اس قصبہ سُہنا کے اندر خانزادوں کا صرف ایک ہی گھر رہ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں)۔یہ کہہ کر شاہ جی جنگل کی جانب چلے گئے۔

علاقہ میوات میں رہنے والے بزرگ بخوبی جانتے ہیں کہ شاہ صاحب کی مذکورہ بددعا کے نتیجے میں قصبہ سُہنہ کے اندر ایسا ہی عمل ہوا۔جس کی تصدیق کرتے ہوئے خانزادہ قوم کے بزرگ بھی یہی کچھ کہتے ہیں

کہ 1947ء تک قصبہ سوہنا کے اندر خانزادوں کا صرف ایک ہی گھر دیکھا جاتا رہا تھا۔

اگر دو بھائی یہاں پر آباد ہونے کی کوشش بھی کرتے تو ان میں سے یا تو ایک بھائی مرجایا کرتا تھا یا یہ دونوں بھائی آپس میں لڑ پڑتے تھے جس کے نتیجے میں کسی ایک کو قصبہ سہنہ چھوڑنا پڑتا تھا۔

قصبہ سوہنا کے اندر ولایت شاہ کا مزار ایک خانزادے نے تعمیر کرایا تھا جو ''خانقاہ ولایت شاہ'' کے نام سے آج بھی موجود پایا جاتا ہے۔

☆☆

''ملک فتح اللہ خان''

ملک فتح اللہ خان (جاگیردار کلنجر) کو اپنے باپ بہادر ناہر خان کی جاگیر میں سے تین پرگنے سونکھ سونکھری۔ اور کلنجر وراثت میں ملے تھے۔ جن میں سے کلنجر کو اپنا دارالریاست بنا کر آپ یہاں کے جاگیردار کہلائے۔ کلنجر۔ ٹائین۔ اور ہتھین کے۔ خانزادے اسی ملک فتح اللہ خان عرف (فتح خان) کی اولاد میں سے ہیں۔☆

ملک فتح اللہ خان سے متعلق شرف صاحب اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' ایڈیشن ثانی صفحہ 344 پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''(ملک صاحب کی زندگی اور سیاسی حالات سے متعلق تاریخوں میں ان کا کوئی بھی ذکر نہیں ملتا البتہ: ''منشی خداداد خان عظیم آبادی نے اپنی۔۔۔ تاریخ (خانان میوات) میں ان کے بیٹے کا نام خان زادہ حمید خان لکھا ہے جو سید خضر خان کے پوتے سید محمد شاہ کا وزیر اعظم تھا جس نے محمد شاہ کی طرف سے بہلول لودھی کے ساتھ مل کر بہت سی معرکہ آرائیاں کی تھیں۔)''

849ھ، 1445ء میں سید محمد شاہ کی وفات کے بعد امراء نے اس کے بیٹے سید علاؤالدین کو ''عالم شاہ'' کے لقب سے تخت دہلی پر بٹھایا تو اس نے بھی اپنے باپ والی پالیسی اپناتے ہوئے میوات کے

خانزادوں میں نفاق برقرار رکھنے اور اپنی حکومت کے استحکام کی غرض سے مذکورہ خان زادہ حمید خان میواتی بن ملک فتح اللہ خان کو اپنے وزراء میں بدستور شامل رکھا۔

سادات حکومت کی طرفداری میں حمید خان میواتی سادات حکومت کے دشمن اپنے بھتیجے راجہ جلال خان (والئی میوات) کے بیٹے خان زادہ احمد خان (والئی میوات) سے اس لئے رنجیدہ تھا کہ اس نے سید عالم شاہ کی غیر موجودگی میں دہلی کے نزدیک ترین والے سلطنت کے سات پرگنوں پر اپنا قبضہ جمالیا تھا جس کے لئے عالم شاہ کے وزراء وامراء میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ مذکورہ قبضہ حمید خان وزیر کا اشارہ ہے اور یہی وجہ تھی کہ بہلول لودھی (صوبے دار دیپال پور) جو ایک مدت سے سلطنت دہلی کیلئے اپنے پر تول رہا تھا وہ ان ضدی راجپوت خانزادوں کے ملاپ اور ان کی سلطنت دہلی کے خلاف مسلسل بغاوت کے خدشے کے پیش نظر اپنے ہمعصر سادات حکومت کے وزیر خان زادہ حمید خان میواتی سے خائف تھا اور وہ اسے اپنے راستے کی سب سے بڑی آڑ سمجھتا تھا۔

اِس سلسلے میں سیّد قاسم محمود صاحب اپنے "اسلامی شاہکار انسائیکلوپیڈیا" کے صفحہ 442 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"(849ھ۔ 850ھ،1445ء میں محمد شاہ کا انتقال ہوگیا تو امراء نے اِس کی جگہ اس کے بیٹے علاؤالدین کو۔ "عالم شاہ" کے لقب سے تخت پر بٹھادیا۔ علاؤالدین نے 851ھ۔ 1447ء میں دہلی کو خیر باد کہہ کر "بدایوں" کو اپنا پایا تخت بنالیا۔ چنانچہ بہلول لودھی نے دہلی پر قبضہ جمالیا۔ اُس وقت دہلی پر عالم شاہ کا وزیر حمید خان برسر اقتدار تھا۔ بہلول جانتا تھا۔ جب تک اِسے راستے سے نہ ہٹایا جائے گا اس کی حکومت مکمل نہیں ہوسکتی)۔☆

دراصل بہلول لودھی نے خان زادہ حمید خان میواتی کی معاونت پر ہی سلطنت دہلی پر اپنا قبضہ جمایا تھا اور

وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر بہلول نے بگاڑ پیدا کرنے کی بجائے حمید خان میواتی کو اپنا معاون بنائے رکھا۔☆

عالم شاہ (بادشاہ دہلی) سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک و ہند" "(علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔) کے 275 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆" (1446ء میں وہ بدایوں گیا اور واپس آ کر وہیں مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔جس پر بعض امراء نے اس کی مخالفت کی لیکن علاؤالدین نے کسی کی نہ سنی اور وہ سلطنت کی نگرانی اپنے نسبتی بھا ئیوں کے سپرد کر کے خود بدایوں چلا گیا۔ وہاں امراء کے درغلانے پر علاؤالدین نے اپنے وزیر حمید خان کے قتل کا حکم دے دیا۔ وہ کسی طرح بچ کر دہلی آ گیا۔ اُس نے شاہی خزانے پر قبضہ کر لیا اور بہلول لودھی کو دہلی آنے کی دعوت دی)۔

☆(اس سلسلے کی مزید تفصیل "بہلول لودھی" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

☆☆

"ملک نور خان"

خان زادہ نور خان کو موروثی جاگیر میں سے چھ پر گنے۔" (نوح۔ بزوجی۔ اوجنیہ۔ اومرہ۔ کرہٹرہ۔)" وارثت میں ملے تھے۔قصبہ نوح کو اس نے اپنا دارالریاست بنایا اور پھر یہاں کا حاکم و جاگیردار کہلایا۔

اس جاگیردار نوح نے اپنی موروثی جاگیر پر قناعت کی اور اپنی جاگیر کی آمدنی سے آپ ہمیشہ خوشحال و فارغ البال رہے۔آپ نے کبھی بھی سیاسی معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔اور نہ ہی کبھی شاہی دربار میں ملازمت وعہدہ جات وغیرہ کے لئے آپ نے کوشش کی دراصل آپ دربارشاہی سے کچھ الگ تھلگ سے رہے۔

اس ملک نور خان بن بہادر ناہر خان کی اولاد میں سے "تھن خان" (قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول عہد حکومت 1708ء تا 1712ء) میں ایک نامور جری اور بہادر سردار گذرا ہے۔ جس کو شاہ عالم بہادر شاہ اول (بادشاہ دہلی) کی جانب سے پانچ سو روپیہ سالانہ ایک نانکار ملی ہوئی تھی اس کے علاوہ مواضعات، نظام پور، بابو پور، ٹیٹرک پور، منڈنا کی اور باجڑ کا۔ (جو ضلع گوڑ گانواں کی تحصیل نوح میں واقع تھے) وہ سب اسی خانزادہ تھن خان کی جاگیر میں شامل تھے۔

ملک نور خان کے دو فرزند ہوئے بڑے فرزند کا نام مجاہد خان تھا اور چھوٹے کا نام کمال خان تھا جس کو کمال الدین خان بھی کہتے تھے۔ بڑا بیٹا مجاہد خان بڑو جی میں آباد ہو کر یہاں کے خانزادوں کا مورث اعلےٰ بنا اور کمال خان کی اولاد قصبہ نوح میں آباد ہوئی۔ کمال خان کے راجن خان پیدا ہوا راجن خان کے جہانگیر خان اور جہانگیر خان کے تین بیٹے محمود خان، ذاکر خان اور محمد خان خانزادگان پیدا ہوئے۔

1۔ محمود خان۔ کی اولاد میں۔ حویلیا پٹی ہے

2۔ ذاکر خان۔ کی اولاد میں۔ آسمانی پٹی ہے

3۔ محمد خان۔ کی اولاد میں۔ نرولکھنڈیا پٹی ہے

☆☆

"ملک نظام خان"

ملک نظام خان کو اپنی موروثی جاگیر میں سے تین پرگنے مانڈی کھیڑہ۔ سانتھاواڑی۔ اور نگینہ وارثت میں ملے تھے۔ جس میں سے اِس نے مانڈی کھیڑہ کو اپنا دارالریاست بنا کر یہاں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کی اور پھر یہ جاگیردار مانڈی کھیڑہ کہلایا۔

جاگیردار ملک نظام خان کے تین بیٹے۔ موسیٰ خان۔ راجن خان۔ اور بیگن خان خانزادگان پیدا ہوئے۔

1۔موسیٰ خان:۔اس کی اولاد میں بڑی پٹی ''اوڑ والی'' ہے۔

2۔راجن خان:۔اس کی اولاد میں ''راجنیا'' پٹی ہے۔

3۔ٹینگن خان:۔اس کے دو بیٹے کالے خان اور قطب خان ہوئے۔

4۔کالے خان:۔اس کی اولاد میں ''قلندریا'' پٹی ہے۔

5۔قطب خان:۔اس کی اولاد میں ''ٹینگیا'' پٹی ہے۔

☆☆

''ملک اہرودخان''

ملک اہرود خان عرف (آڑدوخان) کو اپنے والد بہادر ناہر خان کی جاگیر میں سے دس پرگنے وراثت میں ملے تھے۔جن کا ذکر نقشہ وراثت میں کیا جا چکا ہے ان پرگنوں میں سے ''اندور'' کو اس نے اپنا دارلریاست بنایا۔اور پھر یہ اس قصبے کا حاکم و جاگیردار کہلایا۔

سردار اہرود خان کے تین بیٹے (1) فتح خان۔(2) کالے خان۔(3) اسماعیل خان پیدا ہوئے جن کا ذکر وسلسلہ نسب اس طرح ہے۔

1۔فتح خان:۔فتح خان کے چھجو خان۔چھجو خان کے علاول خان۔علاول خان کے شجاول خان۔شجاول خان کے دریا خان پیدا ہوا۔جس کی اولاد موضع گندھولہ متصل دھولی پہاڑی پرگنہ تجارہ میں آباد تھی۔

2۔کالے خان:۔اس کی اولاد ''علمدیکا'' پرگنہ کشن گڑھ میں آباد تھی۔کالے خان کے مظفر خان۔مظفر خان کے فیروز خان۔اور۔فیروز خان کے عالم خان پیدا ہوا۔جو ''علمدیکا'' میں آباد ہوا۔اس بستی کا نام بھی اسی۔خانزادہ عالم خان کے نام پر(۔عالم دی کا۔) رکھا گیا جو بعد میں ''علمدیکا'' مشہور ہوا۔

3۔اسماعیل خان:۔اِس کی اولاد میں ایک ''بہوا خان'' پیدا ہوا تھا جس کے دس بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے تمر خان اور حاجی خان کی اُولاد میں سے ''دھولی پہاڑی''۔کے۔خانزادے ہیں۔اور اِس کے تیسرے بیٹے جلال خان کی اولاد میں سے قصبہ کاماں۔ریاست بھرت پور کے خانزادے ہیں۔

عظمت خان اور ایزدی خان کے علاوہ باقی پانچ بھائیوں کے حالات وغیرہ ابھی۔تحقیق طلب ہیں۔

آج سے کئی صدی پہلے فتح آباد۔پرگنہ کشن گڑھ کے سوداگروں نے'' (جو کہ بہت ہی زیادہ مالدار تھے) ''علمدیکا'' میں آباد خانزادوں کو کافی حد تک جانی ومالی نقصان پہنچایا تھا۔جس کی بناء پر یہاں کے خانزادوں نے فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

اس کا بدلہ لینے کے لئے فتح آباد والوں نے اپنے رشتے دار بھرت پور کے جاٹوں کو بلا کر خان زادوں پر حملہ کر دیا۔اس لڑائی میں گردونواح کے ''میوو'' بھی خان زادوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ان میوو۔اور۔خان زادوں نے مل کر نہ صرف فتح آباد کو برباد کیا بلکہ یہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔اسی وقت سے یہ فتح آباد۔بقول شرف صاحب 1935ء۔تک برباد ہی چلا آتا تھا۔1935ء۔کے لگ بھگ ایک مہاجن جو یہاں کی زمین کاشت کرایا کرتا تھا۔

☆ دھولی پہاڑی کے خانزادوں نے دربار شاہی میں اپنا اثر۔رسوخ جما کر اپنا کافی۔نام پیدا کیا۔اِن کے بنائے ہوئے عالی شان۔مکانات۔مساجد۔و۔مقبرہ جات وغیرہ دھولی پہاڑی میں آج بھی موجود پائے جاتے ہیں۔جو۔ان کی سابقہ شان وعظمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

☆ ملک اہرودخان کی اولاد میں سے ناہر خان موضع سرولی پرگنہ تجارہ سے نقل مکانی کر کے شہر پٹنہ میں مستقل طور پر مقیم ہو گیا تھا۔تفصیل ''غدر میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

☆☆

''پیر شہاب خان''

خانزادہ پیر شہاب خان بن بہادر ناہر خان کو اپنی موروثی جاگیر میں سے دس پرگنے وراثت میں ملے تھے۔ جن میں سے قصبہ پہاڑی کو آپ نے اپنا دارالریاست بنا کر یہاں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ اِس پہاڑی کے جاگیر دار کہلائے۔

آپ بچپن ہی سے عبادت گذار متقی و پرہیزگار تھے آپ کو ہمیشہ دیندار۔ فقراء وصوفیاء کرام کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ اِن ہی کاملین فقراء کی صحبت میں سے کسی عارفِ کامل نے آپ کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ جس کے بعد آپ کا شمار اولیائے کاملین میں ہونے لگا۔

جب دہلی سلطنت کے لئے دو الگ الگ بادشاہ بنے یعنی سلطان نصیرالدین محمود تغلق دہلی میں اور نصرت شاہ تغلق فیروز آباد میں بادشاہ بنا تو ملک میں ضعف پیدا ہوا۔ اِس طوائف الملو کی میں مذکورہ سلاطین کے امراء و وزرا بھی دو حصّوں میں بٹ گئے۔ چنانچہ ظفر خان گجراتی۔ فضل اللہ بلخی اور پیر شہاب خان نصرت شاہ بادشاہ کے طرفدار بنے جبکہ پیر شہاب خان کا حقیقی بھتیجا خانزادہ ملو اقبال خان بن بہادر خان۔ سلطان نصیرالدین محمود کا طرفدار تھا۔ لیکن یہ اچانک ماہ شوال 800ھ۔ 1397ء۔ نصرت شاہ بادشاہ سے آملا۔ اور پھر ملو نے قرآن شریف درمیان میں لے کر قسم کھاتے ہوئے نصرت شاہ کو اپنی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ عہد و پیاں کے بعد ملو خان۔ نصرت شاہ بادشاہ کو حفاظت کی۔ خاطر۔ قلعہ جہاں پناہ کے اندر لے گیا اور پھر تین روز بعد دھوکے سے نصرت شاہ پر حملہ کر کے ملو نے بادشاہ کو پانی پت کی طرف بھگا دیا۔ اِس کے بعد ملو خان سلطان نصیرالدین محمود کا وزیر اعظم بن بیٹھا۔

ماہ جمادی الاوّل 801ھ۔ 1398ء۔ میں جب امیر تیمور نے ملو خان اور سلطان محمود پر حملہ کیا تو یہ دونوں جان بچا کر بھاگ گئے۔ امیر تیمور نے پانچ روز تک دہلی میں قتلِ عام جاری رکھا جس میں اسی ہزار

بقول بعض ایک لاکھ افراد لقمہ' اجل بنے جبکہ امیر تیمور نے سلطنت دہلی پر اپنے حملے سے پہلے مختلف علاقہ جات سے بنائے ہوئے ایک لاکھ جنگی قیدیوں کو بھی یہاں پہنچ کر قتل کرادیا تھا۔ یہاں سے امیر تیمور کی واپسی کے بعد گلی سڑی لاشوں سے تعفن پھیل گیا طاعون کی وباء پھوٹ پڑی بے شمار لوگ اس بیماری میں مر گئے۔ دو ماہ تک تک قلعہ سیری اور پرانی دہلی ویران پڑی رہی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصرت شاہ تغلق نے ماہ رمضان 801ھ 1398ء میں فیروز آباد پر اپنا قبضہ جمالیا اور پھر ماہ شوال 801ھ 1398ء میں خانزادہ پیر شہاب خان کو ملّو خان کے دفعیہ کے لئے قصبہ برن ضلع بلند شہر کی جانب روانہ کیا۔ (یادرہے ملّو کی ماں مقام چونڈیرہ کے بڈ گوجروں کی بیٹی تھی) ملّو کے ننہال والوں نے ملّو کا اشارہ پاتے ہی پیر شہاب خان کو شہید کردیا۔

☆ (تفصیل ''ملّو۔اقبال خان'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

آپکا مزار۔ ''قصبہ پہاڑی'' میں واقع ہے۔ یوں تو آپ کی کشف و کرامات کی سینکڑوں روایات مختلف اقوام کے لوگوں کی زبانی سُنی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں پر وہ تین روایات درج کی جارہی ہیں جو شرف صاحب کی۔ ''تاریخ مرقع میوات'' میں ملتی ہیں۔

(1) یہ مشہور روایت ہے کہ:۔

☆ ایک مرتبہ کوئی فوجی افسر قصبہ پہاڑی میں اپنے عملے سمیت دورے کی غرض سے یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً اس کا پڑاؤ حضرت پیر شہاب خان خانزادہ کی درگاہ کے قریب ہوا۔ اس کے عملے نے اپنے تمام خیمے درگاہ کے قریب لگادیئے اور پھر اس انگریز فوجی افسر نے درگاہ کے اندر اپنی کرسی رکھوائی اور مزار کی جانب پشت کر کے بے ادبی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس بے ادبی پر نہ صرف مجاوروں نے بلکہ پہاڑی کے لوگوں نے بھی احتجاج کیا۔ مگر اس مغرور افسر نے کسی کی بھی بات نہ سنی۔ ابھی کچھ دیر ہی گذری تھی کہ ''یہ فوجی افسر یکا یک

اپنی کرسی سے اُچھلا اور۔ زور سے چاروں شانے چت فرش پر گرا۔ اور بے ہوش ہوگیا''۔ اس کے عملے کے لوگ اسے اٹھا کر باہر لائے اور ہوا کرنے لگے۔ جب کئی گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تو یہ افسر اپنی غلطی پر نادم ہوا۔ اور اس کامل اولیاء کو تسلیم کرتے ہوئے حسب روایت اس کے نام کی شیرینی پر فاتحہ دلوا کر اس نے بچوں میں تقسیم کی۔

(2) دوسری روایت اس طرح ہے کہ:۔

☆ آپ ایک روز حجام سے اصلاح شیو کرا رہے تھے کہ اچانک اٹھے اور حجام سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ ذرہ دیر ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ کچھ دیر بعد جب آپ واپس تشریف لائے تو پسینے میں شرابور تھے اور آپ کی گردن کے قریب کندھے سے خون جاری تھا۔ وہاں پر موجود لوگوں کے بے حد اصرار پر آپ نے انہیں بتایا کہ سمندر میں ایک جہاز ڈوب رہا تھا۔ جس کو وہ حضرت خضر کی رہنمائی کے تحت بچانے گئے تھے۔ ڈوبتے جہاز کو کاندھا دیتے وقت اس کی کیلیں شانے میں پیوست ہوگئیں۔ جس کی بناء پر یہ خون جاری ہوا۔ یہ سن کر وہاں پر موجود لوگ آپ کے معتقد ہوگئے۔

(3) تیسری روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ:۔

☆ دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے سخت بیمار تھے۔ ان میں سے ایک نے آپ کے مزار پر حاضری دی اور منت مانی کہ اگر اس کا بچہ صحت یاب ہوگیا تو وہ آپ کے مزار پر غلاف چڑھا کر شیرنی بچوں میں تقسیم کرے گی ۔ جبکہ دوسری عورت نے پہلی منت ماننے والی عورت کے اصرار کے باوجود بھی نہ صرف ان کی منت ماننے سے انکار کیا بلکہ حضرت پیر شہاب خان خانزادہ کے خلاف بُرے بھلے الفاظ استعمال کئے تیسرے روز دیکھنے والوں نے دیکھا منت ماننے والی عورت کا بچہ صحت یاب ہوگیا اور منت نہ ماننے والی عورت کا بچہ مرگیا۔ بعد میں اُس عورت کو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی۔

آپ کے روحانی فیض کی برکات سے متعلق ایسی سینکڑوں روایات اپنے اور دیگر اقوام کے بزرگوں کی زبانی بھی سنی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد تاریخوں سے بھی آپ پر لوگوں کے اعتقاد کے متعلق کافی کچھ پتہ چلتا ہے۔

جیسا کہ:۔ پنڈت جوالا سہائے عدالتی راج بھرت پور۔ اپنی ☆ ''تاریخ وقائع راجپوتانہ'' 28 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ ''(قصبہ پہاڑی۔ جو میوات کے اندر ایک پرگنہ ہے۔ اُس میں شہاب خان نامی خانزادہ پیر کی درگاہ بنی ہوئی ہے۔ جس پر گردونواح کے لوگوں کا بڑا اعتقاد ہے۔ لوگ زیارت کو آتے ہیں۔ اور نذر۔ و۔ نیاز چڑھاتے ہیں پیر مذکور کا مزار پختہ بنا ہوا ہے۔ اس پر گنبد بھی موجود ہے۔'') ☆

آپ کی شہادت ماہ شوال 801ھ۔ 1398ء۔ میں ہوئی۔

شعیب تجاوری صاحب نے آپ کی شہادت سے متعلق درج ذیل قطعہ تحریر کیا ہے۔ جس لفظ۔ ''ذوالجلال'' میں آپ کا سن شہادت 801ھ۔ نکلتا ہے۔

بر مزار شہاب خان شہید

رسد صبح و شام خلق خدا

جست سال شہادت او شعیب

آمد ازغیب ذوالجلال ندا
801ھ

☆☆

"ملک علاؤالدین"

خانزادہ علاؤالدین کو اپنی موروثی جاگیر میں سے پندرہ پرگنے وراثت میں ملے تھے۔ جن میں سے اس نے تجارہ کو اپنا دارالریاست بنایا اور اس میں اپنی مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد یہ "جاگیردار تجارہ" کہلایا۔

"یادرہے اس علاؤالدین "حاکم تجارہ" نے اپنے نانا رانا جھاموں سنگھ (رئیس جھاموں داس) کو معہ اہل وعیال قتل کر کے اپنے والد بہادر ناہر خان (والئی میوات) کے قتل کا بدلہ چند گھڑی میں لے لیا تھا)۔

شہر تجارہ جادوبنسی نسل کے سردار راجہ سرماجیت کے بیٹے راجہ تیج پال نے اپنے دور حکومت میں آباد کیا تھا۔ اور اس نے اپنی رہائش کے لئے اس میں کئی عمدہ محل اور خوبصورت مکانات وغیرہ تعمیر کرائے تھے علاؤالدین نے اپنے دور میں ان ہی محلات و مکانات میں اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

علاؤالدین سے متعلق تاریخوں میں کچھ زیادہ اذکار نہیں ملتے البتہ ایک روایت جو شرف صاحب کی "تاریخ مرقع میوات" کے علاوہ دیگر تاریخوں میں بھی پائی جاتی ہے وہ اس طرح ہے۔

"(ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین محمد شاہ تغلق۔ (بادشاہ دہلی) "(عہد حکومت 31، اگست 1390ء تا1394ء) تجارے کے قریب آئے اور تجارے سے کچھ فاصلے پر انہوں نے جنگل میں اپنے خیمے کہیں ایسی جگہ نصب کرا دیئے جہاں قریب ہی ایک شیر رہا کرتا تھا اس شیر کے مسلسل دہاڑنے سے جب سلطان کی نیند میں خلل واقع ہوا تو سلطان نے خوفزدہ ہو کر یہ اعلان فرمایا۔

"(کوئی ہے جو اس شیر کو مار ڈالے)"۔

اس اعلان پر علاؤالدین نے سلطان کے سامنے پیش ہو کر شیر کو مارنے کی اجازت چاہی بادشاہ کی اجازت کے بعد علاؤالدین شیر کی سمت بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے "شیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علاؤالدین کے اس حوصلے وہمت سے خوش ہوکر سلطان ناصرالدین محمد شاہ تغلق نے علاؤالدین کو چار گاؤں رسکن، گوسائے، ہرسولی اور بہوڑہ بطور انعام عطا کئے اور پھر اس علاؤالدین کو "ملک" کے خطاب سے سرفراز فرمایا جس کے بعد ملک موصوف کے کئی بھائیوں کو ان کی دارلریاست کے لوگ ملک ہی کے خطاب سے پکارنے لگے تھے۔

یوں تو علاقہ میوات کے ہر قصبے کے خان زادے ایک خاص شہرت واہمیت کے حامل رہے ہیں مگر اثر رسوخ کے میدان میں قصبہ شاہ آباد اور تجارے والے خانزادوں کا ایک منفرد اور نمایاں مقام رہا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ رہی تھی کہ یہاں کے خانزادے زیادہ تر بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ برطانوی فوج میں نہ صرف کمیشنڈ افسران تھے بلکہ سول سروسز میں بھی اچھے اچھے عہدوں پر فائز تھے برطانوی سرکاران راجپوت نسل کے خانزادوں کو نہایت ہی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

جاگیر عہدۂ چودھراہٹ قانوں گوئے وغیرہ کے عہدے تجارے والے خانزادوں کے پاس اکبر بادشاہ کے زمانے سے لے کر تقسیم ہند کے وقت تک برابر چلے آتے تھے جو کہ قانون گوئے کے دفتر میں بطور ریکارڈ آج بھی موجود پائے جاتے ہیں۔

اکبر بادشاہ کے زمانے میں تجارے کے چودھری کو بطور نانکار پندرہ سو روپے=/1500 ملا کرتے تھے۔ چودھری ننھے خان اور دیگر بڑے آدمیوں میں ایک چودھری امیر خان بھی تھے (جو رسالدار میجر رحیم خان سندھ ہارس متوطن تجارہ) کے والد تھے۔ جن کا ذکر (قبول اسلام پر تبصرہ) کے عنوان میں کیا گیا ہے۔

شہنشاہ عالمگیر کے زمانے سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک چودھری لشکر خان اور دیگر خانزادگان کو بروئے فرمان حق چودھری بدیں تفصیل ملتا رہا۔

"(نانکار لماصفحہ 50 رسوم فی غلہ فی من آدھا سیر معاملہ زمین کا تحصیل پر ایک روپیہ فی صد ضابطہ

ہر فصل دو روپیہ فی گاؤں مقرر تھا۔")

شاہان دہلی کی حکومت کی جانب سے ملنے والے تحریری آٹھ فرامین تفصیل کے ساتھ "تاریخ مرقع میوات" میں پائے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ خانزادہ جمال خان کی بیٹی سلیمہ سلطانہ بیگم (بیوہ بیرم خان) کے حرم شاہی میں داخل ہونے کے بعد اس کی سفارش پر اکبر بادشاہ کی جانب سے 1562ء میں "اندور" والے خانزادوں کو ملنے والے نوشتہ کی تفصیل "راجہ حسن خان شاہ میوات" اور راجہ جلال خان" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

ملک علاؤالدین کے بیٹے ملک حسام خان کے دو بیٹے عیسیٰ خان اور محمود خان پیدا ہوئے محمود خان کی اولاد شاہ آباد میں اور ملک عیسیٰ خان کی اولاد تجارے میں آباد ہوئی اور باقی بیٹوں کی اولادیں گرد و نواح کے مواضعات، بھنڈوسی، سوراواس، کلگاؤں، موسے پور، اودے پور، گوتولی، بینگن ہیڑی، خضر پور اور پاٹن وغیرہ میں آباد تھیں۔

ملک صاحب کی اولاد سے متعلق شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی "تاریخ ارژنگ تجارہ" صفحہ 29، صفحہ 30 پر بیان فرماتے ہیں کہ:

("اولاد ملک علاؤالدین خان خانزادے سے تجارے میں اکرام خان اور شاہ آباد میں نواب فیروز خان جاگیردار ہوئے مگر یہ ایسے مشہور و نامور نہیں ہوئے۔جیسے بہادر خان (برادر ملک علاؤالدین خان) کی اولاد میں سے ہوئے۔مثلاً قدو خان، جلال خان، احمد خان، عالم خان، ملک فخر الدین خان اور حسن خان وغیرہ۔")

(ملک علاؤالدین کا مقبرہ تجارے میں تحصیل کے قریب ہی واقع ہے)

موسیٰ محل (واقع تجارہ)

اپنے بھائی والئی میوات دوم کے معاون مددگار مطیع و فرمانبردار بن کر رہے۔ بہادر خان اپنے بھائی شاہ محمد خان سے چھوٹا تھا۔ یہ والئی میوات نہایت ہی امن پسند و خاموش طبع تھا اس کی حکومت سے سب ہی لوگ خوش تھے۔

اپنے دور حکومت میں ''قصبہ بہادر پور'' کے بسائے جانے سے متعلق شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ ارژنگ تجارہ صفحہ 9 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(بہادر پور کو بہادر خان پسر ناہر خان نے بسایا تھا۔)''

امیر تیمور کے نائب السلطنت سید خضر خان (حاکم پنجاب وملتان) نے خانزادوں کی طاقت کمزور کرنے کی غرض اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی خاطر 814ھ، 1411ء 1467 بکرمی میں رہتک کی طرف جاتے ہوئے بہادر خان کے مقبوضہ علاقے نارنول کو تباہ و برباد کر دیا تھا لیکن والئی میوات نے اپنی صوفیانہ طبعیت کے باعث جواب میں کوئی کاروائی نہیں کی۔

بہادر خان والئی میوات کی دو شادیاں ہوئیں جن میں سے اس کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔

(1)۔ پہلی رانی چونڈیرہ ضلع بلند شہر کے بڈ گوجروں کی بیٹی تھی جس کے بطن سے (1) راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) (2) فیروز خان (والئی میوات چہارم) (3) نصو خان (4) قلتاش خان (حاکم میرٹھ) (5) سردار تھیم خان (6) ملو خان عرف اقبال خان (وزیر اعظم سلطان نصیر الدین محمود تغلق) (7) سردار عماد خان خانزادگان پیدا ہوئے۔

(2) دوسری رانی: چوہانوں کی صاحبزادی تھی۔ جس کے بطن سے (1) ترغے خان ''(ترنگ خان عرف سارنگ خان)'' (2) لشکر خان۔ (3) ملک فخر الدین خان (4) منصور خان۔ (5) خلیل خان، خانزادگان پیدا ہوئے بہادر خان اور اس کے والد بہادر ناہر خان (مورث اعلےٰ خانزادگان میوات) سے متعلق ہندوستان میں ''نو ناہر، بارہ بہادر'' کی مثل بہت ہی زیادہ مشہور تھی۔ جو آج بھی میراسیوں کی زبان سے اکثر

سنی جاتی ''(نوناہر بارہ بہادر'') سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ بہادر ناہر خان (والئی میوات اول) کے نو بیٹے پیدا ہوئے جن میں ایک یہ (بہادر خان ''والئی میوات دوم'' بھی تھا۔ جس کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے اس طرح (ناہر کے نو اور بہادر کے بارہ) کل اکیس ہوئے اور ان مذکورہ اکیس بیٹوں کی اولاد اس قدر پھلی پھولی کہ ان کے چودہ سو چوراسی (1484) گاؤں ہندوستان کے علاقہ میوات اور راجپوتانہ کے علاوہ صوبہ یوپی اور بہار وغیرہ میں بھی پائے جاتے تھے۔ بعد میں یہ لوگ اپنی انا پرستی ہٹ دھرمی وضدی طبعیت اور آپس کی خانہ جنگوں کے نتیجے میں اس قدر تباہ و برباد ہوئے کہ ان لوگوں کی آبادی سمٹ سمٹا کر علاقہ میوات کے تقریباً ساٹھ ستر گاؤں اور قصبہ جات پر مشتمل ہو کر رہ گئی تھی۔ ملک میوات میں ان میواتی خانزادوں کا ایک منفرد عالی شان اور نمایاں مقام رہا ہے۔ ان لوگوں کی شان وشوکت اور ملک میوات پر ان کی خود مختارانہ حکومت کے تذکرے اردو، فارسی، ترکی اور انگریزی تاریخوں میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ بابر بادشاہ کے حملے کے بعد بھی تقسیم ہند سے پہلے دریائے گنگا اور جمنا کے میدانی دوآب پر یہ جادونسی میواتی خانزادے بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔

808ھ 1406ء میں اس بہادر خان نے اپنی حکومت میوات کے دوران اپنے نام پر ''قصبہ بہادر پور بسایا اور پھر الور کو چھوڑ کر اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ اسی راجدھانی میں اپنی حفاظت کی خاطر ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور اسی قلعے میں اپنی رہائش کے لئے عالی شان محل بنوایا۔ اس محل میں رہائش اختیار کرتے ہی محل کی آرائش وزیبائش رنگ لائی۔ جب محل کی خوبصورتی اسے نمونۂ جنت نظر آئی تو روز محشر کی دہشت اس کے دل پر چھائی اور فکر آخرت اپنے حقائق اس کے سامنے لائی۔ تب یہ دنیا اسے فانی ومسافر خانہ نظر آئی اپنی زندگی کے سفر کی اس پگڈنڈی پر آ کر اس کی کایا نے پلٹا کھایا اور اپنی حکومت سے جی گھبرایا جس کے بعد اپنی حکومت میوات 815ھ 1412ء میں اپنے بڑے بیٹے اقلیم خان کے سپرد کرتے ہوئے اس نے اس

بے ثبات دنیا سے منہ موڑا اپنے عمدہ محل کو چھوڑا اور مختار کل سے رشتہ جوڑا اور مذکورہ قلعے کے ایک کونے میں مستقل گوشہ نشینی اپنائی۔ جس کے بعد اس نے اپنے خالق حقیقی سے لو لگائی۔ اور اسی قلعے میں عبادت و ریاضت کرتے ہوئے اس نے ایک طویل عرصے بعد وفات پائی۔ اس کے بعد ''قلعہ بہادر پور'' میں اس خانزادہ بہادر خان کی تدفین عمل میں آئی۔☆

اس بہادر خان (والئی میوات دوم) کی وفات سے متعلق ''شرف صاحب'' کی تاریخ ''مرقع میوات'' (ایڈیشن ثانی) 245 ص، پر کسی شاعر کا درج ذیل قطعہ تحریر ہے۔ جس میں مادہ تاریخ وفات لفظ ''بہادر خان'' ہے۔ جس سے آٹھ سو تریسٹھ (863) برآمد ہوتے ہیں جو سن وفات ہے۔☆

قطعہ:۔

مرا فکر گریباں گیر • گردید
کہ سال فوت اودر خامہ آید
شدہ ناگہ مرا ایمانہ ہاتف
وفاتش از "بہادر خان" برآید

☆(مذکورہ قطعہ میں بہادر خان کی وفات 863ھ یعنی 1459ء بتائی ہے)۔

"اولادِ ناہر کی آبادی"

نقشہ محالات (قصبہ جات) بلحاظ آبادی اولاد۔ بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ)

نمبر شمار	نام فرزند ریاست	نام دارالریاست پرگنہ جات	نام ضلع یا	نام تحصیل یا	آبادی نام محالات (قصبہ جات)	ٹوٹل تعداد محالات
1	شاہ محمد خان	ریواڑی	گوڑ گانواں	ریواڑی	ریواڑی، جھجر، نارنول	3
2	بہادر خان " "	الور " "	جے پور " "	جے پور کوٹ قاسم	جے پور کوٹ قاسم، بڑسرہ۔ چوکی، بہرام پور، میر پور۔ گودل	1
"	" "	"	گوڑ گانواں	نوح	کوٹلہ، مبیت عرف "عالم پور" تھانہ۔ نظام۔ پور۔ وغیرہ یہ سب گاؤں جو تحصیل نوح میں تھے انہیں خانزادوں نے تقسیم ہند سے بہت پہلے چھوڑ دیا تھا۔	4
"	" "	"	"	فیروز پور جھرکا	قصبہ فیروز پور جھرکا، اولٹیہ سانٹھاواڑی، بسئی خانزادہ پنگواں، جھمراٹ۔ محامد نگر، کھیڑلی، متصل نادلی ان میں سے کھیڑلی، تقسیم ہند سے کافی پہلے ہی غیر آباد ہو چکا تھا۔	8

''اولادِ ناہر کی آبادی''

نقشہ محالات (قصبہ جات) بلحاظ آبادی اولاد۔ بہادر ناہر خان (مورثِ اعلےٰ خانزادگان)

نمبر شمار	نام فرزند	نام دارالریاست	نام ضلع یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	آبادی نام محالات (قصبہ جات)	ٹوٹل تعداد قصبہ جات
2	بہادر خان خانزادہ	الور	الور	الور	دھولیسٹ، حویلی الور، بہادر پور، بھیرو، داور، بالیٹہ، بہروز، موج پور، کھلورہ، تیجڑ پور، ڈہرہ، کھومر، حاجی پور ڈ ڈیکر، تولا ہیڑی، مونگانہ، علاول پور، خلیل پور وغیرہ ان میں علاول پور اور دھولیسٹ کو خانزادوں نے 1930ء سے کافی عرصے پہلے چھوڑ دیا تھا یہ دونوں قصبے غیر آباد تھے۔	18
"	"	"	"	رام گڑھ	مبارک پور، ملک پور، نوگاؤں، کلاں رلاونڈی، مال پور، برواڑہ، کھیڑلی، بلاسپور، سیتھلی، دوڑولی وغیرہ	10
"	"			تجارہ	بوبھیرو، سرولی، دورالہ، سرہٹہ، ددمہ، ان میں علاول پور، دورالہ، گھرول غیر آباد تھے سرہٹہ، ددمہ، جھوانہ کو خانزادے چھوڑ گئے تھے۔	9
"	"	"	"	کشن گڑھ	بھبورہ، خیرتل، جھڑ جھیلا، ہرسولی پور، اسماعیل پور، دائی کا، اور فتح آباد وغیرہ اسماعیل پور، دائی کا اور فتح آباد کو خانزادوں نے چھوڑ دیا تھا۔	7

''اولادِ ناہر کی آبادی''

نقشہ محالات (قصبہ جات) بلحاظ آبادی اولاد۔ بہادر ناہر خان (مورثِ اعلےٰ خانزادگان میوات)

نمبر شمار	نام فرزند	نام دارالریاست	نام ضلع یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	آبادی نام محالات (قصبہ جات)	ٹوٹل تعداد قصبہ جات
3	ملک علاوالدین	تجارہ	الور	تجارہ	حویلی تجارہ، شاہ آباد، بھنڈوسی، سوراداس، کل گاؤں، خان، خان زادہ موسے پور، اودے پور، خضر پور، گوتولی، پاٹن، پچنکن ہیڑی، نوگاں خرد، ڈھاکی بلاسپور، ملک پور، ان میں ملک پور غیر آباد تھا۔	15
4	پیر شہاب خان خانزادہ	پہاڑی	بھرت	پہاڑی	علی نگر، پانگر عرف گھساولی بہرادت، بھوج پور پہاڑی۔	4
"	"	"	"	پور ڈیگ	کھوہ کلاں، اوندن، کاماں، نظام نگر، بھرت پور، گھساولی۔	6
5	ملک اہردو خان عرف آڑدو خان خان زادہ	اندور	الور	تجارہ	اندور، دھولی پہاڑی، علمدیکا	3
"		"	"	کشن گڑھ	پھنچولہ، گندھولہ، سرولی، ماچھورلی، محمد پور، ملک پور	6

نمبر شمار	نام فرزند	نام دارالریاست	نام ضلع یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	آبادی نام محلات (قصبہ جات)	ٹوٹل تعداد قصبہ جات
6	ملک سراج خان	سہنہ	گوڑگانواں	گوڑگا نواں	قصبہ سہنہ، اوداکا، بادشاہ پور، بادشاہ پور کو خان زادے تقسیم ہند سے کافی عرصہ پہلے چھوڑ چکے تھے۔	3
7	نورخان	نوح	گوڑگانواں	نوح	نوح، بروجی، پکڑی، بینواں، ڈوڈا، ہیٹری، نلہر	7
8	نظام خان	مانڈی کھیڑ	"	فیروز پور جھرکا	مانڈی کھیڑہ، پٹا کپور، ہرتول	3
9	فتح اللہ خان، عرف فتح خان	کلنجر	"	نوح	کلنجر، ٹائیں ہتھیں	3
10	چھجو خان (لاولد) (برادر بہادر ناہر خان مورث اعلٰے خانزادگان میوات)	گھاسں	"	فیروز پور جھرکا	گھاسں کھورں (یہ دونوں علاقے چھجو خان کی وفات کے بعد کلتاج خان کو ملے)	2
						120 -20
						=(118)

"بارہ بہادر"
"شجرہ نسب"
بہادر خان (والئی میوات دوم)
ملو۔ اقبال خان
قلتاش خان
ترنگ خان
نصو سلطان خان
لشکر خان
ہیتم خان
ملک فخر الدین خان
عماد خان
اقلیم خان
منصور خان
(والئی میوات سوم)
فیروز خان
(والئی میوات چہارم)
خلیل خان
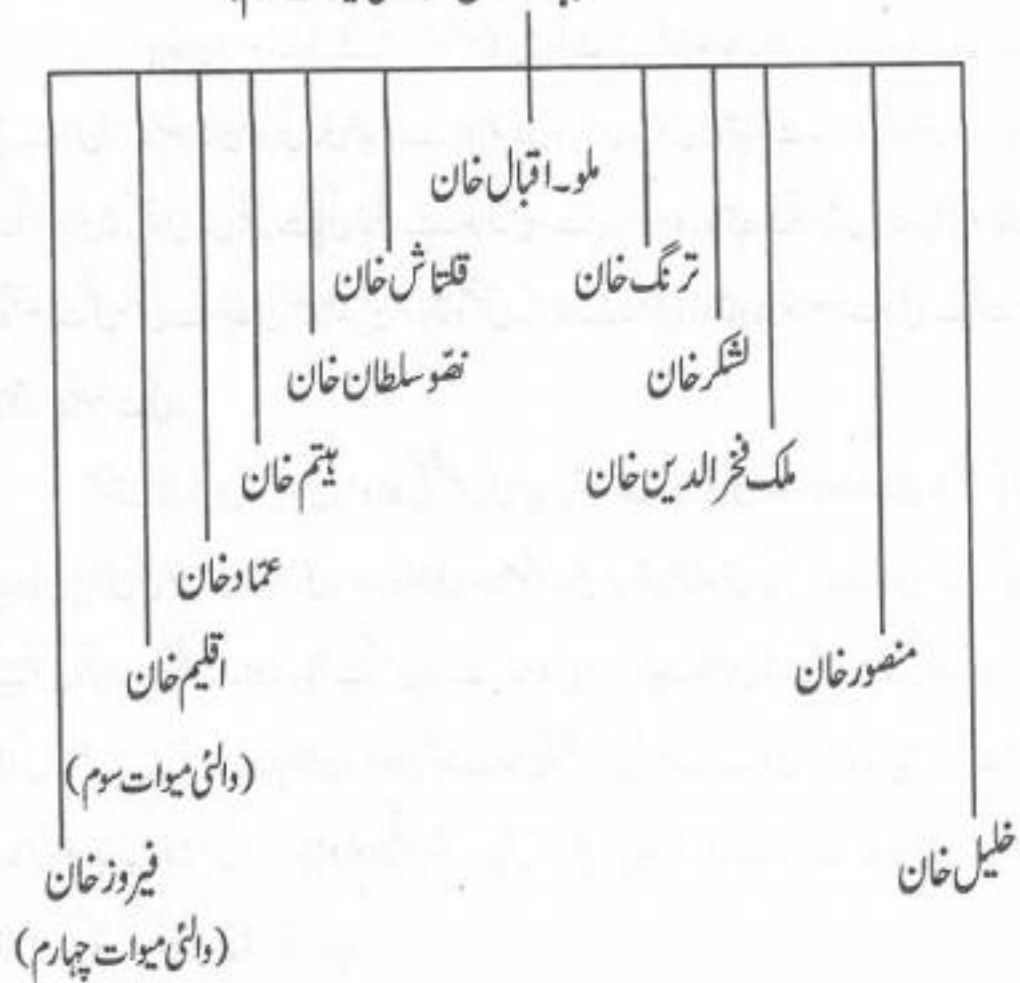
''ملو۔اقبال خان''

تغلق خاندان کے آخری بادشاہ سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق۔کا وزیراعظم ملو خان عرف اقبال خان (خانزادہ۔راجپوت) ہندوستان میں ایک نامور فاتح اور ممتاز۔و۔منفرد شخصیت ہوگذرا ہے۔☆
بہادر ناہر خان (مورثِ اعلیٰ۔قوم خانزادگانِ میوات) کے فرزند خانزادہ بہادر خان ''والئی میوات دوم'' کے اِس فرزند ملو خان میواتی۔کی شجاعت۔جوانمردی وسیاسی چالوں کی شہادت۔اردو۔فارسی۔ترکی۔اور۔انگریزی تاریخوں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔علاقہ میوات کی خانزادہ۔راجپوت قوم میں سے یہ(ملو خان)وہ شخصیت تھی جس نے سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق۔کو برائے نام اپنا بادشاہ بنا کر سلطنت دہلی کے تخت پر خودمختارانہ حکومت کی۔

مختلف تاریخوں میں اِس نامور فاتح شخص کی جہاں شجاعت۔دلاوری۔اور حوصلہ مندی کا ذکر کیا گیا ہے وہاں پر اس کی عیاری۔مکاری۔وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔اِس کے نزدیک اپنے قول وقرار سے منحرف ہونا۔یا اپنے محسن۔سے بے وفائی کرنا۔ایک عام سی بات تھی۔یہاں تک کہ اپنے مفاد کی خاطر اس نے اپنے چچا خان زادہ پیر شہاب خان کو بھی قتل کرانے سے کوئی دریغ نہ کیا اِس کے اندر احساس اور جذبۂ وفا نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی یہی وجہ تھی کہ اِس کی بداعتمادی سے خائف شاہانِ دہلی اِس کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچتے رہے۔

ہندوستانی علاقۂ میوات کے اس مشہور جرنیل خانزادہ ملو خان میواتی۔اور اِس کے دادا بہادر ناہر خان میواتی سے متعلق مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم 240 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(تغلق شاہ اور ابوبکر ہمیشہ بہادر ناہر خان کی حمایت پر حکومت کرتے رہے۔نصرت شاہ اور نصیر

الدین محمود کو بھی بہادر ناہر خان اور اس کے پوتے ملّو خان عرف اقبال خان نے صرف روٹی کپڑے پر بادشاہ بنا رکھا تھا ان بادشاہوں کی سُستی نالائقی اور کمزوری کی بدولت سلطنت میں بڑی بڑی تباہیاں خرابیاں اور پریشانیاں واقع ہوئیں ابوبکر اور محمد شاہ کے زمانے میں خانزادوں کی قدر و منزلت بڑھ کر اُن کا عروج بہت ہی بڑھ گیا تھا۔انہوں نے ابوبکر شاہ اور محمد شاہ کی طرف سے ہمیشہ جانیں لڑائیں)۔

سیّد الطاف حسین کی ''تاریخ ضلع گوڑگانواں باب دوم'' میں اس عظیم سپہ سالار'' خان زادہ ملو خان میواتی'' کا مفصل ذکر ملتا ہے۔

☆(یاد رہے شاہان دہلی کی حمایت یا مخالفت میں ہونے والی ہر لڑائی میں یہ ملّو خان اپنے دادا ۔ناہر میواتی کا معاون و مددگار بنا رہا)۔

☆(شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات'' مولوی ذکاء اللہ دہلوی کی ''تاریخ ہندوستان تاریخ ضلع گوڑگانواں'' ☆''تاریخ فرشتہ'' ☆اور دیگر تاریخوں میں ملّو خان سے متعلق جواذکار پائے جاتے ہیں ان سب کا متن اس طرح ہے)۔

☆سلطان ناصر الدین محمد شاہ تغلق کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ''ہمایوں'''' علاؤالدین سکندر شاہ'' کا لقب اختیار کر کے تخت دہلی پر بیٹھا لیکن یہ اپنی تخت نشینی کے چند روز بعد وفات کر گیا اس کی وفات کے بعد امراء دہلی نے محمد شاہ کے دوسرے بیٹے نصیر الدین محمود شاہ تغلق کو 796ھ مارچ 1394ء میں تخت پر بٹھا دیا۔ اس سلطان کے زمانے میں تمام وزراء و امراء نے سرکشی اختیار کر لی۔جس کے باعث سلطنت میں ضعف پیدا ہوا۔بیانہ میوات گوالیار وغیرہ میں بغاوت پھوٹ پڑی ملکی بغاوتوں کی خبر سن کر سلطان سب سے پہلے گوالیار گیا جہاں خانزادہ مبارک خان اور ملّو خان نے مل کر سلطان نصیر الدین محمود کے ایک امیر سردار سعادت خان پر حملہ کر کے اسے قتل کرنا چاہا۔سعادت خان نے اپنی جان بچاتے ہوئے مبارک خان کو قتل کر دیا اور ملّو خان

اپنی جان بچا کر دہلی کی جانب بھاگ نکلا۔اور یہاں پہنچنے کے بعد یہ اپنے محسن مقرب خان (وکیلِ سلطنت) کے پاس پناہ گزیں ہوگیا۔

جب نصیرالدین محمود (بادشاہ دہلی) گوالیار سے واپس دہلی آیا تو مقرب خان اس کے استقبال کی خاطر شہر سے باہر آیا۔مگر ملّو خان کو اپنے پاس پناہ دینے کی بناء پر مقرب خان نے اپنے بادشاہ کو ناراض پایا۔اپنی گرفتاری کے خوف سے مقرب خان واپس دہلی میں آ کر بادشاہ سے لڑنے لگا۔اس لڑائی میں بہادر ناہر خان میواتی اور ملّو میواتی بھی مقرب خان کے طرفدار و مددگار بن گئے۔تین ماہ تک یہ لڑائی۔ہوتی رہی۔جب سلطان محمود تغلق کو اپنی کامیابی خطرے میں نظر آئی تو اس نے مقرب خان سے صلح کر لی اور پھر ماہ محرم 797ھ۔1395ء۔کو شہر دہلی میں داخل ہو کر بادشاہ نے اپنے (وکیل سلطنت مقرب خان۔) کے تمام قصور معاف کر دیئے اور۔ناہر خان میواتی (مورثِ اعلےٰ قوم خانزادگانِ میوات)۔کو ایک بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ پرانی دہلی کا حاکم مقرر کر دیا۔اور اس کے پوتے ملّو خان کو "اقبال خان" کا خطاب دے کر "قلعہ سیری" اس کے سپرد کیا۔سلطان کی اس نوازش پر اس کا امیر سردار سعادت خان اس سے ناراض ہوا۔

اپنے دشمن ملّو۔اقبال خان پر سلطان نصیرالدین محمود تغلق کی مذکورہ نوازش کے چند ماہ بعد سردار سعادت خان نے چند امراء کو اپنے ساتھ ملا کر۔نصرت شاہ بن فتح خان بن فیروز شاہ تغلق کو فیروز آباد میں اپنا بادشاہ بنالیا۔اور سلطنت کے تمام تر کاروبار اپنے ہاتھ میں رکھے۔بعض تاریخوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ مذکورہ سازش میں ملّو اقبال بھی شریک تھا مگر یہ جلد ہی سلطان محمود تغلق سے واپس آملا۔

دہلی میں جب یہ دو بادشاہ بنے تو نصرت شاہ تغلق کے پاس اضلاع دوآبہ و اقطاع۔سنبھل۔پانی پت۔جھجھر اور رہتک تھے۔اور نصیرالدین محمود تغلق کے پاس سوائے دہلی اور قلعہ جات سیری کے اور کچھ نہ تھا۔

والئی میوات بہادر ناہر خان جب کسی بات پر سلطان محمود شاہ تغلق سے ناراض ہوا تو اس نے اپنے پوتے خان زادہ ملّو خان کو اشارہ دے کر مذکورہ دونوں بادشاہوں میں لڑائی کرادی اور پھر یہ دونوں دادا پوتے سلطان نصیر الدین محمود کے طرفدار بن کر لڑتے رہے دونوں سلاطین کے درمیان یہ لڑائی کم وبیش ڈھائی سال تک ہوتی رہی۔

مذکورہ لڑائی کے دوران ماہ شوال 800ھ 1397ء میں ملّو عرف اقبال خان کسی بات پر سلطان محمود اور اس کے وکیل سلطنت مقرب خان سے ناراض ہو کر نصرت شاہ بادشاہ سے فیروز آباد میں جا ملا اور پھر اس بادشاہ کو ملّو اقبال اپنے ساتھ قلعہ سیری میں لے آیا اور یہاں پر کچھ گفت وشنید کے بعد ''حضرت خواجہ بختیار کاکی'' درگاہ میں پہنچ کر ملّو اقبال نے قرآن شریف درمیان میں لے کر نصرت شاہ بادشاہ سے پختہ وعدہ کرتے ہوئے اسے اپنی بھرپور مدد کی یقین دہانی کرائی۔ نصرت شاہ کو اپنے مکمل اعتماد میں لینے کے بعد ملّو خان اس نصرت شاہ کو حفاظت کی خاطر اُس کے لشکر سمیت ''قلعہ جہاں پناہ'' کے اندر لے گیا اور پھر صرف تین روز بعد اقبال خان نے اپنی قسم دھرم توڑ دی اور کیئے ہوئے تمام وعدہ وعید پس پشت ڈال کر بدعہدی کرتے ہوئے یہ قلعہ سیری سے نصرت شاہ بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ اس اچانک حملے کا مقابلہ نہ کرسکا اور یہ جان بچا کر فیروز آباد کی جانب بھاگ نکلا ملّو اقبال نے اس کا تعاقب کیا۔ جس کی بناء پر نصرت شاہ تغلق معہ اہل وعیال فیروز آباد سے اپنے وزیر تاتار خان کے پاس پانی پت چلا گیا۔ نصرت شاہ کا کُل سامان اپنے قبضے میں لے کر ملّو خان فیروز آباد میں تخت نشین ہو بیٹھا۔ اپنی تخت نشینی کے بعد ملّو اقبال نے سلطان نصیر الدین محمود تغلق کے وزیر مقرب خان کو دفع کرنا چاہا۔

اس سلسلے میں پروفیسر بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک وہند'' اردو بازار لاہور ص 249 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"(مقرب خان نے ایک مرتبہ ملو کی جان بچائی تھی۔ اسی کی کوشش سے اُسے اقبال خان کا خطاب حاصل ہوا تھا۔لیکن ملو نے اپنے محسن کے ساتھ غداری کی)۔

ملو خان مسلسل ڈیڑھ ماہ تک اپنے محسن مقربؔ خان سے لڑائی لڑتا رہا۔ بالآخر وزراء وامراء نے درمیان میں پڑ کر" قصر جہاں نما" میں ان دونوں کے درمیان صلح کرادی لیکن یہاں بھی اقبال خان نے اپنا عہد توڑا اور قلعہ سیؔری سے نکل کر اچانک مقربؔ خان کے گھر پہنچ کر" ملو اقبال" نے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا اس کے بعد سلطان محمود بھی اپنی حکومت کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر خان زادہ ملو خان کے قبضۂ اختیار میں آ گیا ملو اقبال نے سلطنت کے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے اور پھر حکومت کے معاملات میں سیاہ وسفید کا مالک بن کر یہ ذیقعد 800ھ۔1397ء میں سلطان نصیر الدین محمود تغلق (بادشاہ دہلی) کا وزیر اعظم بن بیٹھا اِس نے سلطان محمود کو صرف روٹی کپڑے پر برائے نام اپنا بادشاہ بنائے رکھا۔ سلطان بے چارہ بے بس ہو کر ملو اقبال کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے لگا۔ غرض یہ کہ خان زادہ اقبال خان کا اقبال ایسا چمکا کہ یہ دہلی اور فیروآباد۔ دونوں کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔" (جس کا اعتراف امیر تیمور نے اپنی" تاریخ تیموری" میں بھی کیا ہے)۔"

مولوی ذکاء اللہ دہلوی کی (تاریخ ہندوستان)۔شرف صاحب کی (تاریخ مرقع میوات)۔اور دیگر تاریخوں کے علاوہ مذکورہ سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی" تاریخ پاک وہند" (علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔) صفحہ 251، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"(اس وقت سلطنت دہلی کے دو بادشاہ تھے ان میں سے ایک نصیر الدین محمود شاہ (فیروز تغلق کا پڑپوتا) دہلی کے قدیم شہر میں حکومت کر رہا تھا اور دوسرا نصرت شاہ (فیروز تغلق کا پوتا) دہلی سے باہر حکومت کے نئے مستقر فیروز آباد میں ڈٹا بیٹھا تھا۔ یہ دونوں برائے نام بادشاہ تھے ان دونوں کی افواج کی آپس میں جھڑپیں

ہوتی رہتی تھیں۔اصل اقتدار چند امراء کے ہاتھ میں تھا جن میں سے ملو اقبال اور مقرب خان بہت مشہور تھے وہ اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر سیاسی جوڑ توڑ اور جماعت بندی کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ امیر تیمور کے حملے کی خبر نے بھی انہیں اس مہلک مشغلے سے باز نہ رکھا انہوں نے سیاسی ہوشمندی سے کام نہ لیا)۔

دوسری جگہ یہی پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' (علمی کتاب خانہ کبیر اسٹریٹ اردو بازار لاہور) صفحہ 249 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

''(ملو اقبال نے پہلے نصرت شاہ کا ساتھ دیا پھر اس پر دھوکے سے حملہ کر کے اسے پانی پت کی طرف بھگا دیا اس کے بعد وہ مقرب خان کو دارالحکومت سے نکالنے کی تدبیریں کرنے لگا کچھ امراء نے ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بارآور نہ ہوئی ملو اور مقرب خان میں لڑائی ہوئی مقرب خان مارا گیا اور سلطان محمود۔ملو کے قبضہ اختیار میں چلا گیا)''۔

دہلی اور فیروز آباد کی حکومت حاصل کرنے کے بعد ذی قعد 800ھ۔1397ء۔1453 بکرمی میں ملو خان نے قلعہ دہلی کو اپنے دوستوں کے سپرد کیا اور سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق کو اپنے ساتھ لے کر پانی پت جا پہنچا اور یہاں پہنچ کر اُس نے تاتارخان پر فوج کشی کی۔(جس کے پاس نصرت شاہ تغلق بادشاہ پناہ لئے ہوئے تھا۔)اس حملے میں وزیر تاتارخان اپنا تمام سامان پانی پت میں چھوڑ کر دوسرے راستے سے دہلی جا پہنچا اور دہلی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔اِدھر ملو اقبال نے تین دن میں پانی پت کے قلعے کو فتح کر لیا اور۔نصرت شاہ بادشاہ کے وزیر تاتارخان کا سامان اپنے قبضے میں لے کر یہ دہلی آن پہنچا۔تاتارخان دہلی فتح کرنے میں ناکام رہا اور ملو کی آمد پر یہ اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا۔

اِس کے بعد ملو اقبال نے تغلق حکومت کی بچی کھچی طاقت کو ختم کرنے کی غرض سے تغلق حکومت کے گورنر ملتان سیّد خضر خان کو دفع کرنا چاہا اور پھر اسی غرض سے ملو اقبال نے اپنے حقیقی بھائی ترنگ خان (سلطان

ترغے خان)''جس کو فارسی تاریخوں میں سارنگ خان کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔'' کو اِس تغلق حکومت کے گورنر ملتان سیّد خضر خان پر حملے کے لئے ماہ محرم 801ھ۔1398ء۔میں روانہ کیا خانزادہ سارنگ خان نے شکست دے کر سیّد خضر خان کو گرفتار کرلیا۔لیکن یہ کسی نہ کسی طرح سارنگ خان کی قید سے بھاگ کر۔میوات کے قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر خان میں جا کر بہادر ناہر خان کے پاس پناہ گزیں ہوگیا اِس کے بعد اِسی بہادر ناہر خان میواتی کے توسل سے یہ سیّد خضر خان امیر تیمور کی مہمات میں شامل ہو کر اُس کا نائب السلطنت بن گیا۔

اِس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' صفحہ 271 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(خضر خان ذات کا سیّد تھا تغلق عہد کے آخری دنوں میں اسے ملتان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا فیروز شاہ کے بعد 1398ء میں اقبال خان کے بھائی سارنگ خان نے اسے شکست دے کر گرفتار کرلیا تھا لیکن خضر خان قید سے بھاگ نکلا اور تیمور کے ساتھ مل کر اس کی مہمات میں شریک رہا تیمور نے اسی لگاؤ اور وفاداری کے باعث اپنی واپسی کے وقت خضر خان کو پنجاب کا نائب السلطنت مقرر کردیا)۔

اِس خانزادہ ملو۔اقبال خان اور اِس کے بھائی ترنگ خان (سارنگ خان) سے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ 248 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

☆(امیر تیمور کہتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے مرنے کے بعد اُس کے امراء میں سے دو بھائی جن میں سے ایک کا نام۔ملو خان عرف اقبال خان اور دوسرا خانزادہ سارنگ خان ہے۔بالکل سلطنت کے کاموں کا اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اور خود مختیار بنے ہوئے ہیں اور سلطان فیروز کے بیٹوں میں سے سلطان محمود کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت میں وہ خود ہی بادشاہ بنے ہوئے ہیں)۔

تغلق حکومت کے مذکورہ گورنر ملتان سید خضر خان کا اپنی شکست کے بعد بھاگ جانے پر ملو۔اقبال کا اپنے خلاف یہ آخری خدشہ بھی ختم ہوا۔مگر اِسی دوران ہندوستان کی مذکورہ خبروں کے ساتھ ساتھ جب امیر

تیمور کو دہلی کی خانہ جنگیوں کی خبر ملی تو یہ 08 محرم 801ھ۔1398ء۔کو ہندوستان میں داخل ہوا اور مختلف علاقہ جات کو فتح کرتے ہوئے یہ ماہ ربیع الاوّل 801ھ۔میں دہلی سے چھ میل دور فیروز شاہ تغلق کے بنائے ہوئے۔قصرِ جہاں نما کے پاس آ کر رکا۔

07 ربیع اوّل 801ھ۔1398ء۔1454 بکرمی کو "قصرِ جہاں نما" کی سیر کرتے ہوئے جب تیمور میدان جنگ کا معائنہ کر رہا تھا اُس وقت اس کے سپاہی ایک محمد یوسف نامی شخص کو پکڑ کر اُس کے روبرو لائے۔جس سے سلطان نصیرالدین محمود شاہ تغلق اور اُس کے وزیرِ اعظم خانزادہ ملو اقبال خان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد امیر تیمور نے اُسے قتل کرا دیا۔اسی اثناء میں تیموری جاسوس یہ خبر لائے کہ ملو اقبال اپنے بادشاہ سلطان محمود تغلق کے ہمراہ۔چار ہزار سوار۔پانچ ہزار پیادہ۔اور ستائیس جنگی ہاتھیوں۔کو۔ے کر باغوں سے ہوتا ہوا شہر سے باہر قصر جہاں نما کے قریب آن پہنچا ہے۔عین اُسی وقت چغتائی فوجوں نے حملہ آور ہو کر ان پر تیروں کی بارش برسا دی۔جس سے ملو خان اور سلطان نصیرالدین محمود شکست کھا کر یہاں سے فرار ہوئے اور تیمور بھی دہلی کو لوٹ کھسوٹ کر یہاں سے چلا گیا۔یہاں سے تیمور کی واپسی کے بعد ملو اقبال خان اور اپنے سلطان محمود کے ہمراہ دہلی پر دوبارہ قابض ہو گیا۔

اِس کے بعد پسگر دائی کے مختلف علاقہ جات کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے مذکورہ حملے کے کم وبیش سوا دو ماہ بعد امیر تیمور ماہ جمادی الاوّل 801ھ 1398ء میں سلطنت دہلی پر دوبارہ حملے کی خاطر فیروز آباد آن پہنچا۔

مختلف علاقہ جات کے حملوں میں اس مرتبہ فیروز آباد پہنچنے تک امیر تیمور نے اپنے ایک لاکھ قیدی بنائے تھے دہلی پر حملے سے پہلے تیموری امراء نے یہ مشورہ دیا کہ:۔"اس سے پہلے کہ دہلی پر ہمارے حملے کے دوران ہمارے قیدی زنجیریں توڑ کر ہم پر حملہ کر دیں انہیں قتل کر دیا جائے"۔

اس پر تیمور نے طواچی (نقیب) کو حکم دیا کہ اعلان کر دیا جائے کہ:۔

☆''(جس کسی کے پاس بھی قیدی ہوں وہ انہیں فوراً موت کے گھاٹ اتار دے اگر کسی نے بھی اس حکم کی سرتابی کی جرات کی تو اُسے قتل کردیا جائے گا اور اس کا مال ومتاع اطلاع دہندہ کو بطور انعام دیا جائے گا)''۔

تیمور کے اس اعلان پر اُس دن پورے ایک لاکھ کا فر قیدی مارے گئے۔ اس موقع پر مشہور متقی مولانا ناصر الدین عمر نے بھی (جس نے پوری عمر میں ایک چڑیا تک بھی نہ ماری تھی)۔ پندرہ ہندوؤں کو جو اُس کی تحویل میں تھے اپنے ہاتھوں سے قتل کردیا۔

اپنے مذکورہ حکم کی تعمیل کے بعد امیر تیمور نے دشمنوں کی خبر لانے کے لئے اپنا ہراول دستہ آگے بڑھایا۔ جس کے سپاہ نے دشمنوں کا ایک آدمی گرفتار کرلیا۔ جس کے ذریعے معلوم ہوا کہ خانزادہ ملّو خان کے لشکر کی ترتیب اس طرح ہے۔

☆''(مرکز میں خان زادہ ملّو خان اور سلطان نصیر الدین محمود کا لشکر میسَرہ (بائیں حصے میں):۔ پیر علی کا اور میمنہ (یعنی دائیں حصے میں) میر معین الدین کا لشکر ہے)۔ جس میں کل دس ہزار سوار۔ چالیس ہزار پیارے سپاہی اور ایک سو پچیس جنگی ہاتھی ہیں۔

مذکورہ جنگ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی تاریخ ''پاک و ہند'' اُردو بازار لاہور 253ص پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆''(سلطان نصیر الدین محمود تغلق اور اُس کا وزیر ملّو اقبال ایک فوج کو ساتھ لے کر جس میں دس ہزار سوار چالیس ہزار پیادے سپاہی اور ایک سو بیس ہاتھی شامل تھے۔ جنگ کے لئے نکلے)۔

ملّا یزدی اپنے ''ظفر نامہ'' میں تیمور کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ جنگ سے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

☆(ہندوستانی لشکر دس ہزار گھڑ سواروں چالیس ہزار پیدل آہن پوش سپاہیوں اور ایک سو بیس ہاتھیوں پر

مشتمل تھا۔اور تیمور نے بھی اپنے لشکر کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ (دایاں حصّہ) پیر محمد اور امیر یادگار برلاس کی کمان میں میسرہ (بایاں حصّہ) سلطان حسین شہزادہ خلیل اور امیر جان کی کمان میں دیا گیا اور قلب لشکر کی کمان تیمور نے خود سنبھالی)۔

دونوں لشکر آمنے سامنے مدّ مقابل ہوئے ہندوستانی فوج نے ہر چند بہادری و جرأت کا مظاہرہ کیا لیکن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی یہ شکست سے ہمکنار ہوئی اپنی شکست کے بعد سلطان محمود تغلق گجرات کی طرف اور اس کا وزیر ملّو اقبال مقام چونڈیرہ ضلع بلند شہر کی جانب فرار ہوا۔ان کے تعاقب میں امیر تیمور نے اپنے فوجی دستے روانہ کئے ملّو خان میواتی تو ہاتھ نہ آیا مگر اس کے دو بیٹے خانزادہ سیف الدین عرف (ملک شرف الدین) اور خداداد خان گرفتاری کے بعد تیمور کے روبرو لائے گئے۔امیر تیمور نے جب اپنی فتح کی خوشی میں عیدگاہ کے اندر جشن منایا اُس وقت خانزادہ ملّو اقبال خان کے نائب فضل اللہ بلخی نے تیمور سے ''امان'' طلب کی جس پر تیمور نے ان سب کو معاف کر دیا۔

تیمور کے اس حملے میں اسّی ہزار بقول بعض ایک لاکھ افراد لقمہ اجل بنے جن میں بڑے بڑے صوفیا کرام، علماء کرام اور دیگر بہت سارے بے گناہ شامل تھے مقتولین کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے۔اور مال غنیمت میں مردوں، عورتوں، بچوں، صناعوں، دستکاروں، معماروں اور دیگر ہنرمندوں کی ایک بہت بڑی تعداد امیر تیمور اپنے ساتھ اپنے وطن سمرقند لے گیا۔

غرض یہ کہ پانچ روز تک مسلسل قتل عام کرانے اور دہلی کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد اپنی واپسی سے پہلے تیمور نے 24 جمادی الاوّل 801ھ 1398ء بروز جمعہ فیروز آباد میں بہادر ناہر خان (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات) سے اپنی بالمشافہ ملاقات کے دوران اُس کے پوتے کلتاج خان اور اُس کے پناہ گزین سید خضر خان کو اپنی مہمات کے لئے طلب کیا اور انہیں ساتھ لے کر میرٹھ کی جانب چلا گیا۔(اس مرتبہ دس دن

بقول بعض چودہ دن یہاں اپنے قیام کے بعد تیمور یہاں سے روانہ ہوا)۔

قلتاش خان کو میرٹھ کی فتح کے بعد یہاں کا حاکم مقرر کیا اور سیّد خضر خان جو آخر تک امیر تیمور کے ساتھ رہا اُسے اس کی وفاداریوں کے باعث امیر تیمور نے اپنے الوداعی خطبے 06 مارچ 1399ء کے دوران۔لاہور۔دیپال پور اور ملتان کا صوبے دار مقرر کرتے ہوئے اس سیّد خضر خان کو اپنے مفتوحہ علاقوں کا نائب السلطنت مقرر کرنے کے بعد۔امیر تیمور اپنے وطن سمرقند واپس چلا گیا اور پھر یہ تیمور 17 شعبان 807ھ 18 فروری 1405ء میں 71 سال کی عمر پا کر وفات کر گیا

فیروز آباد سے امیر تیمور کی واپسی کے بعد گلی۔سڑی لاشوں سے تعفّن پھیل گیا قحط پڑا۔وباء پھوٹ پڑی بے شمار لوگ بیماری کے باعث مر گئے۔لوگوں کے دل و دماغ پر تیموری حملے کی دہشت کا خوف و ہراس اس قدر مسلط ہوا کہ یہ لوگ امور زندگی سے بے رخی برتنے لگے۔جس کی بناء پر یہ لوگ ترقی کی راہوں سے دور سے دور تر ہوتے چلے گئے۔یہاں سے تیمور کی واپسی کے بعد سے لے کر دو ماہ تک قلعہ نما شہر (قلعہ سیری) اور دہلی ویران پڑی رہی یہاں پر ان دو ڈھائی ماہ میں انسان تو کیا پرندہ بھی پر نہ مار سکا۔

تیمور کی واپسی کے کم و بیش ساڑھے تین ماہ بعد میدان خالی دیکھ کر نصرت شاہ تغلق اپنی فوج اور اپنے مددگاروں سمیت ماہ رمضان 801ھ 1398ء میں فیروز آباد آن پہنچا اور پرانی دہلی پر اپنا قبضہ جما لیا۔اس کے بعد اس نصرت شاہ نے ماہ شوال 801ھ 1398ء میں ملّو خان کے حقیقی چچا خانزادہ پیر شہاب خان کو ملّو۔اقبال کے دفعیہ کی خاطر بلند شہر کی جانب روانہ کیا مگر ملّو خان کے ننھیال والے وہاں کے بڈ گوجر زمینداروں نے ملّو۔اقبال کے اشارے پر پیر شہاب کو قتل کر کے اُس کا کل سامان لوٹ لیا۔اس کے بعد مال و اسباب جمع کر کے ملّو۔اقبال خان ماہ محرم 802ھ 1399ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا۔نصرت شاہ تغلق حملے کی تاب نہ لا کر اپنی جان بچا کر میوات کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد اب دوبارہ سلطنتِ دہلی ملّو خان کے قبضے میں آ گئی۔

دہلی پر اپنا قبضہ جمانے کے بعد ملّو خان نے نصیرالدین محمود تغلق کو گجرات سے بلوا کر اسے پھر تخت دہلی پر بٹھا دیا اور سلطنت کے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھ کر پہلے کی طرح اسے برائے نام۔اپنا بادشاہ بنالیا۔اس کے علاوہ جو لوگ تیمور کے خوف سے یہاں سے بھاگ گئے تھے اُن سب لوگوں کو واپس بلوا کر ملّو نے اپنے وطن میں آباد کرایا۔جس کے بعد شہر ''سیری'' پھر سے سرسبز وشاداب ہوگیا البتہ پرانی دہلی ایک طویل عرصے تک بقول شرف صاحب (مصنف تاریخ مرقعٔ میوات) 1932ء تک ویران پڑی رہی۔جبکہ اس کے مقابلے میں نئی دہلی زیادہ آباد ہوگئی تھی۔دہلی جو ملکی وغیر ملکی حملہ آوروں کا مرکز بنی رہی تھی اس کی پہلے والی رونقیں واپس نہ لوٹ پائیں۔تقسیم ہند سے کچھ وقت پہلے تک ادیب وشعراء کرام اس دہلی کے اجڑنے کا رونا روتے چلے آتے تھے۔جیسا کہ اس سلسلے میں میر صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

دہلی جو ایک شہر تھا عالم میں آشکار
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

دارالخلافہ دہلی کے آس پاس کا تمام علاقہ خانزادہ ملّو اقبال خان کے قبضے میں آچکا تھا مگر دور دراز کے علاقوں میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ہر علاقے کا سردار خود مختیار بن رہا تھا جبکہ ''ملّو اقبال'' کی خواہش تھی کہ وہ اُن تمام علاقوں پر قبضہ کر کے پورے ہندوستان کا بادشاہ بن جائے چنانچہ اس نظریے کے تحت اس مرتبہ دہلی کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد ملّو خان نے سب سے پہلے ماہ ربیع الاوّل 802ھ 1399ء میں شمس خان (حاکم بیانہ) پر حملہ کیا اور اُسے شکست دے کر اپنا ماتحت بنایا۔اس کے بعد اُس نے گوالیار کے راجہ نرسنگ دیو پر فوج کشی کی اور اُسے شکست دے کر اس سے ملّو خان نے بہت سارا نذرانہ وصول کیا۔

ماہ جمادی الاوّل 803ھ 1400ء میں ملّو اقبال نے سیّد خضر خان کے بھتیجے سیّد مبارک شاہ شرقی (قرنفل) ''حاکم جونپور'' پر فوج کشی کی اس فوج میں اس کے دادا بہادر ناہر خان (مورثِ اعلیٰ قوم

خانزادگانِ میوات) اوراس کے ماتحت شمش خان (حاکم بیانہ) نے بھی ملّو کا ساتھ دیا۔ جب ملّو خان گنگا ندی کے کنارے پر واقع "قلعہ بیتالی" کے قریب پہنچا۔ تو وہاں کے تمام زمیندار متحد ہو کر اس سے مقابلے کے لئے آئے مگر "رائے بمیر" سمیت تمام زمیندار ملّو اقبال خان سے شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ جس کے بعد ملّو اپنی اصل منزل قنوج کی جانب چل دیا۔ مگر راستے میں گنگا ندی حائل تھی اس لئے ملّو نے اس کے کنارے پر ہی اپنا پڑاؤ ڈال دیا۔ جبکہ ندی کے دوسرے کنارے پر مبارک شاہ شرقی (حاکمِ جون پور) کی فوج موجود تھی مگر اس ندی کو عبور کرنے کے لئے دونوں کی مجال نہ ہوئی یہ دونوں لشکر اپنے اپنے کنارے پر دو ماہ تک پڑے رہنے کے بعد لڑائی کئے بغیر واپس ہو گئے۔

مذکورہ سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک و ہند" 299 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"(ملّو اقبال خان نے شرقی سلطنت پر فوج کشی کی لیکن دونوں فوجیں دو ماہ تک آمنے سامنے خیمہ زن رہ کر منتشر ہو گئیں اور ان میں کوئی فیصلہ کن معرکہ نہ ہو سکا مبارک شاہ نے 1402ء میں وفات پائی)"۔

ماہ جمادی الاوّل 805ھ 1402ء میں ملّو اقبال خان گوالیار کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر یہ راجہ برم دیو پسر نرسنگ دیو پر حملہ آور ہوا۔ راجہ برم دیو اپنے قلعے کے اندر محفوظ ہو بیٹھا یہ قلعہ نہایت ہی مضبوط ترین تھا۔ اس لئے گردونواح کے علاقہ جات میں لوٹ کھسوٹ کرنے کے بعد ملّو میواتی واپس دہلی لوٹ گیا۔ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد ملّو اقبال نے دوبارہ قلعہ گوالیار پر حملہ کیا۔ راجہ برم دیو مقابلے پر آیا لیکن پہلے ہی حملے میں یہ شکست کھا کر یہ پہلے کی طرح اپنے قلعے کے اندر محفوظ ہو بیٹھا۔ اور ملّو میواتی ناکام ہو کر واپس دہلی لوٹ گیا۔

805ھ 1402ء میں مبارک شاہ (حاکمِ جون پور) کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سیّد

ابراہیم شاہ شرقی جب تختِ جونپور پر بیٹھا اُس وقت سلطان نصیرالدین محمود تغلق جس کو یہ خدشہ لاحق چلا آتا تھا کہ کسی بھی وقت خان زادہ ملّو میواتی اُسے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔اُس لئے ابراہیم شرقی سے ملاقات کی خاطر ملّو۔اقبال سے شکار کا بہانہ بنا کر جانے کی اجازت چاہی اجازت ملنے پر یہ ایک امید لے کر سیدھا اپنے پرانے غلام ابراہیم شاہ شرقی ''حاکمِ جونپور'' کے پاس گیا۔اور اُسے ملّو خان میواتی پر حملے کے لئے اکسانا چاہا۔لیکن ''سید شمش الدین ابراہیم شرقی'' جو پہلے ہی خانزادہ ملّو اقبال سے خوفزدہ تھا۔اس لئے اُس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ سلطان کے ساتھ نہایت ہی بدسلوکی سے پیش آیا۔جس کے بعد سلطان محمود دل برداشتہ ہوگیا۔اوراس راز کے افشاء ہونے کے۔خدشے کے پیش نظر یہ اپنی جان بچانے کی فکر میں یہاں سے مالوہ کی جانب چلا گیا۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک وہند'' (علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور)299ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(''دہلی کا حکمراں سلطان محمود تغلق ملّو اقبال خان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔اور وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔اُس نے ابراہیم سے ساز باز کی مگر ابراہیم اس کی مدد کے لئے آمادہ نہ ہوا)۔

806ھ1403ء میں ملّو میواتی نے سلطان محمود کو مالوہ سے بلا کر ایک بار پھر برائے نام اپنا بادشاہ بنالیا۔اوراس سلطان نے بھی پہلے کی طرح روٹی کپڑے پر صبر کیا۔اور سلطنت کے کاموں میں کوئی بھی دخل نہ دیا۔

سلطان کی واپسی کے بعد جلد ہی 806ھ1403ء 1459 بکرمی میں ملّو اقبال نے سلطان نصیر الدین محمود تغلق کو اپنے ساتھ لیا اور پھر یہ سیّد ابراہیم شاہ شرقی (حاکم جونپور) پر حملہ آور ہوا۔اوراسے شکست دینے کے بعد ملّو نے قنوج کو اپنے قبضے میں لیا اور یہاں پر ابراہیم شرقی کی جانب سے مقرر کردہ حاکم کو نکال باہر کیا اور پھر قنوج کو اپنے بادشاہ نصیرالدین محمود کے سپرد کر کے ملّو خان میواتی واپس دہلی آ گیا۔

اس کے بعد خانزادہ ملّو خان میواتی 807ھ 1404ء میں اٹاوہ کی طرف گیا جہاں پر رائے سمیر رائے جھالا اور گوالیار کے دیگر زمیندار "قلعہ بیتالی" کے قریب (803ھ 1400ء کو مبارک شاہ شرقی کے زمانے میں اپنی ہونے والی شکست کا بدلہ چکانے کی خاطر)۔ ملّو اقبال میواتی سے مقابلے کے لئے پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔ جن سے یہاں پر ایک خوں ریز جنگ ہوئی اور مسلسل چار ماہ کی لڑائی کے بعد سردار ملّو عُرف اقبال خان فتح یاب ہوا۔ جس کے بعد خانزادہ ملّو نے ان سب کو اپنا ماتحت بنا کر ان سب سے بہت سارا نذرانہ وصول کیا۔

اس کے بعد اسی سال ماہ شوال 807ھ 1404ء میں ملّو اقبال کو جب یہ خبر ملی کہ ابراہیم سے ساز باز کر کے سلطان نصیر الدین محمود تغلق خود مختیار بادشاہ بننا چاہتا تھا تو یہ (ملّو) اُسے قتل کرنے کی نیت سے قنوج پر حملہ آور ہوا۔ سلطان بے چارا اپنی جان بچانے کی خاطر قلعے کے اندر محفوظ ہو بیٹھا کم و بیش دو ڈھائی ماہ تک ملّو اقبال اس قلعے کا محاصرہ کئے بیٹھا رہا۔ لیکن قلعے کی مضبوطی کی بناء پر ملّو کی کوئی بھی پیش رفت نہ ہو سکی۔

بالآخر ماہ محرم 808ھ 1405ء میں خانزادہ ملّو خان میواتی "سمانہ" کی جانب گیا۔ اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی فیروز شاہی کا وفادار غلام بہرام خان ترک (حاکم سمانہ) سمانہ سے بھاگ نکلا لیکن تعاقب کے بعد ملّو اقبال نے اُسے گرفتار کر لیا۔ جس کے بعد حضرت علیم الدین نے، بہرام خان کی جان کی امان طلب کرتے ہوئے ان دونوں میں صلح کرا دی۔ اس کے بعد ملّو اقبال حاکم سمانہ کو اپنے ساتھ لے کر ملتان چلا گیا۔ اور یہاں پہنچتے ہی ملّو نے امیر تیمور کے نائب السلطنت سید خضر خان سے جنگ شروع کر دی اور پھر اسے شکست دینے کے بعد ملّو نے خطبہ دیتے ہوئے سکۂ دہلی اپنے نام پر جاری کرنے کا اعلان کیا۔

اس کے بعد ملتان سے چل کر ملّو خان جب تلونڈی پہنچا تو اس نے یہاں رائے داؤد اور رائے ہیموں پسر رائے رتی کو اپنی قید میں لے لیا اس کے بعد حضرت علم الدین سے کئے ہوئے تمام وعدہ وعید سے

منحرف ہو کر ملّو خان میواتی نے بہرام خان ترک (حاکمِ سمانہ) کی کھال کھنچوا ڈالی۔

اس کے بعد ملّو اقبال خان جب اجودھن "(یادرہے صوبہ پنجاب کے ضلع ساہیوال (منٹگمری) کے مشہور شہر "پاک پتن شریف" کا سابق نام اجودھن تھا۔شہنشاہ اکبر نے بابا فرید شکر گنج ؒ کے مزار کی وجہ سے اس شہر اجودھن کو "پاک پتن شریف" کا نام دیا تھا)"۔ کے مقام پر پہنچا تو سیّد خضر خان (حاکمِ ملتان) اپنی مذکورہ شکست کا بدلہ لینے کے لیئے پنجاب کے شہر دیپالپور اور لاہور وغیرہ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر خانزادہ ملّو میواتی عرف اقبال خان کے مدّ مقابل ہوا۔ اس جنگ میں کافی کشت و خون ہوا۔ ملّو میواتی کا گھوڑا زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے باہر نہ آسکا اسی اثناء میں سیّد خضر خان کے ایک سردار اسلام خان لودھی نے ملّو اقبال خان کو گرفتار کر لیا۔ اور گرفتاری کے فوراً بعد 19 جمادی الاوّل 808ھ 12 نومبر 1405ء 1461 بکرمی کو اس ملّو میواتی کا سر کاٹ کر سیّد خضر خان کے پاس بھجوادیا۔ اس کے بعد اس ملّو خان کے سر کو اس کے ملک میوات بھجوادیا گیا۔ اور ملّو اقبال کے اہل و عیال کو نہایت باعزت طریقے سے اُن کے اپنے (بلند شہر) بھیج دیا۔

اپنے وزیرِ اعظم خان زادہ ملّو اقبال خان کے مذکورہ انجام کی خبر سنتے ہی سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق قنوج سے فرار ہو گیا۔

ملّو خان میواتی کی موت کے ساتھ ہی قنوج سے سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق کے فرار کی خبر سنی تو سیّد ابراہیم شاہ شرقی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملّو کے حملے کے دوران 1403ء میں اپنے ہاتھ سے نکلے ہوئے جونپور کو اس نے واپس آکر اپنے قبضے میں لیا اور پھر یہ قنوج پر اپنا قبضہ جما بیٹھا۔ اور پھر اس نے دیگر علاقہ جات کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔☆

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک و ہند" 300ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆''(اسی اثناء میں ملّو اقبال خان ملتان کے حاکم خضر خان سے لڑتا ہوا مارا گیا اور ابراہیم شاہ نے قنوج کو فتح کر کے دوآب سلطنتِ دہلی کے مقبوضہ علاقوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ مگر مظفر (والئی گجرات) کی آمد کے سبب اُسے جون پور واپس جانا پڑا)۔☆

قسمت تو دیکھئے میری ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

''(یاد رہے کہ دریائے گنگا کی وادی میں ظفر آباد کے مقام پر اپنے قیام کے دوران 1359ء میں فیروز شاہ تغلق نے اپنے چچازاد بھائی ''جونا خان'' کے نام کی نسبت دریائے گومتی کے کنارے پر ایک نیا شہر۔ ''جون پور'' آباد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس خوبصورت شہر کو ثقافتی و علمی ترقی کی بناء پر اُس دور میں ہندوستان کا ''شیراز'' کہا جاتا تھا)''۔☆

☆ بارہ ہزار مربع کلومیٹر پھیلے ہوئے ملک میوات کے چندر بنسی راجپوت خانزادوں کی سابقہ شاہانِ دہلی کے خلاف مسلسل بغاوت ان کی ضدی طبیعت اور ان کے انتقامی جذبے کو نظر میں رکھتے ہوئے ان لوگوں کی اپنے خلاف بغاوت کے خدشے کے پیش نظر سیّد خضر خان (حاکمِ ملتان) نے خود کو ممکنہ خطرات و نقصانات سے بچانے کی نیت سے اپنے مذکورہ عمل کے ردِ عمل کو دیکھنے کی خاطر دور بیٹھ کر مناسب موقع محل کے انتظار میں سلطنتِ دہلی کے لئے اپنے پر تولنے لگا۔ اس موقع پر سید خضر خان سلطنت دہلی سے عدم دلچسپی کے باعث کچھ انتظار کے بعد امراء دہلی نے سلطان نصیر الدین شاہ تغلق کو بلا کر تخت دہلی پر بیٹھا دیا۔

815ھ 1412ء میں سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق انتقال کر گیا۔ جس کے بعد امراء دہلی نے عنانِ حکومت ایک فوجی رہنما دولت خان کے سپرد کر دی۔

☆ سیّد خضر خان جو ایک مدّت سے مسلسل سلطنتِ دہلی کے خواب دیکھتا چلا آ رہا تھا اُس نے

اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر کے لئے یہ موقع غنیمت جانا اور سلطنتِ دہلی کو اس نے اپنے حلقۂ اقتدار میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

817ھ 1414ء میں فوجی رہنما دولت خان کے خلاف سید خضر خان نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور چار ماہ کے مسلسل محاصرے کے بعد دولت خان کو گرفتار کر لیا اور اسے حصار فیروزہ میں قید کر کے 04 جون 1414ء میں سید خضر خان نے سلطنتِ دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور بعد میں فوجی جرنیل دولت خان کو قتل کرا دیا۔

کلتاج خان
''حاکم میرٹھ''

سردار کلتاج خان بن خانزادہ بہادر خان نے فارسی تاریخوں میں قلتاش خان کے نام سے شہرت پائی اسے موروثی جاگیر میں سے تین علاقے اوجنیہ کھوری کلاں اور گھاگس وراثت میں ملے تھے۔ یہ شمشیرزنی و تیراندازی میں حیران کن صلاحیتوں کا مالک تھا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیئے جانے کے بعد بھی اس کی تلوار و تیر کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا۔

پچاس فیصد خان زادوں میں اپنی اولاد کو پٹے بازی سکھائے جانے کی ایک خاص رسم پائی جاتی تھی جو کہ شمشیرزنی کی ابتدائی تربیت ہوا کرتی تھی اور ماہ محرم کے دوران خاص طور پر اس فن کا مظاہرہ کیا جاتا تھا مگر 1947ء کے بعد آہستہ آہستہ یہ رسم معدوم ہوتی چلی گئی۔

ہندوستان فتح کرنے کے لئے امیر تیمور جب یہاں آیا تو دہلی کی فتح کے بعد اپنی واپسی سے پہلے امیر تیمور نے اپنے سردار سیّد شمس الدین ترمذی اور علاؤالدین نائب شیخا کھوکھری کو بالمشافہ خواہش ملاقات کا پیغام دے کر دربار فیروز کی ممتاز و مشہور شخصیت والئی میوات بہادر ناہر خان (مورثِ اعلےٰ قوم خانزادگانِ میوات) کے پاس روانہ کیا۔ پیغامِ ملاقات ملتے ہی ناہر خان میواتی۔ اپنے پوتے کلتاج خان اور اپنے بیٹوں اور تغلق حکومت کے سیّد خضر خان (گورنر ملتان) کو۔'' (جو کلتاج خان کے بھائی خانزادہ ترنگ خان جس کو فارسی تاریخوں میں سارنگ خان تحریر کیا گیا ہے کی قید سے فرار ہو کر قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر میں پناہ گزین ہوا تھا)''۔ اور ان تمام سرداروں کو'' (جو امیر تیمور کے خوف سے بھاگ کر قلعہ کوٹلہ ناہر میں اس کے پاس پناہ گزین ہوئے تھے) اپنے ساتھ لے کر 24 جمادی الاوّل بروز جمعہ 801ھ 1398ء 1454 بکرمی میں امیر تیمور سے ملاقات کے لیئے فیروز آباد پہنچا۔

امیر تیمور نے والئی میوات کا والہانہ استقبال کیا۔ اپنی اس خوشگوار ملاقات کے دوران ناہر خان میواتی نے جب اپنے پوتے قلتاش خان (جس کی شمشیر زنی و تیر اندازی کی شہرت امیر تیمور ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد سن چکا تھا)۔ اور سید خضر خان کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے انہیں تیمور سے متعارف کرایا تو امیر تیمور نے ناہر میواتی سے ان دونوں کو اپنی مہمات میں شمولیت کے لئے طلب کرلیا۔ ملاقات کے اختتام پر امیر تیمور نے ناہر خان کو اپنے ملکی قاعدے کے مطابق ''خان'' کے عظیم خطاب سے نوازا۔ اور پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر تیمور میرٹھ کی جانب چلا گیا۔

قلعہ میرٹھ کی تسخیر کے وقت اپنی جنگی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں قلتاش خان نے کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی اس کی ہمت و جرات سے خوش ہو کر امیر تیمور نے قلعے کی فتح کے بعد اس کا تمام تر انتظام قلتاش خان کے سپرد کرتے ہوئے اسے میرٹھ کا قلعدار مقرر کیا۔ (جس کی بناء پر یہ حاکم میرٹھ کہلایا)۔

اس کے بعد امیر تیمور سیّد خضر خان کو اپنے ساتھ لے گیا اور اس کی وفاداریوں کے باعث اپنے الوداعی خطبے (06 مارچ 1399ء) کے دوران اسے لاہور، دیبال پور اور ملتان کا صوبے دار مقرر کرتے ہوئے اس سیّد خضر خان کو اپنے تمام مفتوحہ علاقہ جات کا نائب السلطنت مقرر کرنے کے بعد امیر تیمور اپنے وطن سمرقند واپس چلا گیا۔

''نصو خان''

نصو خان کو نصو سلطان خان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا اسے اپنے والد بہادر خان (والئی میوات دوم) کی جاگیر میں سے (کوٹ قاسم، بوبکا ہیڑہ، سرہٹہ، دھولیسٹ اور بڈسرہ) وراثت میں ملے تھے۔اس کے حقیقی چچا شاہ محمد خان کے اپنی کوئی اولاد نہ ہونے کی بناء پر اُس نے اپنے اس بھتیجے نصو خان کو گود لے لیا تھا۔شاہ محمد کی وفات کے بعد اس کے مقبوضہ پرگنے جھجھر اور ریواڑی بھی نصو سلطان خان کے حصے میں آئے۔

☆نصو سلطان کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کا ذکر اس طرح ہے۔

(1) حسن خان:۔اس کی اولاد میں سے کوٹ قاسم کے خان زادے ہیں۔

(2) حسین خان:۔اس کی اولاد میں سے بوبکہیڑہ اور بڈسرہ کے خان زادے ہیں۔

(3) دولت خان:۔اس کو موضع بزولی ملا تھا۔

(4) کمال خان:۔اس کے حصے میں ''بیٹھوانہ'' آیا تھا۔

(5) بہلول خان:۔اس کے حصے میں ''سرہٹہ'' آیا تھا۔

(6) گدائی خان:۔یہ ریواڑی میں مسند نشین ہوا۔

جاگیردار نصو خان کے بڑے فرزند حسن خان کے قاسم خان پیدا ہوئے جو ایک نامی سردار گذرا ہے۔ اس نے قصبہ بسا کر اپنے نام پر ہی اس قصبے کا نام ''کوٹ قاسم'' رکھا اور اس قصبے کے گرد ایک خام فصیل تھی جو کم و بیش 1930ء سے پہلے ہی گر چکی تھی۔ مذکورہ کوٹ قاسم کے خانزادوں میں بڑے بڑے جاگیردار اور نامور سردار ہوئے جن میں سے اکثر سرداروں نے اپنے امیرانہ ٹھاٹ باٹ اور بے جا وشاہی اصراف کی بدولت اپنے بہت سارے گاؤں اہیروں کے پاس گروے رکھ دیئے تھے ان کے ٹھاٹ باٹ کی داستانیں بزرگوں کی زبانی آج بھی سُنی جاتی ہیں۔

مذکورہ حسن خان کے دوسرے بیٹے احمد خان کی اولاد میں حسن خان پیدا ہوا۔ اس حسن خان کے حضرت لاڈ خان اور لاڈ خان کے داراب خان گنبد والا پیدا ہوا۔

حضرت لاڈ خان عُرف شیخ لعل محمد شاہ چشتی جو ایک باکمال ولی اللہ گذرے ہیں ان کی بدولت یہ قصبہ کوٹ قاسم دور دراز تک ایک خاص شہرت کا حامل ہوا۔ اس باکمال ولی اللہ کی تفصیل ''حضرت لاڈ خان'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

☆ ایک موقع پر مذکورہ نصو خان سلطان نے ایک میراسی کو ہاتھی بطور انعام عطا کیا جس پر اُس میراسی نے نصو خان کی خاندانی شان و عظمت سے متعلق اپنی ٹوٹی پھوٹی شاعری میں ایک دوہا اُن کی خدمت میں بیان کیا۔ جو نسل در نسل دیگر میراسیوں کی زبان سے علاقہ میوات میں 1947ء تک اکثر سنا جاتا تھا وہ دوہا من و عن اس طرح ہے۔

☆☆

''دوہا''

چار بنس چھتری ورن سدا بل بھوپ جد بنس
راج کرا متھراپتی نے مار میٹھ کے کنس
مار میٹھ کے کنس کنس کی بھجا اپاڑی
کنس کی بھجا اپاڑی تب وہی لوگ پہنچے پاتال
پتال پہنچ کر متھراپتی نے ناتھ باست کے ڈالی
جنگ مہا بھارت کی ہے دنیا میں دھوم نرالی
خون کی ہولی جس میں کھیلی پھر نہ منی دیوالی

ہارنے والے ہارگئے پر جیتے وہ بھی ہارے
جیتنے والوں کی آنکھوں سے جیت نے نیند چرالی
جنگ "مہابھارت" میں کس نے کیا کھویا کیا پایا
متھرا پتی کا ذکر یہ سارا " گیتا" میں فرمایا
متھراپتی کی نسل میں چل کر "تہن پال" بھی آیا
اس راجہ نے نام پہ اپنے "قلعہ تہن گڑھ" بنوایا
شہرت پائی ملک میں اس نے نام بھی خوب کمایا
غوری آیا۔ تب اس راجہ نے اپنا راج گنوایا
اس راجہ کی چھٹی پشت میں "سانپر پال" جب آیا
مشرف با اسلام ہوا وہ "ناہر خان کہلایا
لقب "خان" کا پاکر اس نے قربت شاہی پائی
اس کی نسل سے ہونے والی قوم "خانزادہ" کہلائی
"قلعہ الور "فتح کیا اس نے میوات حکومت پائی
مشہور ہوا پھر ایسا پورے ہند میں شہرت پائی
نو ہوئے ناہر کے جن کی پھری ملک دہائی
سردار ہوئے یہ نامی سب نے خاصی شہرت پائی
(01) شاہ محمد سردار ہوئے اور جھجر ریواڑی پائی
(02) بڑے ہوئے سردار بہادر جس نے "بہادر پور" بسوایا

تخت الور پہ بیٹھ کے یہ "سردار الور" کہلایا

(03) اور ملک علاؤ الدین نے اپنا تخت تجارے سجایا

بھئی کا یا کنچن ہووے گی تو ڈگی بندھا واں دھیر

(04) پربت پہاڑی چھار ہے وہ بزرگ شہاب خاں پیر

(05) ملک فتح اللہ خان ہوئے سردار کلنجر سونکھ سونکھری بھارا

(06) "سہنہ "بیٹھ سراج خان نے کیا کل اجارا

(07) ملک اہرود خان بیٹھ تخت پہ سردار "اندور" کہلایا

(08) پلڑی بیٹھ نور خان نے نوح، بزوجی پایا

(09) مانڈی کھیڑہ بیٹھ نظام خان سردار الھڑ کہلایا

ہوئے "بہادر "کے بارہ جو بنے میوات کی آن

عظمت، ہمت، شہرت والے سب کی اپنی شان

جن سے بجی" رج پٹ ریواڑی "بہادر کے وہ نصوخان سلطان

جنس جادو بلی نصو خان سلطان سخی نے ہاتھی دیا دان

ہاتھی دیا دان میرے ججمان نے رکھا منگنہار کا مان

بھئی ہاتھی دیا دان رقعہ لکھ راجہ کو بھجوایا

کیا وہی قبول راجہ نے اس نر نے جو فرمایا

☆☆

''ملک ہیتم خان''

ملک ہیتم خان کو موروثی جاگیر میں سے سات علاقے حصے میں آئے تھے جن میں سے اس نے قصبہ مبارک پور میں اپنی مستقل سکونت اختیار کی تھی۔

☆قصبہ مبارک پور:۔ریاست الور کا سب سے زیادہ خوشحال علاقہ تھا۔

اس قصبے کے متعلق مسٹر۔سی۔اے۔ہیکٹ نے اپنی انگلش ''تاریخ گزیٹر الور'' میں جو تحریر کیا ہے اُس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆''(مبارک پور۔تحصیل رام گڑھ میں واقع ہے۔یہ قصبہ رام گڑھ سے آٹھ میل ''(تیرہ کلومیٹر)'' شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔اور یہ خانزادوں کی ریاست الور میں سب سے زیادہ آباد و خوشحال گاؤں ہے۔کہتے ہیں کہ یہ گاؤں پہلے زمانے میں پٹھانوں کے قبضے میں تھا۔مگر ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد اب سینکڑوں سالوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ اور عمل دخل ہے)''۔☆

اس قصبے کی آراضی بہت زیادہ ہونے کے علاوہ یہاں کی زمین پیداوار کے لحاظ سے نہایت ہی موزوں ہے۔یہاں پر آب پاشی کے لئے چاہات (کنوئیں) بکثرت موجود تھے اس کے باوجود بھی یہاں کے خان زادے اپنا کل رقبہ کاشت نہیں کر پاتے تھے اس لئے یہاں کے خانزادے اپنے گرد و نواح کے لوگوں کو اپنی زمین بٹائی یا پٹے پر دے کر کاشت کرایا کرتے تھے۔

قصبہ مبارک پور کے جاگیردار خان زادہ ملک ہیتم خان کے دو بیٹے ایک حاجی خان اور دوسرا جلال خان اپنے دور کے نامی سردار گذرے ہیں جن میں سے حاجی خان سے متعلق:۔

''تاریخ شاہانِ لودھی کے حالات'' میں تحریر ہے کہ:۔

☆''(خان زادہ احمد خان (والئی میوات) بہلول لودھی کے دربار میں ایک معتمد و ممتاز سردار تھا جس نے

بادشاہ کی جانب سے خانزادہ حاجی خان کو قلعہ آمیر (جے پور) کی فتحیابی کے لئے روانہ کیا۔ حاجی خان اپنے ہمراہ ایک جرار لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس نے قلعہ آمیر (جیپور) کو اپنے مضبوط گھیرے میں لے لیا۔ جس پر کچھواہے راجپوتوں نے اپنی جوانمردی دکھانے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی اور جم کر مقابلہ کرنے کی بناء پر ایک نہایت خوں ریز جنگ ہوئی جس میں کچھواہوں کا زبردست جانی نقصان ہوا۔ آخر کار مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ کچھواہے راجپوت بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ مذکور پر خان زادہ حاجی خان نے قبضہ جمالیا اور پھر اس قلعے کے دروازے ان کچھواہے راجپوتوں کی لاشوں سے بند کر دیئے)"۔

اس فتح پر آمیر کے مندر سے لائے ہوئے سنگھار کے تمام قیمتی سامان سے حاجی خان نے قصبہ مبارک پور میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی جو آج بھی خانزادوں کی عظمت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ خان زادوں کے زوال کے ایک عرصے بعد اس مسجد پر مہاراجہ سوائی جے سنگھ (والئی جے پور) نے اپنا قبضہ جمالیا اس کے بعد اس کے بیٹے راجہ ایشری سنگھ نے اور راجہ ایشری کے بعد اُس کے بیٹے مادھوسنگھ (والئی جے پور) کے قبضے میں یہ مسجد رہی غرض یہ کہ اس مسجد کا قبضہ نسل در نسل ان لوگوں کے پاس چلا آتا تھا۔ جب برصغیر میں چاروں طرف سے آزاد مملکت کے لئے مسلمانوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں تو ان لوگوں نے 1932ء کی شورش میں یہ مسجد خود بخود میواتی خانزادوں کے حوالے کر دی جس کے بعد خانزادوں نے اس مسجد کی از سر نو مرمت وغیرہ کرا کے اسے قابل دید و عبادت بنایا اس مسجد کے کونے میں ایک کتبہ بھی موجود ہے۔

☆ جاگیردار یٹیم خان کی اولاد میں للاونڈی کا رہنے والا ایک سردار خان زادہ غازی خان بھی گذرا ہے۔ اس نے دربار شاہی میں ایک نہایت منفرد واہم مقام حاصل کیا تھا۔ جس کے باعث یہ ملک میوات میں بہت زیادہ مشہور ہوا دربار شاہی مذکورہ مقام حاصل ہونے کی خوشی میں اس نے میوات میں آکر بلاتمیز مذہب وملت علاقہ میوات کے تمام ساکنین کو ایک شاندار ضیافت دی تھی جس سے پورے میوات میں اس کے نام کی دھوم مچ گئی تھی۔

☆اسی سردار غازی خان کے فرزند خیراتی خان نے نواب نجف خان سپہ سالار سلطنتِ دہلی کے عہد میں دربار شاہی میں اپنا اثر رسوخ حاصل کرنے کے بعد شاہ عالم ثانی (بادشاہِ دہلی) سے "نواب بہادر" کا خطاب حاصل کیا تھا۔ جو بعد میں "نواب بہادر خیراتی خان کے نام سے مشہور ہوا۔

☆اسی طرح خانزادہ جہانگیر خان" (متوطن مبارک پور)" جو شاہی فوج کے سپہ سالار نواب نجف خان اور اپنے عزیز خانزادہ نواب ذوالفقار کے ہمراہ قلعہ ڈیگ کی مہم میں شریک ہوا تھا۔ اسے جلال الدین شاہ عالم" ثانی" (بادشاہِ دہلی) نے عہدہ رسالداری اور قیمتی خلعت فاخرہ سے نوازا تھا۔ اور نواب ذوالفقار کو "بہادر اسد جنگ" کا خطاب عطا کرتے ہوئے اُسے پرگنہ "کاماں" کی فوجداری پر مقرر کیا۔ 1195ھ 1781ء 1837 بکرمی میں مذکورہ قلعہ ڈیگ کی شاندار فتح کے ایک عرصے بعد 1790ء میں سلطنتِ دہلی کے وکیل نے نواب ذوالفقار خان کے پرگنہ گھساؤلی کی جاگیر میں متعدد گاؤں کا اضافہ کیا۔

☆شاہی زمانے سے سرکاری طور پر عہدہ چودھری متواتر اسی خانزادہ جہانگیر (متوطن مبارک پور) کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ 1947ء سے پہلے اسی خاندان کے خانزادہ جبر خان اپنے اس علاقے کے چودھری تھے۔

☆قصبہ مبارک پور کے خانزادوں میں بڑے مشہور و نامور جاگیردار گذرے ہیں۔ جن میں سے ایک سردار خانزادہ بلند خان بھی ہوا ہے۔ جس کو قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اوّل (بادشاہ دہلی) کی جانب سے جاگیر و نانکار اور خلعت فاخرہ 1120ھ۔ 1709ء۔ 1765 بکرمی میں عطا ہوئی تھی۔ مذکور سند کی نقل "تاریخ مرقعٔ میوات" کے صفحہ 209 پر درج پائی جاتی ہے۔

☆دیگر خانزادہ سرداروں کو شاہانِ دہلی کی جانب سے تحریری طور پر ملی ہوئی دیگر سات فرامین کی نقل (تاریخ مرقعٔ میوات) کے صفحہ 207 تا 213 پر تفصیلی طور پر درج ہیں۔

☆☆

''ملک عماد خان''

ملک عماد خان کو موروثی جاگیر میں سے چار علاقے ''سینٹلی۔دکھورہ۔سول کھر۔اور۔بسوہ'' وراثت میں ملے تھے۔اس نے اپنی مستقل سکونت ''سینٹلی'' میں رکھی یہ جاگیردار سینٹلی ''الور'' کہلایا۔

جاگیردار عماد خان بن بہادر خان (والئی میوات دوم) کے حالات تاریخوں میں نہیں ملتے البتہ ''تاریخ عالمگیری'' میں تحریر ہے کہ:۔

☆(ملک صاحب کی اولاد میں سے ایک شخص خانزادہ نظام الدین خان بن فتح خان بن فیروز خان عہد عالمگیری میں چارصدی منصب رکھتا تھا۔جس نے اپنے زمانے میں ''نظام نگر'' آباد کیا تھا)۔

علاوہ ازیں 1190ھ۔1679ء۔1735 بکرمی میں نظام الدین نے اپنے چچا نواب پردل خان بن فیروز خان کے ساتھ شاہی حکم سے۔''رانا میواڑ'' کے علاقے کو خراب وخستہ بنانے کے لئے مامور ہوا تھا۔میواڑ کی فتح کے بعد اس نے اس علاقے کو اورنگ زیب کا مقبوضہ بنایا تھا۔عالمگیر کی وفات کے بعد نواب نظام الدین خان بھی کسی لڑائی میں مارا گیا۔

نواب بازید خان جو حضرت پیر شہاب خان خانزادہ کی اولاد میں سے تھا۔اس نے مذکورہ نظام الدین کی شان میں آٹھ اشعار پر مشتمل فارسی زبان میں ایک نظم تحریر کی ہے جو شرف صاحب کی تاریخ ''مرقعٔ میوات'' صفحہ 303 پر درج ہے۔اس نظم کے آخری شعر میں نظام الدین خان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔جو اس طرح ہے۔

نظام الدین ملک مابوداست ازآں رو
نظام ملک ما "۔ تاریخ گر دید

اس شعر میں مادۂ تاریخ۔''نظام ملک ما'' ہے۔جس کے اعداد 1122ھ۔ہوتے ہیں یہی تاریخ وفات ہے یعنی 1122ھ۔1710ء۔1766 بکرمی سن وفات ہے۔

☆☆
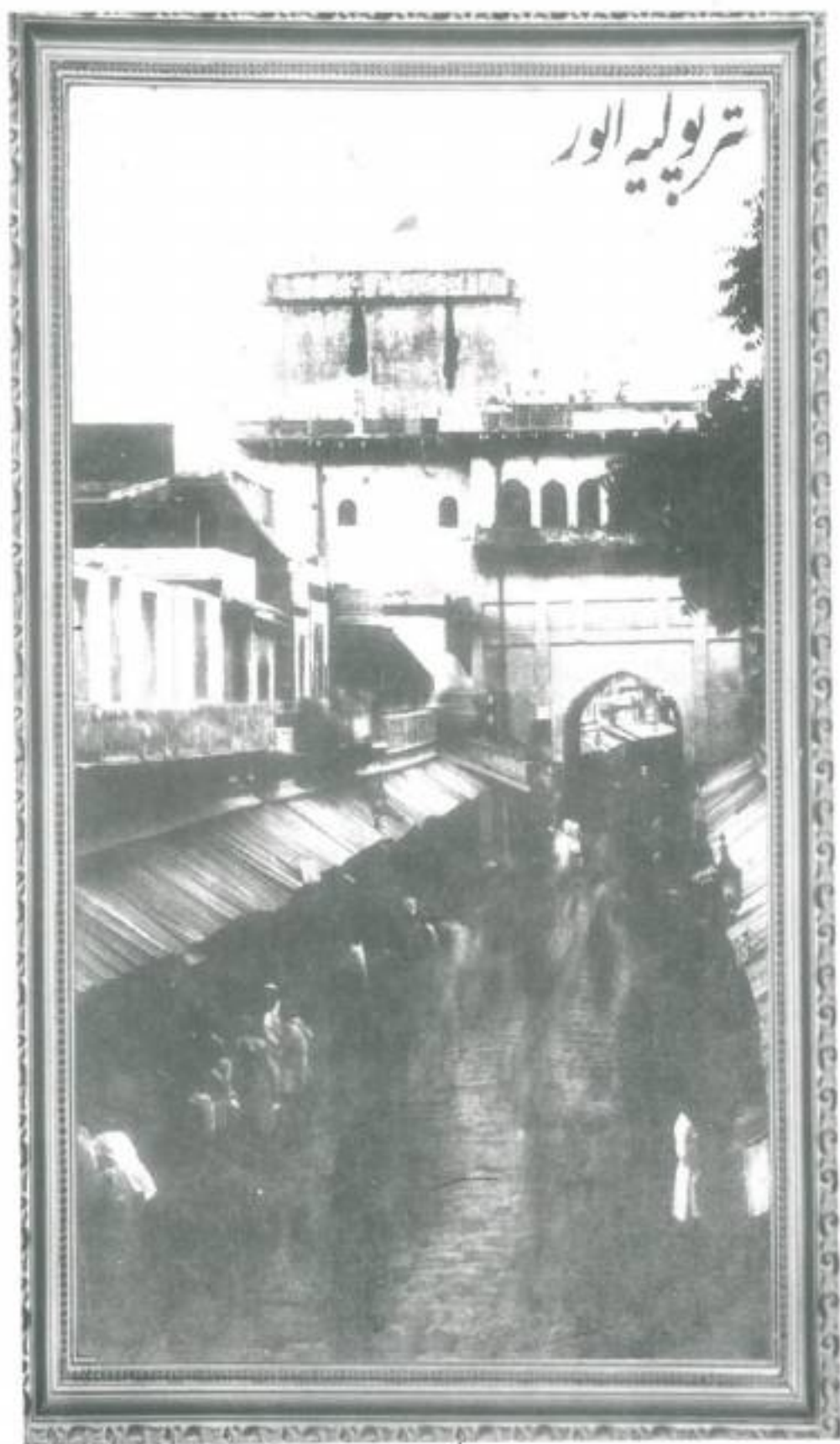
ترپولہ الور

خان) کا مقبرہ موجود ہے اس ترپولیہ کو۔ اکبر بادشاہ کے وزیر بیرم خان (خان خاناں) نے اپنے دو اقتدار 1556ء تا1560ء کے درمیان تعمیر کرایا تھا۔

مقبرے کی تعمیر سے پہلے اس ترپولئے میں املی کے درخت بکثرت پائے جاتے تھے جس کی بناء پر یہ جگہ (املی والا تکیہ) کے نام سے علاقہ میوات میں اپنی شہرت رکھتی تھی۔

عام لوگوں کی زبان پر یہ جگہ ''ترپولیہ الور'' کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆

''لشکر خان''

خان زادہ سردار لشکر خان کو اپنے والد بہادر خان (والئی میوات دوم) کی جاگیر میں سے دو علاقے موضع ٹائیں اور ملک پور حصے میں آئے جن کے یہ جاگیردار کہلائے ان کے حالاتِ زندگی سے تاریخیں خالی ہیں البتہ ان کی اولاد سے متعلق اذکار اکثر تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی اولاد میں سے مراد خان اور عمر خان۔ (خانزادگان) متوطن موضع ٹائیں نے ریاست کوٹہ کے اندر ''مہاراجہ ظالم سنگھ جھالا'' کے زمانے میں اپنی شجاعت۔ خیر خواہی اور عمدہ کارکردگی کے صلے میں ایک منفرد عروج پا کر اپنی شہرت میں چار چاند لگا لئے تھے۔

بالکل اسی طرح کپتان دولھے خان بن محمد خان بن عمر خان۔ بن سردار لشکر خان۔ ریاست الور کے ایک معذز اور صاحب حیثیت سردار گذرے ہیں جن کے متعلق:۔

مسٹر۔سی۔اے ہیکٹ اپنی ''تاریخ گزیٹیر الور'' میں بیان کرتے ہیں کہ۔

☆''(خان زادوں میں جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا وہ آج تک فوجی ملازمت کا شوق رکھتے ہیں۔ برطانیہ کی فوجوں میں ریاست الور کے اور بھی بہت سے ملازم موجود ہیں۔ جن میں ایک دولھے خان صاحب بھی ہیں۔ جو کہ پلٹن کے خاص کمانڈنگ آفیسر ہیں اور بہت ہی بڑے آدمی ہیں اور۔ دربار میں معذز عہدے کے حقدار ہیں۔

راجہ اقلیم خان
(والئی میوات)

815ھ 1412ء میں بہادر خان نے اپنے جیتے جی اپنی حکومت میوات اپنے بیٹے اقلیم خان کے سپرد کرنے کے بعد۔ گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اقلیم خان قلعہ الور میں حکومت میوات پر تخت نشین ہوا۔

اس والئی میوات کی تخت نشینی سے تیرہ سال پہلے امیر تیمور نے سیّد خضر خان کو ملتان۔ دیپالپور۔ اور۔ لاہور کا صوبے دار مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے الوداعی خطاب 06 مارچ 1399ء میں اسے اپنے تمام مفتوحہ علاقہ جات کا نائب السلطنت مقرر کیا تھا۔ اس دوران میواتی خانزادوں کا عروج اور ان لوگوں کی دہلی سلطنت میں عملی مداخلت وخودسری کی بناء پر سیّد خضر خان نے پنجاب کی صوبے داری پر اکتفا کیا اور دہلی سلطنت میں اپنا کسی بھی قسم کا کوئی عمل دخل نہیں رکھا۔

ایک عرصے بعد اس اقلیم خان کے زمانے میں 817ھ 04 جون 1414ء کو سید خضر خان نے تخت دہلی پر بیٹھ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ اور "ملّو خان عُرف اقبال خان" کے عزیز واقارب ان میواتی خانزادوں کی بغاوت وانتقامی خدشے کے پیش نظر سیّد خضر خان (بادشاہِ دہلی) نے اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر فی الحال علاقہ میوات میں اپنی مداخلت سے گریز کیا۔ اور خان زادہ اقلیم خان (والئی میوات) بدستور اپنے علاقہ میوات پر خودمختارانہ حکومت کرتا رہا۔

راجہ اقلیم خان اور اُس کے والد بہادر خان (والئی میوات دوم) نے اپنے زیر تصرف بڑے بڑے دیہات جیسا کہ بہادر پور، نوانگر، بھونکر، منڈھا، نواز پورہ، کھیرتھل وغیرہ میں اپنی ولایت سے آئے ہوئے سادات خاندان کو بسایا۔ جن سے بعد میں خانزادگانِ میوات نے رشتے ناطے شروع کر دیئے۔

اس سلسلے میں مولوی محبوب علی دہلوی صاحب اپنی ''تاریخ حکایاتِ میوات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''(خان زادوں کی رشتے داریاں اکثر سادات سے ہوتی رہی ہیں)۔

اس سلسلے میں دیگر مورخین کی آراء ''خانزادوں اور دیگر شرفاء میں رشتے داریاں'' کے عنوان میں درج کی گئی ہیں۔

سردارانِ قوم خانزادگانِ میوات نے اقلیم خان کی تخت نشینی کے وقت اسے راجہ کا خطاب عطا کیا تھا جس کے بعد یہ سرداران قوم سال میں دو مرتبہ ہولی۔ اور دسہرہ کے موقع پر اپنے راجہ کو سلام کرنے کی غرض سے الور میں آیا کرتے تھے۔ لیکن جلد ہی خانزادگانِ الور کی خودسری اور راجہ اقلیم خان کا متکبرانہ رویہ اور سرداران قوم سے اس کی لاپرواہی کے باعث سردارانِ قوم نے اس سے ناراضی کے بعد۔ راجہ کا خطاب اس کے بھتیجے جلال خان بن فیروز خان کو عطا کر دیا''۔ (جس کا تفصیلی ذکر ''جلال خان'' کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے)''۔

☆ راجہ کا خطاب پانے کے بعد۔ جلال خان کی روز افزوں بڑھتی ہوئی شہرت کے پیش نظر اقلیم خان نے دور اندیشی سے کام لیا اور اقتدار کی خاطر اپنے بھائی۔ بھتیجوں۔ اور۔ بیٹوں میں لڑائی وغیرہ ہونے کے خدشات کے تحت اپنے خاندان میں نااتفاقی ہونے سے پہلے اِس نے اپنے حلقۂ احباب اور اپنے بیٹوں کے باہم مشورے کے بعد نہایت ہی دانشمندی۔ خلوص اور فراخدلی۔ کا مظاہرہ کرتے ہوئے 820ھ

1417ء، 1473 بکرمی میں اس نے اپنی حکومت میوات اپنے بھائی فیروز خان کے سپرد کردی۔

☆اقلیم خان (والئی میوات) کے چھ بیٹے۔ناہر خان۔حسن خان۔احمد خان۔دلاور خان۔عظمت خان اور عالم خان خانزادگان پیدا ہوئے جو اپنے وقت کے نامی سردار گذرے۔

☆الور۔والوں کا شجرۂ نسب جو شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات'' میں درج ہے وہ اس طرح ہے۔

☆ ''شمس خان بن معین خان۔بن کمال خان۔بن راجو خان۔بن رستم خان۔بن معلےٰ خان۔ بن عالم خان۔بن احمد خان۔بن اقلیم خان بن بہادر خان۔بن بہادر ناہر خان (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات)۔

فیروز خان
والئ میوات
(4)

راجہ اقلیم خان (والئ میوات) کی بے رخی اور لاپرواہی کی بناء پر جب ''سرداران قوم خانزادگان میوات'' اس سے ناراض ہوئے توانہوں نے ''ڈھاڈولی'' میں ایک دعوت کے موقع پر اس کے حقیقی بھائی فیروز خان کے بیٹے جلال خان کو متفقہ طور پر اپنا راجہ منتخب کرلیا۔ اور پھر اس کے بعد ہولی اور دسہرے کے موقع پر یہ سرداران قوم اقلیم خان کی بجائے اپنے اس نو منتخب راجہ کو سلام کرنے کی غرض سے بڑی دھوم دھام سے میلے کی صورت میں ''اندور'' جانے لگے قوم کے اس جھکاؤ اور راجہ جلال خان کی تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی اس صورت کے پیشِ نظر راجہ اقلیم خان بن بہادر خان کو اپنی سابقہ غلطیوں کا احساس شدت اختیار کرگیا۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ چنگاری کسی بھی وقت شعلہ بن کر بھڑکتی ہوئی اس کے بیٹوں اور بھتیجوں میں نفرت کی تپش لے کر انا پرستی کی آڑ میں ایک بہت بڑی لڑائی کو جنم دے کر اس کے خاندان کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاسکتی ہے۔ اس اندیشے کے پیش۔ نظر۔ اقلیم خان نہایت صبر و تحمل کے ساتھ دور اندیشی کام میں لایا اور اس نے اپنے خاندان میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کی غرض سے نہایت فراخدلی کے ساتھ اپنی حکومت میوات اپنے چھوٹے بھائی خانزادہ فیروز خان کو 820ھ 1417ء میں بخوشی سپرد کردی۔

1417ء میں اپنے بھائی کی جانب سے ملی ہوئی ملک میوات کی حکومت پر مسند نشین ہوتے ہی فیروز خان بن بہادر خان نے ایک۔ آبادی کی بنیاد ڈالی اور اپنے نام پر اس آبادی کا م نام۔ ''فیروز پور'' رکھا اس قصبے کے پاس ہی پہاڑ میں سے پانی جھرتا تھا جس کے باعث یہ قصبہ۔ (فیروز پور۔ جھرکا) کے نام سے مشہور ہوا۔

خانزادہ فیروز خان اپنے عدل و انصاف امن پسندی اور اپنے حسن اخلاق کی بناء پر اپنی رعایا میں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔

سیّد خضر خان (بادشاہِ دہلی) نے اپنی ہر ممکن کوشش جاری رکھی کہ وہ کسی بھی طرح میواتی خانزادوں کو مطیع و فرمانبردار بنالے تاکہ ان لوگوں کی طرف سے اس کی حکومت کو کسی بھی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ لیکن فیروز خان (والئی میوات) نے اپنی حکومت میوات کے سلسلے میں اپنے آباؤاجداد والا خودمختارانہ رویہ اپنایا۔ چونکہ یہ قوم اپنے علاقۂ میوات پر ایک عرصے سے خودمختارانہ حکومت کرتی چلی آرہی تھی۔ اور یہ جادو بنسی راجپوت خانزادہ قبیلے کے والیان میوات اپنی حکومت کے سلسلے میں کسی بھی دوسرے کا عمل دخل برداشت کرنے کیلئے کسی بھی صورت میں تیار نہ تھے۔

سیّد خاندان کی حکومت کے بانی سیّد خضر خان (بادشاہِ دہلی) نے علاقہ میوات میں جب اپنا عمل دخل جمانے اور میواتی خانزادوں کو اپنا معاون و مددگار بنانے کی کوشش میں اضافہ کیا تو والئی میوات خانزادہ فیروز خان باغی بن بیٹھا اور پھر اُس نے مکمل طور پر سلطنت دہلی کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ سیّد خضر خان کو جب والئی میوات کی اس سرکشی و بغاوت کی اطلاع ملی تو وہ ایک جمِ غفیر لشکر لے کر 823ھ۔ 1420ء۔ میں میوات پر چڑھ آیا۔ فیروز خان (والئی میوات) بھی اپنا لشکر لے کر بادشاہ کے مدِ مقابل ہوا۔ اس جنگ میں فیروز خان کے بیٹوں (قدو خان۔ ملک فخر الدین خان اور۔ راجہ جلال خان) نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس جنگ میں ہزاروں خانزادے مارے گئے۔ اسی بناء پر تمام خانزادے اپنے اپنے قصبہ جات کو خالی کر کے یہاں سے ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں چلے گئے۔ جہاں پر ان لوگوں نے اپنی مدافعت کا کافی کچھ انتظام کیا۔ لیکن یہاں پہنچنے کے بعد یہ لوگ ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں بند ہو کر رہ گئے۔ چونکہ سیّد خضر خان۔ (بادشاہِ دہلی) اس ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' کے تمام تر راز و نیاز سے اُس وقت سے باخبر تھا جب یہ ماہِ محرم الحرام 801ھ۔

1398ء۔ میں ''ملّو اقبال خان'' کے بھائی خانزادہ ترغے سلطان یا ترنگ خان۔ عرف (سارنگ خان) کی قید سے فرار ہو کر اپنی جان بچانے کی فکر میں اس کے دادا بہادر ناہر خان کے پاس آکر میوات کے ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ مذکورہ بناء پر یہ لڑائی ایک طویل عرصے تک جاری رہی۔ جب ان میواتی خانزادوں کی رسد۔ و۔ خوراک میں کمی واقع ہوئی تو یہ لوگ ''قلعہ کوٹلہ ناہر'' سے نکلے اور پھر لڑتے بھڑتے ہوئے پہاڑوں کی جانب چلے گئے۔ جس کے بعد بادشاہ ناکام ہو کر واپس دہلی لوٹ گیا۔

بادشاہ کے واپس لوٹتے ہی خانزادوں نے واپس آکر اپنے علاقہ میوات پر حسبِ دستور اپنا عمل دخل جمالیا۔

☆(مختلف تاریخوں کے علاوہ مذکورہ جنگ کا ذکر۔ شرف صاحب کی ''تاریخ مرقعٔ میوات'' ''ایڈیشن ثانی'' صفحہ 256 پر بھی پایا جاتا ہے)۔

☆اپنی مذکورہ ناکامی کے بعد۔ جلد ہی 824ھ۔ 20 مئی 1421ء۔ میں سیّد خضر خان بادشاہ نے وفات پائی۔ جس کے اِس کا بیٹا سیّد مبارک شاہ سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔

اس کے بعد۔ فیروز خان (والئی میوات چہارم) بھی 825ھ۔ 1422ء۔ 1478۔ بکرمی میں اس دنیا سے رحلت کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خان میوات کی گدی پر مسند نشین ہوا۔

☆فیروز خان (والئی میوات) کے چھ بیٹے۔ راجہ جلال خان۔ (قدو خان۔ یا۔ خداداد خان) ملک فخرالدین خان۔ قدر خان۔ عالی خان۔ اور۔ فتح خان۔ خانزادگان پیدا ہوئے۔ جن میں سے قدو خان اور۔ راجہ جلال خان بہت ہی زیادہ مشہور ہوئے۔ اِن دونوں کے اذکار اردو، فارسی، اور انگریزی تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

☆☆

"بہادر خان"
"کے باقی تین فرزند"

خانزادہ بہادر خان (والئی میوات دوم) کے بارہ بیٹوں میں سے نو بیٹوں۔ "ملّو عرف اقبال خان (وزیر اعظم سلطان نصیر الدین محمود شاہ تغلق) کلتاج خان (حاکم میرٹھ)۔ سردار ہیتم خان۔ سردار عماد خان۔ ترنگ خان عرف۔ (ترگے خان یا طرغے خان) سردار لشکر خان۔ سردار تھو سلطان خان۔ راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) فیروز خان (والئی میوات چہارم) کے حالات زندگی تفصیلی طور پر بیان کئے جا چکے ہیں۔ باقی تین فرزند۔ ملک فخر الدین خان۔ سردار منصور خان اور سردار خلیل خان (خانزادگان) جو اپنے اپنے علاقے کے جاگیردار کہلائے ان مذکورہ تینوں بھائیوں کے حالات زندگی تاریخوں میں نظر نہیں آئے۔ اسلئے یہاں پر یہ کہنا کافی ہوگا کہ مذکورہ تینوں بھائیوں کے حالاتِ زندگی ابھی تحقیق طلب ہیں۔

بہادر
(پرگنہ جات کی تقسیم)

بہادر خان کا جب اپنی حکومت سے جی اُکتایا تو اُس نے اپنے تمام بیٹوں کو بلوایا اور ان میں اپنے مقبوضہ علاقے درج ذیل نقشے کے مطابق تقسیم کرنے کے بعد حکومتِ میوات اپنے بڑے بیٹے خانزادہ اقلیم خان کے سپرد کردی۔ اس کے بعد اس نے اپنے تعمیر کردہ قلعے میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ اور پھر اسی قلعے میں عبادت و ریاضت کرتے ہوئے ایک طویل عرصے بعد اس نے وفات پائی جس کے بعد اسی قلعے میں اس کی تدفین عمل میں آئی۔

☆☆

"نقشہ"

(تقسیم پرگنہ جات)

نمبر شمار	خانزادہ بہادر خان کے بیٹوں کے نام	وراثت میں آئے ہوئے علاقے	تعداد علاقہ جات
1	راجہ اقلیم خان (والئی میوات) "سوم"	بہادر پور، الور، ڈڈیکر، ڈونگیر، بہروز، نارنول، اسمٰعیل پور، کھلورہ، دادر، بڑودہ میو، بڑودہ فتح خان، بھیڑہ، دھولی دوب، بھٹ کول، بالٹیہ، پاٹن، موج پور، ہرسانہ، حسن پور۔	19
2	فیروز خان (والئی میوات) "چہارم"	نوگاؤں کلاں، فیروز پور جھرکہ، اندور، سانٹھاواڑی، ساکرس، کوٹلہ، نگینہ، کرہڑہ، جھمراٹ، پنگواں، بسئی خانزادہ، بسیرہ۔	12
3	قلتاش خان (حاکم میرٹھ)	اوجینہ۔ کھوری کلاں۔ گھاگس۔	3
4	نصو سلطان خان	سرہٹہ، بوبکا ہیڑہ، کوٹ قاسم، بڈسرہ، دھولیٹ نوٹ: اپنے چچا شاہ محمد کے (7=2+5) لاولد فوت ہونے پر جھجھر، اور ریواڑی بھی اس کو ملا	7

5	ملوخان عرف اقبال خان (وزیر اعظم) آف بادشاہ دہلی	گھرول، تانگل، سرولی۔	3
6	ہیتم خان	تھانہ کھوڑ، کھوہرہ، مبارک پور، مالپور، ملک پور، للاوٹنڈی۔ بڑواڑہ۔	7
7	سردار عماد خان	سیفنلی۔ سول کھر۔ بسوہ۔ دکھورہ۔	4
8	سردار ترغے خان یا ترنگ خان	پاٹن، تانگل، کھوری، راولی، متصل دوہا، کھیڑلی	6
9	لشکر خان	ملک پور، تائیں۔	2
10	ملک فخر الدین	ناہر بھاولی، جھجھنو، کلنجر، ملائی (گل پور، متصل کوٹ)	5
11	منصور خان	دھولی، اونٹیلا، کٹھولی، بھونری، مہری، اینچواڑی	6
12	خلیل خان	آٹا متصل سہنہ، میلاداس، خلیل پور، گھاسٹیرہ، ایسن پور	5

''دیوارلڈ''

سردار قدوخان جاگیردار کو بعض تاریخوں میں (خُدّوخان۔اور۔خداداد خان) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے اس کی سکونت اپنی جاگیر فیروز پور جھر کا قصبہ جھراوٹ میں تھی۔

خان زادہ قدوخان نے اپنی زندگی کو اس اصول پر کاربند کر لیا تھا کہ قادر مطلق کے سوا کسی دوسرے کے سامنے عاجزی اور انکساری بے سود ہے۔ یہ اپنے ساتھ بھی کسی کا بے وجہ ملنا اپنی خوشامد سمجھتے تھے۔اور یہ اپنے بے وجہ ملاقاتیوں سے سخت متنفر تھے۔

سردار قدوخان بن فیروز خان کا ملازم آنے والے ملاقاتیوں سے پہلے ملنے کی وجہ دریافت کرتا اور پھر وجہ ملاقات بتا کر ملاقاتی کے لئے اپنے آقا سے اجازت لیا کرتا تھا۔اگر کوئی ملاقاتی یہ کہتا کہ وہ سردار کو صرف سلام کرنے کی غرض سے آیا ہے تو یہ ملازم اپنے سردار قدوخان کے حکم کے مطابق اس ملاقاتی سے یہ کہا کرتا تھا کہ وہ ''باہر رکھے ہوئے خان صاحب کے جوتوں کو سلام کرے اور واپس چلا جائے'' سردار قدوخان نے اپنے جوتے خاص اسی مقصد کے لئے باہر رکھوادیے تھے۔غرض یہ کہ اس سردار کی طبیعت میں غرور ۔لاپرواہی۔روکھاپن اور ضدوانا پرستی کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا جو بالآخر اس سردار کی موت کا سبب بنا۔اس متکبرانہ روش کے باعث علاقہ میوات کے لوگ آپ سے سخت متنفر وناراض تھے۔لیکن ایک طرف تو آپ کا حقیقی بھائی راجہ جلال خان والئی میوات تھا۔اور دوسری طرف آپ کا اپنے علاقے میں اثر رسوخ اور جاہ و حشمت۔!۔جس کے باعث لوگ اس قدر خائف تھے کہ آپ سے کسی بھی قسم کا کوئی شکوہ شکایت کرنے کی جرات نہیں کر پاتے تھے۔

آپ کے زمانے میں خانزادوں نے کوہستان (اندور) کو اپنی راجدھانی بنایا اور سلطنتِ دہلی کو میوات کا محصول دینے سے انکار کرتے ہوئے 828ھ 1424ء میں آپ کے حقیقی بھائی راجہ جلال خان

(والئی میوات) نے سیّد مبارک شاہ (بادشاہِ دہلی) کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ میواتی خانزادوں کی اس بغاوت کی خبر سن کر بادشاہ میوات پر چڑھ آیا مگر ناکام واپس گیا۔

راجہ جلال خان (والئی میوات) سردار قدو خان اور ملک فخر الدین خان کی اس بغاوت سے سلطنت دہلی میں ضعف پیدا ہوا۔ اور ابتری پھیل گئی۔

اس لیے اپنے مذکورہ حملے کے ایک سال بعد 829ھ۔ 1425ء۔ میں سید مبارک شاہ بادشاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر میوات پر حملہ آور ہوا۔ میواتی خانزادے بھی قلعہ اندور میں مورچہ بندی کر کے بیٹھ گئے اور علاقہ میوات میں آئے ہوئے شاہی لشکر سے مدمقابل ہوئے۔ یہ جنگ ایک طویل عرصے تک جاری رہی۔ جس میں خانزادوں کا بھاری نقصان ہوا۔

راجہ جلال خان۔ سردار قدو خان اور ملک فخر الدین خان وغیرہ خانزادگان نے جب شاہی لشکر کا پلہ بھاری دیکھا تو یہ لوگ ''قلعہ اندور'' سے نکل کر کوہستان الور کی طرف چلے گئے۔ لیکن شاہی لشکر ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں بھی پہنچ گیا۔ اور کوہستان الور میں مورچہ بندی کر کے مذکورہ میواتی خانزادوں سے بادشاہ نے جنگ شروع کر دی یہ جنگ ایک خطرناک ترین صورت اختیار کر گئی۔ قتل و غارتگری کا بازار یک عرصے تک گرم رہا راجہ جلال خان (والئی میوات) اور سردار قدو خان وغیرہ کے پاس جب رسد۔ و جنگ کا سامان مکمل طور پر ختم ہو گیا تو ان کے پاس سید مبارک شاہ سے صُلح کے سوا اور کوئی دوسرا چارہ نہ رہا۔ تو ان سردارانِ میوات نے اپنے ایک پیغام کے ذریعے سید مبارک شاہ بادشاہ سے صُلح چاہی۔ مبارک شاہ (بادشاہ دہلی) بھی اس طویل جنگ سے عاجز آ چکا تھا۔ اس لئے وہ فوراً صُلح پر آمادہ ہوا اور بوقت صُلح راجہ جلال خان اور دیگر سرداران میوات سے کچھ وعدہ۔ و۔ وعید لے کر مبارک شاہ بادشاہ واپس دہلی چلا گیا۔ بادشاہ کے پیٹھ موڑتے ہی خانزادگان میوات اپنے وعدوں سے منحرف ہو گئے۔ اور شمس الدین سید ابراہیم شاہ شرقی (حاکم جون پور) کو

سید مبارک شاہ بادشاہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا۔اور جنگ کے وقت سردار خانزادہ قدوخان (خدوخان) نے بادشاہ کے خلاف ابراہیم شاہ شرقی کی بھرپور مدد کی۔اور دوسری طرف ۔راجہ جلال خان (والئی میوات) اور سردار خانزادہ ملک فخرالدین خان نے محمد خان اوحدی (حاکم بیانہ) کو بھی مبارک شاہ (بادشاہ دہلی) کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا۔

سردارانِ قوم خانزادگان میوات کی مسلسل بغاوت اور ابراہیم شاہ شرقی (حاکم جون پور) اور محمد خان اوحدی (حاکم بیانہ) کو اپنے خلاف ان میواتی خانزادوں کی بھرپور مدد مبارک شاہ کے لئے ایک چیلنج بن گئی۔ جس کے نتیجے میں ملک کے اندر طوائف الملو کی اپنے عروج پر پہنچی اور پھر ہر سردار اور ہر جاگیردار اپنے اپنے علاقے کا خودمختیار حاکم بن بیٹھا۔علاقہ میوات کے باغی خانزادوں کے اشارے پر لڑنے والے سید ابراہیم شاہ شرقی اور محمد خان اوحدی سے بیک وقت دو لڑائیاں لڑنا بادشاہ دہلی کے لئے ایک مصیبت اور ایک بہت بڑا مشکل مسلۂ بنا ہوا تھا۔جس کے درپیش مبارک شاہ بادشاہ کو اپنی سلطنت کی خاک اڑتی نظر آنے لگی تھی۔لیکن بادشاہ نے حوصلے سے کام لیا جس کے بعد اس نے کافی جدوجہد کے بعد مذکورہ مسلے پر قابو پایا۔مذکورہ لڑائیوں کے اختتام پر بادشاہ سردار قدوخان کا جانی دشمن ہوگیا لیکن خانزادوہ قدوخان پر قابو پانا اس لئے بھی مشکل مسلۂ تھا۔کہ اسے راجہ جلال خان اور خانزادہ ملک فخرالدین کی قربت کے ساتھ ساتھ قدوخان کو ابراہیم شاہ شرقی کی دوستی کا شرف بھی حاصل تھا۔غرض یہ کہ مذکورہ میواتی خانزادوں کی مسلسل بغاوت بادشاہ کے لئے نہ صرف دردِسر بنی ہوئی تھی بلکہ خطرے کا ایک نشان بن کر اس کی سلطنت کے اردگرد منڈلا رہی تھی اس لئے بادشاہ نے درگذر سے کام لیتے ہوئے مصلحت پسندی کو اپنایا۔اور اپنے قاصد کے ذریعے قدوخان کو اپنے پاس بلوا کر دلوں کی رنجش ختم کرنا چاہی۔

الغرض۔ملاقات کا پیغام لے کر آنے والے اس شاہی قاصد کو راستے میں اُن مخالفین نے اُچک لیا

جوایک مدت سے سردار قدوخان کے خلاف اپنے دلوں میں رنجش لئے ہوئے مناسب موقع محل کی تلاش میں تھے۔ان حریفوں نے نہایت ہی محتاط طریقے سے شاہی قاصد کواپنے اعتماد میں لیتے ہوئے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ملاقات کا پیغام دینے کے بعد خانزادہ قدوخان کا ہمدرد بن کر اسے یہ مشورہ دے کہ بادشاہ کے پاس جانے سے اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا ہوگا اس لئے بادشاہ سے ملاقات کے لئے نہ جانا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ بالآخر ایسا ہی ہوا۔سردار قدوخان نے شاہی قاصد کے مشورے پر عمل پیرا ہو کر ملاقات کے لئے بادشاہ کے پاس جانے صاف انکار کردیا۔

اس کے بعد مخالفین کے بنائے ہوئے منصوبے کے عین مطابق شاہی قاصد نے سردار قدوخان میواتی کی سرکشی اور بغاوت کے فرضی قصے سید مبارک شاہ بادشاہ کے سامنے کچھ اس انداز سے بیان کئے کہ بادشاہ مشتعل ہو کر ماہ شوال 831ھ۔1427ء۔میں ایک جم غفیر لشکر لے کر میوات پر چڑھ آیا۔اور ایک بھاری انعام کے لالچ کے نتیجے میں اس جادو بنسی راجپوت سردار خانزادہ قدوخان کو گرفتار کرالیا۔گرفتاری کے بعد۔دربار شاہی میں بادشاہ کے روبرو پیش کرنے سے پہلے عمال شاہی نے عاجزانہ تلقین ونصیحت کرتے ہوئے سردار قدوخان سے کہا۔کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہوتے وقت آداب شاہی کا خاص خیال رکھیں۔اس پر جواب میں قدوخان نے کہا:۔"موت کا ایک دن مقرر اور انمٹ ہے۔موت تیز رفتار گھوڑے کی پیٹھ پر بھی آسکتی ہے اور گھر کے کسی کونے میں بھی اگر میری موت بادشاہ ہی کے ہاتھوں میں لکھی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس ناپائیدار زندگی کی خاطر اپنی غیرت وخودداری اور اپنے خاندانی وقار کو مجروح کرتے ہوئے بادشاہ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرلوں"۔!

بالآخر عمال شاہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس سردار کو دربار شاہی کے بند دروازے کی اس کھڑکی کے پاس لے آئے جہاں سے دربار شاہی میں داخل ہوتے وقت سر جھکانا ضروری ہوجاتا تھا۔اس

کھڑکی کو دیکھتے ہی قدو خان معاملے کی نوعیت کو فوراً بھانپ گیا اس لئے اس نے دربار میں داخل ہونے سے پہلے اس کھڑکی کا بغور جائزہ لیا اور پھر کھڑکی کی اوپر والی چوکھٹ پر اندر کی طرف اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر دربار شاہی میں اس انداز سے داخل ہوا کہ اس نے پہلے اپنے دونوں پیر اندر کئے اور پھر اپنا سر اندر کرتے ہوئے بغیر سلام و آداب کئے سید مبارک شاہ (بادشاہ دہلی) کے سامنے یہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ خانزادہ سردار کے اس غیر مودبانہ انداز کو دیکھتے ہی دربار شاہی میں موجود تمام اہلکاروں نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنی تلواریں نیام سے باہر نکالیں اور اپنے بادشاہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

سردار قدو خان کے تحقیر آمیز انداز پر "بادشاہ آگ بگولہ ہو کر بھڑ کا قدو خان تمہارے اس تکبرانہ انداز نے شاہی دربار کے وقار کو پامال کیا ہے۔ دربار میں داخل ہوتے وقت تمہیں احتراماً ہمارے سامنے سر جھکانا چاہیے تھا۔"

اس پر جواب میں قدو خان میواتی گرجا "اے مبارک شاہ! تو میرے خاندان اور مجھے اچھی طرح جانتا ہے کہ میں ملو اقبال خان اور سردار ترنگ خان کا بھتیجا ہوں اور اسی بہادر ناہر خان میواتی کا پڑپوتا ہوں جس کی پناہ میں تیرا باپ میرے چچا ترنگ خان کی قید سے فرار ہو کر اپنی جان کی امان کا طالب ہوا تھا۔ اگر تو مجھے آزمانا چاہتا ہے تو میری زنجیریں کھلوا۔ اور مجھے آزما یہ تخت جس پر تو بیٹھا ہے یہ بھی میرے پردادا کی مہربانیوں ہی کا نتیجہ ہے اس تخت پر بیٹھ کر آج اگر تو یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ تیرے ان خوشامدی درباریوں سے مرعوب ہو کر میں تیرے سامنے سر جھکا لوں گا تو یہ تیری سب سے بڑی بھول ہے۔ مبارک شاہ۔ مت بھول! کہ میں راجپوت ہوں۔ اور۔ راجپوت کا سر کٹ تو سکتا ہے مگر جھک نہیں سکتا!۔

سردار قدو خان کے اس تلخ اور حقیرانہ انداز کلام نے بھرے دربار میں بادشاہ کی انا پر کاری ضرب لگائی بادشاہ مشتعل ہوا اور اپنے آپے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے حکم صادر کیا۔ کہ۔

(قدّ وخان کو دیوار میں زندہ چن دیا جائے)۔

بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں چنائی کا کام شروع کیا گیا۔ دیوار میں اپنی چنائی کے دوران سردار قدّ وخان بن خانزادہ فیروز خان (والئی میوات چہارم۔) کی مستقل مزاجی ہمت وحوصلہ اور اس کے چہرے پر اطمینانی آثار دیکھ کر وہاں پر موجود تمام درباری حیران وانگشت بدنداں تھے۔ انا کے روپ میں دل پر حکمرانی کرتے ہوئے قذاق اجل نے اس سردار قدّ وخان (خدادادخان) کو بادشاہ کے سامنے معذرت کے چند الفاظ کہنے سے باز رکھا۔ اس موقع پر اگر قدّ وخان کے رویئے میں زرہ بھر بھی لچک پیدا ہو جاتی تو یقیناً بادشاہ اسے معاف کر دیتا۔ اور شاہی قاصد سے مل کر مخالفین کا بنایا ہوا منصوبہ ناکام ہو کر عیاں ہو جاتا اور شاہی قاصد اپنی ملی بھگت اور غلط بیانی کے عیوض عتاب شاہی کا شکار ہوتا۔ لیکن مذاکرات سے منحرف سردار قدّ وخان کی خودداری وضدّی طبعیت نے اپنی صفائی پیش کرنے کی بجائے تمام حقائق پر پردہ ڈالے رکھا۔

غرض یہ کہ دربار شاہی میں خانزادہ قدّ وخان میواتی کے توہین آمیز انداز کلام نے مبارک شاہ بادشاہ کی اَنا کو سامنے لاکھڑا کیا۔ اس طرح بیک وقت مذکورہ اِن دونوں کی اَنا کا عود کر آنا اس عظیم سانحے کا سبب بنا۔ جو تاریخ کا انمٹ باب بن کر رہ گیا۔

''(یہاں پر یہ یادر ہے کہ۔ سابق پولٹیکل ایجنٹ الور۔ انگریز مورخ۔ مسٹر۔ سی۔ اے۔ ہیکٹ نے اپنی انگلش ''تاریخ گزیٹیرالور'' میں بادشاہ کی جانب سے خانزادہ قدّ وخان کو قتل کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ محققین تاریخ کا اکثریتی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ بادشاہ نے سردار قدّ وخان کو دیواروں میں زندہ چنوایا تھا۔)

تاریخوں میں یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ دیوار میں اس سردار کی جب گردن تک چنائی کر دی گئی تب ان راج مزدوروں نے جو نہایت ہی سست رفتاری سے چنائی کا کام کر رہے تھے آخری بار نہایت منت وسماجت

کرتے ہوئے قد وخان سے کہا:۔خان صاحب۔بادشاہ آپ کو معاف کرنا چاہتا ہے۔وہ آپ کی زبان سے معافی کا لفظ سننے کے لئے بے چین ہے وہ اپنے امراء کے سامنے پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔چونکہ آپ لوگوں کی مسلسل بغاوت سادات حکومت کے لئے ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔خدارا۔آپ اپنے بچوں کی خاطر اپنی ضد چھوڑیئے۔لیکن اس سردار کے عزم وحوصلے اور رویئے میں ذرا سی بھی لغزش ونرمی نہیں آئی۔اس سردار نے پہلے کی طرح ان راج مزدوروں کو جھڑکتے ہوئے کہا:۔

(یہ سر۔خدا کے سوا نہ کسی دوسرے کے سامنے جھکا ہے نہ جھکے گا)

(میں وقتی بادشاہ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ کر اپنے جادو بنسی راجپوت خاندان کی عظمت کو داغدار نہیں کرسکتا۔مجھے بزدلی کا درس دینے سے بہتر ہے کہ آپ لوگ میری فکر چھوڑیں اور کاتب تقدیر کا لکھا جان کر اپنا کام جاری رکھیں۔)

اس مردِ مجاہد کے ان آخری الفاظ کے بعد یہ دیوار اُس کی گردن سے اونچی ہوتی چلی گئی۔جس کے بعد اپنی چال کی کامیابی پر دشمنوں کی صف میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اور یہ سردار قد وخان دیوارِ لحد میں مدفون ہوتے ہوئے اپنے خانزادہ قبیلے کی شان وعظمت کی تاریخ ایک نئے انداز میں اپنی ''اَنا'' کے قلم سے رقم کرتا ہوا داعیٔ اجل کو لبیک کہتا ہوا اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔جس کے بعد یہ اس دنیائے فانی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہوگیا۔

مرنے کے بعد دیکھئے زندہ رہا "امآن"
یہ شخص اپنی قوم کی تاریخ لکھ گیا

امآن

سردار قد وخان کے تین فرزند: سردار نور خان (بانئ پنگواں)
سردار نصیر خان (بانئ بسئی خانزادہ) اور سردار حامد خان (بانئ جھمراوٹ) پیدا ہوئے۔

دادا چوکھا کا مزار (واقع پنگواں)

(پنگواں کے خانزادے جو اپنے آپکو" پنگوانی" کہلاتے ہیں وہ اسی نور خان بن سردار قدّ و خان کی اولاد میں سے ہیں)۔

(یہاں پر یہ یاد رہے کہ دو چار دیگر گاؤں کی طرح بعد میں معرضِ وجود میں آنے والا یہ پنگواں بھی مختلف مورخین کی عجلت پسندی ولاتوجہی کے باعث غیر ارادی وغیر دانستہ طور پر موروثی فہرست میں شمار ہوا چلا آتا ہے)۔ یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس پنگواں سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں ایک گاؤں "پھلینڈی" نام سے آباد ہے۔ جس سے ایک کلومیٹر اوپر پہاڑ کی چوٹی پر سادات خاندان کے ایک باکمال بزرگ "شاہ چوکھا" کا مزار معہ گنبد آج بھی اچھی حالت میں موجود پایا جاتا ہے۔ جس پر 1947ء سے پہلے ہر سال میلہ لگتا تھا۔ یہ پنگوانی لوگ اس بزرگ کو "داداچوکھا" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور آج بھی نہایت عقیدت کے ساتھ اس کی نذر و نیاز و فاتحہ وغیرہ دلاتے رہتے ہیں۔

☆☆

"بانئی۔ بسئی خانزادہ"

خان زادہ نصیر خان بن سردار قدّ و خان نے "بسئی خانزادہ" کو آباد کرنے کے بعد یہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کی اس کی اولاد بھی تقسیم ہند سے پہلے اسی۔ بسئی خانزادہ میں آباد رہی۔

سردار نصیر خان نے پہاڑی کے سرے کے اس راستے پر جو" پنگواں" سے فیروز پور جھرکا کو جاتا ہے ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا تھا جو تاریخوں میں "قلعہ جھراوٹ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعے کے پاس ہی ایک کنواں بھی بنوایا تھا جو" چاہ نصیر" کے نام سے مشہور تھا قلعہ جھراوٹ کے کھنڈرات آج بھی پائے جاتے ہیں۔

''بانئ جھمراٹ''

سردار حامد خان بن سردار قدو خان نے ''جھمراٹ'' کو نئے سرے سے آباد کرنے کے بعد اسے قصبے کی صورت میں تبدیل کیا اور پھر یہیں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کرلی تھی تقسیم ہند سے پہلے اس کی اولاد بھی یہیں پر آباد رہی۔

☆☆

راجہ جلال خان
''والئ میوات''

825ھ۔1422ء۔ میں اپنے والد فیروز خان کی وفات کے بعد جلال خان حکومت میوات پر تخت نشین ہوا۔اس تخت نشینی سے ایک عرصہ پہلے اس کے حقیقی چچا راجہ اقلیم خان (والئ میوات) کی لاپرواہی بے رخی اور اس کے متکبرانہ رویے سے ناراض ہونے کے بعد سرداران قوم خانزادہ نے جلال خان کو ''راجہ'' کا خطاب عطا کیا تھا۔راجہ کا خطاب پاتے ہی جلال خان نے اپنے بچپن کی جگہ ''موضع ڈھاڈلی'' کو خیر آباد کہہ کر ۔''اندور'' میں اپنی مستقل سکونت اختیار کرلی اور یہاں پر اپنی حفاظت کی خاطر ایک مضبوط ترین قلعہ تعمیر کرایا جو تاریخوں میں ''قلعہ اندور'' کے نام سے مشہور ہوا۔

(یہ اندور۔راجپوت خانزادوں کے عہد حکومت میں ایک جداگانہ پرگنہ تھا۔ جو بعد میں پرگنہ ٹپوکڑہ کے نام سے مشہور ہوا)۔

اس پرگنے سے متعلق ''تاریخ آئین اکبری'' میں تحریر ہے کہ:۔

(اگرچہ آجکل قصبہ اندور کھنڈرات کا ڈھیر نظر آتا ہے۔لیکن ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب یہ اندور

میوات کے چند مشہور مقامات میں شمار ہوا کرتا تھا)۔

جلال خان (والئی میوات) نے اس اندور کو اپنی راجدھانی بنا کر اسے قصبے کی شکل میں تبدیل کیا اور اسے میوات کے خانزادوں کے لئے سب سے بڑا مضبوط قلعہ بنا دیا۔ ویسے بھی قصبہ اندور کا یہ قلعہ جنگی لحاظ سے نہایت ہی موزوں قرار پایا۔ چونکہ اندور کے پہاڑوں کے اوپر سے ہوتی ہوئی تین سڑکیں ایسی بنائی گئیں تھیں جو قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر۔ قلعہ گھرول اور قلعہ اندور کو آپس میں ملاتی تھیں۔ مذکورہ سڑکوں میں سے ایک سڑک قلعہ گھرول کی طرف جاتی تھی اور دوسری سڑک قلعہ کوٹلہ ناہر جا پہنچتی تھی۔ جبکہ تیسری سڑک ان ہی پہاڑوں کے اوپر سے ہوتی ہوئی اس مقام تک جا پہنچتی تھی۔ جس کو لوگ (نوگاؤں کا ٹھیک) کہتے تھے۔ جنگ کے وقت یہ سڑکیں میواتی خانزادوں کے لئے نہایت ہی موزوں معاون و مددگار ثابت ہوتی تھیں۔ میوات کے خانزادوں پر جب بھی شاہان دہلی کا جنگی دباؤ پڑتا تھا تو یہ لوگ ان ہی سڑکوں کے ذریعے نہ صرف ان سے ملنے والے قلعوں میں بلکہ پہاڑوں کے اوپر ہی اوپر سے گذرتے ہوئے الور جا پہنچتے تھے اس صورت میں شاہی لشکر کے لئے ان لوگوں کا تعاقب کرنا نہایت ہی مشکل ہوا کرتا تھا اسی بناء پر شاہان دہلی اکثر ناکام واپس لوٹ جایا کرتے تھے۔

جلال خان کو راجہ بنائے جانے سے متعلق۔ شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات'' اور دیگر تاریخوں میں جو روایات پائی جاتی ہیں ان سب کا متن اس طرح ہے۔

(الور خانزادوں کا دارلریاست تھا حکومت میوات پر اقلیم خان کی تخت نشینی کی رسم ادائیگی کے موقع پر سرداران قوم خانزادگان میوات نے متفقہ طور پر اقلیم خان کو ''راجہ'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ جس کے بعد یہ سرداران قوم سال میں دو مرتبہ ہولی اور دسہرہ کے موقع پر، بہت سارے تحائف لے کر اپنے راجہ کو سلام کرنے کی غرض سے الور میں حاضر ہوا کرتے تھے لیکن جلد ہی ایک مرتبہ دسہرہ کے موقع پر یہ سرداران قوم

راجہ جلال خان والئی میوات

حق حق کرتے پھریں نا حق مچاویں شور
حق کی ڈھاڈولی ناحق کی اندور

یہی وجہ تھی کہ اپنے مقابلے میں خانزادہ قوم کا تمام تر جھکاؤ راجہ جلال خان کی طرف دیکھ کر اقلیم خان نے اپنے خاندان میں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کی غرض سے بخوشی اپنی حکومت میوات اپنے حقیقی بھائی فیروز خان کے سپرد کردی تھی۔

فیروز خان کی وفات کے بعد حکومت کا حق اس کے بڑے بیٹے خداداد خان (قدو خان) کا تھا مگر اس کی سخت طبیعت کی بناء پر خانزادہ قوم نے قدو خان کو اعتماد میں لے کر اس کے چھوٹے بھائی جلال خان کو حاکم میوات تسلیم کرلیا والئی میوات بننے کے بعد راجہ جلال خان نے ''اندور'' کو اپنی راجدھانی بنایا۔
اس شہر اندور سے متعلق مسٹر سی۔ اے ہیکٹ اپنی '' تاریخ گزیٹر الور'' میں بیان کرتے ہیں کہ:۔

(بہادر ناہر کی وفات کے بعد یہ شہر ''اندور'' جلال خان خانزادے کے وقت میں میوات کا سب سے بڑا شہر اور قلعہ بن گیا تھا یہ جلال خان خانزادہ جو کہ بہادر ناہر خان کے خاندان میں سے تھا۔ اندور کے ساتھ خاص تعلق رکھتا تھا۔ اور اسے اپنی راجدھانی بنائے ہوئے تھا)۔
(مذکورہ سلسلے کی مزید تفصیل '' خانزادے اور تاثرات ہیکٹ کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

یہ راجپوت میواتی خانزادے اپنے مورث اعلےٰ بہادر ناہر خان میواتی کے زمانے ہی سے اپنے ملک میوات پر خود مختارانہ حکومت کرتے چلے آرہے تھے یہ لوگ اپنی حکومت کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت برداشت کرنے کے لئے کسی بھی صورت میں تیار نہ تھے اگر بادشاہ دہلی ان کے اندرونی معاملات میں اپنے اختیارات استعمال کرنا چاہتا تو یہ لوگ باغی بن کر فوراً بادشاہ کے مقابلے پر آمادہ ہوجایا کرتے تھے۔
اس قسم کی خود مختاری سے متعلق جناب ذکاء اللہ دہلوی صاحب اپنی '' تاریخ ہند'' جلد دوم صفحہ

331 پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''اکبر سے پہلے ہندوستان میں دستور تھا کہ امراء جاگیردار اور حاکم لوگ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار بادشاہ ہوتے تھے اور صرف برائے نام ہی بادشاہ دہلی کی اطاعت کرتے تھے اور شاہان دہلی ان کے اندرونی معاملات میں مطلق دخل نہ دیتے تھے''۔

20 مئی 1421ء سید خضر خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سید مبارک شاہ سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا۔ اس کے ایک ڈیڑھ سال بعد اپنے والد خانزادہ فیروز خان (والئی میوات چہارم) کی وفات کے بعد 1422ء میں جب راجہ جلال خان میوات کی گدی پر مسند نشین ہوا تو اس سیّد مبارک شاہ کو اپنی حکومت کے لئے خدشہ لاحق ہوا۔ اس لئے کچھ عرصے بعد اس بادشاہ دہلی نے اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر راجہ جلال خان (والئی میوات) کو اپنا معاون و مطیع بنانے کی غرض سے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ جس کے باعث والئی میوات نے بادشاہ دہلی کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔

راجہ جلال خان (والئی میوات) کی اس بغاوت کی خبر ملتے ہی 827ھ 1424ء میں مبارک شاہ بادشاہ میوات پر چڑھ آیا۔ والئی میوات اپنی ولایت خالی کر کے اپنے تمام ساتھیوں سمیت تجارے کی پہاڑیوں میں جا کر جم گیا۔ جب بادشاہ دہلی کو اپنی کامیابی کی کوئی بھی صورت نظر نہ آئی تو یہ میوات کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد ناکام ہو کر دہلی واپس لوٹ گیا۔

مذکورہ لڑائی سے متعلق مسٹر۔ سی۔ اے ہیکٹ نے اپنی انگلش ''تاریخ گزیٹیر الور'' صفحہ 171 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ شرف صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 234 اس طرح درج فرمایا ہے کہ:۔

''مبارک شاہ بادشاہ نے 1424ء۔ میں میوات پر چڑھائی کی میواتی خانزادے تجارے کی

پہاڑیوں میں جا کر جم گئے یہ پہاڑیاں ایسی ہیں کہ بادشاہ کو اکثر بار بغیر ان کو فتح کئے ہوئے ہی واپس دہلی کو لوٹ جانا پڑتا تھا''۔

مذکورہ لڑائی کے دو چار ماہ بعد 828ھ۔1424ء۔میں مبارک شاہ ایک جم غفیر لشکر لے کر دوبارہ ملک میوات پر حملہ آور ہوا۔راجہ جلال خان پہلے کی طرح اپنے تمام ساتھیوں سمیت تجارے کی پہاڑیوں سے ہوتا ہوا اس ''کوہ جھر'' میں چلا گیا جہاں بادشاہ کا پہنچنا ناممکن تھا۔اور جہاں بادشاہی لشکر نے پڑاؤ کیا تھا وہ جگہ لشکر کے لئے بہت کم تھی۔اس کے علاوہ خوارک و پانی کی کمی اور گھاس وغیرہ کی نایابی کے باعث مبارک شاہ بادشاہ ناکام ہو کر واپس دہلی لوٹ گیا۔

مذکورہ لڑائی سے متعلق محمد ابولقاسم فرشتہ اپنی ''تاریخ فرشتہ'' اردو ترجمہ جلد اول صفحہ 238 پر رقم فرماتے ہیں کہ:۔

''جب مبارک بادشاہ نے 828ھ۔میں میواتیوں کی طغیانی کی خبر سنی تو اس طرف نہضت فرمائی۔میواتی خانزادے اپنی ولایت خالی کر کے ''کوہ جھر'' میں در آئے اور سلطان عسرت غلہ اور نایابی علف قلت جگہ کے سبب مراجعت کر کے دہلی میں آیا''۔

مذکورہ لڑائی کے پورے ایک سال بعد 829ھ۔1425ء۔1481 بکرمی میں مبارک شاہ نے میوات پر پھر فوج کشی کی اس پر جلال خان نے اپنا وہی طریقہ اپنایا اور پہلے کی طرح اپنے علاقے کو ویران کر کے اپنے تمام بھائیوں۔بیٹوں۔دوستوں اور تمام مددگاروں کے ہمراہ۔''قلعہ اندور'' میں محفوظ ہو بیٹھا۔''میوات کا سب سے بڑا اور مضبوط'' یہ قلعہ اندور'' جو راجہ جلال خان نے اپنے دور اقتدار میں تعمیر کرایا تھا اور اس قلعے پر ایک طویل عرصے تک جلال خان کی اولاد کا قبضہ بھی رہا تھا۔یہ ''قلعہ اندور''۔''قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر'' سے کم و بیش سات میل یعنی گیارہ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے''۔

کچھ عرصے تک ان میواتی خانزادوں کا بادشاہ دہلی کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہا جب اس جنگ نے طول پکڑا تو یہ خانزادے قلعہ اندور سے نکلے اور پھر پہاڑی سڑک کے ذریعے کوہستان سے ہوتے ہوئے الور میں چلے گئے ۔ان خانزادوں کی مسلسل بغاوت سے تنگ آئے ہوئے بادشاہ نے ان کا تعاقب کیا اور پھر یہ بادشاہی لشکر یہاں بھی آن پہنچا جہاں پر ان میواتی خانزادوں نے مورچہ بندی کر کے شاہی لشکر کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا۔ اور اس بہادری و بے جگری سے لڑے کہ شاہی لشکر کو دامن کوہ تک نہ آنے دیا سید مبارک شاہ بادشاہ ناکام ہو کر واپس دہلی لوٹ گیا۔

اس لڑائی سے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ 310 پر فرماتے ہیں کہ:۔

''829ھ۔ میں سلطان مبارک شاہ میوات کی طرف گیا۔ بہادر ناہر میواتی کے پوتوں، جلال خان، قدو خان، احمد خان، ملک فخر الدین خان میواتیوں نے کوہستان ''اندور'' کو اپنا مقام بنایا''۔

ناکام ہو کر بادشاہ کے دہلی لوٹ جانے کے بعد راجہ جلال خان۔ سردار قدو خان اور دیگر سرداران قوم خانزادگان میوات نے محمد خان اوحدی (حاکم بیانہ) کے ساتھ ساتھ سید خضر خان (بادشاہ دہلی) کے بھتیجے سید شمش الدین ابراہیم شاہ شرقی (حاکم جون پور) کو بھی مبارک شاہ بادشاہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا۔ غرض یہ کہ ان میواتی خانزادوں کی سرکشی اور مسلسل بغاوت کے تحت ان لوگوں کی دیکھا دیکھی مختلف علاقہ جات کے امیر و سردار بھی سادات حکومت کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔ جس کے باعث دہلی سلطنت میں ضعف پھیل گیا۔ مجبوراً مبارک شاہ بادشاہ نے مذکورہ لڑائی کے چار ماہ بعد یعنی محرم 830ھ۔1426ء۔ میں میوات پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ دل کھول کر میوات کو لوٹا کھسوٹا اور قتل و غارتگری کا بازار خوب گرم کیا اس حملے میں خانزادوں کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ بیانہ کی طرف گیا چونکہ ان ہی دنوں میں

خانزادوں کی مدد حاصل کرنے کے بعد ابراہیم شاہ شرقی اور محمد خان اوحدی نے بھی بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی بیک وقت ان دونوں کی بغاوت بادشاہ کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ بادشاہ کے حملے کے وقت محمد خان اوحدی (حاکم بیانہ) قلعے میں محفوظ ہو بیٹھا اور جلد ہی مغلوب ہو کر بادشاہ کے سامنے یہ جان کی امان کا طالب ہوا جس پر مبارک شاہ بادشاہ نے معاف کرتے ہوئے بیانہ کی حکومت بھی اسے واپس کر دی۔ چونکہ بادشاہ نہیں چاہتا تھا کہ حاکمِ بیانہ اپنے مددگار خانزادوں کا مستقل طرفدار بن جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ابراہیم شاہ شرقی پر حملہ کر کے اسے پسپا کیا۔

سرداران قوم خانزادگان میوات نے نہ صرف حاکم بیانہ کی مدد کی تھی بلکہ راجہ جلال خان (والئی میوات) اور اس کے بھائی سردار قدو خان نے سید مبارک شاہ کے خلاف اس کے دشمن سید شمش الدین ابراہیم شاہ شرقی کی بھرپور مدد کی تھی جس نے خانزادوں کی مدد پر حکومت کے چند پرگنات دبا لئے تھے۔

خانزادوں کی اس مسلسل بغاوت اور اپنے خلاف مذکورہ میواتی خانزادوں کی اپنے دشمنوں کو مدد حاصل ہونے سے سید مبارک شاہ بہت ہی پریشان تھا وہ اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر ان خانزادوں کی ہر شرط مان کر چین سے حکومت کرنا چاہتا تھا اسی غرض سے بادشاہ نے خانزادہ راجہ جلال خان (والئی میوات پنجم) سے صلح کی خاطر اپنی مصلحت پسندی کے پیش نظر اپنے قاصد کے ذریعے سردار قدو خان (خداداد خان) سے رابطہ کرنا چاہا۔ لیکن راستے ہی میں قدو خان کے دشمنوں نے اس شاہی قاصد کو اچک لیا اور اسے اپنے اعتماد میں لے کر قدو خان کے خلاف ایک منصوبہ بنایا۔ جس کے بعد اپنی واپسی پر اس شاہی قاصد نے مخالفین کے منصوبے کے تحت سردار قدو خان کے خلاف غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کے سامنے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جس کے نتیجے میں بادشاہ نے مشتعل ہو کر ماہ شوال 831ھ۔ 1427ء۔ 1483 بکرمی میں ایک جم غفیر لشکر کے ہمراہ ملک میوات پر اپنا حملہ بھرپور حملہ کیا۔ اس حملے میں راجہ جلال خان پسپا ہو کر پہاڑوں میں جا

گھسا اور بادشاہ نے ایک بھاری انعام کے لالچ میں قدو خان کو گرفتار کرالیا اس کے بعد مبارک شاہ نے میوات کا انتظام اپنے وزیر سرور الملک کے سپرد کیا اور دہلی پہنچ کر اس نے قدو خان کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔

(سردار قدو خان کی موت کی تفصیل ''دیوار لحد'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

والئی میوات جلال خان کو جب اپنے حقیقی بھائی کی مذکورہ موت کا علم ہوا تو یہ مشتعل ہو کر خانزادہ احمد خان خانزادہ ملک فخر الدین خان اور اپنے تمام ساتھیوں پیادوں سواروں سمیت پہاڑ سے نکلا غرض یہ کہ تمام میواتی خانزادے اپنے پرانے دستور کے مطابق اپنے اپنے علاقہ جات کے پہاڑوں سے نکلے اور قلعہ الور میں جا کر جم گئے اور پھر اس بہادری و بے جگری سے لڑے کہ سید مبارک شاہ بادشاہ کے وزیر سرور الملک کو اپنی شکست کے بعد واپس دہلی جانا پڑا۔

مذکورہ جنگ سے متعلق مسٹر۔ سی۔ اے۔ ہیکٹ اپنی ''تاریخ گزیٹیر الور'' صفحہ 169 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(جلال خان ''والئی میوات'' نے معہ احمد خان اور مبارک خان کے (جو کہ اس کے خاندان میں سے تھے) ایک فوج الور کے قلعے میں جمع کی اور ایسی بہادری سے لڑے کہ بادشاہی فوج کے کمانڈر کو محروم ہو کر واپس جانا پڑا)۔

سید مبارک شاہ بادشاہ کو جب اپنے وزیر سرور الملک کی مذکورہ ناکامی و شکست کی خبر ملی تو وہ محرم 832ھ۔ 1428ء۔ میں ایک بھاری لشکر لے کر میوات پر چڑھ آیا۔ اس مرتبہ راجہ جلال خان اور راؤ گوبند سنگھ چوہان (سکنہ منڈاور) ان دونوں نے مالگزاری ادا کر دی۔ جس کے بعد سید مبارک شاہ واپس دہلی چلا گیا۔

اس لڑائی سے متعلق مسٹر۔ سی۔ اے ہیکٹ اپنی ''تاریخ گزیٹیر الور'' صفحہ 171 پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

(1428ء۔میں بادشاہ نے میوات پر قابو پایا لیکن ''ریواڑی'' اس زمانے میں بھی میواتی خانزادوں کے قبضے میں تھی)۔

سید مبارک شاہ بادشاہ کے ہاتھوں اپنے بھائی خداداد خان (قدو خان) کی بیجا موت کے بعد راجہ جلال خان (والئی میوات) کے دل میں بادشاہ کے خلاف نفرت اور ایک انتقامی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ جس کے باعث وہ ہر صورت میں سادات حکومت کی بنیادیں ہلا کر اس کا خاتمہ چاہتا تھا اس لئے بادشاہ کے پیٹھ موڑتے ہی جلال خان میواتی نے بادشاہ کے خلاف پھر بغاوت کردی اور سلطنت دہلی کو خراج دینے سے صاف انکار کردیا۔

خانزادہ جلال خان (والئی میوات) کی اس سرکشی کی خبر سن کر سید مبارک شاہ پھر دو ماہ بعد ماہ ربیع اول 832ھ۔1428ء۔1484 بکرمی میں ایک بھاری لشکر لے کر میوات پر چڑھ آیا اور قصبہ تاوڑو میں پہنچ کر بادشاہ نے مقام کیا۔ جلال خان اپنے فوجیوں اور تمام جاں نثاروں سمیت ''قلعہ اندور'' میں محفوظ ہو بیٹھا۔ دوسرے روز جب بادشاہ دہلی یہاں بھی آن پہنچا تو جلال خان نے اپنے قلعے میں بارود بچھا کر آگ لگادی۔ اس کے بعد مال اسباب غلے اور اپنے تمام جاں نثاروں سمیت یہاں سے نکل کر یہ ''قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر'' میں پہنچ کر محفوظ ہو بیٹھا۔ بادشاہ کی فوج نے آگے کوچ کرنے سے انکار کردیا۔ بادشاہ مجبور ہو کر تجارے پہنچا اور میوات کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد ناکام ہو کر مبارک شاہ بادشاہ واپس دہلی لوٹ گیا۔

مذکورہ لڑائی سے متعلق مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوئم صفحہ 310 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

(مبارک شاہ بادشاہ نے 1428ء۔میں میوات پر چڑھائی کی اس وقت تمام ملک میں قحط پڑا ہوا تھا اس لئے فوج نے آگے کوچ کرنے سے انکار کردیا اور اس وقت غلہ اور گھاس کی بھی بہت کمی تھی اور جس جگہ

بادشاہی لشکر ٹھہرا ہوا تھا وہ بھی کچھ اچھی نہ تھی اس وجہ سے بادشاہ دہلی واپس لوٹ گیا)۔

ان میواتی خانزادوں کی فوجی حکمت عملی سے متعلق مسٹر ٹاڈ صاحب اپنی انگلش تاریخ ''ٹاڈ راجستھان'' جلد اول صفحہ 617 پر تحریر کرتے ہیں کہ:۔

(جب رانا پرتاب سنگھ نے کھلی لڑائیوں میں کام بنتے نہ دیکھا تو اس نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم۔ پر قدم رکھنے کی ٹھانی اور میدان چھوڑ کر کوہستانی قلعوں میں چلا گیا۔ بالکل اسی کے مطابق خانزادوں نے بھی شاہانِ دہلی کے مقابلے میں اپنی فوجی حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔)

833ھ 1429ء میں مبارک شاہ بادشاہ پھر اپنے بھاری لشکر کے ساتھ میوات پر حملہ آور ہوا۔ اگلے سال تو بادشاہ اپنی بیماری اور گھاس وغیرہ کی کمی کے باعث ناکام واپس لوٹ گیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ جب جنگ نے طول اختیار کیا تو اس نے وہیں پر اپنے خیمے گاڑ دیئے زیادہ عرصے تک جنگ جاری رہنے کی بناء پر جلال خان میواتی کا سامان رسد و خوراک ختم ہو گیا یہاں تک کہ الور کے باشندے بھی فاقوں کی نوبت سے دوچار ہوئے مجبوراً والئی میوات کی جانب سے بادشاہ دہلی کی خدمت میں صلح کی درخواست پیش کی گئی بذات خود سید مبارک شاہ بادشاہ بھی اس طویل جنگ سے عاجز آ چکا تھا اُس نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنا بھرم برقرار رکھنے کی خاطر غیر مشروط طور پر فوراً راجہ جلال خان (والئی میوات) کی درخواست منظور کر لی جس کے بعد بادشاہ واپس دہلی چلا گیا۔

یہ میواتی خانزادے جن کے حوصلے بلند اور عزائم نہایت ہی مضبوط تھے یہ لوگ اپنی حکومت کے اندرونی معاملات میں سلطنتِ دہلی کی مداخلت کسی بھی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہ ضدی خانزادے لوگ ابتدا ہی سے کسی دوسرے کی شان سے متاثر ہونا اپنی شان کے خلاف سمجھتے آئے تھے اور علاقہ میوات پر یہ راجپوت خانزادے اپنی خودمختارانہ حکومت کے عادی ہو چکے تھے اسی بناء پر مبارک شاہ بادشاہ کے

پیٹھ موڑتے ہی جلال خان میواتی نے بادشاہ کے خلاف پھر بغاوت کر دی۔

مذکورہ میواتی خانزادوں کی خودمختارانہ حکومت سے متعلق مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی "تاریخ ہند" جلد دوم 331 ص اور جلد پنجم 3 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆(چونکہ خانزادے بھی میوات کے اندر خودمختارانہ حکومت کرتے تھے لیکن جب کبھی شاہان دہلی اپنے اختیار سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے اور ان کے اندرونی انتظام میں دخل دے کر ان کی خودمختیاری کو ملیامیٹ کرنا یا ان کو ناجائز طور پر دبانا چاہتے تھے تو یہ بھی فوراً مقابلے پر آمادہ ہو جاتے تھے)۔

جلال خان (والئی میوات) کی سادات حکومت کے خلاف مسلسل بغاوت کے دیکھا دیکھی سلطنت دہلی کے خلاف آس پاس کی بغاوتوں نے بھی جنم لیا جس کی بناء پر سلطنت دہلی بہت کمزور ہو گئی اور اس زمانے میں مختلف علاقوں کے امیر وصوبے دار وغیرہ خودمختارانہ طور پر حکومت کرنے لگے۔

اس سلسلے میں پروفیسر من موہن اور پروفیسر عبدالحمید صاحب "گورنمنٹ کالج لاہور" اپنی "تاریخ ہند" حصہ اوّل 183 ص (مطبوعہ گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور 1928ء) پر رقمطراز ہیں کہ:

☆(خضر خان اور اُس کے جانشینوں کے عہد کو "عہد سادات" کہتے ہیں۔

لیکن ان کی سلطنت برائے نام تھی ہندوستان میں ان کے زمانے میں مختلف علاقوں میں امیر و صوبے دار خودمختارانہ حکومت کرتے تھے کیونکہ دہلی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی)۔

غرض یہ کہ جلال خان (والئی میوات) کی مسلسل بغاوت کے تحت سادات خاندان کی حکومت بہت کمزور ہو گئی تھی جس کی بناء پر مختلف علاقہ جات کے امیر وصوبے دار وغیرہ خودمختارانہ حکومت کرنے لگے تھے۔

836ھ 1432ء میں سیّد مبارک شاہ (بادشاہِ دہلی) نے اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود بھی ملک محمود حسن کو خراج وصول کرنے کی غرض سے ملک میوات کی طرف روانہ کیا اس کی آمد پر راجہ جلال خان

(والئی میوات) اپنے تمام ہمراہیوں سمیت اپنے علاقے کے پہاڑوں میں چلا گیا اور ملک محمود حسن ناکام ہو کر دہلی واپس لوٹ گیا۔

میوات کے راجپوت خانزادون کی مذکورہ جنگی حکمتِ عملی سے متعلق مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد سوم 110 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆''(حسن خان وغیرہ خانزادے شاہانِ دہلی کے برائے نام مطیع تھے ان کے زمانے میں ملک میوات کے اندر سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے اس میں پہاڑ اور خودرو جھاڑیاں ایسی ہیں جن میں ان میواتی سرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی ان پر دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے لیکن جب کبھی میدانوں میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو یہ فوراً پہاڑوں میں جا گھستے تھے۔ جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر بار محروم و ناکام ہو کر واپس لوٹتے تھے)''۔☆

سادات خاندان کے عہد حکومت سے متعلق بھائی پر مانند اپنی ''تاریخ راجستھان'' جلد اوّل 267 ص پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆''(سیّدوں کے عہد حکومت میں سرہند، میوات، جالندھر، علی گڑھ، اٹاوہ، جونپور، بدایوں، مالوہ، کٹھیر وغیرہ کے حاکموں سے خراج وصول کرنے کے لئے ہر سال ایک مہم یا قافلہ بادشاہ کی طرف سے بھیجا جاتا تھا ان بادشاہوں کا عہد صرف اسی جدوجہد میں گذر گیا کہ کسی طرح دہلی ہی میں اپنی حکومت بنائے رکھیں اور بس)''۔

غرض یہ کہ مبارک شاہ بادشاہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی ان میواتی خانزادوں کو اپنا مطیع و معاون بنانے میں اپنے والد سیّد خضر خان کی طرح ناکام رہا۔ راجہ جلال خان نے اس بادشاہ کو زندگی بھر چین

سے حکومت نہیں کرنے دی جبکہ مبارک شاہ بادشاہ کے علاقہ میوات پر متواتر حملوں سے میواتی خانزادوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ جبکہ دوسری طرف مذکورہ حملوں کے باعث سلطنتِ دہلی کمزور اور ناکام ہو کر رہ گئی۔ جس کی بناء پر حکومت میں ابتری پھیلی اور 838ھ 20 فروری 1434ء میں بادشاہ کے وزیر سرور الملک نے چند باغیوں کو اپنے ساتھ ملا کر سیّد مبارک شاہ بادشاہ کو "سدپال" نامی شخص کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ غرض یہ کہ ملکی فسادوں کو مٹاتے مٹاتے بادشاہ خود مٹ گیا۔ مگر ملکی فساد نہ مٹے (یہاں پر یہ یاد رہے کہ اس بادشاہ کی وفات کے دو سال بعد مبارک شاہ شرقی کے بھائی ابراہیم شاہ شرقی وحاکم جون پور) نے 840ھ 1436ء میں وفات پائی جس کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ شرقی جون پور کے تخت پر بیٹھا)۔

سیّد مبارک شاہ (بادشاہ دہلی) نے مرتے وقت اپنے بھائی فرید شاہ کے بیٹے سیّد محمد شاہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ سیّد محمد شاہ (خان جہاں) نے اپنے عہد حکومت میں میوات کے مذکورہ خانزادوں کو دو دھڑوں میں تقسیم کر کے ان کی اتحادی طاقت کو کمزور کرنے کی غرض سے خانزادہ ملک فتح اللہ خان بن بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ) کے بیٹے خان زادہ حمید خان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر لیا تھا۔ مذکورہ حمید میواتی کی تفصیل "(ملک فتح اللہ خان)" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

سادات حکومت کے دشمن راجہ جلال خان میواتی نے اپنے سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر اپنے چچا حمید خان میواتی (وزیر اعظم) کی پرواہ کیے بغیر سادات خاندان کے خلاف اپنی بغاوت بدستور جاری رکھی جو کہ ان دونوں چچا بھتیجوں میں ایک مستقل رنجش کا باعث بن گئی۔

"(اسلامی شاہکار انسائیکلو پیڈیا" 915ص پر سیّد قاسم محمود تحریر فرماتے ہیں کہ:)"

☆(29 شوال 839ھ 15 مئی 1436ء کو محمود شاہ خلجی مالوے کے تخت پر بیٹھا 68 برس کی عمر میں 19 ذیقعدہ 873ھ 27 مئی 1469ء کو خلجی محمود شاہ اوّل اس کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین خلجی تخت پر

بیٹا جس کو 27 ربیع الثانی 906ھ 25 اکتوبر 1500ء کو اس کے بڑے بیٹے ناصر الدین (جو اس کا وزیر اعظم تھا) نے زہر دے کر مار دیا)۔

سادات حکومت سے اپنی دشمنی کے باعث راجہ جلال خان ملک فخر الدین خان احمد خان اور دیگر سردارانِ قوم خانزادگانِ میوات نے آس پاس کی سورشوں، بغاوتوں اور سادات حکومت کی کمزوریوں کا ذکر اور سادات حکومت کے خلاف اپنی بھرپور معاونت کی یقین دہانی کراتے ہوئے مذکورہ مالوے کے حکمران سلطان محمود خلجی کو متواتر خطوط لکھ کر دہلی پر حملے کی دعوت دی۔

مذکورہ میواتی امراء کے مسلسل اصرار پر سلطان محمود خلجی 844ھ 1440ء میں یلغار کرتا ہوا دہلی آن پہنچا۔

اس سلسلے میں محمد ابوالقاسم فرشتہ (جس کی وفات 1021ھ 1612ء میں ہوئی تھی) اپنی ''تاریخ فرشتہ'' جلد دوم 359 ص پر بیان فرماتے ہیں کہ:

☆ (844ھ میں امرائے میوات نے متواتر عرضیاں دہلی سلطنت کے لئے سلطان محمود خلجی کے پاس بھیجیں کیونکہ محمد شاہ سلطنت کا انتظام نہیں کرسکتا تھا)۔

مذکورہ لڑائی سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' 274 ص پر رقمطراز ہیں کہ:۔(میواتی امراء کی دعوت پر مالوہ کا حکمران محمود خلجی یلغار کرتا ہوا دہلی تک آپہنچا ادھر گجرات سے احمد شاہ نے مالوہ پر چڑھائی کردی لاہور۔ اور سرہند کے صوبے دار بہلول لودھی نے دہلی کا موثر دفاع کرنے میں سلطان کی مدد کی)۔

سادات خاندان کی کمزور حکومت اور مذکورہ لڑائی سے متعلق مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ 326 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (مبارک شاہ اور محمد شاہ کے زمانے میں تمام علاقوں کے حاکموں نے ادائے مال گذاری سے ہاتھ

کھینچ لیا۔ یہ دونوں بادشاہ تادیب کرنے کے لائق ہی نہ رکھتے تھے اس وجہ سے ہر سر میں ایک سودا اور ہر دل میں ایک تمنا پیدا ہو گئی تھی۔ ابراہیم شاہ شرقی نے چند پرگنات دبالئے۔ خانزادوں نے سلطان محمود خلجی کو دہلی کی سلطنت کے لئے مالوہ سے بلا کر محمد شاہ سے بھڑا دیا)۔

بابر بادشاہ کا حریف حسن خان میواتی ''شاہ میوات'' جس کو تاریخوں میں ''معاون رانا سانگا'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے وہ اسی راجہ جلال خان ''والئی میوات'' کے پڑپوتے خانزادہ علاول خان ''والئی میوات'' کا بیٹا تھا جس کا ذکر کرتے ہوئے۔

ملا عبدالقادر بدایوانی اپنی فارسی ''منتخب التواریخ'' جلد۔ اول صفحہ 303 پر قمطراز ہیں کہ:۔

☆ (اجداد حسن خان میواتی۔ بودند سلطان محمود خلجی را۔ از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدندہ)۔

ترجمہ:۔ (حسن خان میواتی کے آباواجداد نے سلطان محمود خلجی کو مالوہ سے سلطنت دہلی کے لئے بلوایا تھا)۔

جلال خان ''والئی میوات'' کی ضدی طبیعت اور سادات حکومت کے خلاف اس کی مسلسل بغاوت کی بناء پر سید محمد شاہ بن سید فرید شاہ (بادشاہ دہلی) نے اپنی غیر مستحکم حکومت کے باعث میوات پر حملے سے گریز کیا۔

راجہ جلال خان 847ھ۔1443ء۔1499 بکرمی میں وفات پا گیا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا خانزادہ احمد خان عرف ''گل گورکھ'' حکومت میوات پر مسند نشین ہوا۔

☆ سید مبارک شاہ بادشاہ کی طرح سید محمد شاہ بادشاہ کو بھی آس پاس کی بغاوتوں نے دم نہ لینے دیا اور پھر ان ہی بغاوتوں کے دوران یہ 849ھ۔1445ء۔ میں اس دنیائے فانی سے رحلت کر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا سید علاؤالدین شاہ ''عالم شاہ'' کا لقب اختیار کر کے سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا جو اپنی حکومت

کے لئے بالکل ہی ناکارہ ثابت ہوا۔

راجہ جلال خان ''والئی میوات پنجم'' سے متعلق انگریز مورخ۔ مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی تاریخ ''گزیٹیر الور'' میں جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆جو تاریخی روایتیں جلال خان (والئی میوات) سے متعلق تحریر کی گئیں ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جلال خان اور اس کے آباؤ اجداد کا خاندانی دعویٰ شاہان دہلی کی مخالفت تھا چونکہ وہ میوات پر خود مختارانہ حکومت کرنا چاہتے تھے۔

راجہ جلال خان کی اولاد میں سے نوگانواں۔ نوکلاں۔ سانٹھاواڑی۔ فیروز پور جھرکا۔ اور قصبہ اندور کے خانزادے ہیں۔ راجہ جلال خان میواتی کا ایک بیٹا خانزادہ شہاب خان 838ھ۔ 1434ء۔ 1490 بکرمی میں اندور سے نکل کر سانٹھاواڑی میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ قصبہ ''اندور'' کے کئی خانزادے برطانوی فوج میں کمیشنڈ افسر تھے جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے خانزادہ قبیلے کی راجپوتی شان کو چار چاند لگائے۔

مذکورہ میواتی خانزادوں سے متعلق سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور۔ مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ نے اپنی انگلش ''تاریخ گزیٹیر الور'' میں جو تحریر کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆(اندور کے خانزادے جن کو ہم نے فوج میں کمیشن دیا۔ اگرچہ اب وہ غریب ہیں۔ مگر اب بھی وہ مالک زمین ہیں ان کے پاس اس وقت کے ریکارڈ اب تک موجود ہیں جب ان کا بہت اچھا زمانہ تھا۔ ایک نوشتہ ان کے پاس جو آج بھی موجود ہے اس پر شہنشاہ اکبر کی مہر ثبت ہے یہ 07 ربیع الاول 970ھ۔ (یعنی 1562ء۔) کا لکھا ہوا ہے اس میں تحریر ہے کہ:۔

☆(سرکار الور کے قانونگوئے۔ چودھری۔ اور مقدموں کو چاہیے کہ وہ ان چند شریف خانزادگان کی

ہمیشہ مدد کرتے رہیں جو قصبہ اندور کے خاندان میں سے ہیں)۔

''یہاں پر یہ یاد رہے کہ اکبر بادشاہ کے مذکورہ فرمان سے پہلے خانزادہ جمال خان کی دختر سلیمہ سلطانہ بیگم اپنے شوہر بیرم خان (خان خاناں) کے قتل کے بعد ذوالحج 968ھ۔ اگست 1561ء۔ میں اکبر بادشاہ کے حرم شاہی میں داخل ہو چکی تھی بادشاہ کی جانب سے مذکورہ نوشتہ اسی خاتون کی اپنائیت و سفارش کا نتیجہ تھا''۔

☆ (اس سلسلے کی تفصیل ''راجہ حسن خان شاہ میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

''قلعہ اندور'':۔ جلال خان نے اپنی حفاظت کی خاطر اپنی حکومت کے دوران قصبہ اندور کے جنوب میں عین پہاڑ کے اوپر ایک نہایت ہی مضبوط و پختہ قلعہ تعمیر کرایا جو جنگی لحاظ سے نہایت موزوں قرار پایا اور تاریخوں میں یہ ''قلعہ اندور'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعے سے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ قلعہ بھی ''قلعہ الور'' کی طرح راجہ سورجمل کے بھائی۔ راجہ پرتاب سنگھ پسر بدن سنگھ کے بیٹے راجہ بختاور سنگھ کی اولاد کے قبضے میں نسل در نسل آج تک چلا آتا ہے۔ اس قلعے کے قریب ہی جلال خان کی قبر پر ایک نہایت ہی شاندار گنبد تعمیر کرایا ہوا ہے۔ جس کے پاس ہی ہاتھی خانہ۔ گھڑسال اور پختہ تالاب وغیرہ بنے ہوئے تھے۔

راجہ جلال خان کے گنبد کے قریب ہی پندرہ گنبد اور بھی سرداران قوم خانزادگان میوات کے بنے ہوئے ہیں۔

☆☆

پیر محمد یعقوب خان

''ملک نظام خان بن بہادر ناہر خان'' کے تین بیٹوں میں ایک ہینگن خان تھا۔اس ہینگن خان کے دو بیٹے کالے خان اور قطب خان پیدا ہوئے قطب خان کی اولاد ''ہینگیا پٹی'' میں شمار ہوئی اس ہینگیا پٹی میں ایک معروف شخصیت پیر محمد یعقوب خان اسماعیل خان بن قطب خان بڑے مشہور صوفی وباکمال درویش گذرے ہیں۔جن کے ہاں پیری ومریدی کا سلسلہ بھی اپنے عروج پر تھا۔یہ بچپن ہی سے زاہد متقی وپرہیزگار تھے۔

ایک مرتبہ ایک جاٹ جو''موضع ڈھیک پور'' متصل جلال پور پرگنہ فیروز پور جھرکہ کا رہنے والا تھا۔یہ اپنی نوبیاہتا دلہن کے ساتھ سفر کرتے ہوئے دوپہر کے وقت مانڈی کھیڑہ میں بغرض آرام کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا اور وہاں پر موجود پیر محمد یعقوب خان کے ایک مرید کو دوران ملاقات اپنی بے بسی کی داستان رو رو کر اس طرح سنانے لگا۔

''(موضع دوہا پرگنہ فیروز پور جھرکہ میں رئیس محمد الدین نامی شخص بڑا ظالم سرکش وبدچلن ہے۔اس کے ظلم وستم اور زناکاری سے ہم ادنیٰ قوم کے لوگ تنگ آچکے ہیں۔اس نے اپنا یہ معمول بنایا ہوا ہے کہ جب بھی کسی ادنیٰ قوم کے گھر میں شادی ہو تو پہلی شب دلہن کو اس کے پاس خوابگاہ میں بھیجنا پڑتا ہے اگر کوئی ادنیٰ قوم کا شخص ایسا نہ کرے تو وہ زبردستی دلہن کو اپنے پاس اپنی خواب گاہ میں بلوا لیتا ہے اور انکار کرنے والے شخص پر سخت ترین اذیتیں اور تشدد کرتا ہے۔''میں بھی اپنی نوبیاہتا دلہن کو لے کر رئیس مذکورہ کے پاس جا رہا ہوں۔

''(اگر تمہارے پیر میں کچھ طاقت وکرامت ہے تو وہ اس سلسلے میں مجھ مجبور وبے بس کی مدد کرے۔'')

پیر محمد یعقوب جو اپنے حجرے میں مذکورہ تمام باتیں سن چکے تھے اپنے حجرے سے باہر آئے اور اس جاٹ سے مخاطب ہوئے یہ تم کیا ذکر کر رہے تھے۔اس پر مرید نے مذکورہ داستان دوبارہ اپنے پیر صاحب کے

سامنے دہرائی۔ اس پر پیر صاحب نے جاٹ کو حکم دیا کہ اپنی دلہن کو لے کر تم واپس اپنے گاؤں جاؤ رئیس محمد الدین کو ہم دیکھ لیں گے۔

جاٹ اپنی دلہن کو لے کر خوشی خوشی واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ جب یہ خبر رئیس مذکور کو ہوئی تو اس نے مانڈی کھیڑہ پر حملہ کر دیا اس حملے میں پیر محمد یعقوب شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کا علم جب قصبہ سوہنہ کے خانزادوں کو ہوا تو ان لوگوں نے دیگر گاؤں کے خانزادوں کو اپنے ساتھ ملا کر رئیس محمد الدین کو قتل کر دیا۔

خان زادہ پیر محمد یعقوب خان شہید کا مزار مانڈی کھیڑہ میں مشرق کی جانب سڑک کے قریب واقع ہے جہاں پر ہر جمعرات کو نقارہ بجایا جایا تھا دور دور سے لوگ منتیں مان کر نذر و نیاز اور چڑھاوا لے کر آیا کرتے تھے۔ ”(1947ء کے بعد واللہ عالم بالصواب۔)۔

☆☆

”عالم خان“

خانزادہ راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سب سے چھوٹا عالم خان تھا۔ جو اپنے باقی پانچ بھائیوں سے زیادہ ذہین خدا ترس اور صوفی منش ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس خانزادہ عالم خان کو تاریخوں میں ”ڈہیلہ“ عالم خاں“ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

سکندر شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) کے زمانے میں پرگنہ تجارہ کے گورنر کے معتمدین افسران میں یہ عالم خان (ڈہیلہ) بھی ایک مشہور و معروف افسر تھا۔ اس نے اپنی افسری کے زمانے میں موضع میست علاقہ تاوڑد میں ایک عمدہ مسجد اور اس کے پاس ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا تھا۔

☆اس عالم خان کے بھائی احمد خان الور والے کا شجرہ نسب (راجہ اقلیم خان) کے عنوان میں درج کیا گیا ہے۔

بچپن ہی سے عالم خان کا دین کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ یہ رعیت پرور۔ خدا پرست اور علماء فضلاء

ودرویشوں کا معتقد تھا۔ یہ اپنے علاقہ میوات میں ایک صالح بزرگ ہو گذرا ہے جو حاجی علیم الدین خان ''نارنولی'' کے مریدان خاص میں ہوتا تھا۔اسی پیر مذکور کے حکم پر عالم خان نے حضرت پیر محمد برکت اللہ نارنولی کے مزار شریف پر ایک نہایت ہی عمدہ گنبد تعمیر کرایا تھا۔

عالم خان ''ڈہیلہ'' نے اپنی ساری زندگی امن وآشتی کے ساتھ بسر کی اوراس نے کبھی شاہان دہلی کی مخالفت نہیں کی۔اسے دربار شاہی میں بزرگان دین کے ناطے نہایت ہی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس عالم کے بائیس بیٹے پیدا ہوئے اس عالم خان کی وفات کے بعد آبائی گدی اس کے بڑے بیٹے نواب امیر مبارز خان کو ملی۔

نواب امیر مبارز خان بہروز اور نارنول کے جاگیردار و امیر مقرر ہوئے یہ شیخ فضل اللہ بخاری بن شیخ ناصرالدین مخدوم جہانیاں کے مریدان خاص میں شمار ہوتے تھے۔دربار شاہی میں ان کا خاص احترام کیا جاتا تھا۔اپنی فراخدلی ورحمدلی اور سخاوت کی بناء پر یہ پورے علاقہ میوات میں نہایت احترام شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔اپنے والد عالم خان ڈہیلہ کی طرح ان کے متقی وپرہیز گار ہونے کا ذکر بھی اکثر تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔اس امیر مبارز خان کے دو بیٹے عیش محمد خان اور قادر خان پیدا ہوئے خانزادہ قادر خان نے اپنے کمال وتقویٰ اور پرہیز گاری کے باعث پورے ہندوستان میں ''حضرت قادر شاہ'' کے نام سے شہرت پائی یہ ایک مظلوم سوداگر کی مدد کرنے کی بناء پر شہید ہوئے ان کی تفصیل ''کنواری بیوہ اور حضرت قادر شاہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔جبکہ ان کے دوسرے بھائی عیش محمد خان کی اولاد سے متعلق تفصیل ''تاج خان اور نور ملکہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

☆☆

احمد خان
(والئی میوات)

847ھ 1443ء میں راجہ جلال خان کے بعد اس کا بیٹا خانزادہ احمد خان عرف (گل گورکھ) حکومت میوات پر تخت نشین ہوا۔ اس نے ''فیروز پور جھرکا'' کو چھوڑ کر الور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اس زمانے میں سادات خاندان کا تیسرا بادشاہ سید محمد شاہ سلطنت دہلی پر حکومت کر رہا تھا۔ 849ھ 1445ء میں محمد شاہ بادشاہ وفات پا گیا جس کے بعد اس کا بیٹا سید علاؤالدین ''عالم شاہ'' کا لقب اختیار کر کے تخت دہلی پر بیٹھا سادات خاندان کے اس آخری بادشاہ کے زمانے میں میواتی خانزادوں سے متعلق:۔

محمد قاسم فرشتہ اپنی ''تاریخ فرشتہ'' جلد دوم صفحہ 359 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا علاؤالدین تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں بھی یہ ''خانزادے'' اپنے آبائی علاقہ میوات پر بدستور آزادانہ اور خود مختارانہ حکومت کرتے رہے۔)

سید علاؤالدین ''عالم شاہ'' کو سلطنت دہلی سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے یہ 851ھ 1447ء میں سلطنت دہلی اپنے وزیر خان زادہ حمید خان بن ملک فتح اللہ خان عرف فتح خان کی سرکردگی میں اپنے نسبتی بھائیوں کے سپرد کر کے بدایوں چلا گیا اور وہاں پر اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی بادشاہ کی دہلی میں اس عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احمد خان (والئی میوات) نے 852ھ 1449ء میں مہرولی سے لاڈو سرائے متصل دہلی تک بادشاہ کے سات پرگنوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ اس قبضے کو بادشاہ کے امراء نے خان زادہ حمید خان کا اشارہ بتا کر بادشاہ سے وزیر حمید خان میواتی کے خلاف 1450ء میں قتل کا حکم صادر کرالیا تھا۔ اس سلسلے کی تفصیل ''ملک فتح خان'' اور ''بہلول لودھی'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

مذکورہ پرگنہ جات پر قبضے سے متعلق مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ

326، تا 328 پر قمطراز ہیں کہ:

''(علاؤالدین کے زمانے میں سب سے زیادہ طائف الملو کی پھیلی یہ اپنے باپ محمد شاہ سے بھی زیادہ سست و نا کارہ نکلا یہ ہمیشہ بدایوں میں پڑا رہتا تھا۔ دکن، گجرات، مالوہ، جون پور، بنگالہ وغیرہ میں وہاں کے حاکم خود مختار بن بیٹھے اور احمد خان خانزادہ لاؤڈ سرائے متصل دہلی تک اپنا قبضہ جما کر خود مختار بن بیٹھا سنبھل سے نارنول تک دریا خان لودھی حاکم تھا۔ غرض یہ کہ اسی طرح پورے ملک کو سردار لوگوں نے دبایا اور خود مختار بن بیٹھے اور سلطنت دہلی کی حدود ایک طرف تو شہر پناہ سے صرف ایک میل اور دوسری طرف دس بارہ میل رہ گئی تھی۔)''

853ھ 1450ء میں عالم شاہ بادشاہ کا وزیر خانزادہ حمید خان میواتی اپنی جان بچا کر بدایوں سے بھاگ کر دہلی آن پہنچا۔ اور یہاں پہنچ کر شاہی خزانے کو اپنے قبضے میں لے کر سلطنت دہلی پر اپنا قبضہ جما بیٹھا اور پھر چند ماہ بعد اس نے دیپالپور سے اپنے ہمعصر بہلول لودھی کو سلطنت دہلی کیلئے بلوا لیا جس نے 854ھ اپریل 1451ء میں سلطنت دہلی پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ حکومت پانے کے بعد بھی یہ بہلول لودھی اپنے ہمعصر حمید خان میواتی سے مطمئن نہ تھا۔ یہ میواتی خانزادوں کی جنگی طاقت سرکشی اور ان کی خود مختارانہ حکومت سے بخوبی واقف تھا۔ یہ خانزادے سلطنت دہلی کیلئے لٹکتی ہوئی تلوار کی طرح مسلسل ایک خطرہ بنے چلے آتے تھے۔ اس خطرے کو مٹانے اور اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر بہلول بادشاہ نے سب سے پہلے 854ھ اکتوبر 1451ء میں میوات پر فوج کشی کی۔ ایک خون ریز جنگ اور سخت مقابلے کے بعد۔ احمد خان (والئی میوات) مغلوب ہو گیا۔ جس کی بناء پر بادشاہ کو دہلی کے نزدیک والے وہ سات پرگنے حاصل ہوئے جن پر والئی میوات نے سید عالم شاہ بادشاہ کے زمانے میں اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

والئی میوات سے حاصل شدہ پرگنوں کو الگ کرنے کے بعد خان زادوں میں نفاق کے ذریعے اپنی

حکومت کو مستحکم بنانے کی غرض سے بادشاہ نے تجارے میں خانزادہ تاتار خان کو اپنا حاکم مقرر کیا جو وہیں مر گیا۔(اس کا مقبرہ تجارے میں گنبد ''رکن شاہ عالم شہید'' کی درگاہ کے قریب واقع ہے)۔

مذکورہ جنگ سے متعلق مسٹر۔سی۔اے ہیکٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور نے اپنی ''تاریخ گزیٹیر الور'' میں جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''(1451ء میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا۔اس کی پہلی حرکت میوات پر فوج کشی تھی۔احمد خان خانزادہ جو کہ اس وقت مہرولی سے لاڈو سرائے متصل دہلی تک پورے میوات کا حاکم تھا۔بادشاہی فوج سے مغلوب ہو گیا اور اس نے سات پرگنے بادشاہ کی نذر کیے)''۔

مبارک شاہ شرقی کا چھوٹا بھائی ابراہیم شاہ شرقی 840ھ 1436ء میں وفات پا گیا جس کے بعد اس کے بیٹے محمود شاہ شرقی کو تخت جونپور پر بیٹھایا محمود شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد شاہ شرقی کو تخت جون پور پر بٹھایا اور کچھ عرصے بعد امراء اور شاہی خاندان کے افراد نے اس کے طرز عمل سے بیزار ہو کر اسے قتل کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی حسین شاہ شرقی کو تخت جونپور پر بٹھایا۔

862ھ 1458ء میں جب حسین شاہ شرقی نے بہلول کے خلاف دہلی سلطنت پر چڑھائی کی تو بادشاہ نے بھی موضع جھنڈواڑہ پہنچ کر اس سے جنگ شروع کر دی۔احمد خان (والئی میوات) جو سات پرگنوں سے اپنی بے دخلی کے انتقام کی آگ اپنے سینے میں چھپائے بادشاہ کے خلاف ایک مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور رستم خان (حاکم کول) کو اپنا معاون و مددگار بنا کر یہ بہلول لودھی کے خلاف حسین شاہ شرقی (حاکم جون پور) سے جاملا۔

خانزادہ احمد خان میواتی (والئی میوات) کی مداخلت پر بادشاہ کو ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوا۔جب یہ جنگ طول اختیار کرنے لگی تو مزید نقصان اور خون خرابے سے بچنے کی خاطر امراء۔و۔وزراء کی مداخلت و

مشورے پر دونوں فریقین میں تین سال بقول بعض چار سال تک کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا ۔ بہلول بادشاہ اور حسین شاہ شرقی کے درمیان یہ صلح دیر تک قائم نہ رہ نہ سکی ۔ چونکہ مذکورہ معاہدے سے والئی میوات کا مقصد پورا نہ ہوا۔ بالآخر خانزادہ احمد خان میواتی نے اس مرتبہ سردار عیسیٰ خان (حاکم پٹیالی) کو اپنا معاون و مددگار بنا کر بہلول بادشاہ کے خلاف اپنی بھرپور مدد کا یقین دلا کر حسین شاہ کو جنگ پر آمادہ کرلیا۔ جس کے نتیجے میں حاکم جون پور نے بہلول بادشاہ کی غیر موجودگی میں اس کی مملکت پر حملہ کردیا اور ''اٹاوہ'' پر اپنا قبضہ جما کر وہاں سے بادشاہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم کو مار بھگایا۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک وہند'' ''علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور'' صفحہ 303، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(بہلول لودھی اور حسین شاہ کے درمیان یہ صلح دیر تک قائم نہ رہ سکی بہلول لودھی ملتان میں تھا کہ حسین شاہ نے اس کی مملکت پر حملہ کردیا اور دہلی کی فوج کو ''چاندواڑہ'' کے مقام پر شکست دے کر اٹاوہ پر قبضہ کرلیا۔ علاوہ ازیں بہلول لودھی کے دو امیر احمد خان میواتی اور عیسیٰ خان بھی حسین شاہ سے مل گئے ۔)''

احمد خان میواتی کی لگائی ہوئی مذکورہ آگ اور حسین شاہ سے اس کی بھرپور معاونت سے جب بہلول باخبر ہوا تو یہ ایک جم غفیر لشکر لے کر میوات پر چڑھ آیا۔ شاہی لشکر دیکھ کر والئی میوات بھی مشتعل ہوا اور اپنی بھاری فوج لے کر یہ بادشاہ کے مقابلے پر اتر آیا۔ اس نازک مرحلے پر امراء دہلی نے احمد خان میواتی کے آباء واجداد کی حکومت کی تاریخ دہراتے ہوئے اپنے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ سادات سلطنت کی خاک اڑانے والے میوات کے یہ ضدی خانزادے جنگ سے مرعوب ہونے کی بجائے اور بھڑک کر ہماری حکومت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوں گے اس لئے ان میواتی خانزادوں سے صلح ہماری حکومت کے استحکام کے حق میں بہتر ہوگی۔

اس مشورے پر، بہلول بادشاہ اپنے امراء میں سے "خان خاناں" کو درمیان میں لایا۔ جس نے احمد خان کو سمجھا بجھا کر اسے ٹھنڈا کیا اور پھر ان دونوں کے درمیان صلح کرا دی بادشاہ نے بھی والئ میوات کی خوشی کی خاطر بغیر کسی حیل وحجت کے اس کی عائد کردہ شرط کے تحت اس کے چچا خان زادہ مبارک خان کو اپنے پاس دربار دہلی میں بطور مشیر میوات مقرر کر لیا۔ جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بہلول بادشاہ والئ میوات کے خلاف کسی بھی منصوبے کو اپنی مرضی کے مطابق عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

"(یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ "صلح" ہمیشہ برابری کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے یہاں پر بادشاہ کی میوات پر فوج کشی کے بعد جنگ سے گریز کرنا اور اپنے امیر کے ذریعے والئ میوات سے صلح کرنا اور والئ میوات کی عائد کردہ شرط کو بخوشی مان لینا۔ بہلول بادشاہ کے نزدیک احمد خان (والئ میوات) کی طاقت وحیثیت کو تسلیم کر لینے کی واضح دلیل ہے)"

احمد خان میواتی کے خاندان اور اس کے آباء اجداد کی مکمل تفصیلات دوبارہ نئے سرے سے حاصل کرنے کے بعد جب بہلول بادشاہ نے بخوبی یہ اندازہ کر لیا کہ میوات کے ان راجپوت خانزادوں سے بگاڑ اس کی حکومت کے لئے کسی بھی صورت میں سودمند ثابت نہ ہوگا تو اس نے اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر مبارک خان (مشیر میوات) سے راہ ورسم بڑھا کر اس کے ذریعے (والئ میوات) سے رشتے داری کر لی ۔جس کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن گئے۔

اس رشتے داری سے متعلق مرزا محمد قاسم "فرشتہ" اپنی "تاریخ فرشتہ" جلد اول صفحہ 251، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

"(امرائے نامی جو سلسلہ یگانگی اور نسبت خویشی بہلول لودھی (بادشاہ دہلی) کے ساتھ رکھتے تھے وہ تعداد میں چونتیس تھے۔ جن میں ایک احمد خان خانزادہ (والئ میوات) بھی تھا)"

والئی میوات نے الور میں نہایت عمدہ مکانات ومحل وغیرہ تعمیر کرائے جن میں دہلی دروازے کی جانب بنائے محل ومکانات آج بھی موجود پائے جاتے ہیں۔

مذکورہ محل ومکانات سے متعلق شیخ محمد مخدوم کی ''تاریخ مرقع الور'' کا حوالہ دیتے ہوئے شرف صاحب اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 267 (ایڈیشن ثانی) پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(خان زادہ احمد خان نے اپنی جدید تعمیرات سے الور کو رشک گلزار بنا دیا تھا اس کے شوق کو دیکھ کر اس کے امراء وزراء نے بھی الور میں عمدہ عمدہ مکانات حویلیاں اور محل تعمیر کرائے ان میں سے بہت سے اب کھنڈر بن گئے ہیں اور بہت سے آج تک رئیس الور کے کام آرہے ہیں۔)''

احمد خان نے اپنے دور اقتدار میں اپنے حلقہ احباب اور عزیز اقارب میں ان لوگوں کی صلاحیت واہلیت کی کی بنیاد پر انہیں جاگیریں عطا کیں اور اپنی رعایا پروری اور انصاف پسندی کے باعث اس نے عوام کے دل جیت لئے رشتے داری کے بعد یہ بہلول کے امراء میں شمار ہوا۔

جس کے بعد اس نے بادشاہ کی جانب سے اپنے عزیز حاجی خان کو قلعہ آمیر کی فتحیابی کے لئے روانہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل (ملک ہیتم خان) کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

(872ھ 1468ء 1524 بکرمی میں احمد خان وفات پا گیا۔)

☆☆

کنواری بیوہ
اور
قادر شاہ

خان زادہ عالم خان بن اقلیم خان کے بیٹے نواب امیر مبارز خان اپنے نومولود فرزند کو لے کر جب اپنے پیر حضرت شیخ فضل اللہ بخاری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو پیر موصوف اس بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور نہایت شفقت و محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے بیٹے شیخ غلام قادر کے نام سے ملاتے ہوئے اس بچے کا نام ''قادر شاہ'' تجویز فرمایا۔ (جس کو قادر خان عرف (سورما) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت پیر فضل اللہ بخاری صاحب کی دعاؤں کی برکت اور ان کی خاندانی قربت کے ساتھ ساتھ کامل درویشوں اور علماء کی صحبت کے طفیل آپ کے اندر کمال تقویٰ اور طہارت پیدا ہو گیا ایام طفلی کی اس عبادت میں آپ کو کچھ ایسا سرور میسر آیا کہ دن بھر روزے رکھنا نوافل پڑھنا اور رات بھر جاگ کر بارگاہ ایزدی میں سربسجود رہنا اور حق و سچ کہنا۔ آپ کا ایک فطری جز بن گیا تھا۔

متقی و پرہیز گار ہونے کے علاوہ دیانت وسخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ شجاعت کے باعث آپ کا لقب ''سورما'' یعنی طاقت ور مشہور ہوا۔ آپ نے اپنی تمام تر دینوی خواہشات کو ترک کر کے اپنے مالک حقیقی سے اس طرح لو لگائی کہ عالم شباب میں آپ شادی کی خواہش سے بھی متنفر ہو گئے۔ جبکہ آپ کے والد نے آپ کے خدمتگاروں اور مصاحبوں کے ذریعے حتی الامکان کوشش کی کہ آپ کسی بھی طرح شادی کے لئے رضا مند ہو جائیں۔ لیکن آپ نے ہمیشہ خود کو مختصر عرصے کا مسافر ظاہر کرتے ہوئے نہایت مودبانہ انداز میں معذرت کے ساتھ انکار کر دیا۔

ایک روز اتفاقاً قادر شاہ اپنے چند مصاحبوں سمیت کوہستان سے علاقہ بہروز کے موضع ''گڑھ دھولی'' میں جا پہنچے۔ جہاں کے ایک کنوئیں پر اپنے گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے جاتے وقت آپ نے دیکھا کہ ایک بھینس اپنی مستی میں آ کر بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتی پھر رہی تھی یہ بھینس جس طرف بھی بھاگتی تھی اسی طرف کے موجود تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوتے تھے بڑے بڑے شہ زور اور جوانمرد بھی اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ اس بھاگتی ہوئی بھینس کو پکڑنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ اسی اثناء میں یہ بھینس اس طرف دوڑی جدھر ایک نوجوان خوبرو الھڑ دوشیزہ جو اس کنوئیں سے پانی کا بھرا ہوا گھڑا سر پر اٹھائے جا رہی تھی۔ اس لڑکی نے بغیر کسی خوف و جھجک کے اپنے قریب دوڑتی ہوئی اس بھینس کا رسہ نہایت ہی پھرتی کے ساتھ اس مضبوطی سے پکڑا کہ وہ بھینس باوجود اپنا تمام زور لگانے کے اچھلنے اور کودنے کے سوا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ پائی اور وہاں پر موجود تمام لوگ اس نوجوان خوبرو لڑکی کی جرأت پر حیران ہو کر عش عش کر اٹھے مذکورہ لڑکی کی ہمت و جرائت سے متاثر ہو کر اس سے خان زادہ قادر شاہ کی شادی کی خواہش بھی عود کر آئی۔ حضرت قادر شاہ اپنے مصاحبین سے فرمانے لگے۔

''(اس خوبرو لڑکی کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ نہ صرف زور آور اور بادشاہوں کی صحبت کے قابل ہوگا۔'' بلکہ جہاد کے لئے قابل اعتماد مجاہد ہوگا۔'')

یہ سن کر آپ کے مصاحبوں اور ملازمین میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان ملازمین میں سے ایک نے آپ کی منشا کے مطابق مذکورہ دوشیزہ کا نام ولدیت وسکونت وغیرہ معلوم کرنے کے بعد واپسی پر تمام روداد آپ کے والد کے سامنے بیان کر دی جس کے بعد نواب امیر مبارز خان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے فوراً اپنے ملازم کے ذریعے مسمی تاج الدین کو بلوا کر اس سے اس کی مذکورہ باہمت دختر کا رشتہ طلب کیا۔

رشتے کی سن کر تاج الدین حیران ہو کر بوکھلا یا اور دست بستہ عرض کرنے لگا: غریب پرور کہاں میں

اور کہاں آپ۔ آپ ریاستوں کے مالک وسردار اور میں آپ کا ایک ادنی اور غریب مضارع۔ مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ میں اپنے مالک وسردار کے ساتھ قرابت مندی کا بوجھ اٹھا سکوں مالک میں تو سردار خان زادہ قادر شاہ کو اپنی فرزندی میں لینے کا خواب دیکھنے کی جسارت بھی نہیں کر سکتا۔ سردار جی میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں)۔

اس پر۔ نواب مبارز خان نے اس رشتے میں اپنے بیٹے کی رضامندی کا ذکر کیا تب کہیں جا کر تاج الدین کو یقین آیا رشتہ منظور کیا اور اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوا۔ یہ اپنے گاؤں واپس آیا اور اپنے تمام عزیز و اقارب کو یہ ماجرا سنایا تمام عزیز و اقارب اس کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہوئے اسے مبارک باد دینے لگے۔

"بالآخر اس شادی کی گیارہ تاریخ۔ ماہ رجب 846ھ 1442ء 1498 بکرمی مقرر ہوئی"۔

(مذکورہ شادی کے بعد سے آج تک خانزادہ قوم میں شادی کی گیارہ تاریخ مقرر نہیں کی جاتی۔ چونکہ مذکورہ شادی مبارک ثابت نہ ہو پائی جس کے باعث شادی کے لئے گیارہ تاریخ خانزادہ قوم میں منحوس ترین قرار پائی ہے)۔

الغرض شادی کے بعد دوسرے دن بارہ تاریخ۔ ماہ رجب کو بیاہ کر بارات واپس جب اپنی حویلی کی ڈیوڑھی پر پہنچی تو یکا یک فریاد۔ فریاد کی صدائیں آنے لگیں۔ مقصد معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اپنے کچھ پیادہ اور بیس سواروں کے ساتھ ایک پٹھان آ کر نواب مبارز خان کے سامنے فریادی بنا اور عرض کرنے لگا اے خان اعظم میں اس علاقے میں آپ کی شہرت غریب پروری سن کر حاضر ہوا ہوں خدارا مجھ بے بس و مجبور کی مدد کر کے میری مشکل آسان کریں خدا آپ کو اس کا اجر دے گا اس پر خان زادہ مبارز خان نے اس پٹھان کو اپنے قریب بلا کر ماجرا دریافت کیا جس کے بعد یہ پٹھان اپنی داستان الم رو رو کر اس طرح بیان کرنے لگا:۔

(خان صاحب:۔ میں شہر نا گور کا رہنے والا ایک سوداگر ہوں میرا نام سلح خان پٹھان ہے۔ میں

گجرات اور شہر سورت سے مال خرید کر پورب۔ پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ میں فروخت کرتا پھرتا ہوں۔ ''نالہ دولہ'' کے قریب راؤ موکل (جاگیردار شیخاواٹی) نے میرے قافلے پر حملہ کر کے میرا تقریباً ایک لاکھ روپے کا کل سامان تجارت لوٹ لیا۔ اور جاتے وقت میرے اور میرے قافلے کے اہل وعیال کو بھی اپنا قیدی بنا کر لے گیا۔ خدا کے سوا میرا کوئی نہیں۔۔ اسی کا نام لے کر آپ کی پناہ میں آیا ہوں۔ خدارا مجھ بے بس کی مدد کیجئے۔

اس سوداگر کی داستان الم سن کر امیر مبارز خاں کو اس پر رحم آیا۔ اور اس نے اپنے بڑے بیٹے عیش محمد خان عرف (ویش خان) سے اس پردیسی سوداگر کی مدد کرنے کے لئے کہا۔ جس پر عیش محمد خان نے جواب دیا کہ ابا حضور آپ کو معلوم ہے کہ دربار شاہی میں مجھے سیّد محمد شاہ (بادشاہ دہلی) نے تاکیدی حکم کے ذریعے اپنے پاس بلوایا ہے اس وقت میرا دہلی دربار میں پہنچنا نہایت ضروری ہے اگر مجھے مہلت دی جائے تو میں دہلی سے واپسی پر سوداگر کی بھرپور مدد کر کے اس کا تمام لوٹا ہوا مال واسباب معہ اہل وعیال اسے واپس دلا کر ''راؤ موکل'' کو سخت سے سخت سزا دینے کو تیار ہوں۔ اس پر نواب صاحب نے کہا:۔ اس عرصے میں تو یہ غریب بے موت مر جائے گا۔ اس سوداگر کی مدد ابھی اور اسی وقت ہونی چاہئے۔ یہ سن کر خان زادہ حضرت قادر شاہ خاموش نہ رہ پائے۔ اور دست بستہ عرض کرنے لگے۔ ابا حضور مظلوم اور بے بس کی مدد کرنے پر خدا کی خوشنودی و رضا حاصل ہوتی ہے۔ اگر میں اجازت پاؤں تو اس سوداگر کی مدد کو جاؤں اور راؤ موکل کو سزا دے کر۔ اس کا مال و اسباب اسے واپس دلاؤں اپنے اس نوبیاہتا بیٹے کی بات سُن کر نواب صاحب نے تامل کیا۔ لیکن اس کے مسلسل اصرار پر اسے اجازت دے دی گئی اور اپنے ایک غلام میاں نصر اللہ کو اپنے بیٹے کی خدمت کے لئے اُس کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حضرت قادر شاہ اپنے لشکر سمیت شیخاواٹی کی جانب روانہ ہوئے اس سوداگر کی مدد میں قادر شاہ کی آمد کی اطلاع جب راؤ موکل کو ملی تو وہ لڑائی کے لئے منوہر پور مقام شاہ پور علاقہ شیخاواٹی میں آیا۔ جہاں ان

دونوں لشکروں میں زبردست لڑائی ہوئی۔ جس میں ہزاروں مسلم راجپوت شہید ہوئے۔ اپنے لشکر کے حوصلے پست دیکھ کر راؤ موکل بھاگ نکلا لڑائی کے عین اسی آخری لمحے میں قادر شاہ کی گردن پر تلوار کی ایک ایسی کاری ضرب لگی۔ جس سے ان کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ ان سے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ آپ اپنا سر کٹنے کے بعد بھی کافی دیر تلوار چلاتے رہے تھے۔ جب ان کی نعش بہروز میں پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا۔

نواب مبارز خان اپنے نو بیاہتا بیٹے کے سر کو گود میں لئے زار و قطار رو رہے تھے اُس وقت لوگ انہیں تسلیاں دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یہ لڑائی مظلوم و مجبور عورتوں اور بچوں کی جانیں بچانے کی خاطر حق کی حمایت میں لڑی گئی ہے۔ جس کے باعث قادر شاہ کو شہادت نصیب ہوئی ہے آپ صبر کریں۔

اپنے بھائی قادر خان کی شہادت کی اطلاع پا کر عیش محمد خان شاہی فوج کی مدد لے کر دہلی سے فوراً میوات میں آیا اور پھر یہاں سے شیخاواٹی کی جانب کوچ کیا۔

حملے کے لئے قادر خان کے بھائی خانزادہ عیش محمد خان کی آمد کی خبر سن کر راؤ موکل گھبرایا اور اپنے عزیز و اقارب اور امراء کے باہم مشورے سے یہ طے پایا کہ: ''(اپنی جانیں بچا کر ہم لوگ یہاں سے مارواڑ کی جانب بھاگ جائیں یا پھر کسی دوسرے راستے جاگیردار امیر مبارز خان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان پائیں)''۔

اس کے بعد راؤ موکل اپنے تمام ساتھیوں سمیت سُلح خان پٹھان کا تمام مال و اسباب لے کر نواب موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی پر معافی کا طلبگار ہوا مبارز خان نے راؤ موکل کو معاف کرتے ہوئے سلح خان پٹھان کو اُس کا لوٹا ہوا تمام مال و اسباب معہ اہل و عیال واپس دلا کر اُسے روانہ کیا۔ یہ پٹھان نواب موصوف کو دعائیں دیتا ہوا اپنے ولایت واپس چلا گیا۔

''حضرت قادر شاہ کے ''سر'' کو بہروز میں اور ''دھڑ'' کو وہیں مقام ''شاہ پور'' علاقہ شیخاواٹی میں دفن

کر دیا گیا اسی مناسبت سے آپ کی دو قبریں بنی ہوئی ہیں''۔

آپ کی نو بیاہتا دلہن (دختر تاج الدین) جو نکاح کے بعد آپ کی صورت بھی نہ دیکھ پائی تھی آپ کی شہادت کے غم میں گھل گھل کر تھوڑے ہی عرصے بعد مر گئی۔ جس کی قبر بہروز میں آپ کی درگاہ کی موری کے نیچے بنی ہوئی ہے۔

آپ کے مزار کی تعمیر محمد حامد قاضی اور آپ کے پیر حضرت شیخ فضل اللہ بخاری کی سرکردگی میں ہوئی موضع بہروز پرگنہ منڈ اور ریاست الور میں آپ کے مذکورہ مزار پر ایک نہایت ہی عالی شان گنبد محمد معروف لاہوری سے تعمیر کرایا گیا تھا۔

مزار کی تکمیل پر اس کے صحن میں تین سو ساٹھ نقارے رکھے تھے جو اکثر میلہ لگنے کے موقع پر بجائے جاتے تھے آپ کے عرس مبارک کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے ہر سال آپ کے مزار پر میلہ لگنے کے موقع پر دور دور سے آپ کے عقیدت مند لوگ آ کر آپ کے مزار پر نذر و نیاز اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ 1947ء میں آپ کے مزار پر صرف دس نقارے باقی رہ گئے تھے۔ آپ کے مزار کی آمدنی سے متعلق ''تاج خان اور نور ملکہ'' کے عنوان میں جو تحریر کیا گیا ہے اُس کے ایک عرصے بعد اور تقسیم ہند سے پہلے آپ کی درگاہ کی آمدنی کو بہروز والے خانزادے باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے۔

آپ کے خاندانی حالات سے متعلق ایک کتاب آج بھی آپ کی درگاہ شریف میں موجود پائی جاتی ہے۔

''آپ کی شہادت 846ھ 1442ء میں سید محمد شاہ (بادشاہ دہلی) کے عہد حکومت میں ہوئی تھی۔

☆ آپ کے مزار پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے۔

(بماہ رجب 846ھ درعہدِ سلطان السلاطین سیّد محمد شاہ۔ بن فرید خان۔ بن خضر خان مقبرہ سلطان الزمان۔ الخان الکریم العادل۔ قادر شاہ بن مبارز خان۔ بن عالم خان بن اقلیم خان بہادر خان بن ناہر خان تعمیر گردید)۔

(آپ کی درگاہ کے نزدیک ''نورملکہ'' کا مقبرہ بھی بنا ہوا ہے جو''زنانہ گنبد'' کے نام سے مشہور ہے)۔

☆☆

''ذکریا خان''
(والئ میوات)

872ھ 1468ء میں اپنے والد احمد خان میواتی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خان زادہ ذکریا خان حکومت میوات پر مسند نشین ہوا یہ درویش صفت والئ میوات اپنی نرم دلی ورحم دلی کی بناء پر ملک میوات میں مقبول عام ہوا۔ اور اپنی صوفیانہ طبیعت کے باعث دربار دہلی میں بھی اس نے ایک خاص مقام پایا۔ مصلحت پسندی کو اس نے اپنی زندگی کا بنیادی نقطہ نظر بنائے رکھا اور ہمیشہ یہ جنگ وجدل کے خلاف امن وشانتی کا دلدادہ رہا۔ اس نے نہایت ہی امن وشانتی کے ساتھ علاقہ میوات پر خود مختارانہ حکومت کی اور اس کے ہمدردانہ رویے اور انصاف پسندی کے باعث اس کی رعایا بھی اس سے ہمیشہ خوش وخرم رہی۔

سردار ذکریا خان (والئ میوات) نے بہلول لودھی (بادشاہِ دہلی) کی خواہش کے مطابق اس کے امیر اعظم ہمایوں خان ''شروانی افغان'' (حاکمِ کالپی) کی دختر سے جب اپنے بیٹے علاول خان کی شادی کرائی تو اس رشتے کے باعث بہلول لودھی اور اس والئ میوات کے درمیان قربت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

ذکریا خان (والئ میوات) کی وفات کے بعد اس کے بیٹے علاول خان (والئ میوات) نے صرف زرکثیر سے اپنی حکومت کے دوران ''تجارے'' میں اس کی قبر پر ایک نہایت ہی شاندار گنبد تعمیر کرایا جو آج بھی

ہندوستان میں موجود پایا جاتا ہے۔

اس بھرتری گنبد سے متعلق ایک روایت جو ملک میوات میں بہت ہی زیادہ شہرت کی حامل ہے وہ اس طرح ہے۔

''(بھرتری'' نام کا ایک فقیر اس گنبد کی تعمیر میں مزدوری کیا کرتا تھا۔لیکن یہ اپنی محنت و مزدوری کی اُجرت نہیں لیتا تھا۔

جب لوگوں نے اس فقیر سے اپنی مزدوری نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ:۔

''(میرے مرشد کا حکم یہی ہے کہ:۔اس گنبد کی تعمیر مکمل ہونے تک میں مزدوری لئے بغیر ہی کام کرتا رہوں)''۔

''(لوگوں نے اس فقیر کے مذکورہ ایثار کے باعث اس کے نام کی نسبت سے اس گنبد کا نام ''(موسوم بھرتری والا گنبد)'' رکھدیا تجارے میں واقع یہ گنبد آج بھی ہندوستان میں اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے)''۔

منشی خداداد خان عظیم آبادی نے اپنی ''تاریخ خانانِ میوات'' کے 60 ص پر اس گنبد کو خان زادہ علاول خان (والئی میوات) کا بنوایا ہوا تحریر کیا ہے۔

(890ھ 1485ء میں ذکریا خان (والئی میوات) کا انتقال ہوگیا)

☆☆

''تاج خان اور نور ملکہ''

بہادر خان (والئی میوات دوم) کے بیٹے راجہ اقلیم خان (والئی میوات سوم) کے چھ بیٹے:۔ ناہر خان ۔حسن خان ۔احمد خان ۔دلاور خان ۔عظمت خان اور عالم خان جس کو (ڈھیلہ عالم خان) بھی کہا گیا ہے۔ پیدا ہوئے اس عالم خان کے نواب امیر مبارز خان (جاگیر دار نارنول) پیدا ہوا۔ اس نواب امیر مبارز کے دو بیٹے عیش محمد خان عُرف ویش خان اور قادر خان عُرف (قادر شاہ) پیدا ہوئے۔

نواب امیر مبارز خان کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عیش محمد خان (ویش خان) اپنی آبائی جاگیر بہروز کی گدی پر مسند نشین ہوا۔ اس کے ہمدردانہ رویے کی بناء پر اس سے رعایا ہمیشہ خوش وخرم رہی۔ خانزادہ عیش محمد خان دربار شاہی میں ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ جس کا اندازہ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے بھائی حضرت قادر شاہ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے راؤ موکل (جاگیر دار شیخاواٹی) کے خلاف اسے دربارِ شاہی سے فوج کی مدد ملی تھی۔

عیش محمد خان کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عالی خان باپ کی جگہ مسند نشین ہوا عالی خان (لاولد) فوت ہوا جس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی ہمایوں خان بن عیش محمد خان اپنی آبائی جاگیر ریاست بہروز کی گدّی پر مسند نشین ہوا ہمایوں خان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا خان زادہ تاج خان اپنی آبائی ریاست پر گدی نشین ہو کر اپنی ریاست و جاگیر کا حاکم بنا۔

چند شر پسند لوگوں کے اُکسانے پر خان زادہ احمد خان کی دختر مسماۃ نور ملکہ (جو ہمایوں خان کے حقیقی بھائی عالی خان) کی بیوہ تھی نے ریاست بہروز کی مالکہ و دعویدار بن کر اپنے بھتیجے تاج خان کے خلاف بغاوت کردی آپس کی اس نااتفاقی کو ختم کرنے کی غرض سے خان زادہ تاج خان چند معتبر لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنی چچی نور ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:۔

"(اے والدۂ بزرگوار۔ آپ میری جانب سے اپنے دل میں کسی بھی قسم کی بیوفائی کا خیال ہرگز نہ لائیں۔ آپ کے لئے میرے دل میں وہی احترام وعزت ہے جو اپنے والد ہمایوں خان اور چچا عالی خان کے لئے تھی میں آپ سے محبت اور آپ کی عزت کرتا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ریاست کے تمام تر کام میں آپ کے ماتحت بن کر کروں ریاست کے اندر وہی کچھ ہوگا جو آپ چاہیں گی)"۔

تمام تر کوشش کے باوجود بھی ریاست بہروز کی دعویدار نور ملکہ نے اپنے بھتیجے تاج خان کا ہر عذر سننے سے انکار کر دیا۔ تاج خان کے ہمراہ جانے والے معتبر لوگوں نے بھی ان دونوں کے درمیان ہونے والے فساد کو ٹالنے کی غرض سے ان کے درمیان مصالحت کرانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ مگر یہ بھی ناکام رہے۔ غرض یہ کہ ہر ممکن کوشش کے باوجود بھی مسماۃ نور ملکہ (بیوہ عالی خان) اپنی اس بات پر بضد رہی کہ ریاست وجاگیر سے تاج خان فوراً دستبردار ہو جائے۔

نور ملکہ (لاولد) کی ہٹ دھرمی نے تاج خان کے دل میں کئی ایک خدشات کو جنم دیا جب اسے کوئی بات بنتی نظر نہ آئی تو اس نے مجبور ہو کر واپس ہوتے وقت اپنی چچی نور ملکہ سے کہا کہ:۔

"(یہ ریاست وجاگیر میرے پردادا نواب امیر مبارز خان کی ہے اس پر آپ سے زیادہ میرا حق پڑتا ہے اس لئے یہ جاگیر آسانی سے نہیں چھوڑی جاسکتی)"۔

مسماۃ نور ملکہ نے مذکورہ تمام حالات اپنے پڑپوتے حسن خان میواتی کو لکھ بھیجے اور اس نازک موقع پر اپنے لئے اُس سے مدد چاہی۔ جس کے نتیجے میں خانزادہ حسن خان میواتی نے (ان دونوں میں صلح کرانے کی بجائے) جانبداری کو اپنایا۔ پانچ ہزار سوار اور پیادہ فوج ملکہ نور کی مدد میں خانزادہ تاج خان کے خلاف الور سے روانہ کی طرفین میں بارہ روز تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی جس میں ہزاروں خانزادے مارے گئے تاج خان شکست کھانے کے بعد اپنی جان بچاتے ہوئے راتوں رات معہ اہل وعیال نارنول کی جانب فرار ہو گیا

اور نور ملکہ نے ریاست بہروز پر اپنا قبضہ جما کر ریاست کا کام شروع کر دیا۔

اس کے بعد نور ملکہ جس کے کوئی اولاد نہ تھی اُس نے اپنے ایک خدمتگار کے نوعمر لڑکے ملک محمد خان (چوہان راجپوت) کو گود لے لیا اس طرح تاج خان کا وہ خدشہ درست نکلا جو اُس نے اپنی چچی کی ہٹ دھرمی سے لگایا تھا۔ چونکہ اُس وقت کے نافذ العمل قوانین اور مروجہ ہندوانہ رسم و رواج کے تحت ریاست بہروز کی جاگیر کا مالک (متبنیٰ نور ملکہ) محمد خان چوہان ہو گیا۔

محمد خان (چوہان) کو گود لینے کے کم و بیش ایک سال بعد 912ھ 1506ء میں نور ملکہ وفات پا گئی جس کا مقبرہ خانزادہ حضرت قادر شاہ کے نزدیک بنا ہوا ہے جو "زنانہ گنبد" کے نام سے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

خانزادہ تاج خان اپنی شکست کے بعد نارنول پہنچا اور اپنے قدردان دوست راجہ قائم علی (رئیس فتح پور جھنجوں) سے جا ملا جو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے تاج خان کی آؤ بھگت کرتے ہوئے اُس کی رہائش کے لئے جدا مکان تجویز کیا اور اُس کے تمام تر اخراجات کے لئے ایک مہاجن ٹھیکیدار مقرر کر دیا۔

تاج خان زمانے کے نشیب و فراز دیکھنے اور اپنی پریشانیوں کے باعث تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر جلد ہی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ جس کے بعد اسے راجہ مذکور کے باغ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

فتح پور میں مرحوم کے جہلم کے موقع پر 913ھ 1508ء میں بیوہ تاج خان کے لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد خان رکھا گیا اس خانزادہ محمد خان کے جوان ہونے پر راجہ قائم علی خان نے اس کی شادی اپنے ہی عزیز و اقارب میں کرا دی۔ جس سے محمد خان کے علیم خان پیدا ہوا۔

خانزادہ محمد خان کی پیدائش پر ملک محمد خان چوہان (متبنیٰ نور ملکہ) کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ بیوہ تاج خان اپنے نومولود بیٹے محمد خان کے حق میں اپنے محسن راجہ قائم علی خان کی مدد سے کہیں اُس پر حملہ نہ کر دے اس

لئے اُس نے الور پہنچ کر راجہ حسن خان (والئی میوات) (جو اس وقت قلعہ الور کی از سرِ نو تعمیر میں مصروف تھا)۔ کے سامنے اپنے مذکورہ خدشے کا اظہار کیا۔ اور حسن خان میواتی کو اپنے ساتھ بہروز لے آیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد حسن خان میواتی نے محمد خان چوہان (متبنیٰ نور ملکہ) کے خدشے کے پیش نظر اس کی حفاظت کی خاطر پہاڑ کے اوپر ایک پختہ و مضبوط قلعہ ایک ایسی جگہ تعمیر کئے جانے کا حکم جاری کیا جس کے تینوں طرف پہاڑ تھا اور آمد و رفت کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ یہ قلعہ تاریخوں میں ''قلعہ بہروز'' کے نام سے آج بھی مشہور چلا آتا ہے۔

مارچ 1527ء کو بابر بادشاہ کی جنگ میں حسن خان (شاہِ میوات) کے مارے جانے کی خبر سن کر خانزادہ محمد خان بن تاج خان نے اپنی آبائی جاگیر و ریاست واپس لینے کی خواہش کا اظہار اپنے محسن راجہ قائم علی خان سے کیا۔ جس نے بخوشی اسے اجازت دیتے ہوئے لڑائی کا پورا سامان معہ ایک ہزار سوار دے کر اسے بہروز روانہ کیا۔

خانزادہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کی مدد سے ریاست بہروز پر بیس، اکیس سال تک قابض رہنے والے محمد خان چوہان (متبنیٰ نور ملکہ) کو جب محمد خان بن خانزادہ تاج خان کی آمد کی خبر ملی تو یہ مقابلے کے لئے شہر سے باہر نکلا دونوں فریقین میں چند روز لڑائی رہی اس لڑائی میں بہادر پور اور تجارے کے خانزادوں نے دل کھول کر خان زادہ محمد خان کی مدد کی۔ جس کے نتیجے میں محمد خان چوہان شکست کھا کر اپنی جان بچا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور خانزادہ محمد خان نے اپنی فتح کے بعد ریاست بہروز پر اپنا عمل دخل جما لیا۔

کچھ عرصے بعد محمد خان چوہان مجبور ہو کر خان زادہ محمد خان کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا طلبگار ہوا۔ خان زادہ محمد خان نے اپنے دوستوں کے مشورے کے بعد اسے معاف کرتے ہوئے اس کے گذر بسر کے

لئے اسے ایک سو بیگھ (پچاس ایکڑ) زرعی اراضی دے دی۔

نواب بیرم خان (خانِ خاناں) نے اپنے دورِ اقتدار میں خان زادہ محمد خان بن تاج خان کو نارنول کا فوجدار مقرر کرا دیا تھا اور اسی عہدے پر بائیس سال تک فائز الاقتدار رہنے کے بعد یہ ایک بیماری میں مبتلا ہو کر 80-1579ء میں وفات پا گیا۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلیم خان (جو حسن خان میواتی ''شاہِ میوات'' کی دختر سے تھا) قصبہ بہروز میں گدّی نشین ہوا۔

سلیم خان کا دوسرا بھائی علیم خان تھا۔ (جس کی شادی راجہ قائم علی خان ''رئیس فتح پور جھجو'' نے اپنے عزیز و اقارب میں کرائی تھی۔) گدی نشینی کے بعد مذکورہ دونوں بھائیوں میں ترکہ پدری پر جھگڑا چلا۔ جس پر بہادر پور، تجارہ اور الور کے خانزادوں نے مل کر ایک سو بیگھ زرعی زمین اور ''خان زادہ حضرت قادر شاہ شہید'' کی درگاہ کی آمدنی کا سوئم حصہ خان زادہ علیم بن محمد خان کو دلا کر ان دونوں بھائیوں میں صلح کرا دی۔

☆☆

''علاول خان''
(والئی میوات)

890ھ 1485ء میں اپنے والد ذکریا خان کی وفات کے بعد خان زادہ علاول خان حکومت میوات پر مسند نشین ہوا۔ اس زمانے میں بہلول لودھی (اپریل 1451ء سے) سلطنت دہلی پر حکومت کر رہا تھا۔ بہلول لودھی (بادشاہ دہلی) نے جب اپنے بیٹے سکندر شاہ لودھی کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو اس نے ذکریا خان (والئی میوات) کے اس بیٹے علاول خان کو بھی ناگور کا صوبے دار مقرر کیا تھا۔

اس سلسلے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی "تاریخ ہندوستان" جلد دوم صفحہ 346، پر تحریر فرماتے ہیں

کہ:

"(بہلول لودھی نے اپنے عین حیات ہی میں اپنا ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ کڑہ مانک پور اس علاؤالدین کے حصے میں آیا جو وہاں سے چلا گیا تھا۔ اور دوسرے بیٹے سکندر شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو ساتھ ہی میں اس نے خان زادہ علاول خان کو بھی ناگور کا صوبے دار بنایا۔")

خان زادہ ذکریا خان (والئی میوات) نے اپنے دور اقتدار میں بہلول بادشاہ کی منشاء کے مطابق اپنے بیٹے علاول کی شادی حاکم کالپی کی دختر سے کرائی تھی جس کے بطن سے بابر کا حریف خانزادہ حسن خان میواتی۔ (معاون رانا سانگا) پیدا ہوا تھا۔

علاول خان کی مذکورہ شادی سے متعلق: تاریخ گزیٹیر الور"

"تاریخ مرقع میوات" "تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند"

تاریخ ضلع گوڑگانواں صفحہ 74 "تاریخ مرقع الور" صفحہ 32"

اور دیگر تاریخوں میں یہ ذکر بکثرت پایا جاتا ہے کہ:

("اعظم ہمایون خان "شروانی افغان" (حاکم کالپی) جو بہلول لودھی کے دربار میں ایک بہت بڑا امیر وکبیر سردار تھا۔ اس کی دو حسین وجمیل لڑکیاں تھیں۔ جن میں سے ایک کی شادی بہلول لودھی کے بیٹے سکندر شاہ لودھی سے ہوئی تھی جس سے ابراہیم شاہ لودھی پیدا ہوا اور دوسری بیٹی خان زادہ علاول خان بن ذکریا

خان کے عقد میں آئی تھی جس کے بطن سے حسن خان میواتی (شاہ میوات) خانزادہ کبیر خان خانزادہ ابراہیم خان اور خان زادہ دولت خان پیدا ہوئے'')۔

مذکورہ رشتے کی بناء پر سکندر شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) اور خانزادہ علاول خان (والئی میوات) دونوں ہم زلف بھائی تھے اور ابراہیم شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) اور خان زادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) یہ دونوں حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ مذکورہ رشتے کے باعث لودھی پٹھان بادشاہوں کے میواتی خانزادوں سے گہرے اور مستحکم مراسم ہو گئے تھے۔

علاول خان (والئی میوات) کی دوسری شادی 894ھ 1488ء میں سکندر شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) کی جانب سے تجارے میں آئے ہوئے نائب معتمد خاص خانزادہ عالم خان بن خانزادہ اقلیم خان کی بیٹی لاڈو بیگم سے ہوئی تھی جس کے بطن سے اسد خان، قطب خان، حسین خان اور ماکھو خان خانزادگان پیدا ہوئے۔

علاول خان (والئی میوات) نے اپنے دور اقتدار 899ھ 1493ء 1549 بکرمی میں میوات اور الور کے پہاڑوں میں رہ کر لوٹ مار کرنے والے نکوم لیٹروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔

سکندر شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) نے اپنے دور اقتدار 900ھ 1494ء میں اپنے ہم زلف بھائی خان زادہ علاول خان (والئی میوات) کو اپنے شاہی امراء میں داخل کر کے اس کا اقتدار اس قدر بڑھایا کہ اسے میوات کا خود مختیار بادشاہ بنا دیا اور اس نے ہمیشہ اپنے ہم زلف بھائی سکندر شاہ لودھی سے اپنی وفاداری

میں کوئی بھی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔

سکندر لودھی (بادشاہ دہلی) کے حاکم پر علاول خان (والئی میوات) نے 907ھ 1502ء میں بالاتفاق خان (خاناں) لوہانی اور خواص خان (حاکم بیانہ) کے ساتھ مل کر "رائے مانک دیو" پر فوج کشی کی اور "دھولپور باڑی" کو فتح کرنے کے بعد اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔

خان زادہ علاول خان نے اپنی حکومت کے دوران اپنے نام کی نسبت سے "علاول پور" نام کے دو موضع بسائے تھے۔ جن میں سے ایک جو الور کے نزدیک تھا جو ایک عرصے بعد کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ اور۔ دوسرا موضع جو تجارہ کے مشرق کی جانب بسایا تھا وہ "علاول پور" کے نام سے آج بھی وہاں موجود پایا جاتا ہے۔ جس سے متعلق شیخ محمد مخدوم صاحب نے خانزادگان میوات سے اپنی ذاتی رنجش کی بناء پر دروغگوئی سے کام لیتے ہوئے اپنی تاریخ "ارژنگ تجارہ" میں موضع علاول پور کو خان زادہ علاول خان کی بجائے "سلطان علاؤالدین کا بسایا ہوا تحریر کیا ہے۔ جبکہ سکندر شاہ لودھی نے اپنی مخالفت کی بناء پر اپنے بھائی سلطان علاؤالدین لودھی کو اتنا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ وہ کوئی موضع بسائے۔

جیسا کہ: "تاریخ راجپوتان" صفحہ 94، پر تحریر ہے کہ:

(1488ء میں بہلول لودھی کے مرنے کے بعد جب سکندر شاہ لودھی بادشاہ بنا تو سلطان علاؤالدین نے دعویدار سلطنت بن کر جھگڑا کیا اور وہ بہادر شاہ گجراتی کے پاس بھی مدد کے لئے گیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے آخری عمر تک اس کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔")

اس سلطان علاؤالدین سے متعلق مولوی ذکاءاللہ دہلوی صاحب اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ 353، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(سکندر شاہ نے اپنے زمانے میں اپنے بھائی علاؤالدین کو قلعہ ''چھنڈواڑہ'' میں محصور کر دیا تھا۔ اور پھر وہ بادشاہ کے ڈر سے وہاں سے بھاگ کر عیسیٰ خان کے پاس پٹیالی چلا گیا۔ لیکن سات مہینے بعد بادشاہ نے اس کو ولایت اٹاوہ دے دی)''۔

مذکورہ دلائل تاریخ کے علاوہ اگر محمد مخدوم صاحب کا اشارہ سادات خاندان کے آخری بادشاہ سلطان سید علاؤالدین ''عالم شاہ'' کی جانب ہے تو اس کے جواب میں۔☆

مولوی ذکاءاللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد دوم صفحہ 330 پر رقمطراز ہیں کہ:۔

☆(خانزادوں کے زمانے میں علاؤالدین نام کے دو شخص ہوئے جن میں سے ایک سادات خاندان کا بادشاہ تھا۔ لیکن یہ بادشاہ اپنی عمر میں کبھی بھی تجارے میں نہیں آیا بلکہ ہمیشہ بدایوں میں رہا وہیں مر گیا۔ اور وہیں پر اس کی قبر ہے پھر بھلا اس کا موضع علاول پور بسانا اور تجارے میں اس کا مقبرہ ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟)۔

مندرجہ بالا تاریخی حوالہ جات کے نتیجے میں مصدقہ طور پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ ''موضع علاول پور'' خانزادہ علاول خان نے بسایا تھا جس سے متعلق یہ مثل ملک میوات میں آج بھی مشہور ہے کہ ''مال علاول کا۔ جس گیلا کا۔) اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ:۔

☆(خانزادہ علاول خان نے اپنے وکیل یارکن ''گیلا مہاجن'' سکنہ تجارہ کی زیر نگرانی موضع علاول پور بسایا تھا۔اس علاول پور کے بسائے جانے پر تمام تر اخراجات علاول خان (والئی میوات) نے کئے اس کے باوجود بھی تعریف وشہرت گیلا مہاجن کے نصیب میں آئی)۔جس کی بناء پر مذکورہ مثل وجود میں آکر مشہور ہوئی۔(جس سے مراد مقدر ہے)۔

علاول خان نے اپنے بیٹے خانزادہ حسن خان میواتی کی بڑھتی ہوئی شہرت کے پیش نظر 1504ء۔میں اپنی حکومت میوات کی باگ ڈور اس کے سپرد کردی تھی۔

1526ء۔میں ابراہیم لودھی اور بابر کے درمیان ہونے والی پانی پت کی جنگ سے چندروز پہلے مارچ 1526ء۔میں علاول خان کو اس کے رشتے داروں کی سازش کے تحت زہر دے کر ماردیا گیا تھا۔(تفصیل ''حسن خان کی موت پر تبصرہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

☆اپنے والد ذکریا خان کی قبر کے قریب علاول خان کی قبر تجارے میں واقع ''گنبد موسوم بھرتری'' کے اندر بنی ہوئی ہے۔

☆''گنبد موسوم بھرتری'' کی تفصیل (ذکریا خان والئی میوات) کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

☆☆

''شاہان دہلی اور خانزادوں''
میں
رشتے داریاں

جادو بنسی راجپوت خانزادہ قبیلے کی رشتے داریاں شاہان دہلی سلطان بہلول لودھی۔ سلطان سکندر شاہ لودھی۔ سلطان ابراہیم شاہ لودھی۔ سردار بیرم خان (خان خاناں)۔ ہمایوں اعظم خان شروانی افغان (حاکم کالپی) سادات۔ پٹھان اور۔ الور۔ و۔ ہریانہ کے نومسلم چوہانوں اور پنواروں وغیرہ کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ جیسا کہ:

مرزا محمد قاسم فرشتہ اپنی تصنیف۔ ''تاریخ فرشتہ'' جلد اول صفحہ 251، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''امرائے نامی جو سلسلہ یگانگی اور نسبت خویشی بہلول لودھی (بادشاہ دہلی) کے ساتھ رکھتے تھے وہ تعداد میں چونتیس تھے۔ جن میں سے ایک احمد خان خانزادہ (والئی میوات) بھی تھا۔'')

۔انگریز مورخ مسٹر۔ سی۔ اے۔ ہیکٹ ---------- ''تاریخ گزیٹیر الور''

۔مولوی نجم الغنی رام پوری صاحب ---------- ''تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند''

۔سید الطاف حسین ---------- ''تاریخ ضلع گوڑگانواں''

شرف الدین احمد خان ''شرف'' ---------- ''تاریخ مرقع میوات''

کے علاوہ اور بھی بہت سی تاریخوں میں یہ تحریر جابجا پائی جاتی ہے کہ:

(بہلول لودھی کے دربار میں ''اعظم ہمایوں خان'' شروانی افغان (حاکم کالپی) ایک بہت بڑا نامور امیر و کبیر سردار تھا۔ جس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی سلطان سکندر شاہ لودھی بن بہلول لودھی (بادشاہ دہلی) سے ہوئی تھی۔ جس سے ابراہیم شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) پیدا ہوا اور دوسری لڑکی (والئی

میوات خانزادہ علاول خان) بن ذکریا خان بن احمد خان بن خانزادہ راجہ جلال خان (والیان میوات سے بیاہی گئی تھی۔ جس کے بطن سے خان زادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) پیدا ہوا تھا۔ جو میواڑ کے راجہ ''رانا سانگا'' کی مدد میں شہنشاہ بابر سے لڑا اور فارسی تاریخوں میں اس نے ''حسن خان میواتی'' کے نام سے شہرت پائی۔)

(''ملاحظہ کیجئے'' تاریخ مرقع الور'' صفحہ 32 (شیخ محمد مخدوم'')۔

مذکورہ تاریخی حوالہ جات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رشتے کے لحاظ سے سلطان سکندر شاہ لودھی (بادشاہ دہلی) اور خان زادہ علاول خان (والئی میوات) بن ذکریا خان دونوں ہم زلف بھائی تھے اور سلطان ابراہیم لودھی بن سکندر شاہ لودھی اور خان زادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) بن علاول خان دونوں حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔

بابر (بادشاہ دہلی) کے حریف خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (والئی میوات) کے چچا زاد بھائی خانزادہ جمال خان کے دو خوبصورت بیٹیاں تھیں۔ جن کی شادی سے متعلق:

۔تاریخ فرشتہ۔۔۔۔۔۔ ۔تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند۔۔۔ ۔تاریخ دربار اکبری
۔تاریخ ارژنگ تجارہ۔۔ ۔تاریخ ضلع گوڑگانواں۔۔۔۔۔۔ ۔تاریخ ہندوستان
۔تاریخ مآثر الامراء۔۔ ۔تاریخ گزیٹیئر الور۔۔۔۔اور دیگر تاریخوں میں متضاد بیان پائے جاتے ہیں محترم شرف صاحب نے بھی حقیقت واضح کرنے کی بجائے مذکورہ بالا تاریخوں کے تمام تر حوالہ جات کو اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے صفحہ 138 تا 140 پر من وعن تحریر کیا ہے۔ جس کی بناء پر درج بالا تاریخوں میں مذکورہ شادی سے متعلق ابہام برقرار رہا۔

خانزادہ جمال خان کی بیٹی کی شادی سے متعلق ٹھوس اور واضح حقیقت اس طرح ہے کہ 962ھ

1555ء میں اپنی بحالی حکومت کے بعد ہمایوں بادشاہ نے خانزادوں کو اپنی طرف ملانے اور اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر حسن خان میواتی کی بھتیجی (یعنی خانزادہ جمال خان) کی بڑی بیٹی سلیمہ سلطانہ بیگم کی شادی اپنے وزیر بیرم خان (خان خاناں) سے کرادی تھی۔ (بیرم خان کی اس شادی پر ہر مورخ متفق پایا جاتا ہے۔) بیرم خان کی اس شادی کے بعد 964ھ 1557ء میں سلیمہ سلطانہ بیگم کے بطن سے عبدالرحیم (خان خاناں) پیدا ہوا جو اکبر بادشاہ کے درباری نو۔رتنوں میں سے ایک مشہور رتن اور باحوصلہ سردار وسپہ سالار گذرا ہے۔ اس کے بعد کی حقیقت کے اظہار کے لئے یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ 968ھ 31، جنوری 1561ء میں بیرم خان کی موت کے بعد اسی سلیمہ سلطانہ بیگم دختر خانزادہ جمال خان (بیوہ بیرم خان) کو اکبر بادشاہ نے اپنے حرم شاہی میں داخل کر لیا تھا۔ (اس سلسلے کی تفصیل ''راجہ حسن خان شاہ میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔)

مذکورہ سلسلے میں ابہام کو دور کرنے اور حقائق کو سامنے لانے کی خاطر مذکورہ بالا تاریخوں کے کچھ حوالہ جات ''راجہ حسن خان شاہ میوات'' کے عنوان میں داخل کئے گئے ہیں اور باقی یہاں پر درج کئے جاتے ہیں جو اس طرح ہیں۔

مولوی محمد حسین دہلوی صاحب اپنی ''تاریخ دربار اکبری'' صفحہ 567، پر تحریر فرماتے ہیں کہ: (بیرم خان کو تو ایک عالم جانتا ہے۔ اب عبدالرحیم کی ماں کا خاندان بھی سن لو کہ جمال خان میواتی کی بیٹی اور حسن خان میواتی کی بھتیجی تھی۔ بڑی بہن اکبر بادشاہ کے محل میں تھی اور چھوٹی وزیر مذکورہ کے حرم سرا میں۔)

مولوی مظہر الدین اپنے ''ضمیمہ الامان الور نمبر'' مطبوعہ 24، جنوری 1933ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''فارسی تاریخیں حسن خان خانزادہ کے تذکروں سے لبریز ہیں۔ اس کی ایک دختر اکبر کے مشہور وزیر بیرم خان کے عقد میں آئی تھی۔ جس سے عبدالرحیم (خان خاناں) پیدا ہوا تھا۔ جو اسی لائق خاتون کی

آغوش تربیت تھی۔ جس سے نکل کر خان خاناں دور اکبری کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارہ بن کر چمکا۔)۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد پنجم صفحہ 26، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''میوات کے زمینداروں کی تسلی وتشفی کرنے کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں کے ساتھ رشتے ناطے کرنے شروع کیے چنانچہ حسن خان میواتی کے چچازاد بھائی جمال خان کی دولڑکیاں تھیں۔ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی اور دوسری کے ساتھ ''بیرم خان وزیر اعظم'' کی شادی کرائی اس وقت یہ رشتے ناطے کرنا ملکی انتظام کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتے تھے'')۔

مسٹر سی۔اے ہیکٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور۔) اپنی'' تاریخ اردو ترجمہ (گزیٹیر الور) صفحہ 184، پر رقمطراز ہیں کہ:

(ہمایوں بادشاہ کی لڑائی جو تخت دہلی کو واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان والوں سے ہوئی تھی اس میں ہمایوں کے برخلاف خانزادوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔کیونکہ ہمایوں نے جمال خان خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے ان خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔'')

مذکورہ میواتی خانزادوں کی شاہان دہلی کے ساتھ رشتے داریاں کسی لالچ یا کسی خوف کے دباؤ کا نتیجہ نہ تھیں۔ بلکہ شاہان دہلی ان رشتوں کے ذریعے ان میواتی خانزادوں کو اپنے ساتھ ملا کر چلنا چاہتے تھے۔تاکہ یہ میواتی خانزادے ان کے خلاف بغاوت سے باز رہیں۔اور ان کے معاون و مددگار بن کر ان کی حکومت کے استحکام کی خاطر ہمہ وقت ان کی حمایت کرتے رہیں۔

سلطان بہلول لودھی کے خاندان میں راجہ جلال خان (والئی میوات) کے بیٹے خان زادہ احمد خان عرف (گل گورکھ۔) ''والئی میوات) کے ساتھ جو رشتے کا تعلق ہوا تھا۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ بہلول نے

اپنے امراء کے مشورے کے بعد اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر احمد خان میواتی سے رشتہ مندی کر کے ان میواتی خانزادوں کو اپنے ساتھ ملایا تھا۔ جس کے بعد مذکورہ میواتی خانزادے بہلول لودھی کے معاون وطرفدار بن گئے تھے۔

خانزادگان میوات کے ساتھ شاہان دہلی کی رشتہ مندی کی مذکورہ پالیسی ان کی حکومت کے استحکام کے حق میں ایک حد تک نہایت کامیاب رہی۔

شاہان دہلی کی مذکورہ پالیسی کے سلسلے میں مولوی نجم الغنی رام پوری اپنی ''تاریخ راجپوتان ہند'' صفحہ 392، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(چنانچہ اسی غرض کے لئے اکبر بادشاہ نے شہزادہ سلیم کی شادیاں دوسرے راجپوت خاندان میں بھی کی تھیں۔)''

مذکورہ سلسلے میں۔ ''جہانگیر بادشاہ'' نے خود اپنی ''توزک جہانگیر'' میں تحریر کیا ہے کہ:

(''راجاؤں کی ملکی ضرورتیں ایسی تھیں جن سے وہ بادشاہوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ بھی ان سے یگانگت اور دوستی پیدا کرنے کے لئے اسی طرح کے خواہشمند تھے جس طرح خود راجپوت تھے۔ اسی غرض سے دوسرے خاندانوں میں بھی سلیم کی شادیاں کرائیں۔'')

مولوی ذکا اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد پنجم صفحہ 799، اور 800، پر قمطراز ہیں کہ:

(''ترکوں کی یہ عادت تھی کہ وہ جہاں بھی جاتے وہیں کی عورتوں سے رشتہ مندی کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے اکبر بادشاہ نے بھی یہ عزم مصمم کر لیا تھا کہ کی چنگیز، تیمور اور بابر کی رگوں کے خون کو راجپوتوں کے خالص خون سے مخلوط کر دوں تا کہ اس رشتہ مندی کے ہونے سے راجپوت راجہ اور ان کے عزیز واقارب میری اعانت اور مدد پر مستعد ہو جائیں۔ چنانچہ اس کا یہ خیال صحیح نکلا۔ اسی واسطے مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے

راجاؤں کے ساتھ رشتہ مندی کا جو رواج دیا اس کے ان بادشاہوں کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ ان راجپوتوں کا تعصب مسلمان بادشاہوں کے ساتھ کم ہوگیا۔ دوئم یہ کہ ان راجپوتوں کی تلواریں ان بادشاہون کی حمایت کرنے لگیں۔ اگر کل بادشاہ اکبر کا ہی طریقہ کار اختیار کرتے تو ان کی سلطنتیں لازوال ہو جاتیں مگر اورنگ زیب وغیرہ نے سلطنت کو بگاڑ دیا۔ انہوں نے ان راجپوتوں کو ناراض کردیا۔ جنہوں نے سلطنت کو معراج پر پہنچا دیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی سلطنت کی خاک اڑ گئی'')۔

☆☆

خانزادوں اور دیگر

''شرفاء میں رشتے داریاں''

ہندوستان کے علاقہ میوات میں رہنے والے راجپوت خانزادوں کو ہندو مسلم تاریخوں میں میواتی تحریر کیا گیا ہے اور یہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔ ان میواتی خانزادوں کی رشتے داریاں شاہان دہلی کے علاوہ پٹھانوں سیدوں اور چوہان وغیرہ سے ہوتی رہی ہیں مگر یہ لوگ میوؤں کے ساتھ مطلق شادی نہیں کرتے۔

اس سلسلے میں مسٹر رام سروپ گپتا (سابق اتالیق ریاست دھامی) اپنی کتاب ''جغرافیہ ضلع گوڑگانواں'' صفحہ 65، (مطبوعہ 1932ء) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(خان زادے انگریزی علاقے زیادہ ترنوح اور فیروز پور جھر کا کی تحصیل میں (جو ضلع گوڑگانواں میں ہے) پائے جاتے ہیں۔ ان کا نکاس یادو بنسی راجپوتوں سے ہے۔ جن کے بزرگ سومتر پال یا سانپر پال کو فیروز شاہ نے مسلمان بنایا تھا۔ یہ لوگ میوؤں کے ساتھ مطلق شادی بیاہ نہیں کرتے۔ بعض عمارات اب تک بھی

ان کی پرانی شان وعظمت کو ظاہر کرتی ہیں۔)''

مولوی خداداد خان ''عظیم آبادی'' اپنی ''تاریخ خانان میوات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(چند بڑے بڑے دیہات مثلاً بہادر پور، نوانگر، بھونکر، منڈھا، نواز پور، کھیر تھل وغیرہ میں سیدوں کی آبادی ہے۔ ان کے بزرگ اقلیم خان اور بہادر خان خانزادگان ''والیان میوات'' کے زمانے میں سادات اپنی ولایت سے یہاں آئے اور خان زادوں نے ان کو یہاں بسا کر ان کے ساتھ رشتے ناطے شروع کردیے)۔

مولوی محبوب علی دہلوی صاحب اپنی ''تاریخ حکایات میوات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(خان زادوں کی رشتے داریاں اکثر سادات سے ہوتی رہی ہیں)

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی،، تاریخ ارژنگ تجارہ صفحہ 30 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(خان زادے لوگ بعض رسوماتِ شادی ہنود کے مطابق پہلے سے کرتے آئے ہیں ان کی رشتے داریاں سادات اور مسلمان چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں لیکن اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی رشتے ناطے کرنے لگے ہیں)''۔

(1) مولوی نجم الغنی رام صاحب اپنی۔ ''تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند'' کے صفحہ 345، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(خان زادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے وہ تاریخوں کے ذریعے نو مسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں جن کی رشتے داریاں اکثر شریف لوگوں اور ان نومسلموں سے ہوتی رہی ہیں جو چوہان وغیرہ قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد الور اور ہریانے کے علاقے میں رانگھڑ کہلاتے ہیں)''

پنڈت جوالا سہائے۔ ''(عدالتی راج بھرت پور)'' اپنی ''تاریخ وقائع راجپوتانہ'' صفحہ 276، پر رقمطراز ہیں کہ:

☆''(خان زادوں کی رشتے داریاں سیدوں اور پٹھانوں سے ہوتی رہی ہیں مگر رانگھڑ لوگ سیّدوں اور پٹھانوں سے رشتے ناطے نہیں کرتے)''۔

میواتی خانزادوں یا دیگر ہندو راجپوت راجاؤں سے شاہانِ دہلی حکماً نہیں۔ بلکہ درخواست کی صورت میں رشتے طلب کیا کرتے تھے جو لوگ چاہتے وہ رشتے منظور کر لیا کرتے تھے اور جو نہیں چاہتے تھے وہ راجہ پرتاب سنگھ (رئیس میواڑ) کی طرح رد بھی کر دیا کرتے تھے۔

شاہانِ دہلی اپنی حکومت کے استحکام وبقا کی خاطر اپنی رشتے داری کے ذریعے ان میواتی خانزادوں کا دل جیت کر ان کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان لوگوں کو اپنا معاون ومددگار بنانے کے خواہاں تھے تاکہ ان کی جانب سے خطرات واپنے خلاف بغاوت کے بادل ہمیشہ کیلئے ان کے سر سے چھٹ جائیں اور شاہان دہلی کا یہ خیال کافی حد تک درست نکلا۔

کچھ عرصے کے لئے خان زادوں کا غیر اقوام میں شادی بیاہ کرنے کا عمل مسدود ہو گیا تھا لیکن آج کل یہ لوگ دھیرے دھیرے اپنی قوم کے سوا دوسروں میں بھی شادی بیاہ کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں چند سنجیدہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوانہ رسم ورواج کے بندھن میں گھرے ہوئے لوگوں کے لئے یہ عمل ذہنی دباؤ۔ اور جہیز کی لعنت سے نجات کا ایک ذریعہ ہے۔

☆☆

راجہ حسن خان
''شاہِ میوات''

خان زادہ راجہ حسن خان (شاہِ میوات) کی ہندوستان میں سیاسی پوزیشن نہایت ہی مضبوط تھی جس کا اعتراف بیشتر تاریخوں کے علاوہ خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی ''تاریخ توزک بابری'' میں کیا ہے اپنے آباء واجداد میں یہ حسن خان سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اور اپنی میوات کی حکومت کے باعث اس نے انگریزی، ترکی، فارسی اور اُردو تاریخوں میں ''حسن خان میواتی'' کے نام سے شہرت پائی اس کی پُر وقار شخصیت اور بڑھتی ہوئی روز افزوں شہرت کے پیشِ نظر اس کے والد خان زادہ علاول خان نے اپنے جیتے جی 910ھ 1504ء 1560ء بکرمی میں بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے اپنے ملک میوات کی حکومت اس کے سپرد کردی تھی۔ جس کی آمدنی پندرہ ہزار چھ سو پچیس من چاندی سالانہ تھی۔

میواتی خانزادوں کے مورث اعلیٰ بہادر ناہر خان میواتی (والئی میوات اول) کے بعد حکومت میوات اس کے بیٹے بہادر خان کو ملی جس نے اپنے عین حیات ہی میں یہ حکومت اپنے بیٹے راجہ اقلیم خان کے حوالے کردی جس نے کچھ عرصے بعد اپنی خوشی سے یہ حکومت اپنے حقیقی بھائی فیروز خان کے سپرد کردی فیروز خان کے بعد راجہ جلال خان، احمد خان ذکریا خان اور علاول خان (والیان میوات) کے ہاتھوں سے گذرتی ہوئی یہ حکومت میوات راجہ حسن خان میواتی کو ورثے میں ملی۔

923ھ 1517ء میں جب ابراہیم شاہ لودھی سلطنت دہلی پر تخت نشین ہوا تو اس نے حسن خان (والئی میوات) کو دہلی کے پاس والے وہ سات پر گنے واپس کردیئے جو اس کے پر دادا خان زادہ احمد خان (والئی میوات) سے اس کے دادا بہلول لودھی نے 854ھ 1451ء میں میوات پر اپنے حملے کے دوران چھین لئے تھے سلطان ابراہیم نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنے اس حقیقی خالہ زاد بھائی حسن خان کا اقتدار

اس قدر بڑھایا کہ وہ میوات کا راجہ بن کر شاہ میوات کہلانے لگا۔ خانزادہ قبیلے کے اس مشہور وآخری شاہ میوات سے متعلق مورخین کی آراء میں سے کچھ اس طرح ہیں۔

(1) مولوی نجم الغنی رام پوری اپنی ''تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند'' صفحہ 345 پر رقمطراز ہیں کہ:

''(نواب حسن خان جو کہ میوات کی حکومت کے سبب فارسی تاریخوں میں ''حسن خان میواتی'' کے نام سے مشہور ہے وہ اسی قوم خان زادہ میں سے ہوا ہے اس کی بھتیجی سے اکبر کے وزیر بیرم خان کا بیٹا عبدالرحیم (خان خاناں) پیدا ہوا تھا۔'')

844ھ 1440ء 1496 بکری میں راجہ جلال خان (والئی میوات) اور دیگر سرداران قوم خانزادگان میوات نے مالوہ سے سلطان محمود خلجی کو بلا کر سید محمد شاہ بن سید فرید شاہ (بادشاہ دہلی) سے بھڑادیا تھا اس سلسلے میں۔

(2) ملا عبدالقادر بدایونی اپنی منتخب التواریخ'' جلد اول صفحہ 303 پر رقمطراز ہیں کہ:

(خان زادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خان میواتی بودند سلطان محمود خلجی۔ از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند۔)

ترجمہ:۔''میوات کے تمام خانزادے حسن خان میواتی کے آباؤ اجداد تھے جنہوں نے سلطان محمود خلجی کو مالوہ سے سلطنت دہلی کے لئے بلوایا تھا۔''

(3) شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' صفحہ 29، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(حسن خان خانزادہ ''رئیس میوات'' کا ایک بھائی جمال خان تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی۔ اور دوسری بیرم خان ''مدارالمہام سلطنت'' کو بیاہی گئی تھی۔ جس سے عبدالرحیم ''خان خاناں پیدا ہوا تھا۔'')

(4) اسی سلسلے میں سید الطاف حسین اپنی ''تاریخ ضلع گوڑ گانواں'' صفحہ 76، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''حسن خان خانزادہ کے چچازاد بھائی جمال خان کی بیٹی اور بیرم خان ترکمان شریف قوم کی زوجہ عبدالرحیم لقب بہ ''خان خاناں'' کی والدہ تھی۔'')

(یاد رہے کہ ماہ صفر 964ھ 1557ء میں پیدا ہونے والے اس عبدالرحیم خان خاناں کی وفات 1036ھ 1627ء میں ہوئی تھی)

(5) یہی سید الطاف دوسری جگہ اپنی ''تاریخ ضلع گوڑ گانواں صفحہ 41، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''(جب 968ھ میں بیرم خان وزیر بدست مبارک خان لوحانی پٹھان مارا گیا تو بیرم خان کے ملازموں نے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو معہ اس کی والدہ کے جو کہ دختر جمال خان چچازاد بھائی حسن خان خانزادہ کی تھی احمد آباد گجرات میں پہنچادیا۔'')

(6) انگریز مورخ مسٹر پی۔اے ہیکٹ (پولیٹیکل ایجنٹ الور) اپنی تاریخ ''اردو ترجمہ گزیٹیر الور'' صفحہ 170، پر بیان فرماتے ہیں کہ:

''(ہمایوں بادشاہ نے جمال خان خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔ یہ جمال خان حسن خان خانزادہ کا (جو کہ بابر بادشاہ کا حریف تھا۔) چچازاد بھائی تھا ۔اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خان (خان خاناں) سے ہوئی تھی۔ جس سے عبدالرحیم ''خان خاناں'' پیدا ہوا تھا)۔

(7) میر عبدالرزاق ''اورنگ آبادی'' اپنی فارسی ''تاریخ مآثر الامراء (مطبوعہ کلکتہ پریس 1888ء) جلد اول صفحہ 693، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

(''مرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خان است والدہ اش از نژاد خاناں میوات بود چوں جنت

آشیانی در سن نہ صد و شصت و یک (961) بدار لملک دہلی نزول اقبال نمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شد برائے استمالت وتالیف زمینداراں اطراف وجوانب اولیائے دولت را با فرزندان آں طبقہ نسبت میکرو جمال خان عم زادہ حسن خان میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بود چوں بملازمت رسید دو صبیہ داشت کلاں را بادشاہ در حبالہ عقد خود آورد دوم را بہ بیرم خان تزویج فرمود")۔

ترجمہ: "(مرزا عبدالرحیم بیرم خان کی حقیقی اولاد ہے اس کی والدہ "خانزادگان میوات" کی نسل سے تھی۔ جب یہ جنت آشیانی 961ھ میں دارالخلافہ دہلی میں تشریف لائیں تو یہ دوسری مرتبہ ہندوستان کے تاج وتخت کی مالک بنیں۔ دراصل یہ آس پاس کے زمینداروں کے دل جیتنے اور انہیں اپنی طرف مائل رکھنے کی غرض سے یہاں آئیں۔ یہ اپنی حکومت کے والیان وراجاؤں کے طبقے کی اولاد سے نسبت رکھتی تھی۔ جیسا کہ جمال خان جو کہ حسن خان میواتی کا چچازاد بھائی تھا جو ہندوستان کے معتبر زمینداروں میں شمار ہوتا تھا۔ جب یہ شاہی ملازمت میں آیا اس وقت اس کے دو خوبصورت بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے بڑی بیٹی کو خود بادشاہ نے اپنے عقد میں لے لیا اور دوسری کی شادی اپنے وزیر بیرم خان سے کرائی")۔

(یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ حوالہ 961ھ "(یعنی 1554ء)" کا بتایا گیا ہے۔ جو کہ صریحاً غلط ہے۔ چونکہ اپنی جلاوطنی کے بعد ہمایوں کی حکومت 962ھ فروری 1555ء میں بحال ہوئی تھی اور مذکورہ خاتون (جنت آشیانی) کی دہلی دارالخلافہ میں آمد اور دوسری مرتبہ ہندوستان کے تاج وتخت کی مالکہ بننے کا واقعہ دراصل 968ھ 1561ء کا ہے۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے۔")

(8) مرزا محمد قاسم فرشتہ اپنی "تاریخ" "فرشتہ" جلد اول صفحہ 357، پر رقمطراز ہیں کہ:

"(محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور وغیرہ ملازمین بیرم خان نے اس کے فرزند مرزا عبدالرحیم کو جو کہ ماہ صفر 964ھ میں پیدا ہو کر اس وقت چار سال کا تھا۔ اس کی والدہ کے ہمراہ جو کہ دختر جمال خان (چچیرے

بھائی حسن خان میواتی) کی تھی احمد آباد گجرات لے گئے۔)

تاریخ ھٰذا میں دیئے گئے تمام تر تاریخی حوالہ جات اور دیگر تاریخوں کی چھان بین کے بعد راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کے چچازاد بھائی خانزادہ جمال خان کی خوبصورت دختر سلیمہ سلطانہ بیگم سے متعلق حقائق پر مبنی نتیجہ تفصیلاً اس طرح ہے۔

''(بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں کے ایام جلاوطنی میں اس کا وزیر بیرم خان نہایت خلوص و وفاداری سے اس کے ساتھ رہا۔ اور اسی اپنے وزیر بیرم خان کے مشورے کے تحت ہمایوں ایران کے بادشاہ طہماشپ کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوا۔ جس نے ہمایوں سے شیعہ فرقہ اختیار کرنے کا عہد لے کر اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا تھا۔ ایران کے اس طہماشپ بادشاہ نے ایک روز بیرم خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمایوں سے کہا:۔''(ایسے وفادار و جاں نثار تمہارے ساتھ تھے پھر کیا وجہ ہوئی جو نوبت یہاں تک پہنچی؟'')۔ اس پر ہمایوں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا کہ۔ (میں نے اس کی رائے نہ مانی اور بھائی جو قوت بازو ہوتے ہیں وہ در پے آزار ہوئے)''

اپنے وزیر بیرم خان (خان خاناں) کی پر خلوص وفاداریوں کے باعث ہمایوں بادشاہ اسے ''خان بابا'' کہا کرتا تھا۔ دراصل اسی خان بابا بیرم خان کی وفاداری، بہادری اور فن جنگ مہارت ہی نے ہمایوں کو پندرہ سال بعد دوبارہ ہندوستان کے اسی تخت پر لا بٹھایا جس پر وہ پہلے بھی اپنے باپ بابر کی وفات 26، دسمبر 1530ء کے بعد سے 1540ء تک قابض رہ چکا تھا۔

(یہاں پر یہ یاد رہے کہ 946ھ 1540ء میں ہمایوں کے فرار کے بعد شیر شاہ سوری سلطنت دہلی پر قابض ہوا۔ اور ہمایوں کی واپسی 961ھ 1554ء میں ابراہیم شاہ سوری ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا)۔

راجہ حسن خان میواتی شاہ میوات

یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بابر بادشاہ کے زمانے میں ماہ رجب 933ھ مارچ 1527ء میں ''غدر میوات'' کے وقت ملک میوات سے نقل مکانی کر جانے والے خانزادوں کے لئے اپنے ملک میوات میں واپس آنے کا فرمان وزیر اعظم بیرم خان نے 962ھ 1555ء میں اپنی شادی کی خوشی کے موقع پر اپنے ہمایوں بادشاہ سے جاری کرا لیا تھا۔ لیکن اٹھائیس سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے باعث جو جہاں گئے وہیں کے ہو رہے کے تحت مذکورہ فرمان واپسی کے باوجود بھی میواتی خانزادے اپنے وطن میوات کی طرف برائے نام ہی واپس لوٹے۔

963ھ، 12، جنوری 1556ء میں پرانا قلعہ دہلی میں اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے پھسل کر 49، سالہ ہمایوں بادشاہ زخمی ہوا اور پھر بارہ دن تک زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا رہ کر یہ 24، جنوری 1556ء میں وفات پا گیا۔ زلزلے کے اثرات سے محفوظ خصوصیت کا حامل ہمایوں کا مقبرہ دہلی میں واقع ہے۔

اپنے باپ کے مذکورہ سانحے کی خبر اکبر کو پنجاب کے ضلع گورداسپور کے مقام ''کلانور'' میں ملی جہاں وہ اپنے اتالیق بیرم خان کے ہمراہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

مروجہ رسوم کی ادائیگی کے بعد بیرم خان نے وہاں پر ہی اینٹوں کا ایک چبوترہ بنایا اور 949ھ 15 اکتوبر یا 23، نومبر 1542ء میں صوبہ سندھ کے شہر امرکوٹ (عمرکوٹ) میں پیدا ہونے والے اس تیرہ سالہ اکبر کو اس چبوترے پر بیٹھا کر اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اس کی کمسنی کے باعث عنان حکومت بیرم خان نے اپنے ہاتھوں میں رکھی۔ اکبر نے بھی ازراہ احترام و حکمت عملی کے تحت وہی کچھ کیا جو اس کے شفیق و سرپرست (خان خاناں) بیرم خان نے چاہا۔ یہ طریقہ کار اس کے لئے اپنے مخالفین کے وار سے نجات اور اپنی حکومت کے استحکام کا باعث بنا رہا۔ غرض یہ کہ اکبری دور کے ابتدائی پانچ سالوں میں بیرم خان (خان

خاناں) سیاہ وسفید کا مالک بنا رہا۔

بیرم خان کا متکبرانہ رویہ اس کے مخالفین پر گراں گذر رہا تھا اور خاص طور پر اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم صوبے دار شہاب الدین اور اکبر کی انا (ماہم انگا) کی برداشت سے باہر ہو چلا تھا۔

(اکبر دور کی زنانی حکومت جو 972ھ 1564ء میں اپنے اختتام کو پہنچی)۔اس نے بیرم خان کے خلاف اپنے بنائے ہوئے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے اکبر بادشاہ کی والدہ کی بیماری کی خبر پھیلا کر اپنی بنائی ہوئی سازش کے تحت 968ھ جنوری 1561ء میں اکبر بادشاہ کو (جس کی عمر اب اٹھارہ سال سے ایک ڈیڑھ ماہ اوپر ہو چکی تھی۔) دہلی سے آگرہ بلوالیا۔اور پھر اسے اپنے نرغے میں لے کر اس اکبر سے بیرم خان (خان خاناں) کے خلاف یہ فرمان جاری کرادیا کہ:

☆(اب میں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ آپ حج کے لئے روانہ ہو جائیں۔جس کے لئے آپ ایک عرصے سے خواہشمند تھے۔آپ کے گذارے کے لئے ایک جاگیر آپ کو وقف کردی جائے گی۔جس کی آمدنی آپ کو مکہ معظمہ میں پہنچتی رہے گی)۔☆

☆اسلامی شاہکار۔انسائیکلوپیڈیا۔"سید قاسم محمود"۔☆اور دیگر تاریخوں میں اس موقع پر بیرم خان کی پچاس ہزار روپے سالانہ پینشن مقرر کیے جانے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔☆

☆مذکورہ سلسلے میں مولوی محمد حسین دہلوی اپنی "تاریخ دربار اکبری" صفحہ 187 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔☆

☆جب اکبر بادشاہ جوان ہو گیا تو بیرم خان کے دشمنوں نے اکبر کو بہکا کر اس کے خلاف کردیا جس سے بچارے بڈھے خانہ زاد شاہی کی تمام محنتیں برباد ہو گئیں۔

بالالفاظ دیگر مذکورہ فرمان جلاوطنی کے بعد اپنے پیارے بادشاہ کے مذکورہ فرمان کو بیرم خان (خان خاناں) نے اپنے سر ماتھے پر رکھا اور علم نقارہ۔و۔دیگر اعزازات اپنے اکبر کو واپس بھجوا کر اور اپنی سابقہ تمام تر

وفاوں کا مذکورہ صلہ پا کر آگرہ کو خیر باد کہتے ہوئے یہ دل برداشتہ ہو کر یہاں سے چل نکلا۔ اسی اثناء میں اکبر بادشاہ نے اپنے سرپرست و اتالیق بیرم خان (خان خاناں) کے دشمن پیر محمد خان (جس کو حال ہی میں بیرم خان کی جانب سے جلاوطنی کا حکم ملا تھا)۔ اس کو جب بیرم خان کے زوال کی خبر ملی تو یہ دربار شاہی میں حاضر ہوا)اس وقت اکبر نے اس کو علم ونقارہ عطا کرتے ہوئے ''ناصر الملک'' کا خطاب دے کر اسے بیرم خان کی مکہ مکرمہ کی جانب ہر ممکن جلد اخراج کی خدمت تفویض کر دی۔ لیکن اس پیر محمد خان سے پہلے ہی خان خاناں کے زوال کی خبر سن کر اس کے دوسرے دشمن مبارک خان لوہانی پٹھان نے گجرات کے قریب پٹن کے مقام پر 14، جمادی الاول 968ھ۔ 31، جنوری 1561ء۔ میں بیرم خان کو قتل کر کے اپنے باپ (جو 962ھ۔ 1555ء۔ میں ماچھی واڑہ کی لڑائی کے دوران ہمایوں کی مخالفت میں بیرم خان کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا) کا بدلہ لے لیا۔

بیرم خان (خان خاناں) کے قتل کے بعد۔ محمد۔ امین دیوانہ۔ بابا زنبور۔ اور۔ بیرم خان کے دیگر ملازمین نے صفر 964ھ۔ 1557ء۔ میں پیدا ہونے والے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم (خان خاناں)کو اس کی والدہ سلیمہ سلطانہ بیگم کے ہمراہ بحفاظت احمد آباد (گجرات) پہنچا دیا اور بیرم خان کی لاش کو اٹھا کر بعض فقیروں نے سپرد خاک کر دیا بعد میں بیوہ بیرم خان (سلیمہ سلطانہ بیگم) کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کو یہاں سے نکال کر ''مشہد شریف'' لے جایا گیا جہاں حضرت امام موسیٰ رضاؑ کے روضہ مبارک سے متصل ایک اونچے گنبد والے مقبرے میں اس کی تدفین عمل میں آئی۔

اپنے باپ کے پیارے خان بابا اور اس کے برے وقت کے شریک ہمدرد ساتھی اور اپنے جاں نثار و سرپرست اتالیق بیرم خان کی اس مذکورہ خلاف توقع اچانک موت کی خبر سن کر اکبر کو گہرا صدمہ ہوا۔ اور اس کی غلطی نے اس کے دل پر پچھتاوے کا بوجھ ڈال دیا۔ جس کی بناء پر اس نے جلد پشیمانی کے عالم میں اپنی غلطی

کی تلافی کی خاطر اپنے دادا (بابر) کے حریف خانزادہ حسن خان میواتی کی بھتیجی سلیمہ سلطانہ بیگم کو اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم (خان خاناں) کی حفاظت کی خاطر اپنے پاس بلوالیا اور پھران میواتی خانزادوں کے دلوں سے خلش مٹانے اوران لوگوں کے دل جیت کرانہیں اپنی طرف مائل رکھنے کی غرض سے اکبر بادشاہ نے رانا سانگا کے معاون۔ خانزادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کے چچازاد بھائی خانزادہ جمال خان کی بیٹی سلیمہ سلطانہ بیگم (بیوہ بیرم خان) کو اگست 1561ء میں اپنے عقد میں لے لیا۔ اس طرح خانزادہ راجپوت قوم کی یہ بیٹی اب دوسری مرتبہ ہندوستان کے تاج وتخت کی مالک بنی جس کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحیم (خان خاناں) اکبر کے زیر سایہ پرورش پانے لگا۔ اپنی اس شادی کے کم وبیش سال سوا سال بعد اکبر بادشاہ نے سرکار الور کے اہلکاروں کو "قصبہ اندور" کے خانزادوں کی امداد سے متعلق 07، ربیع اول 970ھ تمبر 1562ء کو ایک نوشتہ جاری کیا۔ جس کی تفصیل "راجہ جلال خان" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔ اکبر کا یہ فرمان (نوشتہ) دراصل خانزادہ قوم کی بیٹی سلیمہ سلطانہ بیگم کی اپنائیت لگاؤ طرفداری وسفارش کا نتیجہ تھا۔ اکبر بادشاہ کے حرم شاہی میں داخل ہونے کے بعد بیوہ بیرم خان کے بطن سے دولڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے ساتھ یہاں پر یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ: خانزادہ جمال خان کی چھوٹی بیٹی شاد بانو بیگم کی شادی سے متعلق تاریخوں میں کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا البتہ اکبر بادشاہ کی مذکورہ شادی سے متعلق:-

پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک وہند" (علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور) صفحہ 537 پر اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

☆ "(نظام الدین احمد نے "طبقات اکبری" میں بیان کیا ہے کہ:) "اوباشوں نے بیرم خان کے قافلے کا سارا سامان لوٹ لیا۔ بعض فقیروں نے اس کی لاش کو اٹھا کر سپرد خاک کیا اس کا خاندان بڑی مشکل سے احمد آباد پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی بیوی سلیمہ سلطانہ بیگم حرم شاہی میں داخل کر لی گئی اور طفل خورد سال

جو اس وقت صرف چار برس کا تھا اکبر کے دامن عاطفت میں پرورش پانے لگا۔ جوان ہو کر وہ اپنے باپ کی طرح نامور اور ''خان خاناں'' کے لقب سے مشہور ہو کر اکبر کے عظیم سپہ سالاروں میں شامل ہوا۔)''

بہارلو قوم کے ترکمان خانزادہ عبدالرحیم (خان خاناں) کی طرح اس کے نانا جادو بنسی راجپوت قوم کے خانزادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کا نام بھی ہندوستان کے عظیم سپہ سالاروں میں پایا جاتا ہے اس سلسلے میں۔۔۔

''(مشہور مورخ میاں محمد حسین منہاس اپنے'' (رسالہ مسلم راجپوت امرتسر 1935ء)'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(شیر شاہ سوری مہابت خان سوینگرا۔ خان زادہ حسن خان میواتی (معاون رانا سانگا) اور بیرم خان (خان خاناں)'' وزیر اعظم اکبر بادشاہ'' یہ چاروں اشخاص نہایت اعلیٰ پائے کے سردار گذرے ہیں ان شجاعان عالی شان میں سے حسن خان میواتی (معاون رانا سانگا) کے حالات ہم نے'' رسالہ مسلم راجپوت امرتسر 1935ء'' میں تحریر کیے ہیں۔)۔

مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات بہادر ناہر خان میواتی (والئی میوات اول) کے ساتویں پشت میں ہونے والے اس آخری ونویں والئی میوات خان زادہ راجہ حسن خان میواتی کی ملک میوات پر خود مختارانہ حکومت اور اس کی شجاعت و حوصلے کے اذکار انگریزی ترکی فارسی اور اردو تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) ایک اچھا مہمان نواز اچھا ادیب اور ایک بہترین شاعر تھا۔ اس کی اپنی ایک طبعزاد رباعی اس طرح ہے۔

شب تاریک درہ باریک و منزل دوراہے نے

دو چشم کو رہے ہمرہ بجیر ایزد پناہے نے

کندہر دم حسن خان ایں ثنائے ذات پاک حق

کہ اوشا است برشاہان و بروئے ہیچ شاہے نے

حسن خان کی شخصیت اور اس کی شاعری سے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی اپنی ''منتخب التواریخ'' جلد اول صفحہ 340، پر بیان فرماتے ہیں کہ:

''(خان خاناں بیرم خان مرحوم نے گفت کہ حسن خان مذکور مرد صاحب جمعیت و پادشاہ نشانے بودہ وطبیعے نظمے داشت و ابیات او میان مردم مشہور است'')۔

ترجمہ:۔''(خان خاناں بیرم خان مرحوم بھی یہی کہا کرتے تھے کہ حسن خان مذکور فوج ولشکر کا مالک بڑے رعب وداب والا اور بادشاہوں جیسی نشانیاں رکھنے والا تھا وہ شاعر بھی تھا۔ چنانچہ اس کی نظمیں و ابیات لوگوں میں مشہور ہیں۔'')

راجہ حسن خان میواتی نے کم وبیش تیئس سال تک علاقہ میوات پر نہایت شان وشوکت کے ساتھ خود مختیارانہ حکومت کی۔ اپنے دور اقتدار میں بنایا ہوا اس کا'' قلعہ بہروز'' بھی ہندوستان میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

☆''قلعہ بہروز۔''(خانزادہ تاج خان کی وفات کے بعد خانزادہ حسن خان میواتی نے محمد خان چوہان (متبنیٰ نور ملکہ) کی حفاظت کی خاطر الور کے پہاڑ کے اوپر 913ھ۔ 1508ء۔ 1564 بکرمی میں ''قلعہ بہروز'' ایسے مقام پر تعمیر کرایا جس کے تینوں طرف پہاڑ ہے اور بہروز کی آمدورفت کے لئے صرف ایک ہی

راستہ ہے۔)

☆(اس قلعے کی تفصیل (تاج خان اور نور ملکہ) کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔)

☆"قلعہ الور" "حسن خان میواتی کا از سرِ نو تعمیر کردہ" "قلعہ الور" جو آج بھی ہندوستان میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے اس قلعے کی ابتدائی بنیاد راجہ انگ پال ثانی (لاولد) کے نواسے راجہ پرتھوی راج چوہان (والئی دہلی و اجمیر) کے عہد حکومت میں نو مسلمین پر مظالم ڈھانے کیلئے علاقہ ڈھونڈھار سے بلوائے ہوئے بڈگوجروں نے ڈالی تھی۔جس کی تفصیل (خانزادوں کی حکومت کا مختصر جائزہ) کے عنوان میں بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ:۔

☆معزالدین محمد بن سام بلقب شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان میں اسلام کی ترقی کی خاطر 570ھ۔1175ء۔میں ملتان سے جب اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو اس کے حملے کے خوف سے مذکورہ بڈگوجروں نے الور کے پہاڑ کے اوپر اپنی حفاظت کی خاطر پتھروں کا ایک بڑا سا احاطہ بنا لیا تھا۔

588ھ۔ 1192ء۔میں شہاب الدین محمد غوری کی فوج کے ہاتھوں سرسوتی کے مقام پر پرتھوی راج چوہان مارا گیا جس کے بعد اس کے رشتے دار۔و۔میواتی بڈگوجروں کے سردار ہیمراج نے الور کے پہاڑوں سے نکل کر میوات میں غارتگری ولوٹ مار کا بازار گرم کیا۔یہ سردار 1194ء۔قطب الدین ایبک نائب السلطنت (شہاب الدین محمد غوری) کی چڑھائی کے وقت مارا گیا۔جس کے بعد علاقہ میوات سے مذکورہ بڈگوجروں کا ظالمانہ دور اختتام پذیر ہوا۔

☆ان بڈگوجروں کے بعد "قوم ملک" نے سر اٹھایا اور پھر بہت جلد ان لوگوں نے علاقۂ میوات اور مذکورہ قلعے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔اس قوم "ملک" (تاریخوں میں جس کو صرف میواتی لکھا گیا ہے)۔ نے اپنے ساٹھ سالہ دور اقتدار میں قلعہ الور کو نمایاں ترقی دی۔657ھ1259ءغیاث الدین بلبن کے حملے میں ملک قوم کے ہاتھوں سے علاقہ میوات کی حکومت جاتی رہی۔

☆ علاقہ میوات سے ملک قوم کے تسلط کے خاتمے کے بعد چوہان راجپوتوں کی شاخ ''نکوم'' (جن کو بعض تاریخوں میں ''نکمب'' بھی تحریر کیا گیا ہے) کا زور بڑھا اور پھر رفتہ رفتہ اس قوم نکوم نے 670ھ 1271ء 1327 بکرمی میں ملک میوات سمیت اس قلعہ الور کو اپنے قبضے میں لیا۔ جس کے بعد یہ لوگ حاکم میوات بن بیٹھے۔ اس نکوم قوم نے اپنے صد سالہ دورِ اقتدار میں اس قلعہ الور کی تعمیر و توسیع میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور منفرد ترقی دے کر اس قلعہ الور کو قابل دید بنایا۔

☆ 774ھ 1372ء 1428 بکرمی میں جادو بنسی راجپوت سردار بہادر ناہر خان (مورثِ اعلیٰ قوم خانزادگانِ میوات) نے ان نکوم سرداروں کو شکست دے کر قلعہ الور پر اپنا قبضہ جمایا اور ملک میوات پر اپنی حکومت کا اعلان کیا۔

☆ بہادر ناہر میواتی کے بعد نسل در نسل سے گذرتا ہوا یہ قلعہ الور خانزادہ قبیلے کے نویں والئی میوات خانزادہ راجہ حسن خان میواتی کو جب وراثت میں ہاتھ آیا تو اس نے اپنی حکومت کے دوران 910ھ 1504ء میں اس قلعے کو غیر مستحکم جان کر مکمل طور پر منہدم کرایا اور پھر از سرِ نو اس قلعے کی تعمیر کا کام شروع کرایا گیا جو اپنے سترہ۔ اٹھارہ سال کے مسلسل تعمیراتی کام کے بعد 928ھ 1522ء 1578 بکرمی میں یہ قلعہ الور اپنی تکمیل سے ہمکنار ہوا۔

☆ الور کے پہاڑ کے اوپر حسب پیمائش آٹھ ہزار گز پر محیط یہ قلعہ الور سطح سمندر سے اٹھارہ سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے سات سو سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اُس فصیل تک پہنچا جاتا ہے جس کو ''بالا قلعہ'' کہتے ہیں۔ اس قلعے میں مکانات کنوئیں اور تالاب وغیرہ بنے ہوئے ہیں ان کے علاوہ اس میں ایک شاہی محل بھی واقع ہے۔ اور مغربی سمت ڈھلوان کی جانب ایک اندھیری دروازہ ہے جو ایک طویل راستے کے ذریعے شہر کے قریب وقتی ضرورت کے لئے رکھا گیا ہے اس کے علاوہ شہر پناہ کی پختہ چار دیواری اس قلعے کے دروازے

تک پہنچادی گئی ہے۔

''(درگا دیوی کی مورت آج بھی اس قلعے میں موجود پائی جاتی ہے۔ جس کی خاطر ریاست کی جانب سے سالانہ اخراجات آج بھی بدستور دیے جاتے ہیں)۔

☆بعض نے خان زادہ ذکریا خان (والئی میوات) کے فرزند سردار علاول خان (والئی میوات) کو اس قلعہ الور کا بانی قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں مولوی مظہر الدین اپنے ''ضمیمہ اخبار الامان الور نمبر'' میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆(پہلے یہاں پر صرف پتھروں کا ایک احاطہ تھا۔ جس کے اندر ''نکمب'' رہتے تھے لیکن علاول خان خانزادے نے اس کو ایک قلعے کی شکل میں تعمیر کیا یہ شخص افغان بادشاہوں کے زمانے میں ایک بڑا بہادر امیر گذرا ہے۔ جو افغانوں کی حمایت میں بابر سے بھی لڑا تھا اور جب اس کا بیٹا حسن خان بابر کے مقابلے میں مارا گیا تو مغلوں نے الور کے قلعے پر قبضہ کرلیا)۔☆

اس سلسلے میں یہاں پر صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ یہ قلعہ الور جونکوموں کے دور اقتدار میں باقاعدہ ایک بہترین قلعے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اس کی مزید تعمیر و ترقی کی خاطر ممکنات میں سے ہے کہ تھوڑا بہت کام خانزادہ علاول خان (والئی میوات) نے بھی کرایا ہو لیکن محققینِ تاریخ کا اکثریتی گروہ اس حقیقت پر متفق ہے کہ خان زادہ حسن خان میواتی نے اپنے دور اقتدار میں اس قلعہ الور کو مکمل طور پر منہدم کرانے کے بعد از سر نو اس قلعے کو تعمیر کرایا۔ اس قلعے کی مضبوطی و خوبصورتی کا ذکر اُردو، فارسی، ترکی اور انگلش تاریخوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

اس قلعہ الور سے متعلق مختلف مورخین کے علاوہ محمد مخدوم صاحب کی ''تاریخ مرقع الور'' 34 صفحہ کا حوالہ دیتے ہوئے شرف صاحب نے اُن کی منقی تحریر کو من وعن اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' ایڈیشن ثانی 178 صفحہ

179 صفحہ پر اس طرح درج کیا ہے۔

☆(خانزادہ حسن خان دوراندیشی کام میں لایا اور کوہ الور پر ایک مستحکم قلعہ بنایا وہ استحکام نہ رکھتا تھا اس سبب سے دور کیا اور اصراف کثیر اس کی تیاری جدید کا منظور کیا 928ھ۔(یعنی 1522ء۔1578 بکرمی) میں اس کی بنیاد ڈالی عمارت "بناء خیر نہادہ" سے تاریخ تعمیر اس کی نکالی اس قلعے کے چار دروازے رکھے اور پچیس بروج شماری تین ہزار کنگروں سے مرتب کی اس کی چاردیواری اور تحریرات سابق سے یہ بھی بعرصۂ شہود ہے کہ دور اس قلعے کا آٹھ ہزار درعہ از روائے پیمود ہے اٹھارہ ہاتھ چاردیواری اس کی بلند جس کے ذریعے ہر طرف سے راہ خوف بند فصیل عریض وفراخ ہے زمین اس کی سنگلاخ ہے خندق اس قلعے کی پہاڑ ہے اور حفاظت کو بڑی آڑ ہے اندر قلعے کے کچھ مکانات بنائے ہیں ۔باوڑی اور چاہ اس میں تیار کرائے ہیں اور سڑک پختہ بنا کر آمدورفت کا آرام کیا اور تکلیف سخت اثناء راہ قلعے کا بخوبی انتظام کیا)۔

☆ماہ رجب 933ھ۔1527ء۔میں مقام کاماں (کنواہہ) پر بابر سے ہونے والی جنگ میں خانزادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کے مارے جانے پر یہ قلعہ بابر بادشاہ کے قبضے میں آیا جس نے یہ قلعہ الور اپنے سردار اللہ وردی خان کے سپرد کر کے اسے حاکم میوات بنایا۔(اس سلسلے کی تفصیل "غدر میوات" کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

☆دوسوتیس سال بعد عزیزالدین عالمگیر ثانی (عہد حکومت 1754ء تا 1759ء) کے زمانے میں سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے والئی بھرت پور۔راجہ سورج مل جاٹ پسر بدن سنگھ پسر بھاؤ سنگھ نے کل علاقہ میوات فتح کرنے کے بعد کم وبیش جنوری 1757ء میں قلعہ الور پر بھی اپنا قبضہ جمالیا۔اور پھر خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (ازسرنو بانئ قلعہ الور) کے رکھے ہوئے تمام نام تبدیل کر کے اس قلعہ الور کے

دروازوں کے نام سورج مل چاند پول اندھیری اور پچھمن پول وغیرہ رکھے جو آج تک ان ہی ناموں سے مشہور چلے آتے ہیں۔

☆ راجہ سورجمل جاٹ جب مذکورہ قلعے کے اخراجات برداشت نہ کر پایا تو اپنی فتح کے تقریباً گیارہ ماہ بعد 1170ھ 25 نومبر 1757ء بروز جمعہ مطابق مگر سدی تیج 1813 بکرمی میں اس نے یہ قلعہ الور اپنے چھوٹے حقیقی بھائی (رئیس ماچیڑی) راجہ پرتاب سنگھ۔ پسر بدن سنگھ کے سپرد کر دیا۔ جو اس قلعے کی نسبت (رئیس الور) بھی کہلایا۔ راجہ پرتاب سنگھ کے بعد یہ قلعہ اس کے بیٹے بختاور سنگھ کو ورثے میں ملا۔ جس کے بعد نسل در نسل اس کی اولاد کا آج تک اس قلعے پر قبضہ چلا آتا ہے۔

☆ (یاد رہے راجہ سورج مل جاٹ 1177ھ 1763ء 1820 بکرمی میں سعید محمد خان بلوچ اور خان زادہ واحد خان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جس کی تفصیل ''اسد خان علمدیا'' ۔ کے عنوان میں بیان کی گئی ہے اور سورجمل کے خاندان کا ذکر ''مہاراجگانِ بھرت پور'' کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے)۔

سرزمین ہند کے پہاڑ کے اوپر اپنی پوری آب وتاب وخوبصورتی کے ساتھ موجود قلعہ الور آج بھی میواتی خانزادوں کی عظمت۔ شجاعت وحکومت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کچھ کم پانچ سو سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی اُمڈے ہوئے بادلوں کے سائے میں یہ قلعہ خانزادہ قوم کی نسل کے نوجوانوں سے افسردہ لہجے میں یہ شکوہ کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ:۔

عظمت کی داستاں کو میں آغوش میں لئے
حسرت سے دیکھتا ہوں قدرداں کدھر گئے
حیراں ہوں انتظار میں بے تاب ہوں بہت
نسل ناہر کے لوگ نہ آئے کدھر گئے

''امان''

جادو بنسی راجپوت خانزادہ قبیلے کا یہ آخری والیٔ میوات خانزادہ حسن خان جس نے تاریخوں میں حسن خان میواتی کے نام سے شہرت پائی اپنے آباواجداد میں سب سے زیادہ مشہور ہوا۔

☆02 اپریل 1526ء۔ میں پانی پت کے میدان میں بابر کی پہلی لڑائی جب ابرہیم لودھی (بادشاہ دہلی) سے ہوئی تو راجہ حسن خان میواتی معہ اپنے والد علاول خان اور اپنے دونوں بیٹوں ناہر خان اور طاہر خان سمیت اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی ابراہیم شاہ لودھی کا طرفدار بن کر بابر سے لڑا۔ اس لڑائی میں ابراہیم لودھی مارا گیا اور خانزادہ ناہر خان بابر کا قیدی بنا اور علاول خان اپنے خیمے کے اندر مردہ حالت میں پایا گیا جس کے بارے میں اسے زہر دے کر مارے جانے کا شبہ ظاہر کیا گیا صاف ظاہر ہے کہ اپنے ہی خیمے کے اندر زہر کی یہ سازش اپنے ہی کسی قریبی رشتے دار کی ہو سکتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسی گروہ کے افراد حسن خان کی موت کے مرتکب ہوئے جنہوں نے 933ھ۔ مارچ 1527ء۔ میں بابر سے ہونے والی جنگ کے عین اختتام و بھگدڑ کے وقت اپنی نظروں میں رکھے ہوئے اس کے مخالف رشتے داروں نے موقع پا کر انتقاماً حسن خان کی پیشانی کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا اور اس شاہ میوات کی موت کے بعد اس کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر اپنی پہچان کے خوف سے فرار ہو گئے۔ ان دونوں باپ بیٹوں کی موت کے سلسلے کی ایک ہی کڑی نظر آتی ہے۔

☆(حسن خان کی موت کی تفصیل۔ ''حسن خان کی موت پر تبصرہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے۔)

سمجھا سکیں نہ مجھ کو زمانے کی گردشیں
جو بات تیری بے رخی سمجھا گئی مجھے
افسوس ہم بہار میں بھی غمزدہ رہے
آ دیکھ زمانے کہ نظر کھا گئی مجھے

(امان)

☆ خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (معاون رانا سانگا) کی حکومت ملک میوات کے ریواڑی، اندور، تجارہ، سوہنا، جھجھر، تاوڑو، ٹیپوکڑہ، فیروز پور جھرکا، بادشاہ پور، گوڑ گانواں، بھنڈوسی الور، کشن گڑھ، رام گڑھ، ڈ ڈیکر، بہادر پور، کاماں، کھوہ کلاں۔ ''گھساولی عرف گوبند گڑھ'' وغیرہ وغیرہ کے پرگنہ جات پر پھیلی ہوئی تھی مذکورہ پرگنہ جات میں انتظامی طور پر ہر ایک ماتحت کئی کئی سو گاؤں مواضعات شامل تھے علاقہ میوات کے مذکورہ پرگنہ جات پر راجپوت خانزادوں کا عمل دخل 1372ء۔ سے چلا آرہا تھا۔ ملک میوات سے ان میواتی خانزادوں کا ایک سوپچپن سالہ دور حکومت راجہ حسن خان میواتی (جو ہندوستان کے عظیم ونامی سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے) کی موت پر اپنے اختتام کو پہنچا۔

(راجہ حسن خان کی موت کے بعد اس خانزادہ قوم میں پھر کبھی ایسے نامی سردار دکھائی نہیں دیئے)۔

☆ جیسا کہ شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' صفحہ 29، صفحہ 30 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (اولاد ملک علاؤالدین خانزادے سے تجارہ میں اکرام خان اور شاہ آباد میں نواب فیروز خان جاگیردار ہوئے ہیں۔ مگر وہ ایسے مشہور و نامور نہیں ہوئے جیسے بہادر خان (برادر ملک علاؤالدین خان) کی اولاد میں سے ہوئے۔ مثلاً قدو خان، جلال خان، احمد خان، عالم خان، ملک فخرالدین خان اور حسن خان وغیرہ۔)

چھپ جائیں کہیں جاکر آئیں نہ پلٹ کر وہ
تب ڈھونڈ نے ان سب کو ہم لوگ نکلتے ہیں

''امان''

☆☆

نظام خان
(حاکم بیانہ)

خان زادہ نظام خان (حاکم بیانہ) بھی پیر شہاب خان۔ بن ناہر خان کی اولاد میں ہوئے ہیں۔
اس ملک نظام خان کا قلعہ بیانہ میں نہایت ہی موزوں مقام پر واقع تھا اور جنگ وجدل کے لحاظ سے یہ ''قلعہ بیانہ'' نہایت اہم ومضبوط تھا۔ میواڑ کا راجہ رانا سانگا جو ایک مشہور وزبردست راجہ تھا اس سے یہ حاکم بیانہ کچھ خوفزدہ سا رہتا تھا چونکہ یہ بھی اس کے قلعہ بیانہ کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا۔
جبکہ اس سلسلے میں نظام خان اپنے عزیز راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) سے اپنی ہلکی پھلکی رنجش کے باعث اس کا احسان مند نہیں ہونا چاہتا تھا۔

02 اپریل 1526ء میں جب بابر نے ابراہیم لودھی (بادشاہ دہلی) کو شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کیا تو اس کے خلاف بغاوت ہندوستان میں اپنے عروج پر پہنچی۔ اس وقت یہ بابر بھی حاکم بیانہ سے اس قلعے کی اہمیت کے باعث قلعہ مذکور کا طالب ہوا۔ جس پر ملک نظام خان حاکم بیانہ۔ بن محمود خان صاف انکاری ہوا۔ اس انکار پر بابر نے اسے خوفزدہ کرنے کے لئے اپنے قلم سے درج ذیل قطعہ تحریر کر کے اسے روانہ کیا۔

''قطعہ''

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ
چالاکی و مردانگی ترک عیاں است
گر ز و دنیائی و نصیحت کنی گوش
آں راکہ عیاں است چہ حاجت بہ بیاں است

یہ قلعہ اپنے سردار باباقلی بیگ کے سپرد کرتے ہوئے بابر نے اسے ہدایت کی کہ حاکم بیانہ یہ قطعہ پڑھنے کے بعد بھی اپنا قلعہ دینے سے انکار کرے تو تم زبردستی اُس قلعہ پر قبضہ کر لینا۔ بابر کا ارسال کردہ قطعہ پڑھتے ہی حاکم بیانہ اپنے قلعہ سے باہر نکلا اور جنگ شروع کر دی۔ جس میں باباقلی بیگ شکست کھا کر واپس لوٹ گیا۔

مسلمانوں کی خانہ جنگیوں کی خوشی میں مگن رانا سانگا اپنے حریف بابر کے دشمنوں میں ایک مزید دشمن کے اضافے کی خبر سن کر خوش ہوا۔ اور پھر خان زادہ حسن خان میواتی اور حاکم بیانہ کی آپس میں رنجش سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس نے قلعہ بیانہ کے حصول کے لئے حاکم بیانہ پر اپنا بھرپور دباؤ ڈالا۔ رانا سانگا کے اس دباؤ سے عاجز آ کر ملک نظام خان نے اظہار ندامت کرتے ہوئے اپنے قاصد کے ذریعے بابر کے پاس قلعہ اس کے حوالے کرنے کا پیغام بھیجا۔ جس کے جواب میں بابر نے اپنے چند سپاہی اس کے پاس روانہ کر کے اُسے اپنے پاس بلوالیا۔ نظام خان نے قلعہ مذکور بابر کے سپاہیوں کے سپرد کیا اور خود بابر کے پاس چلا آیا۔

بابر نے موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے میدان دوآب میں بیس لاکھ ٹنکہ نقرئی یعنی'' (چھ سو پچاس من چاندی)'' سالانہ آمدنی کی ایک جاگیر نظام خان کو بطور انعام عطا فرمائی صوبہ یوپی کی یہ جاگیر نظام خان (حاکم بیانہ) کی اولاد کے قبضے میں نسل در نسل 1947ء تک چلی آتی تھی۔

مقام۔'' کاماں'' علاقہ بیانہ جو'' فتح پور سیکری'' سے تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اس مقام پر خانزادہ حسن خان میواتی (معاون رانا سانگا) اور بابر کے درمیان۔ 15 بقول بعض 16 مارچ 1527ء کو جنگ ہوئی اس جنگ میں نظام خان (حاکم بیانہ) اپنے عزیز حسن خان (والئی میوات) کی مخالفت میں بابر۔ کا طرفدار بن کر لڑا اور بابر کی طرفداری میں یہ حاکم بیانہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس'' فتح پور سیکری'' کی جنگ میں مارا گیا۔

☆☆

''بابر۔اور۔حسن خان''

امیر تیمور کی پانچویں پشت میں۔ ظہیرالدین محمد۔ المعروف ''بابر'' 06 محرم 888ھ 14 فروری 1482۔1538 بکرمی میں جمعہ کے روز پیدا ہوا۔ اپنے والد۔ کی اچانک وفات کے بعد۔ ماہ رمضان 899ھ 1493ء کو بارہ سال کی عمر میں یہ بابر ''فرغانہ'' کا حاکم بنا جس کا کل رقبہ اسی ہزار کلومیٹر تھا۔ اس علاقے کا دارالخلافہ۔ ''اندجان'' تھا۔

903ھ 1498ء میں چند ماہ بابر۔ ''سمرقند'' پر بھی قابض رہا۔ لیکن فرغانہ۔ میں بغاوت ہونے کی بناء پر۔ سمرقند۔ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

''فرغانہ'' کی بغاوت روز افزوں بڑھ کر اپنے عروج پر پہنچی تو۔ ''ازبکوں'' کے سردار شیبانی خان نے 907ھ 1502ء میں بابر کو شکست دے کر اسے چھ ماہ تک اپنے محاصرے میں رکھا۔ اس نازک موقع پر کوئی بھی عزیز و اقارب وغیرہ بابر کا مددگار و غمگسار نہ ہوا بالآخر شیبانی خان کی عائد کردہ شرط کے تحت بابر نے اپنی بہن۔ ''خانزادہ بیگم'' کو اس کے عقد میں دے کر اپنی رہائی حاصل کی اور پھر سخت سردی کے موسم میں یہ بے سروسامانی کی حالت میں اپنے چھ جاں نثاروں سمیت بدخشاں کے نہایت دشوار گذار و کٹھن راستے سے ہوتا ہوا کابل آن پہنچا جہاں پر اس کے چچا مرزا الغ بیگ کی وفات کے بعد ''محمد مقیم'' نامی شخص قابض ہو گیا تھا۔ سال بھر کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بابر نے کابل کا محاصرہ کیا محمد مقیم قندھار کی جانب بھاگ نکلا۔ اور بابر فاتحانہ حیثیت سے کابل میں داخل ہو کر 909ھ 1504 میں کابل کا بادشاہ بن بیٹھا۔

911ھ 1505ء میں اس نے برصغیر کی جانب پیش قدمی کی اور پشاور کے یوسف زئی، مہمند اور کوہاٹ و بنوں کے خٹک قبائل کو زیر کیا اس کے بعد بابر نے اور بھی کئی علاقے فتح کئے۔ 05 محرم بروز جمعہ 925ھ مطابق 07 جنوری 1519ء میں اس نے قلعہ باجوڑ بھی فتح کر لیا اس کے بعد دریائے جہلم تک پہنچ

کر اس نے 1519ء میں شہر ”بھیرہ“ پر بھی قبضہ کر لیا۔

930ھ،1524ء میں لودھی حکومت کے مشہور سردار عالم خان لودھی اور ابراہیم لودھی کے رشتے دار دولت خان لودھی (صوبیدار پنجاب) نے ابراہیم لودھی (بادشاہ دہلی) کی سخت گیری سے عاجز آ کر بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی اس سے پہلے 1524ء میں دولت خان نے اپنے بیٹے دلاور خان لودھی کی معرفت بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی تھی۔ان لوگوں سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مرتبہ دولت خان لودھی کی طرف سے عالم خان لودھی کی معرفت بابر کو حملہ ہند کی دعوت دینے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس طریقے سے وہ پنجاب پر بدستور فائز الاقتدار رہے اور ابراہیم لودھی کے چچا عالم خان لودھی کو دہلی کی حکومت مل جائے۔ چونکہ ان کا خیال تھا اپنے جد۔امجد امیر تیمور کی طرح ہندوستان کو لوٹ کھسوٹ کر بابر اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ”تاریخ پاک و ہند“ (علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور) صفحہ 449 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(عالم خان نے کابل پہنچ کر بابر کو ابراہیم لودھی پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اس کے عوض عالم خان نے لاہور تک مغربی پنجاب کا سارا علاقہ بابر کے حوالے کرنے کا یقین دلایا)۔

مذکورہ لودھی سرداروں کے علاوہ 930ھ۔1524ء۔میں جب بابر کابل میں تھا۔اس وقت میواڑ کے راجہ سنگرام سنگھ (جو تاریخوں میں ”رانا سانگا“ کے نام سے مشہور ہوا ہے)۔نے بھی بابر سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم کیا۔اور بابر کو ابراہیم لودھی پر حملہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے اسے اپنی بھرپور مدد کا پختہ یقین دلایا۔

پروفیسر محمد بشیر احمد خان اپنی ”تاریخ پاک و ہند“ صفحہ 450 پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆(ایک طرف تو لودھی افغانوں کے دو مشہور سرداروں عالم خان اور دولت خان نے بابر کو ابراہیم پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور دوسری طرف رانا سانگا کے قاصدوں نے کابل پہنچ کر اسے اس مقصد میں کامیابی کے حصول کے سلسلے میں مدد کا یقین دلایا اور رانا سانگا کے قاصدوں نے اس کے ساتھ یہ طے پایا کہ جس وقت بابر دہلی پر حملہ کرے گا اسی وقت رانا سانگا بھی آگرہ پر چڑھائی کردے گا)۔

غرض یہ کہ مذکورہ سرداروں کے مسلسل حملہ ترغیب کے نتیجے میں بابر نے دولت خان کے ارمانوں پر پانی پھیرتے ہوئے اس کے بیٹے دلاور خان لودھی کو اپنے ساتھ ملا کر 931ھ۔1525ء۔ میں پہلے پنجاب پر حملہ کیا اور اپنی فتحیابی کے بعد پنجاب پر مکمل طور اپنا قبضہ جمایا اور پھر یہاں سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے دہلی کی جانب پیش قدمی کی۔

932ھ۔02 اپریل 1526ء۔ کو صبح نو بجے پانی پت کے میدان میں بابر نے ابراہیم لودھی پر حملہ کردیا اور دو پہر بقول بعض سہ پہر تک ابراہیم لودھی اور اس کے چالیس۔ پچاس ہزار سپاہیوں کو اپنی توپ کا نشانہ بنا کر بابر نے دہلی پر اپنا قبضہ جمالیا۔

اس سے پہلے توپ سے کوئی روشناس نہ تھا۔ جیسا کہ تیر و تلوار سے لڑنے والے باجوڑ کے عوام نے بھی اس سے پہلے کبھی توپ نہ دیکھی تھی۔ 925ھ۔1519ء۔ میں توپ کی آواز سن کر یہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ جب بابر کے توپچیوں نے ان کے آدمی مار گرائے تو یہ "قلعہ باجوڑ" کے لوگ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ کوئی بھی اپنا سر کھڑکی سے باہر نہیں نکالتا تھا۔

بابر کے توپ خانے سے متعلق پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی "تاریخ پاک و ہند" اردو بازار لاہور صفحہ 462 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(ہندوستانی سپاہی اس کی توپوں کی مار کے سامنے نہ ٹھہر سکے پانی پت اور کنواہہ کی لڑائیوں میں بابر کی

فتوحات کا سب سے بڑا سبب اس کا توپ خانہ ہی تھا)۔☆

پانی پت کی جنگ میں ابراہیم لودھی کے قریبی رشتے داروں نے اس کے ساتھ غداری کی اور اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ مگر راجہ حسن خان (شاہ میوات) نے اپنے آباواجداد کی طرح لودھی خاندان سے اپنی وفاداری کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بابر کی توپ کی پرواہ کئے بغیر یہ اپنے والد خانزادہ علاول خان اور اپنے دونوں بیٹوں ناہر خان۔و۔طاہر خان سمیت اپنی فوج لے کر اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی ابراہیم لودھی (بادشاہ دہلی) کا طرفدار بن کر مذکورہ جنگ میں شریک ہوا جس میں اس کا ایک بیٹا خانزادہ ناہر خان بابر کا جنگی قیدی بنا اور علاؤل خان اپنے ہی خیمے کے اندر مردہ حالت میں پایا گیا۔جس کی موت کو اپنے قریبی رشتے داروں کی گہری سازش قرار دیا گیا۔

☆ رانا سانگا نہایت بہادر اور ذہین جرنیل تھا۔یہ کم وبیش ایک سولڑائیوں میں اپنے جنگی جوہر دکھا چکا تھا مختلف لڑائیوں میں اس کی ایک آنکھ۔ایک پاؤں۔اور ایک ہاتھ ضائع ہو چکا تھا۔اور اس کے جسم پر تیر وتلوار کے زخموں کے اسّی۔بیاسی۔نشانات پائے جاتے تھے۔جس کی بناء پر۔

مسٹر ٹاڈ نے اپنی انگلش ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' میں اس رانا سانگا کو:۔

☆(سپاہی کا ایک منتشر ٹکڑا)۔ ☆کے نام سے موسوم کیا ہے۔

☆ یہ رانا سانگا جو اپنی سرکردگی میں ہندوستان کے اندر ''ہندو راج'' کا قیام چاہتا تھا۔اور یہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ لودھی حکومت کے خاتمے کے بعد بابر مال واسباب لوٹ کر اپنے مورث اعلےٰ امیر تیمور کی طرح اپنے وطن واپس چلا جائیگا جس کے بعد لودھی اور ان کے رشتے دار میواتی خانزادوں کی تھکی ہاری فوج پر حملہ کر کے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنا اس کے لئے کوئی مشکل مرحلہ نہ ہوگا۔

اپنے مذکورہ منصوبے کے پیش نظر بابر سے کئے ہوئے تمام وعدہ وعید کو پس پشت ڈال کر اپنے مفاد

کے گرد گھومتا ہوا یہ رانا سانگا مذکورہ پانی پت کی لڑائی میں غیر جانبدار بن کر سلطنت دہلی کے خواب دیکھتا رہا۔

پانی پت کی لڑائی میں بابر کی فتحیابی کے بعد ابراہیم لودھی پر حملے کی دعوت دینے کے صلے میں رانا نے بابر سے کالپی بیانہ اور دھولپور کے علاقے بطور انعام طلب کیے جس پر☆ (بابر انکاری ہوا)۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمد بشیر احمد صاحب اپنی ''تاریخ پاک و ہند'' (علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور) صفحہ 455 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆(جب بابر کابل میں تھا تو یہ رانا سانگا نے بابر سے خط و کتابت کا سلسلہ قائم کیا اور اسے ابراہیم لودھی پر حملہ کرنے کی دعوت دی پانی پت کی پہلی لڑائی کے بعد جس میں ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی بابر نے رانا سے یہ گلہ کیا کہ اس نے حسب وعدہ لڑائی میں بابر کا ساتھ نہیں دیا ادھر رانا نے بابر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کالپی۔دھولپور اور بیانہ کے علاقے اس کے سپرد کئے جائیں علاوہ ازیں رانا سانگا نے محسوس کیا کہ دہلی پر بابر کے قبضے سے راجپوتوں کے اقتدار اعلےٰ کے قیام کا خواب آسانی سے شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔چنانچہ اس نے بابر سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا)۔

بابر کے انکار پر رانا کو دھچکا لگا اور جب اس نے یہ جان لیا کہ ''بابر ہندوستان میں ایک دائمی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے'' تو اس کی باقی ماندہ امیدوں پر بھی پانی پھر گیا۔اس کے خواب چکنا چور ہوئے تو اسے اپنے سر پر لٹکی ہوئی تلوار نظر آئی تب اسے پریشانی لاحق ہوئی جس پر اس نے خانزادہ حسن خان میواتی (جس کی شجاعت اور سیاسی پوزیشن پورے ہندوستان میں اپنے عروج پر تھی)۔کو اپنا طرفدار بنانے کی فکر میں اسے پیغام بھیجنے شروع کردیئے۔

اس رانا کے ایک پیغام کو احمد یادگار نے اپنی تصنیف ''تاریخ سلاطین افغانان'' میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

☆(رانا سانگا جو ایک زبردست اور طاقت ور حکمران تھا اس نے حسن خان میواتی کو یہ پیغام بھیجا کہ:۔ ''مغل ہندوستان میں داخل ہو گئے ہیں۔انہوں نے سلطان ابراہیم کو قتل کر دیا ہے اور ملک پر قابض ہو گئے ہیں یہ ظاہر ہے کہ وہ اسی طرح ہم دونوں کے خلاف بھی فوجیں بھیجیں گے اگر آپ میرے ساتھ اتحاد کر لیں تو ہم سلامت رہیں گے اور انہیں ہماری سرزمین پر قابض ہونے کا موقع نہیں ملے گا)۔☆

ادھر اپنے خالہ زاد بھائی کی حکومت کے خاتمے اور اس کے قتل پر حسن خان میواتی اندر ہی اندر بابر کے خلاف انتقامی آگ میں سلگ رہا تھا۔لیکن اپنے بیٹے خانزادہ ناہر خان کی رہائی کی خاطر مصلحتاً اس نے دربار بابر میں برابری کی بنیاد پر اپنی آمد و رفت جاری رکھی اور وقتاً فوقتاً دوران ملاقات یہ بابر سے اپنے بیٹے کی رہائی کا طالب ہوتا رہا اس سلسلے میں بابر بھی حسن خان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے اور اسے اپنا معاون ۔و۔مددگار بنانے کی فکر میں دوستانہ ماحول اور نہایت خوش اخلاقانہ انداز میں وعدہ وعید اور ٹال مٹول سے کام لیتا رہا اور دوسری طرف آگرہ اور دہلی کے سوا ہندوستان کے دیگر علاقہ جات کے تمام راجگان و سرداران بابر کے خلاف علم بغاوت بلند کیے ہوئے خانزادہ حسن خان پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

علاقہ میوات کی حدود دہلی کے قریب تر واقع ہونے کی بناء پر بابر کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ ''شاہ میوات'' کسی بھی وقت دہلی پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔اس لئے وہ کسی بھی صورت میں حسن خان سے بگاڑ نہیں چاہتا تھا۔حسن خان کی مضبوط سیاسی پوزیشن سے متاثر بابر بخوبی یہ جان چکا تھا کہ حسن خان میواتی کی طرفداری اس کی حکومت کے لئے استحکام اور دیگر علاقہ جات کے باغی سرداروں کے لئے ان کی حوصلہ شکنی کا باعث بنے گی۔''بابر کے لئے یہ ایک ایسا نازک مرحلہ تھا جہاں پر وہ ہندوستان میں اپنے مخالف سرداروں کی پرواہ کئے بغیر صرف خانزادہ حسن خان کی ہر شرط مان کر اسے اپنا طرفدار بنانے کا خواہاں تھا۔جبکہ حسن خان میواتی غیر مشروط طور پر اپنے بیٹے کی رہائی کے سوا بابر کی کوئی بھی دوسری بات سننے پر آمادہ نہ تھا'' اس کے باوجود بھی بابر

اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر حسن خان میواتی کو اپنا معاون مددگار بنانے کی خاطر ہر ممکن کوشش میں مصروف تھا۔جبکہ دربارشاہی میں حسن خان کی مسلسل آمدورفت سے رانا سانگا کو یہ خدشہ لاحق چلا تھا کہ کہیں:۔

☆(بیٹے کی محبت۔باپ کو۔بابر کا طرفدار نہ بنادے)۔

مذکورہ شش وپنج میں مبتلا میواڑ کا راجہ رانا سنگرام سنگھ عرف رانا سانگا خانزادہ قبیلے کے سردار راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کے بیٹے خانزادہ ناہر خان کی رہائی کے انتظار میں بابر کے خلاف اپنی جنگ کو التوا میں رکھے ہوئے حسن خان (چندربنسی) کو اپنا معاون مددگار بنانے کی خاطر نہایت شدت بیقراری کے عالم میں اسے بار بار یہ پیغام روانہ کررہا تھا کہ:۔

☆(ہونے والی جنگ میں۔وہ اس قوم کی مدد کرے۔جس قوم سے وہ خود ہے)۔

حسن خان (شاہ میوات) بن خانزادہ علاول خان سے متعلق انگریز مورخ مسٹر الفنسٹن (سابق گورنرآف بمبی) اپنی اردو ترجمہ ''تاریخ ہندوستان'' میں بیان فرماتے ہیں۔

☆(تاریخوں سے ظاہر ہے کہ حسن خان نومسلم چندربنسی راجپوت راجہ تھا اور ملک ''میوات'' اس کا پہاڑی خطہ تھا)۔

(یہ یاد رہے کہ یہی ''چندربنسی'' خاندان ایک طویل عرصے بعد اپنے خاندان میں ہونے والے راجہ جودھا (جادو) کی شہرہ آفاق شہرت کے باعث ہندوستان میں ''جادوبنسی'' خاندان کے نام سے مشہور ہوا۔جبکہ دوسری طرف سسودیا خاندان کا چشم وچراغ یہ رانا سانگا ہندوستان میں زمانہ شجاعت ''سورج بنسی قبیلے سے منسوب تھا)۔

مذکورہ موقع پر ہندوستان کے مختلف علاقہ جات کے راجگان ودیگر تمام سردارانِ قوم اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر گھات لگائے شاہِ میوات کے اعلان طرفداری کے منتظر تھے ہندوستان کی تاریخوں سے

صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا وقت تھا کہ پورے ہندوستان کے راجگان کی جمی ہوئی نگاہیں خانزادہ حسن خان میواتی کے اشارے کی منتظر تھیں۔

ہندوستان میں حسن خان میواتی کی جمی ہوئی ٹھوس و مضبوط سیاسی پوزیشن سے متعلق مسٹر۔سی۔اے۔ہیکٹ نے اپنی ''تاریخ گزیٹیرالور'' میں جو تحریر کیا ہے اُس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے۔

''(اُس وقت حسن خان کی سیاسی طاقت اور پوزیشن بڑی زبردست تھی۔وہ ہندوستان میں جو کچھ بھی گڑبڑ چاہتا کرا سکتا تھا)''۔

اسی قسم کے تاثرات بابر نے اپنی ترکی زبان میں لکھی ہوئی ''تاریخ توزک بابری''۔(جس کا فارسی ترجمہ اکبر دور کے مشہور شاعر عبدالرحیم (خان خاناں) نے کیا تھا) میں جو بیان کیا ہے اس کا اردو ترجمہ ''تاریخ مرقع میوات'' میں اس طرح ہے۔

☆(یہی مردود (حسن خان) تمام فتنہ وفساد کی جڑ تھا۔میرے خلاف ہندوستان میں جتنے بھی فتنہ و فساد برپا ہوئے ان سب کا بانی ومبانی یہی (خانزادہ حسن خان میواتی) تھا اسی (حسن خان) نے رانا سانگا سے سازش کر کے سلطان سکندر شاہ لودھی کے بیٹے سلطان محمود لودھی کو مالوہ سے دہلی سلطنت کے لئے بلوایا تھا)۔

بالآخر اپنے بیٹے ناہر خان کی رہائی سے متعلق بابر بادشاہ کی مسلسل ٹال مٹول سے عاجز آ کر راجہ حسن خان (شاہ میوات) نے دربار شاہی میں اپنا آنا جانا ترک کر دیا۔جو بابر کے لئے تشویش کا باعث بنا بالآخر حسن خان کو اپنا طرفدار بنانے کی آخری کوشش کے پیش نظر بابر نے اس کے پاس۔

☆(بہ مزین پیغام شرف ملاقات اپنے چند قاصد روانہ کئے)۔

خانزادہ حسن میواتی کو یہ ایک ایسا سنہری موقع فراہم تھا کہ اگر وہ عقاب کے انداز اڑان کو اپنائے بغیر سیاسی لچکدار چال کو اپناتے ہوئے زمانے کی چلتی ہواؤں کے رخ پر اپنی منزل کا انتخاب کرتا تو بلاشبہ وہ اپنی

حکومت میوات کی برقراری کے ساتھ ساتھ دربار شاہی کی بنیادوں میں اپنی جڑیں جماتے ہوئے بابر کا ہم پلہ بازو بن کر دربار بابری کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن و منفرد ستارا بن کر چمکتا اور سلطنت مغلیہ کا منظور نظر ہیرو بن کر ہندوستان میں مقبول عام ہوتا اور ملک میوات کے خانزادوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے جانی ومالی نقصان اور تتر بتر ہو کر اپنوں سے بچھڑ کر رونے پیٹنے سے بچ جاتی۔ لیکن اس کے برعکس حسن خان کی انا نے ایک غاصب اور طاقت ور شرابی کے سامنے جھکنا گوارا کرنے کی بجائے حکومت میوات سمیت اپنی جان داؤ پر لگانے کو ترجیح دی اور اسی بناء پر بابر کی جانب سے آئے ہوئے قاصدوں کے ساتھ حسن خان میواتی نے سخت ترین لہجہ استعمال کیا اور بابر سے ملاقات کے جواب میں اس نے ان قاصدوں کو قتل کی دھمکی دے کر انہیں مایوس لوٹا دیا۔ یہاں پر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ: غیر سیاسی و اپنی ضدی طبیعت کے باعث ''حسن خان وہ تیر بن کر رہ گیا۔ جو ''ہدف کو چھو نہ سکا اور کمان سے بھی گیا۔''

بابر کے مسلسل جھوٹے وعدوں سے حسن خان تنگ آچکا تھا اور وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ اس کے بیٹے خان زادہ ناہر خان کی رہائی کے بدلے بابر اسے اپنا مطیع وفرمانبردار بنانا چاہتا ہے۔ جبکہ کسی دباؤ یا طاقت کے سامنے جھکنا اُس کی خاندانی روایات اور شان وعظمت کے خلاف تھا۔ اس لئے اُس نے بیٹے کی زندگی سے ہاتھ اٹھایا اور بابر کے خلاف جنگ کا مصمم ارادہ کرنے کے بعد یہ (حسن خان) اپنے پیرو مرشد حضرت سیّد جمال صاحب بہادر پوری کی خدمت اقدس میں شرفِ باریاب ہو کر بابر کے خلاف اپنی فتح کے لئے سیّد صاحب سے دعا کا طالب ہوا۔'' (باکمال بزرگ نے اُسے جنگ سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ (بابر پر فتح پانا بہت دشوار ہے)۔

راجہ حسن خان اپنے جدّ امجد خان زادہ حمید خان میواتی کی جانب سے بہلول لودھی کے سپرد کی جانے والی اس سلطنتِ دہلی کو لودھی خاندان کی حکومت کے خاتمے کے بعد اپنا حق سمجھتا تھا اور بیرونِ ملک سے

آئے ہوئے ایک شرابی شخص کا مسلمان بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد ہندوستان پر اُس کے غاصبانہ قبضے کو برداشت کرنے کے لئے وہ کسی صورت بھی تیار نہ تھا۔ اس لئے بہادر پور سے واپسی کے بعد شاہ میوات نے اپنے مرشد کی تجویز کو پس پشت ڈالا اور قلعہ الور میں پہنچتے ہی 932ھ 1526ء میں اس نے بابر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ جبکہ اپنے قاصدوں کی ناکامی کے بعد بھی بابر ''حسن خان کو اپنا طرفدار بنانے کی شش و پنج میں مبتلا تھا۔

حسن خان کی بغاوت کی خبر سن کر بابر گھبرایا اور فوراً اپنے امراء و وزراء کا اجلاس بلوایا اور پھر اپنے خلاف شاہ میوات کی بغاوت کا ذکر کرتے ہوئے بابر ان سے حسن خان کو اپنا طرفدار بنانے کی خاطر کسی موثر تجویز کا طالب ہوا۔

جس پر مشیروں میں سے ایک شاہی رسم آداب بجالانے کے بعد بابر سے یوں مخاطب ہوا۔

''(جہاں پناہ عمدہ نسل چندر بنسی خاندان کے یہ میواتی خانزادے بہت ہی زیادہ ضدی طبیعت کے مالک واقع ہوئے ہیں۔ میوات کے اس خانزادہ قبیلے سے بگاڑ سابقہ شاہانِ دہلی کے لئے کبھی بھی سودمند ثابت نہیں ہوا۔ راجہ جادو راجپوت کی نسل کے یہ خانزادے کسی بھی طاقت کے سامنے جھکنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ مجبوری و بے بسی کے عالم میں بھی ان میوات کے خانزادوں نے کسی طاقت کے سامنے جھکنے کی بجائے موت کو گلے لگانا۔ بہتر جانا سید مبارک شاہ بادشاہ بھی ان کو جھکانے اور مٹانے کی فکر میں خود مٹ گیا۔ البتہ یہ لوگ احسان فراموش نہیں ہوتے۔ اگر ان پر کوئی احسان کر دیا جائے تو یہ خانزادے نہایت ہی نرم طبع وفادار و جاں نثار ثابت ہوتے ہیں اور پھر یہ لوگ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ احسان کا بدلہ احسان ہی کے ذریعے چکا دیا جائے۔ احسان کا بدلہ چکانے کے سلسلے میں یہ لوگ اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ خان زادہ ناہر خان کی اسیری کے دوران شاہ میوات پر ہماری طرفداری کا مسلسل دباؤ آج ہمارے خلاف

بغاوت کی صورت میں ظاہر ہو کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ گذشتہ حالات کے پیش نظر اب صرف ناہر خان کی رہائی ہماری حکومت کے حق میں بہتر ثابت ہوسکتی ہے ممکن ہے کہ اس احسان کے بدلے ہمیں خان زادہ حسن خان (شاہِ میوات) کی طرفداری حاصل ہوجائے جس سے ہماری حکومت کو مزید استحکام ملے)"۔

دیگر مشیرانِ دربار نے مذکورہ تجویز کی تائید کی۔ جس پر بابر نے متفق ہوکر بروقت ناہر خان کو دربار میں طلب کیا۔ اور اسے رہائی کا حکم دیتے ہوئے خلعتِ فاخرہ اور بہت سارے انعام واکرام سے نوازنے کے بعد۔ بابر نے اس ناہر خان کو رخصت کرتے وقت اسے شاہِ میوات کے لئے یہ پیغام دیا کہ:۔

"(وہ اپنے باپ کو میرا سلام کہے اور اُسے میرا یہ پیغام بھی دے کہ میں نے تمہاری رہائی سے متعلق اُس سے کیا ہوا وعدہ آج پورا کردیا)"۔

932ھ 16 نومبر 1526ء کو جب حسن خان کو اپنے بیٹے ناہر خان کی رہائی کی خبر ملی تو بابر کے خلاف اس کے دل میں لگی ہوئی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکی اور پھر یہ نہایت عجلت میں دس ہزار بقول بعض بارہ ہزار سوار فوج لے کر قلعہ الور سے نکلا اور آگرہ پہنچ کر رانا سانگا سے جاملا۔ جس کے بعد اس نے میواڑ کے راجہ رانا سانگا کے سامنے یہ شرط رکھی کہ:۔

"(وہ اس کے ساتھ مل کر تختِ دہلی کے اصل وارث ابراہیم لودھی کے چھوٹے بھائی سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی کی مدد کرے)"۔

پورے ہندوستان میں مشہور ومنفرد اور مضبوط سیاسی پوزیشن کے مالک اس خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کی ضدی طبیعت کے پیش نظر سلطنت دہلی کے خواب دیکھنے والا اور جم غفیر لشکر رکھنے والا یہ بہادر جرنیل "رانا سانگا" اس سے بگاڑ نہیں چاہتا تھا۔ فی الوقت اس کا بنیادی مقصد بابر کو سرزمین ہند سے نکالنا تھا۔ اپنے منصوبے کی ناکامی کے بعد بابر کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کی اپنے ساتھ یقینی دشمنی کے

باعث حسن خان (شاہ میوات) سے مل کر یا اسے اپنے ساتھ ملا کر بابر سے جنگ کرنا رانا سانگا کی مجبوری بن گئی تھی۔اس لئے تمام تر مفادات پس پشت ڈال کر رانا سانگا نے شاہ میوات کی عائد کردہ شرط کو بغیر کسی حیل و حجت کے بخوشی قبول کرتے ہوئے راجہ حسن خان میواتی کو اپنی بھرپور معاونت کا یقین دلایا۔

راجہ حسن خان اور رانا سانگا کے درمیان ہونے والے مذکورہ گٹھ جوڑ سے متعلق بابر نے اپنی فارسی تاریخ ☆ توزک بابری میں جو تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ ''شرف صاحب'' نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 273 پر اس طرح رقم فرمایا ہے۔

☆ چنانچہ 932ھ۔میں راجہ حسن خان نے بھی دوسرے سرداروں کی مانند میرے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مضبوطی کے ساتھ الور کے قلعے میں محفوظ ہو بیٹھا یہی مردود سب شر اور فسادوں کی جڑ تھا۔اس کا لڑکا ''ناہر خان'' ابرہیم لودھی کی لڑائی میں میرے پاس بطور اول ضمانت میں پایا ہوا آدمی موجود تھا۔جس کے سبب سے ظاہر میں حسن خان میرے پاس آمد ورفت رکھتا تھا اور اپنے بیٹے کو طلب کرتا رہتا تھا۔میرے بعض امراء کے دل میں یہ آیا کہ حسن خان کی استمالت (اپنی طرف راضی و راغب کرنے) کیلئے اگر میں اس کے بیٹے کو بھیج دوں تو وہ خوش ہو کر میری اطاعت بجالائے گا۔چنانچہ امراء کی سفارش پر میں نے ناہر خان کو خلعت فاخرہ پہنا کر اور انعام و کرام دے کر اس کے باپ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق اسے رخصت کر دیا جوں ہی حسن خان نے اپنے بیٹے کے رخصت ہونے کی خبر سنی تو وہ فوراً الور سے نکل کر دس ہزار بقول بعض بارہ ہزار سوار فوج اپنے ساتھ لے جا کر رانا سانگا سے جاملا۔

افسوس اس وقت اس کے بیٹے کا رخصت کرنا نہایت بے موقع ثابت ہوا۔میں نے پہلے بادشاہوں کی طرح حسن خان پر مروت و مہربانی کی نظر رکھی مگر وہ احسان فراموش ثابت ہوا۔اور جگہ بجگہ فتنہ و فساد کی آگ میرے خلاف بھڑکانے لگا۔

میوات کا ملک دہلی کے قریب واقع ہے اور بہت زرخیز ہے اس کی آمدنی چار کرُ ور تنکہ نقرئی سالانہ ہے حسن کو یہاں کی حکومت وراثت میں ہاتھ آئی تھی اس کے خاندان میں دوسو برس زیادہ سے حکومت چلی آتی تھی یہ شاہان دہلی کا برائے نام مطیع تھا۔جب میں نے ہندوستان فتح کیا تو۔سلاطین سابق کی طرح حسن خان پر میں نے بھی عنایت کی تھی۔مگر اس کافر نعمت واحسان فراموش نے میری مروت اور عنایت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا کیونکہ اس کا دل ہندووں کی طرف راغب تھا۔میرے خلاف ہندوستان میں جتنے بھی فتنہ وفساد برپا ہوئے ان سب کا بانی ومبانی یہی تھا۔اس نے رانا سانگا سے سازش کر کے سلطان سکندر شاہ لودھی کے بیٹے سلطان محمود کو مالوہ سے دہلی سلطنت کے لئے بلوایا تھا وغیرہ۔وغیرہ۔☆

اپنے خلاف حسن خان میواتی (شاہ میوات) کی توڑ جوڑ کی اطلاع پاکر اس کی طرفداری سے بابر بالکل مایوس ہوگیا۔اور پھر اپنی آخری چال کی ناکامی پر اس نے خانزادہ راجہ حسن خان میواتی کی طاقت کو درہم برہم کرنے کی خاطر اس شاہ میوات کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بروز اتوار 933ھ۔ 20،جنوری 1527ء۔1584 بکرمی کو ملک میوات پر اپنا ایک بھرپور حملہ کیا۔جس میں ہزاروں خانزادے مارے گئے اس اچانک وغیر متوقع حملے میں خانزادوں کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا۔

اپنے مذکورہ حملے سے متعلق بابر اپنی ''تاریخ توزک بابری'' میں بیان کرتا ہے کہ:۔

☆(حسن خان کے علاقے کی موجودگی نے جو دہلی کے بالکل قریب تھا میری مخالفت کو بہت ہی زیادہ خطرناک بنادیا تھا اس لئے میں نے سب سے پہلے روز یک شنبہ 21،جمادی الاول 933ھ۔میں شیخ جمالی کو بھیجا تھا تاکہ وہ دوآب اور دہلی کے ترکش بندوں میں سے جس قدر آدمی جمع کر کے اپنے ہمراہ لے جاسکے لے جائے اور میوات کے مواضعات کو تاخت وتاراج کرلے اور جب تک کوئی خرشہ باقی رہے لوٹ مار سے بالکل ہاتھ نہ اٹھائے۔

ملاترک علی جواسی وقت کابل سے آیا تھا اس کو بھی یہی فرمان بھیجا گیا کہ وہ بھی شیخ جمالی کے ساتھ جا کر بہت جلد میوات کو ویران کرنے میں کوئی بھی کسر باقی نہ اٹھا رکھے۔

میوات پر بابر کے اس غیر متوقع حملے کی خبر آگرہ میں جب راجہ حسن خان کو ملی تو وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ اٹھا اور پھر شدت جذبات میں آ کر اس وقت اس نے قسم کھائی کہ:۔ (میں اپنی جان دے دونگا مگر اس وقت تک الور واپس نہیں جاوں گا۔جب تک بابر پر فتح حاصل نہ کرلوں)۔

اس کے بعد حسن خان میواتی نے ہندوستان کے باقی ماندہ سرداروں سے مدد حاصل کرنے کا اعلان کیا اس اعلان عام کے نتیجے میں سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی نے دس ہزار سوار و صلاح الدین نے بیس ہزار سواروں کے ساتھ اپنی اپنی مدد کا اعلان کیا ان کے علاوہ ہندو رائے اور راناؤں نے بھی شاہ میوات کی مدد میں اپنی بڑی بڑی فوجیں روانہ کیں بالآخر اپنی مدد میں آئی ہوئی تمام افواج کو جمع کرنے کے بعد خانزادہ راجہ حسن خان (شاہ میوات) اپنے رفیق رانا سانگا کے ہمراہ کم وبیش دو لاکھ کا لشکر لے کر بیانہ پہنچا۔

933ھ۔یکم مارچ۔1527ء۔1584 بکرمی کو بیانہ میں پہنچتے ہی حسن خان نے رانا سانگا کے ساتھ مل کر بابر کی فوج پر ایک زبردست وبھرپور حملہ کیا جس کے نتیجے میں بابر کو شکست ہوئی۔

بابر کی اس شکست کا ذکر انگریز مورخ مسٹر الفنسٹن (سابق گورنر آف بمبئی) کی تاریخ اردو ترجمہ ''تاریخ ہندوستان'' مطبوعہ 1887ء۔(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس) صفحہ 705، پر اس طرح ہے کہ:۔

☆(میوات کے راجہ حسن خان کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے فریقین نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔اس حسن خان کا نام تاریخوں سے ظاہر ہے کہ یہ ایک نومسلم چندر بنسی راجپوت راجہ تھا اور ملک میوات اس کا وہ پہاڑی خطہ تھا جو دہلی سے پچیس میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف پھیلا ہوا تھا اور اسی خطے میں وہ ریاست بھی شامل تھی جو آجکل ماچیڑی یا الور کے نام سے مشہور ہے اس راجہ کا بیٹا ناہر خان جو بابر کے پاس بطور

اول ضمانت میں دیا ہوا آدمی تھا بابر نے اس نظر سے اس کے باپ کے پاس بھیج دیا کہ وہ حامی بن کر جی جان سے اس کا شریک ہو جائے مگر بابر کی جوانمردی سے وہ مطلب حاصل نہ ہوا جو اس نے چاہا تھا اس لئے جوں ہی حسن خان کو اپنے بیٹے کی طرف سے طمانیت حاصل ہوئی توں ہی وہ رانا سانگا سے کھلم کھلا جا کر مل گیا۔ رانا سانگا اپنے رفیق حسن خان کی امداد اور اعانت حاصل کرنے کے لئے جلد آگے بڑھا اور بیانہ میں جا پہنچا جو آگرہ سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چنانچہ انہوں نے بابر کی فوج کو نقصان پہنچا کر اندرون قلعہ بھگا دیا جو اس جگہ پر پڑاؤ ڈالے پڑی تھی۔ اور اُن سب لوگوں کی راہیں مسدود کر دیں)۔

اس کے بعد بابر نے دشمن کی دیکھ بھال کے لئے فوج روانہ کی اور پیچھے سے خود بھی اپنی تمام فوج لے کر چلا اور فتح پور سیکری میں داخل ہوا۔ جو آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں پر اُس نے اپنے کو حسن خان وغیرہ کی فوج کے قریب پایا۔ جنہوں نے بابر کی فوج کے اگلے حصّے پر ترت پھرت حملہ کیا۔ جس سے بابر کو شکست فاش ہوئی۔

☆ (یہ واقعہ 28 فروری یا یکم مارچ 1527ء کا ہے)

اس شکست سے بابر کی فوج کے دل مر گئے۔ اگر رانا اُسی وقت معہ اپنے مددگار حسن خان وغیرہ کے دھاوا کر دیتا تو وہ ضرور کمالِ آسانی سے کامل فتح پاتا۔ مگر یہ لوگ اپنی اس کامیابی کے بعد اپنی لشکر گاہ کو واپس چلے گئے اور بابر کو جگہ پکڑنے اور اپنے لشکر کو مضبوط بنانے کے لئے اتنی بڑی فرصت ہاتھ آ گئی کہ اس کے بعد ان کو حملہ کرنا بہت دشوار ہو گیا۔

☆ ''اس لڑائی کا حال بابر نے اپنی ''توزک'' میں خود نہیں لکھا تھا بلکہ اپنے میر منشی سے لکھوایا تھا جس نے بہت مبالغے کے ساتھ ساتھ بنا بنا کر لکھا اور بہت سے ورق کالے کئے''۔

''اس سے پہلے بابر کی مسلسل کوشش کے باوجود اس کی طرفداری و معاونت سے انکار راجہ حسن خان

کی پہلی سیاسی غلطی تھی۔ جبکہ اس مرتبہ اپنی فتح کے بعد بابر کا پیچھا نہ کرنا جنگی قواعد کے تحت شاہِ میوات کی دوسری بڑی غلطی تھی۔ جس کی بناء پر بابر کو سنبھلنے کا موقع فراہم ہوا''۔

مذکورہ شکست سے پہلے ہی رانا سانگا اور خانزادہ حسن خان میواتی کے علاوہ قائم خان، نظام خان، محمد زیتون، تاتار خان، حسین خان، قطب خان اور عالم خان وغیرہ سب سرداروں نے بابر سے بغاوت اختیار کر لی تھی۔ حتیٰ کہ بابر کے اپنے قومی امراء خواجہ کلاں اور احمد پروانچی وغیرہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر کابل واپس چلے گئے تھے۔

اپنے اس موقع کی بے بسی کا حال بابر نے اپنی تاریخ ''توزک بابری'' میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُس کا اُردو ترجمہ مولوی ذکاءاللہ صاحب نے اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد سوم 91 صفحہ، 92 صفحہ پر رقم فرمایا ہے مذکورہ حوالہ دیتے ہوئے اس بیان کو شرف صاحب نے اپنی تاریخ ''مرقع میوات'' کے 274 صفحہ پر اس طرح درج کیا ہے۔

☆''(میرے آدمیوں اور ہندوستانیوں میں عجیب مغائرت ومنافرت تھی یہ لوگ میرے آدمیوں کی آواز سے بھی بھاگتے تھے۔ سوائے دہلی اور آگرہ کے سب جگہ کے قلعداروں نے اپنے اپنے قلعوں کو مضبوط کر کے میری اطاعت سے منہ موڑ کر میری مخالفت پر کمر باندھ لی تھی۔ سپاہیوں کو کھانے پینے کی تکلیف تھی۔ گھوڑوں کو بھی دانہ گھاس نہ ملتا تھا۔ لوٹ مار سے راستے بند تھے۔ گرمی شدت سے پڑنے لگی تھی۔ کئی سپاہی اور سردار لوؤں سے مر گئے اچھے اچھے امراء اور نوجوانوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور ہندوستان سے واپس جانے پر تیار ہو گئے چھوٹے درجے کے آدمی بھی طنز آمیز گفتگو کرنے لگے۔ غرض یہ ایک بھیڑ چال تھی۔ جو ایک نے کہا۔ دوسرے نے اُس کا اعادہ کیا۔ ہر ایک امیر اپنے وعدہ وعید سے منحرف ہو گیا لشکر کے چھوٹے بڑے گھبرا کر عالمِ تحیّر میں ڈوب گئے۔ سارے لشکر میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جس کے منہ سے کوئی بات مردانہ اور

کوئی رائے دلیرانہ سننے میں آئی ہو)۔☆

غرض یہ کہ سیکری کے نزدیک حسن خان میواتی اور رانا کی افواج کے ہاتھوں اپنی بُری طرح شکست کے بعد بابر کی فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی اور اُس وقت بابر کے ہمراہیوں میں سے ایک نجومی محمد شریف نامی نے حساب لگا کر بتایا کہ اس وقت بادشاہ کا لڑنا مناسب نہیں چونکہ ستاروں کی گردش بادشاہ کے خلاف جاتی ہے یہ سُن کر بادشاہی لشکر کے ہوش اڑ گئے اور وہ لڑنے سے ہچکچانے لگے۔ بابر اپنی فوج کے حوصلے پست دیکھ کر افسردہ ضرور ہوا مگر حوصلہ نہ ہارا اور مذکورہ توہم پرستی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے نہایت استقلال وخود اعتمادی کے ساتھ رانا اور حسن خان میواتی کی جانب سے فراہم کردہ موقع کو غنیمت جان کر اس نے از سر نو اپنی فوج کو منظم کرنا شروع کر دیا۔اس موقع پر بابر نے مسلمانوں کو تمغہ معاف کیا۔اور راہداری پر محصول موقوف کیا۔

اس سے پہلے بابر جو کہ اکثر اپنا درج ذیل شعر پڑھا کرتا تھا۔

شعر۔

نوروز و نو بہار و مے دلبر باخوش است

بابر بعیش گوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس نازک موقع پر اس بابر کو خدایاد آیا۔اس نے داڑھی رکھ لی اور اس لڑائی کو مقدس بنانے کے لئے شراب کے سارے برتن توڑ ڈالے اور شراب پینے سے توبہ کی اور اپنے امراء کو بھی قسم دے کر توبہ کرائی اس کے بعد اُس نے تمام شراب میں نمک ڈالا اور اُسے سرکہ بنا کر بہا دیا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اپنے دل شکستہ امراء کو ٹھیرایا اور قرآن حکیم کو درمیان میں لے کر اور قول وقسم دلا کر لڑائی پر آمادہ کیا بابر نے قرآن شریف درمیان میں لے کر جب جہاد کا وعظ سنایا تو صورتِ حال قطعاً بدل گئی۔اپنے مایوس لشکر میں روح پھونکنے کی خاطر اس موقع پر بابر نے ایک پُر جوش تقریر کی۔جس کا متن اس طرح ہے۔

☆"(میرے ہمدردو بے وطن ساتھیو)"

ہم لوگ آج اپنے وطن سے اتنی دور نکل آئے ہیں کہ اگر ہمارے پر بھی لگ جائیں اور ہم اڑ کر اپنے وطن واپس پہنچنا بھی چاہیں تو وہاں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ تقدیر نے آج ہمیں اُس منزل پر لا کھڑا کیا ہے جہاں دشمن ہمارے بالکل قریب تر ہے اور ہم پر غالب ہوا چاہتا ہے۔ اگر ہم نے آج ذرا سا بھی حوصلہ ہارا تو ہماری پوری زندگی بے بسی وغلامی کی زنجیروں میں کٹے گی۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور اُس مقررہ وقت پر ہر ایک کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ اس لئے آج ہمیں جان توڑ کر باہمت طریقے سے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر ہم اس جہاد میں مارے گئے تو رتبۂ شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ اور اگر جیت گئے۔ تو بحیثیت غازی ہم لوگ اس سرزمین ہندوستان پر حکومت کریں گے۔ اگر آج ہم حوصلہ نہ ہارے تو انشاء اللہ فتح ہمارے قدم چومے گی۔ وغیرہ۔ وغیرہ)"۔

☆اس کے بعد ماہ رجب 933ھ۔ 16 مارچ 1527ء 1584 بکرمی کو خان زادہ راجہ حسن خان (شاہِ میوات) میواڑ کے راجہ رانا سانگا کے ہمراہ فتح پور سیکری سے تیرہ کلومیٹر دور مقام کاماں۔ (کنواہہ) علاقہ بیانہ میں اپنا لشکر لے کر آیا جبکہ اس کے ہمراہی رانا سانگا کا لشکر بھی دو لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ یہ دونوں سردار مل کر بابر کے مقابلے پر آئے صبح نو بجے دونوں کے درمیان خوں ریز جنگ چھڑی جو عصر تک جاری رہی۔ ہندوستانی فوج نے بڑی بہادری کے ساتھ بابر کی فوج پر بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ لیکن بابر کی فوج کے پاس توپ خانہ تھا۔ جس نے ہر بڑھنے والے ہندوستانی سردار کی فوج کو بھون ڈالا۔ جبکہ ہندوستانی فوج کے پاس تیر وتلوار کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس جنگ میں ملک نظام خان (حاکم بیانہ) بن خانزادہ محمود خان جو بابر کا طرفدار بن کر لڑ رہا تھا۔ وہ بابر کی طرفداری میں لڑتے ہوئے اس جنگ میں مارا گیا۔

جنگ کے دوران ہندوؤں میں سے سلہدی نامی "رئیس رائیسین" رانا سانگا سے باغی ہو کر بابر بادشاہ

سے جاملا۔اس کے علاوہ تنور قوم کے سردار نے بھی رانا سے دغا کی اور بابر سے مل گیا۔

ہندوستانی ہاتھیوں نے اس سے پہلے کبھی بھی توپ کی آواز نہیں سنی تھی ان ہاتھیوں نے اس جنگ میں جب توپ کی گرجدار آواز سُنی تو یہ بھاگ پڑے ان ہاتھیوں کی بھگدڑ میں ان کے اپنے ہزاروں ہندوستانی فوجی ان کے پیروں تلے دب کر مر گئے۔ان ہاتھیوں کی بھگدڑ کے علاوہ بابر کی توپ کے گولوں سے ہندوستانی فوج کے پرخچے کے پرخچے اڑنے لگے۔

اس جنگ میں رانا سانگا زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا جس کے بعد اسے پالکی میں ڈال کر میدانِ جنگ سے بمشکل تمام باہر لایا گیا اور پھر اسے قلعہ میرٹھ میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں پر وہ محبوس ہو بیٹھا اور اپنی مذکور شکست کے صدمے کے باعث وہ جلد ہی دس ماہ بعد 934ھ جنوری 1528ء کو فوت ہو گیا۔

خانزادہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) نہایت ہی جوانمردی اور حوصلے کے ساتھ سینہ سپر ہو کر لڑتا رہا۔عین جنگ کے اختتام پر حسن خان میواتی کا گھوڑا پلٹتے ہوئے نشیب میں آ کر ٹھوکر کھا گیا جس کی بناء پر شاہِ میوات سنبھل نہ پایا اور گھوڑے کی پیٹھ سے گر پڑا اس کے گرتے ہی اس کے مخالف رشتے داروں نے انتقاماً اسے پہچان کر اپنے تیر کا نشانہ بنایا اور اپنی پہچان کے خوف سے اس کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر فرار ہو گئے۔

☆(حسن خان کی موت سے متعلق تفصیل ''حسن خان کی موت پر تبصرہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

غرض یہ کہ حسن خان میواتی اور سلطان محمود لودھی نے اس ''فتح پور سیکری'' کی جنگ میں نہایت عزم و حوصلے کے ساتھ اپنی جان قربان کر دی اور بابر بادشاہ فتح یاب ہوا۔

اپنی مذکورہ کامیابی کے بعد بابر نے میواتی خانزادوں کی بچی کھچی طاقت کو مٹانے اور اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کی غرض سے 24 مارچ 1527ء کو ملک میوات پر اپنا ایک بھرپور حملہ کیا۔بابر کے اس غیر متوقع و

اچانک حملے میں خانزادوں کے ہزاروں خاندان لقمۂ اجل بنے اور ان خانزادوں کی ایک بڑی تعداد علاقۂ میوات سے نقل مکانی کرگئی۔ ☆ ''(بابر کے اس حملے کی تفصیل ''غدرِ میوات'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)''۔

مذکورہ جنگ میں بابر کی فتحیابی سے متعلق کرنل جیمز ٹاڈ نے اپنی انگلش تاریخ ''ٹاڈ۔راجستھان'' جلد اوّل 574 صفحہ پر جو بیان کیا ہے اس کا اُردو ترجمہ شرف صاحب نے اپنی تاریخ ''مرقع میوات'' کے 282 صفحہ (ایڈیشن ثانی) پر اس طرح درج فرمایا ہے۔

☆ (سانگا کے طرفداروں کو دو وجہ سے شکست ہوئی اوّل یہ کہ بابر کے پاس توپ خانہ تھا جس کے گولوں سے ہندوستانیوں کے پرے کے پرے صاف ہوگئے۔دوسرا سبب یہ کہ تلوار سے تلوار بج رہی تھی تیر پر تیر برس رہے تھے اور گولے پر گولہ پڑ رہا تھا لڑائی کے دونوں پلے برابر تھے کسی کو خبر نہ تھی کہ فتح کا رخ کدھر ہے۔اسی حالت میں ایک تنور قوم کے سردار نے رانا سانگا کے ساتھ دغا کی یہ نمک حرام مقدم لشکر تھا اول فوج کی باگ اسی کے ہاتھ میں تھی۔جب ایسا سپہ سالار دفعتاً دشمن سے مل جائے اور اپنی ہی تلوار اپنی گردن پر وار کرنے لگے تو دل کیوں کر او چھانہ ہو)''۔

خانزادہ راجہ حسن خان میواتی کی موت کے بعد اس کی لاش کو اپنے وطن لائے جانے سے متعلق علامہ ابوالفضل اپنی ''تاریخ اکبرنامہ'' انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ 1878ء میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆ ''(ناہر خان پسر حسن خان۔اور جمال خان و فتح جنگ خان (چچازاد بھائی حسن خان) اور حسین خان برادرِ حقیقی حسن خان نے بجز اطاعت کوئی چارہ نہ دیکھا۔اس لئے یہ سب بابر کے پاس حاضر ہوئے اور متوفی کی لاش کو اپنے وطن الور لے جانے کی درخواست کی۔بابر نے درخواست منظور کر لی کیونکہ درخواست کرنے والے یہ سب لوگ بڑے پائے کے سردار تھے اور ساتھ ہی حسن خان کے قریبی رشتے دار بھی تھے)۔

الغرض حسن خان کے بھائیوں نے میدانِ جنگ سے راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کی لاش کو لاکر آبادی کی شمالی جانب تجارے میں نلے کے قریب بقول بعض الور میں سپردخاک کردیا۔اور پھراس کی قبر پر ایک بہت بڑا گنبد تعمیر کرادیا۔جس کا نام ''(حسن کی)۔رکھدیا جو ہندوستان میں آج تک اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

☆''(حسن خان میواتی کی موت کے بعد ملک میوات کے خانزادوں کا ایک سوچھپن سالہ دورِ حکومت اختتام پذیر ہوا)''۔

حکومت کے سلسلے میں یوں تو ابتدا سے آج تک حکومت کے خواہاں لوگ جو کچھ سلوک ایک دوسرے سے کرتے چلے آئے ہیں وہ تاریخ پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں اور پھر کون نہیں جانتا کہ حکومت کے معاملے میں اورنگ زیب جیسے باشریعت شخص نے باپ اور بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔لیکن یہاں پر توصرف جابر وغاصب بابر کی اطاعت نہ کرنے کی بناء پر چند مورخین حسن خان میواتی سے اس قدر متنفر ہوئے کہ انہوں نے نہ صرف ایک مورخ کے فرائض کو پس پشت ڈالا بلکہ اسلامی اصولوں بھی یکسر نظرانداز کردیا اور دل سے خوفِ خدا نکال کر یہ لوگ خود ساختہ مفتی ومجذوب بن بیٹھے اور پھر بابر کے خاندان کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بابر بادشاہ کی نقل کرتے ہوئے حق وسچ کا دامن چھوڑ کران خوشامدی مورخین نے اپنی اپنی تاریخوں میں حسن خان کو''کلمہ گو کافر'' کے نام سے مخاطب کیا ہے۔اور ایک شرابی شخص کے رچائے ہوئے ڈھونگ۔(اعلانِ جہاد) کے پیش نظر حسن خان سے متعلق اُس کے جہنم میں جلنے کی بھی پیشنگوئی کی۔اور وہ ہندوستان جو''دارالسلام'' تھا اُسے دارالحرب قراردیا۔یہ سب کچھ کم ازکم ایک مورخ کے شایانِ شان نہیں جبکہ ان ہی مورخین نے دبے دبے الفاظ میں اپنی اپنی تاریخوں میں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ لڑائی ایک مقتول مسلمان بادشاہ کے بھائی سلطان محمود لودھی اور باہر سے آئے ہوئے کابل کے بادشاہ بابر کے درمیان

تھی۔جس کا اعتراف خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی تاریخ۔"تو زکِ بابری" میں سلطان محمود لودھی کو سلطنت دہلی کے لئے مالوہ سے بلائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے کیا ہے۔اس کے علاوہ تاریخوں میں یہ ذکر بھی اظہر من الشمس پایا جاتا ہے کہ۔"حسن خان میواتی نے آگرہ میں اپنی عائد کردہ شرط کے تحت تختِ دہلی کے اصل وارث سلطان محمود لودھی بن سکندر شاہ لودھی کے حق میں رانا سانگا سے اپنی مدد و معاونت کا عہد لیا تھا۔جس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مذکورہ لڑائی جو مسلمان سرداروں کے درمیان تھی اس میں ہندوستان کے دیگر سرداروں نے اپنی اپنی آزادی اور اپنے اپنے مال و جان کی حفاظت کے پیشِ نظر اس "(ہندو مسلم متحدہ محاذ)" میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔جس کا بانی و سربراہ حسن خان میواتی تھا۔

چڑھتے سورج کے پجاری مورخین تو رسول اکرم ﷺ کی اس حدیثِ مبارکہ۔

"(مَنْ مَاتَ عَلٰی مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ)"۔

ترجمہ:(جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہوا)۔کو بھی نظر انداز کر گئے۔

مگر حسن خان میواتی ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے قریبی رشتے دار اور پڑوسی کے حقوق سے نظریں چراتے ہوئے ایک غاصب، ظالم اور شرابی شخص کی حاکمیت و بیعت سے متعلق فرمانِ رسول اور درسِ حسین کو کیونکر فراموش کرتا۔کیا وہ اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی ابراہیم لودھی اور اُس کے چالیس پچاس ہزار مسلمان سپاہیوں کے قتل اور لودھی حکومت پر اس غاصبانہ قبضے کو نظر انداز کر دیتا؟ کیا وہ اپنے موروثی علاقہ میوات میں بابر کی جانب سے ہونے والی بے جا لوٹ مار اور قتل و غارتگری کو فراموش کر دیتا؟ کیا وہ بابر کی توپ اور اس کی کھلے عام قتل و غارتگری سے خوفزدہ ہو کر اپنی جان اپنا مال اپنا ملک اور اپنی آزادی بغیر کسی مزاحمت کے اُس کے حوالے کر دیتا؟

مخالف مورخین کی نظر میں یہی کچھ شیوۂ مسلمانی ہو تو ہو۔مگر حسن خان میواتی نے تو حضرت علی کرم

اللہ وجہہ کے اس قول ''(وہ زندگی موت ہے۔جو ظالم کی اطاعت میں گذاری جائے)''۔اور وہ موت زندگی ہے جو ظالم کے خلاف لڑتے ہوئے نصیب ہو)''۔☆ پر عمل پیرا ہو کر ظالم، غاصب وشرابی کے خلاف میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے اپنی جان دے کر جامِ شہادت نوش کیا۔☆

حقائق سے چشم پوشی کرنے والے خوشامدی مورخین سے متعلق مولوی ذکاءاللہ صاحب اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد اوّل 44 صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''(ایک زمانہ ایسا آیا۔جس میں ہندوستان کے اندر (پبلک اوپی نین) یعنی عام رائے معدوم ہوگئی۔خوشامد اور دروغگوئی کا نام تاریخ ہوگیا)''۔

علاوہ ازیں مولانا اشرف صاحب نے ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق غیر ملکی مورخین کی آراء کا ذکر اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' 231 صفحہ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ:۔

☆''(غیر ملکی مورخوں نے ہندوستانی مسلمانوں کا درجہ ہندوؤں کے برابر ہی سمجھا ہے ملّا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کو خوش کرنے کے لئے راجہ حسن خان خانزادہ کو (کافر کلمہ گو) لکھا ہے اور اس کی موت کی بابت لکھا ہے کہ (اوور چاہِ جہنم ے افتد)۔(یعنی وہ جہنم میں جل رہا ہے)''

(الف) ☆''(خاندانِ تیموریہ کے خوشامدی مورخوں نے بابر کے حملے کو جانبر ثابت کرنے کے لئے ہندوستان کو دارالحرب لکھا ہے حالانکہ اُس وقت یہاں پر لودھی پٹھان حکومت کرتے تھے)''

(ب) ☆''(امیر تیمور کے ہمراہی بڑے بڑے عمامے باندھنے والے اور مولویانہ صورت رکھنے والے علماء نے ہندی مسلمانوں کو ہندوؤں کے حکم میں داخل کر کے ثواب اور جہاد کی نیت سے اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالا)''۔☆

☆''(بابر کے حملے کو جانبر ثابت کرنے کے لئے بعض مورخین نے اپنی تصنیف میں یہ تحریر کیا ہے

کہ:۔"بابر ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری کی طرح اسلام کی اشاعت کے لئے آیا تھا)"۔

جبکہ 1398ء کو ہندوستان میں آکر لوٹ مار کرتے ہوئے ایک لاکھ ہندو قیدی اور مسلمانوں کو قتل کرنے (جس میں مسلمان علماء بھی شامل تھے) اور دہلی کو برباد و ویران کرتے ہوئے اتنے ہی یعنی ایک لاکھ ہندو اور مسلمانوں کو اپنا جنگی قیدی بنا کر اپنے وطن سمرقند لے جانے والے امیر تیمور کی پانچویں نسل میں ہونے والے اس ظہیر الدین محمد بابر سے اشاعت اسلام کی امیدیں وابستہ کرنا" (بیر کے درخت پر انگور کی بیل چڑھانے کے مترادف تھی)"۔جس کا اندازہ اس بابر کے پوتے اکبر کے جاری کردہ "دین الٰہی" سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں۔ میں اپنے قارئین کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ:۔ یکم مارچ 1527ء کو سیکری (فتح کے بعد جس کا نام۔"فتح پور سیکری" رکھا گیا)۔ کے مقام پر اپنی شکست کے بعد بابر کو جب اپنی موت نظر آئی تو اس وقت اُسے خدا یاد آیا۔تب اُس نے اپنے گناہوں کی توبہ کرتے ہوئے بذاتِ خود اور اپنے چار سو امراء کو قسم دے کر کیا شراب پینے سے توبہ نہیں کرائی؟

کیا اُس وقت اُس نے تمام شراب میں نمک ڈال کر سرکہ بنا کر نہیں بہایا؟

کیا یہ سچ نہیں کہ 1502ء میں سردار شیبانی خان کے خوف سے بھاگ کر آنے والا بابر 1504ء میں کابل کا بادشاہ بنا اور پھر پورے بائیس سال بعد رانا سانگا عالم خان لودھی دولت خان لودھی (صوبے دار پنجاب) اور اس کے بیٹے دلاور خان لودھی کے اشارے پر ایک مسلمان بادشاہ پر حملہ آور ہو کر سرزمین ہند پر قابض ہوا؟

اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کی اشاعت کا شوق نہیں بلکہ بادشاہت کا شوق بابر کو سرزمین ہند پر کھینچ کر لایا تھا۔اور پھر اس موقع پر بابر کے جدّ امجد (امیر تیمور) کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں اور دیگر ہندوستانی راجاؤں کی اس بابر سے اچھائی کی امیدیں وابستہ کر لینا بھی دانشمندی پر

ایک کاری ضرب تھی۔

غرض یہ کہ اپنے حقوق اور اپنی جان و مال کی حفاظت کی خاطر لڑتے ہوئے اپنی جان دے کر حسن خان نے یہ ثابت کر دیا کہ خلوص کے سائے میں پل کر جوان ہونے والی وفاداریوں کو طاقت یا دولت کے بل بوتے پر تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں راغب
حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

☆☆

حسن خان
کی
''موت پر تبصرہ''

خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کی موت سے متعلق شیخ محمد مخدوم مرزا محمد قاسم فرشتہ۔سید الطاف حسین۔مولوی ذکاءاللہ دہلوی۔مولوی نجم الغنی رام پوری اور مرزا جیمز۔ٹاڈ صاحبان نے اپنی اپنی تاریخوں میں شاہ میوات کا بندوق سے مارے جانا تحریر کیا ہے جو کہ صریحاً غلط ہے دراصل حسن خان میواتی کی موت تیر لگنے سے واقع ہوئی تھی۔

مذکورہ مورخین میں بابر دور کے قریب ترین مورخ ملا عبدالقادر بدایوانی صاحب ہیں جنہوں نے فتح پور سیکری سے تیرہ کلومیٹر دور مقام کا ماں (کنواہہ) علاقہ بیانہ میں 933ھ۔15 بقول بعض 16، مارچ 1527ء۔1584 بکرمی کو بابر بادشاہ اور راجہ حسن خان میواتی کے درمیان (اپنے زمانے میں) ہونے والی جنگ کے تیس سال بعد 965ھ۔1557ء۔1613 بکرمی میں آگرہ کے اندر اس نقلی حسن خان کو بذات

خود دیکھا تھا جو ملک میوات میں 960ھ۔1552ء۔1608 بکرمی میں ظاہر ہوا تھا۔

☆ مذکورہ نقلی حسن خان کا تفصیلی ذکر ''نقلی حسن خان'' کے عنوان میں بیان کیا گیا ہے۔

فکر آخرت اور فرائض مورخ سے چشم پوشی کرتے ہوئے بابر بادشاہ کی جانبداری میں اس کے خاندان اور اکبر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ملا عبدالقادر بدایوانی نے خود ساختہ مفتی ومجذوب بن کر حسن خان میواتی کے خلاف ''منتخب التواریخ'' فارسی جلد اول صفحہ 340 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆ بابر بادشاہ کی لڑائی میں حسن خان میواتی کی پیشانی پر'' کہ وہ کافر کلمہ پڑھنے والا تھا'' ایک تیر لگا اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کو کنوئیں میں ڈال دیا اور خود بھاگ گئے اب حسن خان دوزخ میں پڑا ہوا ہے۔

بدایوانی جیسے مورخین سے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد اول صفحہ 32 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ جس مورخ کی عقل پر دروغ گوئی کا پردہ پڑا ہوتا ہے وہ اپنے دوستوں اور امیروں کے لئے چاپلوسی اور خوشامد کی باتیں لکھتا ہے اور اپنے مخالفوں کی ہجو تحریر کرتا ہے ایسا شخص مورخوں کی فہرست سے خارج ہونے کے لائق ہے۔

غرض یہ کہ ملا عبدالقادر بدایوانی کی مذکورہ بالا تحریر میں۔ حسد۔ کینہ۔ نفرت۔ اشتعال اور جانبداری کا عکس نمایاں نظر آتا ہے اپنے زمانے میں ہونے والی جنگ اور بابر دور کے نزدیک ترین مورخ ہونے کے باوجود بھی بدایونی صاحب (حسن خان ''شاہ میوات'') کے مارنے والوں کی نشاندہی نہ کر پائے البتہ ان کی مذکورہ بالا تحریر ☆ حسن خان میواتی کی پیشانی پر ایک تیر لگا اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کو کنوئیں میں

ڈال دیا اور خود بھاگ گئے ☆ پر غور کرنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ:۔ ''جنگ کے عین اختتام پر بھگدڑ کے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسن خان کو تیر کا نشانہ بنا کر خود کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے اس کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر انتقام سے بچنے کی خاطر اپنی پہچان کے خوف سے میدان جنگ سے فرار ہونا واضح طور پر اپنے رشتے داروں کی سازش پائی جاتی ہے ☆ چونکہ بابر کا سب سے بڑا دشمن حسن خان میواتی اگر بابر کے سپائیوں کے ہاتھوں مارا جاتا تو وہ لوگ خود کو پوشیدہ رکھنے اور اس کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر بھاگنے کی بجائے اس کی لاش یا اس کے سر کو اپنے بادشاہ کا دل جیتنے کی خاطر اس کے سامنے لے جا کر اپنے اس کارنامے کی عیوض اس سے بھاری انعام کے طالب ہوتے مگر تاریخوں میں کہیں بھی ایسا ذکر نہیں ملتا جس کے باعث یہاں پر وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسن خان کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر بھاگ جانا بابر کے فاتح سپاہیوں کا کام نہیں ہو سکتا اس سلسلے کی مزید وضاحت کے پیش نظر غیر جانبدار انگریز مورخ کے جو تاثرات پائے جاتے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

مسٹر سی۔اے۔ ہیکٹ نے اپنی ''تاریخ گزیٹیر الور'' میں حسن خان میواتی کی موت سے متعلق جو تحریر بیان کی ہے اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆ حسن خان یا تو لڑائی میں مارا گیا یا لڑائی کے بعد ہی اسے اس کے رشتے داروں کی سازش سے قتل کرا دیا گیا چنانچہ اس کا مقبرہ الور میں موجود ہے۔☆

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں تاریخ کی اوراق گردانی کرتے وقت دو مقامات ایسے پائے جاتے ہیں جہاں پر حسن خان کے خلاف اس کے رشتے داروں کی رنجش و خلش اپنے پر سمیٹے ہوئے نمایاں طور پر نظر آتی ہے پہلے مقام پر تو ☆ خانزادہ ملک نظام خان ''حاکم بیانہ'' ☆ اس کا مخالف نظر آتا ہے جو فتح پور سیکری کی جنگ میں بابر کا ہمراہی بن کر حسن خان کے خلاف لڑا اور بابر کی وفاداری میں لڑتے ہوئے اپنی جان قربان

کردی ممکن ہے ملک نظام خان کے ہمراہی خانزادوں نے بابر کی طرفداری میں اپنے حاکم بیانہ کی موت کے دکھ پر یا اپنی کسی دیرینہ خلش کو مٹانے کی خاطر اسے قتل کر دیا ہو اور اس حسن خان کی لاش کو کنوئیں میں ڈال کر اپنی پہچان کے خوف سے بھاگ گئے ہوں یہاں پر یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ خانزادہ نظام خان اور راجہ حسن خان کا آپس میں ذاتی رنجش کا تاریخوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا البتہ تاریخی مطالعے کے بعد یہ اندازہ بآسانی ہو جاتا ہے کہ:۔ حسن خان کے خلاف قلعہ بیانہ کی طلب کا بابر کی جانب سے حاکم بیانہ پر مسلسل دباؤ بڑھتا گیا اور راجہ حسن خان حاکم بیانہ کی اس پریشانی سے لاتعلق رہا نظام خان (حاکم بیانہ) کی خودداری نے بھی یہ گوارانہ کیا کہ وہ اپنے عزیز شاہ میوات کے پاس جا کر قلعے سے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کر کے حسن خان کو اپنا طرفدار بنائے یا خود اس کا طرفدار بنے غرض یہ کہ ان دونوں کی انا پرستی ان دونوں کی دوری کا سبب بن کر رنجش کی صورت اختیار کر گئی۔

مذکورہ تحریر کی روشنی میں وسیع النظری و فراخدلی سے کام لیتے ہوئے شک کی بنیاد پر اگر ہم یہاں پر خانزادہ نظام خان (حاکم بیانہ) کے ہمراہیوں کو اس قتل سے مستثنیٰ قرار دے بھی دیں تو پھر دوسرے مقام پر خانزادہ تاج خان اور نور ملکہ بیوہ عالی خان کے درمیان نواب امیر مبارز خان کی ریاست بہروز والی جاگیر پر ہونے والی لڑائی کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ حسن خان (شاہ میوات) نے مذکورہ دونوں (چچی اور بھتیجے) میں مصالحت کرانے کی بجائے پانچ ہزار سوار اپنی دادی نور ملکہ کی حمایت میں روانہ کئے جنہوں نے خانزادہ تاج خان کے طرفدار ہزاروں خانزادوں کو موت کے گھاٹ اتارا تاج خان نے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور پھر یہ متنازعہ جاگیر بیس اکیس سال بعد حسن خان میواتی کے مرنے پر نور ملکہ کے لے پالک بیٹے محمد خان چوہان سے لڑ کر تاج خان کے بیٹے خانزادہ محمد خان نے اپنے محسن راجہ قائم علی خان (رئیس فتح پور جھنجھنو) کے تعاون سے حاصل کی۔

(اس لڑائی کی تفصیل ''خانزادہ تاج خان اور ملکہ'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)۔

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں سو فیصد یہ بات ممکن نظر آتی ہے کہ مذکورہ جاگیر والی لڑائی میں مارے جانے والے خانزادوں کے رشتے داروں نے فتح پور سیکری کی لڑائی میں (بیس اکیس سال بعد) جنگ کے اختتام پر موقع ملتے ہی حسن خان کو تیر کا نشانہ بنا کر اپنے انتقام کی تکمیل کی چونکہ یہ خانزادے ہمیشہ ''انتقام کبھی بوڑھا نہیں ہوتا'' کے قول پر عمل پیرا رہے تھے۔

ان خانزادہ راجپوتوں کی فطرت سے متعلق:۔ انگریز مورخ کرنل جیمز ٹاڈ صاحب (پولیٹیکل ایجنٹ ریاستہائے راجپوتانہ نے اپنی انگلش تاریخ ''ٹاڈ راجستھان'' جلد اول صفحہ 384 پر جو بیان کیا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆ راجپوتوں میں حسد کی وجہ سے ایک ایک شخص کے دل میں بدلہ لینے کا جوش بھرا رہتا ہے۔ اور یہ کینہ ان کے دل سے نہیں نکلتا اگر یہ لوگ اپنے رقیب سے بدلہ نہ لیں یا لڑائی جھگڑے میں سبقت نہ لے جائیں تو یہ صرف ان کی کمزوری ہی ثابت نہ ہوگی بلکہ یہ ان کا کمینہ پن سمجھا جائیگا اس لئے ان کے نزدیک ہمیشہ خون کا بدلہ خون ہی ہوتا ہے۔

☆ تاریخ ٹاڈ راجستھان کا حوالہ دیتے ہوئے ''شرف صاحب'' نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' (اشاعتِ ثانی) 90 صفحہ پر بیان فرمایا ہے کہ:۔

☆ (جنگِ مہابھارت بھی اسی کمبخت حسد کا کرشمہ تھا۔ جس میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا تھا چچا کی تلوار بھتیجوں کی گردنوں اور بھتیجوں کے نیزے چچاؤں کے سینوں میں پار ہوئے تھے۔ گروجی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پیارے شاگردوں کا خون بہانے اور شاگردوں نے گروجی کی گردن اڑانے میں اپنا دھرم اور ایمان سمجھا تھا۔ وہی موروثی قاعدہ خانزادوں نے بھی اختیار کر رکھا ہے)۔☆

''(جنگ مہابھارت کی تفصیل ''کرشن جی'' کے عنوان میں بیان کی گئی ہے)''۔

جیسا کہ 1526ء میں ابراہیم لودھی کی لڑائی کے وقت حسن خان میواتی کے والد خانزادہ علاول خان کو اپنے ہی خیمے کے اندر مردہ حالت میں پائے جانے سے متعلق اُسے اپنے قریبی رشتے داروں کی جانب سے زہر دے کر مارے جانے کی سازش قرار دیا گیا تھا۔

☆(دراصل ان دونوں باپ بیٹے کی موت سلسلے کی ایک ہی کڑی ہے جو اپنے ہی عزیز واقارب کی جانب سے عمل میں آئی)۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں انگریز مورخ۔ مسٹر۔سی۔اے ہیکٹ کے شبے کو یقینی صورت دیتے ہوئے وثوق کے ساتھ اب یہاں پر یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ:۔

☆''(خانزادہ تاج خان اور نور ملکہ کے درمیان بیس اکیس سال پہلے ہونے والی لڑائی میں نور ملکہ کے طرفدار حسن خان کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے جانے والے خان زادوں کے عزیز واقارب میں سے کچھ لوگوں نے اپنے دل کی خلش مٹانے کی خاطر جنگ کے عین اختتام پر موقع پا کر بھگدڑ کے وقت اپنے سردار حسن خان میواتی کو انتقاماً اپنے تیر کا نشانہ بنایا جو اس کی پیشانی پر لگا اور اس کے مرنے پر انتقام سے بچنے کی خاطر اس کی نعش کو کنوئیں میں ڈال کر اپنی پہچان کے خوف سے فرار ہو گئے۔

منشی خداداد خان، عظیم آبادی اپنی۔ ''تاریخ خانانِ میوات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆''(حسن خان کے بھائی بیٹوں نے اس کی لاش میدانِ جنگ سے اپنے وطن الور میں لا کر دفن کر دی اور اُس پر مقبرہ بنا دیا اس جگہ کا نام آج تک ''حسن کی'' مشہور چلا آتا ہے)''

مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی ''تاریخ ہندوستان'' جلد سوئم 110 صفحہ پر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

☆(حسن خان میواتی اور اس کے آباء واجداد شاہانِ دہلی کے برائے نام مطیع تھے ان لوگوں کے

زمانے میں سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ حسن خان میواتی کو میوات کی حکومت جس کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی سالانہ تھی وراثت میں ہاتھ آئی تھی)۔

☆(یاد رہے ٹنکہ کا وزن تولے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے)۔

ماہ رجب 933ھ 16 مارچ 1527ء 1584 بکرمی میں خان زادہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کی موت کے بعد ملک میوات سے راجپوت خانزادوں کا ایک سو چھپن سالہ خود مختارانہ دورِ حکومت اپنے اختتام کو پہنچا اپنے آباء واجداد میں راجہ حسن خان میواتی نے سب سے زیادہ شہرت پائی۔

☆☆

''غدر میوات''

16 مارچ 1527ء کو ''فتح پور سیکری'' کی جنگ میں شاہِ میوات خانزادہ حسن خان میواتی مارا گیا۔ اس جنگ میں بابر فتحیاب ہوا۔ جس نے اپنی فتحیابی کے بعد اپنی حکومت کو مستحکم بنانے اور میواتی خانزادوں کی بغاوت کا خوف اپنے دل سے مٹانے کی غرض سے ماہ رجب 933ھ 24 مارچ 1527ء کو ایک بار پھر علاقہ میوات پر اپنا بھرپور حملہ کیا۔ اس حملے میں خان زادوں کا قتل عام کرانے اور انہیں جلاوطن کرانے میں بابر نے اپنی کوئی بھی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔ اس غیر متوقع اچانک حملے میں خانزادوں کا ناقابلِ تلافی جانی و مالی نقصان ہوا۔

مذکورہ حملے سے متعلق بابر نے اپنی ''تو زکِ بابری'' میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے کہ:۔

☆''(فتح پور سیکری کے بعد میں نے ہندوؤں کا ملک چھوڑ کر سب سے پہلے میوات کا نظم ونسق ضروری سمجھا اس لئے میں نے یہاں سے چل کر اور متواتر چار پانچ کوچ کر کے الور سے چھ کوس دور آ کر

ڈیرے ڈال دیئے اور پھر چند سرداروں کو حکم دیا کہ میوات کے بدمعاشوں اور باغی خانزادوں کو قرار واقعی سزا دیں اور وہاں کا معقول انتظام کریں۔ تا کہ آئندہ کے لئے کوئی خرخشہ باقی نہ رہے۔

فتح کے بعد میں نے تجارہ میں "چین تیمور سلطان" کو حاکم مقرر کر دیا اور پھر میں ماہ رجب میں الور گیا اور وہاں ایک روز ٹھہر کر تمام خزانے شہزادے ہمایوں کے حوالے کیے اور اللہ دردی خان کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ غرض یہ کہ میں نے میوات کا انتظام پہلے سے اچھا کر دیا)"۔☆

بابر کے مذکورہ حملے میں جب قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوا تو ملک میوات میں غدر پڑا اور لوگ اپنی جان بچانے کی فکر میں تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل کر محفوظ مقامات کی جانب نقل مکانی کرنے لگے۔ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کے بیٹے خان زادہ ناہر خان نے دل شکستہ اور گھبرائے ہوئے خان زادوں کو جب اس بڑی تعداد میں اپنا آبائی ملک میوات چھوڑ کر نامعلوم مختلف مقامات کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو یہ بھی دل برداشتہ ہوا۔ عالمِ بے بسی کا یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں پر "احسان دانش" کی نظم کے درج ذیل اشعار صادق آتے ہیں۔

اندوہ ٹپکتا تھا بشاشت کی نظر سے
مرجھائے سے رخسار تھے فاقوں کے اثر سے
کرتا بھی پرانا تھا۔ تھی پگڑی بھی پرانی
مجبور تھی قسمت کے شکنجوں میں جوانی
ہمراہ نفیری تھی نہ باجا تھا نہ تاشہ
آنکھوں میں تھا بے مہری عالم کا تماشہ
اس خاکہ افلاس کا ہر رنگ تھا پھیکا

بھرپور جوانی میں تھا اترا ہوا چہرا
آخر نہ رہا آپ کا جذبات پہ قابو
تھرانے لگے ہونٹ ٹپکنے لگے آنسو

الغرض جب ناہر خان بن حسن خان میواتی بالکل مایوس ہوکر حوصلہ ہار بیٹھا تو اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی بھی چارہ نہ رہا کہ وہ کسی پیغام کے ذریعے بابر سے اپنی جان کی امان کا طالب بنے۔ بالآخر بے بس ومجبور ہوکر سردار ناہر خان نے اپنے سردار کرم چند کے ذریعے بابر کو (جو الور سے انیس کلومیٹر دور اپنا ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا) ایک پیغام بھیجا:۔

سردار کرم چند تجارے کے حاکم چین تیمور سلطان کی معرفت بابر سے ملا چین تیمور نے اس ناہر خان میواتی کو ملک میوات کا با اقبال وقدیمی جاگیردار خیال کرکے اسے معاف کراتے ہوئے اپنے بادشاہ سے اس ناہر خان کے گذارے کے لئے ایک معقول جاگیر بھی اسے دلا دی جس کی آمدنی سات لاکھ ٹنکہ نقرئی۔ (یعنی ڈھائی سو من چاندی) سالانہ تھی۔

خان زادہ ناہر خان کے مذکورہ پیغام کا ذکر بابر نے اپنی فارسی تاریخ ''توزک بابری'' میں جو بیان کیا ہے اس کا اُردو ترجمہ مختلف تاریخوں کے علاوہ شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات''۔ (ایڈیشن ثانی) 284 صفحہ پر اس طرح درج ہے۔☆

☆'' (راجہ حسن خان کے سرداروں میں ایک شخص کرم چند نامی ہندو سردار بھی تھا۔ وہ اس وقت بھی میرے پاس آیا تھا جب حسن خان کا بیٹا ناہر خان میرے پاس موجود تھا۔ اور اب پھر دوبارہ وہی حسن خان کے مارے جانے اور حکومت میرے قبضے میں آجانے کے بعد بھی میرے پاس آیا اور ناہر خان کی طرف سے مراحم خسروانہ کی مجھ سے درخواست کی میں نے اُس کے ساتھ اپنا ایک سردار عبدالرحیم بھیج دیا۔ اور خط لکھ دیا تاکہ

اسے پڑھ کر۔ ناہر خان کے دل کو اطمینان ہو جائے اور اُس کے دل سے خوف جاتا رہے۔ وہ میری اس مہربانی کو دیکھ کر میرے پاس چلا آیا میں نے اس پر عنایت کی اور اس کو سات لاکھ تنکہ نقرئی سالانہ کا ایک پرگنہ بطور جاگیر اس کے گذارے کے لئے دے دیا)۔

غرض یہ کہ خانزادہ راجہ حسن خان میواتی کی موت کے ساتھ ہی بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے ملک میوات سے ان میواتی خانزادوں کا ایک سو پچپن سالہ خود مختارانہ حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔ جس کے بعد ان لوگوں کی سیاسی پوزیشن بالکل درہم برہم ہو کر رہ گئی۔ ان میں آپس کی رنجش کے باعث ان لوگوں میں سیاسی قیادت کا فقدان ہو گیا۔ البتہ دو ڈھائی سو سال بعد تک ان میواتی خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست و شاندار رہی جیسا کہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب بادشاہ کے زمانے میں ان خانزادوں نے کارہائے نمایاں انجام دے کر اپنی حیثیت کو منوایا لیکن حسن خان (شاہ میوات) کی موت کے بعد اس خانزادہ قوم کے اندر پھر کبھی بہادر ناہر خان سردار ملو خان عرف (اقبال خان) سردار ترنگ خان عرف (سارنگ خان) سردار قدو خان، راجہ جلال خان، احمد خان (گل گورکھ) اور حمید خان جیسے اولوالعزم سردار دکھائی نہیں دیئے جو کبھی شاہانِ دہلی کے موافق اور کبھی مخالف نظر آتے تھے۔

☆بابر کا میوات پر مذکورہ حملہ تاریخوں میں ''غدرِ میوات'' کے نام سے مشہور ہوا۔ بابر کے اس آخری حملے کے بعد اپنے آبائی وطن میوات سے جلاوطن ہونے والے ہزاروں خانزادے۔ پورب یعنی مشرق کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر دریائے گنگا کے میدانی شہروں کے مختلف علاقہ جات میں تجارت و زراعت وغیرہ کرنے لگے اور وہیں پر یہ لوگ مستقل طور پر آباد ہو گئے ان کے علاوہ بہت سارے خانزادے نامعلوم مختلف مقامات کی طرف نکل گئے۔ لیکن ان خانزادوں کی زیادہ تر اکثریت صوبہ بہار صوبہ یوپی اور راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں جا کر مستقل طور پر مقیم ہو گئی اور پھر یہاں اپنی ملازمت کے دوران یہ لوگ اعلےٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔

☆غدر میوات کے بعد بھی مختلف اوقات میں اپنے عزیز و اقارب کے توسل سے یہ میواتی خانزادے بغرض ملازمت وتجارت علاقۂ میوات سے نقل مکانی کرتے رہے۔

☆اس طرح عظیم آباد عرف (پٹنہ) سلطان پور، پرتاب گڑھ، سیتاپور، لکھنو، اٹاوہ، فیض آباد بریلی ریاستہائے جے پور۔ صوبہ اودھ۔ جودھپور۔ گوالیار۔ اور۔ کوٹہ بوندی میں ان میواتی خانزادوں کی ایک معقول تعداد مستقل طور پر آباد ہوگئی تھی۔ جو آج بھی وہاں پر موجود پائی جاتی ہے۔

☆میوات سے نقل مکانی کر جانے والے خانزادے مذکورہ سانحے کے بعد میوات میں رہنے والے اپنے عزیز و اقارب خانزادوں سے ایسے بچھڑے کہ ان لوگوں کا آپس میں تا حال کوئی بھی رابطہ قائم نہ ہو پایا اور یہ لوگ میوات میں رہنے والے خانزادوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کٹ کر رہ گئے۔ لیکن احساس اپنائیت نسل در نسل آج بھی انہیں ڈھونڈتا چلا آ رہا ہے۔ جن کے لئے خانزادہ قوم کی تعلیمیافتہ نوجوان نسل سے یہاں پر بقول ایک شاعر بس یہی کچھ کہنا کافی ہوگا کہ:۔

فرصت ملے تو پوچھ کبھی ان کا حال بھی
جو لوگ جی رہے ہیں تیرے پیار کے بغیر

مارچ 1527ء میں ہونے والے "اس غدر میوات" کے اٹھائیس سال بعد 962ھ۔ فروری 1555ء۔ میں اپنی حکومت کی بحالی کے بعد اپنے وزیر بیرم خان "خان خاناں" کی سفارش پر ہمایوں بادشاہ نے غدر کے وقت میوات سے نقل مکانی کر جانے والے خانزادوں کے لئے میوات میں واپس آنے کا فرمان جاری کر دیا۔ لیکن میوات سے ہجرت کر جانے والے خانزادے جہاں بھی جا کر آباد ہوئے وہیں کے ہو رہے۔ اور نقل مکانی کئے ہوئے ایک طویل عرصہ گذر جانے کی بناء پر یہ خانزادے ہمایوں بادشاہ کے مذکورہ "فرمانِ واپسی" کے بعد بھی برائے نام اپنے علاقہ میوات میں واپس آئے۔

☆ (ہمایوں کے مذکورہ فرمان کی تفصیل راجہ حسن خان ''شاہ میوات'' کے عنوان میں ملاحظہ کیجئے)۔

میوات سے باہر رہنے والے خانزادوں سے متعلق۔ ''منشی خداداد خان عظیم آبادی'' نے اپنی ''تاریخ خانانِ میوات'' میں چند خانزادوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ جن میں سے گیارہ اشخاص کا تفصیلی ذکر ۔شرف صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے 349 صفحہ تا 360 صفحہ پر بیان کیا ہے جن میں سے کچھ کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

☆'' (خان زادہ خداداد خان: ۔ یہ نواب شجاع الدّولہ کی سرکار میں پانچ سو گھڑ سواروں پر رسالدار مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے عظیم آباد محلّہ عالم گنج میں سکونت اختیار کر لی اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد مہاراجہ رام نرائن (صوبے دار پٹنہ) کی سرکار میں رسالداری کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اور کچھ عرصے بعد موضع محمد پور داخلی اور موضع نونئی پرگنہ بہرواڑہ سرکارِ تربت میں جو کہ ان کی زمینداری کا گاؤں تھا۔ وہاں شیخ غلام فرید عامل سرکار تربت کی دشمنی کی بدولت آپ نے 1187ھ 1767ء میں جامِ شہادت نوش کیا)''۔

☆'' (خان زادہ ثابت خان: ۔ نواب شجاع الدّولہ (والئ لکھنؤ) کے عہد میں یہ ثابت خان خضر پور سے آ کر فیض آباد میں مقیم ہوا۔ اس کے حوصلے اور شجاعت سے متاثر ہو کر نواب شجاع الدّولہ نے اسے ''نواب'' اور ''خان بہادر'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ اور خلعتِ فاخرہ عنایت کرتے ہوئے اسے سترہ سو گھڑ سواروں پر رسالدار مقرر کیا۔ ان کی فراخدلی و سخاوت کا چرچا سن کر میوات کے بہت سارے خان زادے لکھنو اور فیض آباد میں آ کر بس گئے ان کے زمانے میں صوبہ اودھ کے اندر بہت سے میواتی خانزادے آ بسے جنہیں آپ کے توسل سے ملازمتیں حاصل ہوئیں۔ اُس زمانے میں ملک میوات سے خانزادوں کا ایک رانا۔'' (میراسی۔ ڈوم۔ کبشیر)''۔ بھی ''نواب ثابت خان بہادر'' کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے یہ دوہا پڑھا۔

ناہر کو ظاہر کیا کرنی کری ہمیش
ثابت خان جادو بلی تیری کیرت دیس بدیس

اس دوہے سے خوش ہوکر ثابت خان نے ایک تازی گھوڑا ایک خلعت اور کچھ اشرفیاں انعام دے کر اس رانا کو رخصت کیا۔

جن میواتی خانزادوں کو نواب ثابت خان ''بہادر'' نے ملازمتیں دلائیں ان ہی لوگوں نے نواب مذکورہ کے ساتھ بے وفائی اور غداری کی۔ جس کی بناء پر نواب مذکور دل برداشتہ ہوئے اور نواب آصف الدولہ کے زمانے میں اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرلی۔ آپ کا مقبرہ شہر لکھنؤ محلہ ارادت نگر دریائے گومتی کے کنارے آج تک موجود ہے۔

☆ ''(خان زادہ ناہر خان:۔ یہ ناصر الدین محمد شاہ (رنگیلا) (بادشاہِ دہلی) کے عہد حکومت (1719ء تا 1748ء) میں موضع سرولی پرگنہ تجارہ سے آکر شہر پٹنہ محلہ عالم گنج میں آکر مقیم ہوئے اور پھر اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر شہر کے کوتوال بنے اور پھر جلد ہی علاقے کے صوبیدار مقرر ہوئے۔ یہ ہر طرح سے امیرانہ ٹھاٹ باٹ مثل فیل ونشان وماہی مراتب وغیرہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ نے تین لاکھ درم کی جاگیر پرگنہ رتی پور۔ سرکار حاجی پور صوبہ بہار میں سیف الدین ولد محمد خان کے محال سے حاصل کی۔

''تاریخ سیر المتاخرین'' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نواب ہیبت خان (ناظم عظیم آباد) اور مظفر خان افغان سپہ سالار مہابت جنگ (صوبے دار بنگالہ) کی لڑائی۔ کے وقت نواب ہیبت خان کے مددگار خان زادہ ذوالفقار خان کے ساتھ مل کر اس سرولی کے ناہر خان متوطن پٹنہ نے نہایت جانفشانی سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ان ہی کارگزاریوں کی بدولت اس نے علم ونقارہ اور جاگیریں وغیرہ حاصل کیں۔ ناہر خان کے بعد اس کا بیٹا صلابت خان اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا۔ جو 1226ھ 1811ء میں وفات پاگیا۔☆

☆ ''(خان زادہ حشمت داد خان:۔ یہ راجہ جلال خان (والئی میوات پنجم) کی اولاد میں سے تھے۔ اس نے خان زادہ جہان خان (سوداگر چرم) (متوطن کلکتہ) کے ساتھ مل کر کاروبار کیا اور بعد میں جہاں خان

کے ساتھ مل کر شہر پٹنہ۔ محلہ عالم گنج میں ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ''مسجد حشمت داد خان '' کے نام سے موسوم ہے۔

حشمت داد خان کا شراکت دار جہان خان 1261ھ 30 نومبر 1845ء میں وفات کر گیا۔ اس کے بعد حشمت داد خان نے 15 جمادی الاوّل 1294ھ 1877ء میں وفات پائی)''

غرض یہ کہ میوات سے نکل کر مختلف نامعلوم مقامات کی طرف جانے والے خانزادوں کا میوات کے خان زادوں سے رابطہ ٹوٹ گیا اور تا حال قائم نہ ہو پایا۔

مذکورہ قسم کے تاثرات مسٹر سی۔اے۔ ہیکٹ (سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی انگلش تاریخ ''گزیٹیر الور'' میں جو بیان کئے ہیں اس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے۔

☆''(جو خان زادے لوگ پورب یعنی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے ہیں وہ وہاں دریائے گنگا کے میدانی شہروں میں تجارت وزراعت کرتے ہیں اور اب ان کا کوئی تعلق میوات کے خان زادوں کے ملک سے نہیں رہا ہے)''۔

☆☆

''نقلی حسن خان''

مورخ ایک منصف کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اُسے چاہئے کہ کسی کی خامیوں یا کسی کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی بجائے حقائق کو بے ساختہ سامنے لائے اور کسی سے لگاؤ یا کسی سے عداوت کی صورت میں خوف خدا کو نہ بھولے۔ مورخین کی نظر میں جانبدار مورخ کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں مولانا اکبر نجیب آبادی ''مقدمہ تاریخ ہند قدیم'' 17 صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆''(مورخ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ نہ کسی کی خوشامد کرے اور نہ کسی سے عداوت رکھے اس کی تاریخ کی عبادت بہت سادہ عام فہم اور بے ساختہ ہونی چاہئے قافیہ بندی اور التزام سے مدعائے

تاریخ نویسی فوت ہوجاتا ہے اور یہی وجہ ہے تاریخیں اس طرح کی لکھی گئی ہیں وہ عموماً پایہ اعتبار سے ساقط ہوئی ہیں)"۔

شمش العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی "تاریخ ہندوستان" جلد ہفتم 552 صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆"(مسلمان مورخ خود ہی انصاف کریں کہ وہ غیر قوموں کی بھلائیوں کو بڑے طمطراق سے لکھتے ہیں اور اپنوں کی خوبیوں کو مری ہوئی زبان سے بیان کرتے ہیں اور اُن کے کیسے برے برے نام رکھتے ہیں اور اُن کو بدنام کرتے ہیں۔ اور اُن کی خوبیوں پر خاک ڈالتے ہیں اور صرف برائیوں کو ہی مبالغے کے ساتھ دکھاتے ہیں)"۔

غرض یہ کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ (ہندوستان میں خوشامد اور دروغگوئی کا نام تاریخ ہوگیا)۔

دور اکبر کے زمانے کے ایک خود ساختہ مفتی ومجذوب اور خوشامدی مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے بابر کے پوتے اکبر بادشاہ اور اُس کے خاندان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ایک مسلم چندر بنسی راجپوت راجہ خان زادہ حسن خان میواتی کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا۔ اُس کے خلاف جہنم میں جلنے کی پیشنگوئی اور "کلمہ گو کافر" جیسے غیر اخلاقی و نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے۔ لیکن سچ پھر سچ ہے جو چادر خوشامد کی اوٹ سے بھی جھانکتا ہوا نظر آ گیا۔ حقیقت سے انحراف کی ممکنہ کوشش کے باوجود بھی حقیقت "بدایونی" صاحب کے قلم سے پھوٹ پڑی جیسا کہ:۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی "منتخب التواریخ" جلد اوّل 340 صفحہ پر "حسن خان میواتی" سے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے اُسے شرف صاحب نے اپنی تاریخ "مرقع میوات" (ایڈیشن ثانی) 286 صفحہ پر اُردو ترجمے کے ساتھ من وعن اس طرح بیان کیا ہے۔☆

☆''(در جنگ بابر تیر بر پیشانی حسن خان میواتی کہ او کافر کلمہ گو بود رسید۔ بعداز مرگ مردم اور در چاہے انداختند ۔ ورد و بفراری نہادند و او در چاہ جہنم مے افتد اگرچہ شخصے میواتی در سن نہ صد و شصت بعد از قوت سلیم شاہ افغان سوری در میوات خروج کردہ خود را حسن خان مے گفت و بعضے از نشانہائے پنہانی بہ میواتیا مے گفت و جمعے او را قبول کردہ بودند و جامع ایں منتخب نیز'' در سن نہ صد و شصت و پنج'' ۔ در آگرہ او را دیدہ بود اما آثار نجابت و سرداری از شکل و روئے او ہیچ معلوم نمے شد و'' خانِ خاناں بیرم خان مرحوم'' مے گفت کہ حسن خان مذکور مرد صاحب جمعیتے و پادشاہ نشانے بودہ و طبیعے نظمے داشت و ابیات او میاں مردم مشہور است و ایں مرو کہ خود بگوارے مے ماند و تمام مسخ شدہ مے نماید حاشا کلاں ایں آں حسن خان باشند ۔ و ۔ بعد از چندگاہ بعضے از خان زادہ ہائے میواتی بنا بر حمیت و غیرت او را بقتل رسانیدند)''۔

☆ترجمہ:۔'' (بابر کی لڑائی میں حسن خان میواتی کی پیشانی پر'' کہ وہ کافر کلمہ پڑھنے والا تھا''۔ ایک تیر لگا اُس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اُس کو کنوئیں میں ڈال دیا اور خود بھاگ گئے اب حسن خان دوزخ میں پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ ایک میواتی آدمی سن نوسو ساٹھ ہجری (960ھ) ۔'' (یعنی 1552ء 1608 بکرمی)'' میں سلیم شاہ سوری پٹھان کے مرنے کے بعد میوات میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو حسن خان کہتا تھا اور کچھ پوشیدہ نشانیاں بھی میوات کے رہنے والے لوگوں کو دکھاتا تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے اس کے کہنے کا اعتبار بھی کر لیا تھا۔ اس کو میں نے'' (یعنی منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی)''۔ سن نوسو پینسٹھ ہجری (965ھ) (یعنی 1557ء 1613 بکرمی) میں آگرہ میں دیکھا تھا۔ لیکن سرداری اور بزرگی کے نشانات اُس کے چہرے اور شکل سے کچھ معلوم نہیں ہوتے تھے۔'' (جبکہ خان خاناں بیرم خان مرحوم) بھی یہ کہتے تھے کہ:۔'' (حسن خان مذکور فوج و لشکر کا مالک وہ بڑے رعب و ادب والا اور بادشاہوں جیسی نشانیاں رکھنے والا تھا۔ اور وہ شاعر بھی تھا۔ چنانچہ اس کے اشعار بھی لوگوں میں مشہور ہیں)''

لیکن یہ تو کوئی گنوار معلوم ہوتا ہے اور اس کی تمام شکل بدلی ہوئی اور خراب معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہرگز وہ حسن خان نہیں ہے۔ (چنانچہ میواتی خانزادوں نے اس کی شکل وصورت سے نفرت وغیرت کھا کر اس کو قتل کر دیا)''۔

☆☆

باب چہارم

باب چہارم

''حضرت لاڈ خان''

خان زادہ حضرت لاڈ خان، قصبہ کوٹ قاسم کے ایک باکمال ولی اللہ گذرے ہیں جو بہادر ناہر خان (والئی میوات اول) کی اولاد سے ہیں۔ ان ہی کی بدولت کوٹ قاسم دور۔ دراز تک ایک خاصی شہرت کا حامل ہوا۔

حضرت لاڈ خان کی خوشہ چینی اور روحانی فیض کے طفیل بہت سے بزرگان دین اور خدارسیدہ بزرگ ان کے سجادہ نشین مقرر ہوتے رہے ہیں۔ ان کے حالات زندگی ان کے پندرہویں سجادنشین خانقاہ شعیبہ قصبہ تجارہ کے حافظ مجید الدین صاحب نے جناب شرف صاحب کو کم وبیش 1933ء میں عطا کئے تھے۔ یہ حالات زندگی امیر ابوالعلا صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے صفحہ 292 تا صفحہ 294 پر کچھ اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

(خانزادہ حضرت لاڈ خان بہادر خان بن ناہر خان کی اولاد میں سے ہیں ان کے والد کا نام حسن خان تھا۔ آپکا اصل نام معہ لقب حضرت محرم جان (لاڈ خان) عرف خواجہ لعل احمد شاہ ''چشتی قادری ابوالعلائی ہے۔ آپ مولانا ابوالخیر عثمانی تجاروی کے شاگرد رشید تھے اور مولانا معین الدین صاحب (سجادہ نشین اجمیری) کے مرید اور میر عبدالواحد صاحب قادری اکبر آبادی کے تربیت یافتہ اور شیخ محمد الیاس برہان پوری کے خرقہ یافتہ ہیں۔)

امیر ابوالعلا صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ خواجہ لعل محمد کا مولد و مسکن و مدفن قصبہ کوٹ قاسم ریاست جے پور ہے جو علاقہ میوات میں دہلی سے بیس کوس (یعنی 64 کلومیٹر) جنوب میں واقع ہے۔ حضرت لاڈ صاحب پہلے مولانا معین الدین سے بیعت تھے (جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے

سجادہ نشین تھے۔)

(یہاں پر یہ یاد رہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ 1142ء میں علاقہ سیستان (سجستان) میں پیدا ہوئے اور ستانوے برس کی عمر پا کر 636ھ 1239ء میں وفات پا گئے۔

آپ کا دل شروع میں لکھنے پڑھنے کی بجائے شکار کھیلنے اور تیر چلانے کی طرف مائل تھا۔ تقریباً انیس سال کی عمر میں وطن سے چل کر آپ قصبہ اندری میں آئے جہاں مسجد کے حجرے میں ٹھہرے ہوئے سید عبدالواحد کے پاس جا کر آپ نے قیام فرمایا۔ ایک دن لاڈ خان جنگل میں گئے اور وہاں سے بہت سارے پھول توڑ کر جمع کئے۔ اور پھولوں کی طرف دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہو جو میرا دل بھی پھولوں کی مانند تروتازہ ہو جائے اور صفائی حاصل کرلے کہتے ہیں کہ یہ خیال آتے ہی آپ کے دل میں سوز الٰہی پیدا ہوا۔ جس کے باعث آپ وجد میں آگئے اور دیر تک زمین پر تڑپتے رہے۔ اور تقریباً ایک گھنٹے بعد آپ ہوش میں آئے۔

جب یہ خبر سید عبدالواحد صاحب کو ہوئی تو انہوں نے حضرت لاڈ خان کو طریقہ قادری تلقین فرمایا۔ چنانچہ سال بھر تک سید الواحد صاحب کی صحبت میں رہ کر ان سے کامل و سوز الٰہی حاصل کرنے کے بعد حضرت محرم جان (لاڈ خان) اپنے وطن واپس ہوئے۔

ایک دن یکا یک آپ کے دل میں علم ظاہری حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس کی تکمیل کے لئے آپ تجارے میں شیخ ابوابرکات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جو خواجہ صاحب کے اجداد میں سے تھے ان سے علم حاصل کرنا شروع کیا۔ اثنائے تعلیم میں اکثر بار جذبہ الٰہی آپ کو بے خود کر دیتا تھا۔ افاقہ ہونے اور ہوش میں آنے کے بعد آپ پھر پڑھنے لگتے تھے مندرجہ ذیل رباعی ہمہ وقت آپ کی ورد زباں رہا کرتی تھی۔

اے دل در مدرسہ چند

تکمیل اصول وحکمت و بندسہ چند

ہر فکر کہ جز ذکر خدا و سوسہات

شرے زخدابدار ایں وسوسہ چند

ایک دن شیخ عبدالرفیع صاحب حضرت لاڈ خان کے استاد شیخ ابوابرکات سے ملنے کے لئے آ
آباد سے تجارے میں آئے تھے اس وقت محرم جان (لاڈ خان) نے شیخ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ
وہاں کس بزرگ سے نسبت ہے تو شیخ عبدالرفیع صاحب نے "امیر ابوالعلا نقشبندی" کا نام لیا۔ امیر موصوف
نام سنتے ہی لاڈ خان کو ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس کے بعد ایک دن آپ ایک بکری امیر ابوالعلام
صاحب کی نذر پیش کرنے کے لئے شیخ عبدالرفیع کے ہمراہ اکبر آباد تشریف لے گئے اور ماہ محرم 1061ھ
(1651ء) کو یہ بوقت عصر امیر موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی قدم بوسی کے بعد اپنی بکری
انہیں بطور نذر پیش کی مذکورہ نذر قبول فرما کر امیر ابوالعلا اندر تشریف لے گئے۔ اور لاڈ خان محرم جان شیخ داؤد
اپنے مکان پر لے آئے اور انہیں کھانا کھلایا تھوڑی دیر بعد امیر ابوالعلا کے ہاں سے بھی آپ کے لئے کھانا آیا
اس میں سے بھی آپ نے کچھ کھایا۔ اس کے بعد محرم جان، داؤد خان کے پاس ہی رہنے لگے۔

ایک روز لاڈ خان عرف خواجہ لعل احمد شاہ اپنے پیر حضرت امیر ابوالعلا نقشبندی کے آرش (جو) کے
پیالے کو دھو کر پی گئے۔ اسی روز پیر موصوف نے فرمایا کہ:

(یہ شخص اب ہمارا پکا مرید بن گیا ہے اور ہم نے اپنا سب کچھ اسے دے دیا ہے۔ کچھ عرصے بعد
ابوالعلا صاحب کی وفات کے دن قریب آئے تو ان سے مریدوں نے پوچھا کس کو آپ کے بعد آپ کی نسبت
دینی چاہیئے۔؟ تو اس پر امیر ابوالعلا نے اپنی جگہ حضرت لاڈ خان عرف خواجہ لعل احمد شاہ خانزادہ کو مقرر

شاہ جہاں بادشاہ کے عہد حکومت میں جس وقت نواب مذکور اٹاوہ کے فوجدار مقرر تھے اس زمانے میں ان کے فرزند خان زادہ نواب پر دل خان نے شہر اٹاوہ میں ایک نئی بستی ''کٹڑہ پر دل خان'' کے نام سے آباد کی تھی جو آج تک وہاں پر قائم ہے۔

نواب پر دل خان عہد عالمگیری میں ''پنج صدی'' منصب رکھتا تھا۔ اور عالمگیر بادشاہ کی جانب سے جودھپور اور مارواڑ میں انتظام کی خاطر تعینات تھا۔ 26، ذی قعد 1082ھ 1672ء میں شاہزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں نواب پر دل خان کو حامد خان، مرتضےٰ خان اور دلیر خان کے ہمراہ میوات کے مفسدوں کی گوشمالی کے لئے میوات کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے میوات کے باغیوں کی سرکوبی کی۔ اس کے بعد 1098ھ 1686ء 1742 بکرمی میں عالمگیر بادشاہ نے خان زادہ ناہر خان، خان زادہ نواب نظام الدین اور دیگر سرداران قوم خانزادگان میوات کے ہمراہ نواب پر دل خان کو جودھپور کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ قلعہ نشین باغیوں کو قلعے سے بیدخل کرنے کے بعد پر دل خان سیوانہ میں جا کر مقیم ہوا۔ جہاں پر متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں۔ مارواڑ کے بہت سارے راجپوت نواب پر دل خان پر حملہ کرنے کے لئے قلعہ سیوانہ کے قریب جمع ہوئے ان راجپوتوں کو جب یہ اطلاع ملی کہ مرزا نور علی نے ان کی قوم کی دو لڑکیوں کو یرغمال بنالیا ہے تو ان راجپوتوں کے اندر جوش انتقام بھڑکا اور مرنے مارنے پر تیار ہوئے۔

مذکورہ لڑائی سے متعلق انگریز مورخ مسٹر کرنل ٹاڈ صاحب اپنی ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' جلد دوم صفحہ 315 پر رقمطراز ہیں کہ:

''(رتن سنگھ (رئیس رتلام) بھی راٹھوڑوں کو لے کر پہنچا اور سب نے مل کر پر دل خان پر حملہ کر دیا صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی دونوں طرف آدمیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ آخر پر دل خان معہ چھ سو آدمیوں کے مارا گیا انور علی مذکور اس شکست کو دیکھ کر لڑکیوں سمیت ٹودہ کو بھاگ گیا۔ مسلمانوں کے تمام

تھانوں پر راجپوتوں نے قبضہ کرلیا۔ پر دل خان کی لاش بمشکل شاہ آباد لاکر دفن کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی لاش ''قصبہ پھپھوند'' علاقہ اٹاوہ میں دفن کی گئی۔)

نواب پر دل خان کا دوسرا حقیقی بھائی نواب لشکر خان بھی اورنگ زیب کے عہد حکومت میں چار صدی منصب رکھتا تھا اور یہ ''پورندھر اور ''بدھنور'' کی فوجدار پر متقرر تھا۔ اسے عالمگیر بادشاہ کی جانب 1097ھ 1685ء 1741 بکرمی میں شکراللہ خان کے ہمراہ میوات کے راجپوتوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا گیا۔ جس میں اس لشکر خان بن نواب فیروز خان نے فتح حاصل کرنے کے بعد میوات کا انتظام درست کیا اور پھر اسی سال وفات پائی۔

مذکورہ جنگ سے متعلق مرزا عبدالقادر ''بیدل'' کی آٹھ اشعار پر مشتمل ایک غزل تحریر کی ہے۔ جو شرف صاحب کی ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 309، پر پائی جاتی ہے۔ جس کے آخری شعر: درتار بخش مہندس فکر فرمود ''دل نرو کہ بشکست''

''دل ترو کہ بشکست'' میں سن وفات 1097ھ ہے (1685ء 1741 بکرمی)''

نواب لشکر خان کے چار بیٹے محراب خان فتح نصیب خان، سردار خان اور دلدار خان پیدا ہوئے۔ جن میں سے دلدار خان نے شاہ عالم بہادر شاہ اول کے عہد حکومت میں بدھنور کی صوبے داری حاصل کی (جو کبھی اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے باپ کے پاس تھی۔) بادشاہ کی جانب سے گرو گر ہند سنگھ سے لڑنے پر اس کی بہادری و وفاداری کے صلے میں شاہ عالم بادشاہ نے اس دلدار خان کو ''نواب فیروز خان ثانی'' کا خطاب عطا کیا اور منصب ایک ہزاری اور دو ہزار سوار اور سرہند کی فوجداری سے سرفراز فرمایا۔ بعد میں بادشاہ نے اسے جے پور کی فوجداری پر متقرر کیا۔

قطب شاہ عالم کے بعد معزالدین جہاندار شاہ (عہد حکومت 1712ء تا 1713ء) کی جانب

سے ایک عظیم الشان لڑائی میں لڑتا ہوا یہ نواب دلدار خان مارا گیا اس کی میت شاہ آباد میں لا کر سپر خاک کی گئی۔ یوں تو نواب فیروز خان کی نسل کے لوگوں میں بھی کافی نامی سردار ہوئے جنھوں نے شاہان دہلی کے دربار میں اپنا اثر رسوخ حاصل کرنے کے بعد کافی مراتب وعہدہ جات وغیرہ حاصل کئے مگر یہ لوگ کوئی خاص شہرت حاصل نہ کر پائے۔ جیسا کہ:

شیخ محمد مخدوم صاحب اپنی ''تاریخ ارژنگ تجارہ'' صفحہ 29،30 پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ''(اولاد ملک علاؤالدین خان خانزادے سے تجارے میں اکرام خان اور شاہ آباد میں نواب فیروز خان جاگیردار ہوئے مگر یہ ایسے مشہور ونامور نہیں ہوئے جیسے بہادر خان (برادر ملک علاؤالدین خان) کی اولاد میں سے ہوئے۔ مثلاً قدو خان، جلال خان، احمد خان، عالم خان، ملک فخر الدین خان، حسن خان وغیرہ)''۔

نواب فیروز خان میواتی کے خاندان میں ڈیڑھ سو سال تک ایک بہت بڑی جاگیر چلی آتی تھی جو بعد کے وارثوں میں تقسیم ہو کر مختصر ہوتی چلی گئی۔ نواب مذکور کے خاندان کا برطانوی فوج میں ایک خاص مقام تھا ریاست الور کی ایک خاص شہرت یافتہ شخصیت ''میجر نواب عباس خان'' بھی اسی نواب فیروز کے خاندان سے نسبت رکھتے تھے۔ نواب فیروز خان کی اولاد کو آج بھی۔ ''نواب'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(''تاریخ مرقع میوات'' میں نواب فیروز خان کا شجرہ نسب اس طرح ہے'')

''(بہادر ناہر خان (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات)۔ ملک علاؤالدین خان، حسام خان، محمود خان، بوڑہ خان، داؤد خان، سکندر خان، محمود خان، نور خان، نواب فیروز خان۔ (جاگیردار قصبہ شاہ آباد)، لشکر خان، فتح نصیب خان، عظمت خان، مصاحب خان، فیض اللہ خان، ہوشدار خان، محمد حسین خان، وغیرہ، وغیرہ)''۔

☆☆

''اکرام خان''

اکرام خان سے متعلق مسٹر سی، اے، ہیکٹ نے اپنی انگلش تاریخ ''گزیٹیئر الور'' صفحہ 184 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ شرف صاحب نے اپنی۔ ''تاریخ مرقع میوات'' صفحہ 315 پر اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ:

''(اورنگ زیب کے زمانے میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خان خانزادہ متوطن تجارے نے ملک کے اندر ماردھاڑ کا بازار گرم کیا۔ اور تجارے کے گورنر سے نقارہ ونشان وغیرہ چھین کر اس کو وہاں سے نکال دیا۔ لیکن اکرام خان اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔)''

اکرام خان نے اپنے جد امجد خانزادہ ملک علاؤالدین خان کے نام پر متصل باگھور پرگنہ تجارہ میں ایک موضع ''ملک پور'' نام سے آباد کیا اور اپنی حفاظت کی خاطر اس میں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور پھر اس نے ''ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر'' بادشاہ دہلی کے خلاف بغاوت کردی۔ جب اس نے شاہی علاقہ جات میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا تو اورنگ زیب بادشاہ کی جانب سے وہاں پر مقرر کردہ ''حاکم میوات خلیل اللہ خان'' نے اسے اس بغاوت سے روکنا چاہا۔ جس کے نتیجے میں اکرام خان نے فوراً حاکم میوات سے جنگ شروع کردی۔ اور اسے شکست دے کر اس کا نشان، نوبت ونقارہ چھین کر اسے تجارے سے نکال باہر کیا۔ اور اپنا نوبت ونقارہ رکھ کر۔ اکرام خان نے یہاں پر اپنی حکومت شروع کردی۔ اس کے بعد اپنے گردونواح کے بہت سے بادشاہی علاقوں پر اپنا قبضہ جما کر اس نے اپنے مقبوضہ علاقہ جات کا محاصل بھی دبالیا۔

حاکم میوات خلیل اللہ خان اپنی شکست کے بعد دربار شاہی میں حاضر ہو کر جاگیردار اکرام خان کے خلاف بادشاہ کے سامنے فریادی بنا۔ اس پر عالمگیر بادشاہ نے شکر اللہ خان ''فوجدار نارنول'' کی سرکردگی میں ایک جم غفیر لشکر لے کر اپنے حریف خانزادہ اکرام خان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس بادشاہی لشکر نے (موضع باہٹ ھیڑی) کے مقام پر قیام کیا۔

اس شاہی لشکر کے آمد کی اطلاع جب اکرام خان کو ملی تو یہ بیس بائیس گاؤں کا جاگیردار اپنے مخالف جم غفیر لشکر کی پرواہ کئے بغیر مقابلے کے لئے اپنے رفقاء اور ہمراہیوں سمیت آندھی کی طرح شاہی لشکر کے قریب آن پہنچا۔ ''فوجدار نارنول'' نے جب اسے اپنے قریب پایا تو حیران ہوا۔ اور پھر نہایت عیاری و مکاری سے قرآن شریف درمیان میں لے کر صلح کے بہانے اکرام خان کو اپنے پاس بلوایا۔ اکرام خان جوں ہی اس کے قریب آیا تو اس نے نہایت پھرتی سے اکرام خان پر اپنی تلوار کا بھرپور وار کیا اس کاری زخم کے باوجود بھی اکرام خان نے شاہی زرہ پوشوں کے ساتھ اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ شاہی فوج میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ جب سید بلاقی شاہ نے اس پر حملہ کیا تو زخمی اکرام خان نے زور سے تلوار ماری کہ وہ اس بلاقی شاہ کے سینے میں اتر گئی۔ اسی اثناء میں شاہی فوج نے اکرام خان کو اپنے نرغے میں لے کر یکبارگی چاروں طرف سے حملہ کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اس حملے میں اکرام خان اپنے دونوں بھائیوں سمیت قتل ہوا جس کے بعد اس کے ہمراہی و رفقاء کارمیدان جنگ سے فرار ہوئے۔

ان تینوں بھائیوں کے قتل کی خبر جب اکرام خان کے لواحقین کو ملی تو انہوں نے قلعے اور محل میں بارود بچھا کر آگ لگائی جس کے باعث قلعہ اور محل معہ ساکنین کے اڑ گیا۔ اس طرح اس محل کے بچے، عورتیں اور بوڑھے اپنی پرانی ''رسم ستی'' ادا کرتے ہوئے موت سے ہمکنار ہوئے۔

یہ خبر محل سے باہر جب اکرام خان کے بڑے بیٹے مجاہد خان کو ملی تو وہ پانچ سو گھڑ سواروں کی جمعیت اپنے ساتھ لے کر شاہی فوج سے لڑائی کے واسطے اندور کے پہاڑوں میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اس موقع پر امراء اور سرداروں نے درمیان میں آ کر خانزادہ مجاہد خان اور فوجدار نارنول میں صلح کرا دی۔ شکر اللہ خان اپنے حریف کے بیٹے مجاہد خان کو تسلی دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

شاہی فوج سے اکرام خان کی لڑائی کے وقت اس کا چھوٹا بیٹا ناہر خان ایک ''میاں جی'' کے پاس زیر تعلیم تھا۔ اس موقع پر اس میاں جی کو ناہر خان کی جان کا خدشہ لاحق ہوا جس کی بناء پر وہ اس ناہر خان کو اپنے

ساتھ لے کر کسی نامعلوم مقام کی طرف بھاگ گیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد 1707ء میں اس کا جانشین شہزادہ معظم ہوا۔ جو تاریخوں میں (قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب یہ بادشاہ بنا تو ناہر خان اپنے بڑے بھائی مجاہد خان کے ہمراہ دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ اور مدد معاش کی درخواست دے کر اس خانزادہ ناہر خان بن اکرام خان نے شاہ عالم (بادشاہ دہلی) سے موضع ملک پور کی جاگیر کی سند حاصل کر لی۔

☆☆

اکرام خان کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ) ملک علاؤالدین خان، حسام خان، عیسیٰ خان، خلیل خان، مہراج خان ، جہاں خان ، کالے خان، امام خان، عالم خان، فیروز خان، لاڈ خان، اسلام خان، اکرام خان، مجاہد خان، جواہر خان، زبردست خان الٰہی بخش خان وغیرہ وغیرہ۔

☆☆

''نواب بازید خان''

دارالریاست علی نگر عُرف گھساؤلی (گوبند گڑھ) کے جاگیر دار خانزادہ ''نواب بازید خان'' (متوطن شاہ آباد) سے متعلق۔

کرنل جیمز ٹاڈ صاحب نے اپنی انگلش ''تاریخ ٹاڈ راجستھان'' جلد دوم صفحہ 164 پر جو تحریر کیا ہے اس کا اردو ترجمہ شرف صاحب نے اپنی ''تاریخ مرقع میوات'' کے صفحہ 131 پر اس طرح درج فرمایا ہے۔

''(1128ھ 1716ء میں ہمراہی جے سنگھ سوائی (والئی جےپور) بھرت پور۔ کی تاخت و تاراج

کے واسطے مقرر رہوا۔ جس وقت شاہی فوج نے مقام ''تھون'' کا محاصرہ کیا (جو۔ چوڑامن بھرت پوروالوں کے قبضے میں تھا۔) تو۔ اودے سنگھ (رئیس شیخاوت) نے۔ ''جوسوائی جے سنگھ (والئی جے پور) کے سرداروں میں سے تھا۔'' دانستہ غفلت کی اس بات سے جے سنگھ مذکور بہت ناراض ہوا۔ چونکہ وہ جاٹوں سے حسب مرضی بدلہ نہ لے سکا۔ آخر بادشاہ نے نواب بازید خان فوجدار شاہی کو قلعہ اودے گڑھ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا۔ جس سے اودے سنگھ مجبور ہوکر وہاں سے بھاگ کر مارواڑ میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔ اوراس کے بیٹے سوائی سنگھ نے حاضر ہوکر قلعے کی کنجیاں نواب بازید خان ''بہادر'' کے حوالے کردیں)۔

☆(یادرہے یہ شہزادہ فرخ سیر'' کا عہد حکومت تھا۔ جو1713ء سے1719ءتک رہا)۔☆

1719ء جوانقلابات کا سال تھا۔ اس سال دہلی میں یکے بعد دیگرے رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ نکوسیر۔ روشن اختر کی حکومتیں ہوئیں۔ جو ناکام رہیں ان کے بعد 1719ء میں ناصرالدین محمد شاہ کی حکومت آئی جو1748ءتک قائم رہی)۔

جس زمانے میں نواب بازید خان نارنول کے فوجدار تھے اُس زمانے (یعنی1719ء) میں راجہ اجیت سنگھ (والئی مارواڑ) نے سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نارنول میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ جس پر ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ نے نواب مذکور کے پاس فوج کی کمی کے پیشِ نظر۔ اس کی مدد کے واسطے اپنا لشکر بھیجنا چاہا۔ لیکن فوج نے جب صمصام الدولہ کی ماتحتی سے انکار کیا تو بادشاہ نے حیدر قلی کی سرکردگی میں نارنول کی جانب اپنا لشکر روانہ کیا حیدر قلی۔ اور۔ نواب بازید خان نے مل کر راجہ اجیت سنگھ کو شکست فاش دی۔ اپنی شکست کے بعد والئی مارواڑ وہاں سے بھاگ کر مارواڑ میں سیّد عبداللہ شاہ وزیر سے جا ملا۔

اس کے بعد 1133ھ 1720ء میں اِس وزیر ممالک سیّد عبداللہ شاہ اور محمد شاہ رنگیلا (بادشاہ

دہلی) کے مابین جنگ چھڑی۔ جس میں بادشاہ کے تمام ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ دادِ شجاعت اور سرخروئی خان زادہ نواب بازید خان نے حاصل کی۔ اس عظیم کامیابی پر محمد شاہ مغل بادشاہ نے نواب بازید خان کو نوبت ونشان ''نواب'' اور'' بہادر'' کا خطاب عطا کرتے ہوئے ''پنج ہزاری'' منصب سے سرفراز فرمایا۔ اس کے کچھ عرصے بعد سلطنت دہلی کے وزیر قمر الدین کے بیٹے کی وفات ہوگئی۔ جس پر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ نے علاقہ میوات کی فوجداری کا عہدہ بھی خان زادہ بازید خان کو عطا کیا۔ جس پر میواتی خانزادوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کے بعد نواب مذکور نے فتح پور کے راجہ جھنجھو قائم خانی کی دختر کو اپنے عقد میں لے لیا۔

1152ھ 1739ء میں جب نادر شاہ کی لڑائی میں نواب دوراں خان مارا گیا تو نواب بازید خان اپنے پیارے وقریبی اس وفادار دوست کی موت سے دل برداشتہ ہوگئے۔ جس کے بعد یہ اپنے عہدہ فوجداری سے مستعفی ہو کر علی نگر (گھساولی) میں آرہے۔ اور پھر جلد ہی 1739ء میں وفات پاگئے اس طرح انکی بہادری و نیک نامی کا کم بیش چھبیس سالہ دور حکومت اپنے اختتام کو پہنچا،

نواب بازید خان بن دریا خان بن اسماعیل خان بن محمود خان بن پیر شہاب خان بن بہادر ناہر خان (مورث اعلیٰ قبیلہ خانزادگان میوات) کی بہادری وسخاوت سے متاثر ہو کر عبدالصمد نامی شاعر نے ان کی شجاعت کے باب میں اس زمانے میں ایک رسالہ نکالا تھا۔ جس میں نواب مذکورہ کی شان میں ایک غزل بطور قصیدہ تحریر کی تھی جو تاریخ مرقع میوات (ایڈیشن ثانی) کے صفحہ نمبر 322 پر درج ہے۔

قصبہ گھساولی کے اندر نواب موصوف نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنی حفاظت کی خاطر ایک کچا قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ (گھساولی کی جگہ جو آجکل گوبند گڑھ کے نام سے مشہور ہے) اس کے جنوب میں تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر یہ قلعہ واقع تھا، جس کو بعد میں نواب مذکور کے پڑپوتے نواب ذوالفقار خان ''اسد جنگ'' نے اپنے دورِ اقتدار میں ازسرِنو پختہ طور پر تعمیر کرایا تھا یہ قلعہ 1930ء سے پہلے ہی منہدم ہوگیا۔ اس قلعہ کا جابجا بکھرا ہوا ملبہ آج بھی اپنی اجڑی ہوئی شان وشوکت کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔ یہیں پر ایک پختہ احاطے کے اندر اپنے قریبی رشتے داروں کی گیارہ قبروں کے ساتھ نواب بازید خان کا مزار بھی واقع ہے۔ اس احاطے کے باہر قبرستان میں سرداران قوم خانزادہ کی جابجا پختہ قبریں اور کنوئیں موجود ہیں۔

نواب بازید خان کے مزار پر چیت کے مہینے میں ہر سال ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ نواب مذکورہ کے عقیدت مند دور دور سے آکر نواب موصوف کے مزار پر نذر و نیاز اور چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں۔ اس مزار و میلے کی آمدنی 1947ء تک ریواڑی کا ایک مجاور لے جایا کرتا تھا اس کے بعد کی خبر اللہ بہتر جانتا ہے۔

علاقہ میوات کے اندر لوگوں میں یہ خیال عام تقویت اختیار کر گیا تھا کہ گھساولی کے قبرستان میں مدفون خانزادہ سرداروں کے مزارات میں ان کے ساتھ خزانے مدفون ہیں۔ خزانے کے متلاشی، گوبند گڑھ کے چھوشیخ نے خزانہ حاصل کرنے کے لالچ میں آکر ان تمام مزارات کو کھود ڈالا۔ لیکن اسے وہاں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا۔ بعد میں ان تمام قبروں کو درست کرا دیا گیا مگر اس کے بعد چھوشیخ جذام کی بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ جس کے باعث اس کے ہاتھ اور پاؤں گل سڑ گئے اور یہ بالکل اپاہج ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ جذام کے اس مریض کو اس کے گھر والوں نے بھی گھر سے نکال دیا۔ جس کے بعد یہ کسمپرسی کی حالت میں نہایت ہی عبرتناک موت مرا۔

''(یاد رہے نواب بازید خان کے بیٹے جہان خان نے ''قلعہ کانوند'' تعمیر کرایا تھا جو آج تک موجود پایا جاتا ہے)''۔

☆☆

''نواب عظمت خان''

1152ھ 1739ء میں اپنے والد نواب بازید خان کی وفات کے بعد خان زادہ نواب عظمت خان اپنی آبائی جاگیر علی نگر عرف گھساولی (گوبند گڑھ) پر مسند نشین ہوا۔ 1739ء میں دہلی پر نادر شاہ کے حملے کے وقت یہ محمد شاہ بادشاہ اور اس کے تمام وزراء امراء و کبار کے ساتھ شانہ بشانہ شامل حال رہا تھا۔ دہلی کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد جب نادر شاہ واپس چلا گیا تو نواب مذکور نے راجہ سوائی جے سنگھ (والئی جے پور) کی معاونت سے گھساولی کے گردونواح میں آباد بائیس مواضعات پر مشتمل جاگیر کی سند اپنی وفاداری کے صلے میں ناصر الدین محمد شاہ رنگیلا (بادشاہ دہلی) سے بطور انعام حاصل کر لی تھی حاصل کردہ اس جاگیر پر نسل در نسل نواب عظمت خان کے خاندان کا قبضہ چلا آتا تھا۔

علاوہ ازیں، نارنول، سنگھانہ اور داوری کی فوجداری بھی یکے بعد دیگر والئی جیپور محمد شاہ بادشاہ سے نواب مذکورہ کو دلاتا رہا۔ اس کے علاوہ عظمت خان کے بھائی خان زادہ جہان خان عرف ''دیوانہ'' کو بھی بادشاہ سے ''کانوند'' کی فوجداری دلائی۔ جس نے اپنی حفاظت کی خاطر ''کانوند'' میں ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی وہاں پر موجود پایا جاتا ہے۔ راجہ سوائی جے سنگھ (والئی جیپور) کی وفات کے بعد اس کے بیٹے راجہ ایشری سنگھ نے نواب موصوف کو بندوق چلانے میں اپنا استاد بنایا تھا۔

ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ کی لڑائی جب احمد شاہ درانی سے ہوئی تو بادشاہ کے طرفدار راجہ ایشری سنگھ کے ساتھ مل کر نواب مذکورہ نے اپنے قابل صد ستائش جنگی جوہر دکھائے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ (عہد حکومت 1719ء تا 1748ء) کے بعد 1161ھ 1748ء میں جب اس کے بیٹے احمد شاہ کی حکومت کا دور شروع ہوا تو سلطنت دہلی میں ضعف پیدا ہوا میوات میں مرہٹوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس وقت بادشاہ کی جانب سے مقرر کردہ حاکم میوات راجہ ایشری سنگھ میوات کا انتظام سنبھالنے میں بری طرح ناکام

ہو گیا جس کے باعث دل برداشتہ ہو کر اپنی ہتک کے خوف سے راجہ الیشری سنگھ (حاکم میوات) نے 1166ھ 1752ء میں زہر کھا کر خودکشی کر لی جس کے بعد اس کی جگہ احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ نے اس کے بیٹے مادھو سنگھ کو حاکم میوات مقرر کر دیا۔

احمد شاہ بادشاہ کے بعد عزیز الدین عالمگیر ثانی (بادشاہ دہلی) ''عہد حکومت 1754ء تا 1759ء'' نواب عظمت خان پر بہت ہی زیادہ مہربان رہا۔

عزیز الدین کے بعد جلال الدین شاہ عالم ثانی کی حکومت کا دور 1759ء سے 1806ء تک رہا اس کے زمانے میں نواب عظمت خان 1187ھ 1773ء میں وفات پا گئے۔

ان کے سنِ وفات پر شعیب تجاروی کے درج ذیل قطعہ کے آخری مصرے میں ''(سر میوات شد بہ عالم پاک)'' سنِ وفات 1187ھ نکلتا ہے۔

آہ فوت خان عظمت خان
کرد خلقت بہ غم گریباں چاکی
شہر شعبان بودو بست و ششم
عالمے شدز رحلتش غمناک
گفت سالش شعیب ایں افسوس
"سر میوات شد بہ عالم پاک"
(1187ھ)(1773-1829 بکرمی)

☆☆

''نواب اسد خان''

مغل بادشاہ ۔ ۔ ۔ یں ۔مد شاہ رنگیلے کے بیٹے احمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت (1748ء تا 1754ء) کے دوران نواب فتح علی خان راجہ سورجمل جاٹ (رئیس بھرت پور) راجہ بہادر سنگھ (رئیس گھاسیڑہ) ضلع گوڑگانوان نے احمد شاہ (بادشاہ دہلی) کے خلاف بغاوت اختیار کرتے ہوئے جب بادشاہی تھانوں کو اٹھا کر شاہی علاقہ جات میں فتنہ وفساد برپا کیا تو احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ نے مذکورہ صورت حال کے پیش نظر اپنے وزراء وامراء کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ: ''(مذکورہ بالا تینوں باغیوں کی سرکوبی کے لئے کسی نامور وبہادر سردار کا نام تجویز کر کے اسے میرے روبرو پیش کیا جائے۔)''

اس حکم کے بعد راجہ دیبی دت دیوان نے نواب بازید خان (جاگیردار گھساؤلی) کے نواسے اسد خان متوطن علمدیکا (ریاست الور) کو اس مہم کے لئے بلوالیا۔ اور اس کی آمد پر راجہ دیبی دت دیوان نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر نواب غازی الدین وزیر اور دربار شاہی میں موجود دیگر وزراء کے سامنے اسد خان علمدیا کی خاندانی عظمت اور اس کے بزرگوں کے سابقہ تاریخی کارنامے اور ان کے مضبوط عزائم بلند حوصلے وجوانمردی کی تعریف کرنے کے بعد اس نے سردار مذکور کے لئے احمد شاہ بادشاہ سے دربار میں شرف باریابی کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اسد خان المدیا کو جب دربار شاہی میں لایا گیا تو اس کی جاہ وحشمت دیکھ کر بادشاہ دہلی نہ صرف مطمئن ہوا بلکہ اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اس نے سردار اسد خان کو بروقت اسپ خاصہ شمشیر اور گراں بہا خلعت عطا کرتے ہوئے اسے ''نواب'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور پھر بارہ ہزار کا فوجی لشکر اور کچھ خزانہ دینے کے بعد اسے مرزا مراد بیگ داروغہ (انچارج توپ خانہ) کے ہمراہ مذکورہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے کویل (جیسلمیر) کی جانب روانہ کیا۔ راستے میں نواب اسد خان نے اپنے بڑے بیٹے خانزادہ ذوالفقار خان کو اپنے اہل وعیال کی خبر گیری کے لئے اسے ''فرخ نگر'' روانہ کر دیا۔ اور خود اپنے دوسرے بیٹوں اور بھائیوں کے ہمراہ

میدان جنگ میں چلا آیا۔ جب باغیوں کو اس کی آمد کی اطلاع ملی۔ تو راجہ سورج مل جاٹ، راجہ بہادر سنگھ اور نواب فتح علی خان یہ تینوں باغی تین غول بنا کر میدان جنگ میں آئے۔ جس کے بعد دونوں طرف سے تیر وتفنگ کی بارش ہونے لگی۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ اس لڑائی کا جب کوئی بھی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو پایا تو نواب اسد خان سے مرزا مراد بیگ نے اجازت چاہی کہ وہ اسے اپنی وفاداری وجاں نثاری کا موقع فراہم کرے۔ لیکن اسے موقع دینے کی بجائے نواب اسد خان خود میدان جنگ میں اترا اور اپنے جنگی جوہر دکھانے لگا کافی آدمی مارنے کے بعد یہ خود بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔

اسد خان کے مارے جانے کے بعد مراد بیگ داروغہ نواب مذکور کے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر ہاتھ پاؤں مارتا اور گولے برساتا رہا۔ جس کی بناء پر دشمنوں کو قریب آنے کی ہمت نہ ہو پائی۔ لیکن اچانک مرزا مراد بیگ کا جب بارود ختم ہوا تو یہ بھی مارا گیا۔

اس شکست کے بعد۔ خانزادہ نواب اسد خان المدیا کی میت کو دہلی۔ لاکر باعزاز تمام ''حضرت قطب الدین بختیار کاکی'' کے مزار کے قریب سپرد خاک کر دیا گیا۔

☆ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے محفل قوالی کے دوران۔ ''شیخ احمد جام'' کا یہ شعر:۔

" کشتگان خنجر تسلیم مارا
ہر زماں ازغیب جان دیگر است "

جب قوال کی زبانی بار بار سنا تو ان کی حالت غیر ہوگئی اور مسلسل تین روز تک عالم بے ہوشی میں رہنے کے بعد آپ 632ھ 1234ء میں وفات پا گئے۔ نئی دہلی بھارت میں پانچ منزلہ قطب مینار جس کا فرش پر قطر 48 فٹ 4 انچ ہے اور بلندی 242 فٹ ہے یہ آپ ہی کے اعزاز میں تعمیر ہوا تھا اس مینار کی پہلی منزل قطب الدین ایبک نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کی وفات کے بعد سلطان التمش نے اس مینار کو تکمیل سے

ہمکنار کیا۔ یورپی مورخ اس مینار کو ٹاور آف وکٹری کہتے ہیں۔ بعض مورخ اسے فتح دہلی کی یادگار کہتے ہیں اور عوام اسے قطب الدین ایبک کی نسبت قطب شاہ کی لاٹ کہتے ہیں۔ جب تک حضرت بختیار کاکی کا قیام کیلوکھری میں رہا اس وقت تک سلطان التمش ہفتے میں دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور پھر سلطان کے اصرار پر ہی آپ دہلی میں قیام کرنے پر رضامند ہوئے دہلی پہنچنے پر سلطان شمش الدین التمش نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔

خانزادہ اسد خان کی موت کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی ہوئی جب دربار شاہی میں پہنچی تو احمد شاہ (بادشاہ دہلی) اور اس کے وزیر نواب غازی الدین اور دربار میں موجود۔ دیگر امراء وزراء بہت رنجیدہ ہوئے اور دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ اس موقع پر راجہ دیبی دت دیوان اٹھ کھڑا ہوا اور اس سکتے کو توڑتا ہوا۔ بادشاہ سے یوں مخاطب ہوا:

"(عالم پناہ نواب اسد خان نے میدان جنگ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اپنا وقار اپنی خاندانی عظمت اور اپنے بزرگوں کی تاریخی روایات کو برقرار رکھا اس سردار کی جاں نثاری و وفاداری سلطنت مغلیہ کے لئے باعث فخر اور طرہ امتیاز ہے۔ اس لئے اس کے خوں کو رائیگاں جانے سے بچانے کی خاطر میں خدمت عالیہ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ:" (نواب اسد خان کے فرزند ذوالفقار خان یا نوازش خان کو بلوا کر ۔سلطنت کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے کویل کی جانب روانہ کیا جائے۔)

دربار میں موجود وزاء میں سے ایک وزیر نے مذکورہ تجویز کی تائید میں عرض کیا:۔

"بادشاہ سلامت۔ دلیل خان و کامگار خان بلوچوں سے دوستانہ مراسم رکھنے والے یہ باحوصلہ دونوں نوجوان ۔نوازش خان۔ و۔ ذوالفقار خان اس مہم کے لئے نہایت ہی بہتر ثابت ہوں گے یہ دونوں بھائی اپنے باپ کی شکست اور اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اپنے سر۔ دھڑ۔ کی بازی لگا دیں گے۔ اس لئے باغیوں کو

سزا دینے کے واسطے ذوالفقار خان کو طلب کیا جائے۔

راجہ دیبی دت دیوان کی مذکورہ تجویز اور اس سے حاضرین دربار کی حفقہ تائید پر:۔

ایک پروانہ مزیّن بہ مہر شاہی صادر ہوا کہ:۔ (کویل کی مہم کے واسطے فرخ نگر سے فوراً خان زادہ ذوالفقار خان بن نواب اسد خان المدیا کو طلب کیا جائے۔)

اس پیغام شاہی کے بعد جب ذوالفقار خان دربار شاہی میں حاضر ہوا تو احمد شاہ بادشاہ نے سپاہ کے اخراجات کے واسطے کچھ خزانہ سیتارام خزانچی کو دیا۔ اور پھر ایک جم غفیر لشکر معہ جنگی ساز و سامان ذوالفقار خان کی سرکردگی میں دے کر اسے اشرف بیگ (برادرزادہ مرحوم مراد بیگ داروغہ) کے ہمراہ کویل کی جانب روانہ کیا۔

ذوالفقار خان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی باغیوں میں ہلچل مچی اور ان کے پیر اکھڑ گئے۔ سب سے پہلے راجہ سورجمل بن بدن سنگھ جاٹ بھرت پور کی جانب بھاگ نکلا۔" (یاد رہے یہ راجہ سورجمل جاٹ بعد میں نواب نجیب الدولہ روہیلے پٹھان کی لڑائی میں سعید محمد خان اور خان زادہ واحد خان بن نواب اسد خان المدیا کے ہاتھوں 1177ھ 1763ء 1820 بکرمی میں مارا گیا)۔ راجہ بہادر سنگھ بھی گھبرا کر گھاسیٹرہ کی طرف نکل گیا اس کے بعد نواب فتح علی خان بھی حوصلہ ہار کر دوآب کی جانب فرار ہوگیا۔ جس کے بعد خانزادہ ذوالفقار خان با آسانی کویل میں داخل ہوگیا اور وہاں پر کافی عرصے تک بادشاہ دہلی کے ماتحت حکومت کرنے کے بعد استقسا کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا۔ اس کا دوسرا بھائی نوازش خان قصبہ ماچھرولی پرگنہ کشن گڑھ میں راجہ جواہر سنگھ بن راجہ سورجمل جاٹ سے جنگ کرتے ہوئے اپنے حقیقی برادران بہادر خان و ناہر خان اور اپنے دیگر نوسو ساتھیوں سمیت ماہ محرم بروز عاشورہ شہید ہوا۔

مذکورہ چاروں بھائیوں کی اولاد میں سے واحد خان اور مست خان سے جو اولاد ہوئی انہوں نے

بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے دربار دہلی اور سرکار جے پور میں ہمیشہ اپنے دادا اسد خان کا نام روشن رکھا۔

تاریخ راجپوتان ہند اور "تاریخ مرقع میوات" میں نواب اسد خان اور اس کے بیٹوں سے متعلق کافی کچھ ذکر پایا جاتا ہے۔ "علمدیکا" کے اور بھی کئی نامی سردار گذرے ہیں جیسا کہ نواب امیر خان کے علاوہ شہامت خان جو والئی ٹونک کا سپہ سالار تھا وہ بھی "علمدیکا" کا رہنے والا تھا۔ مگر ایسے سرداروں کے اذکار تاریخوں میں نہایت مختصر انداز میں پائے جاتے ہیں۔

☆☆

"ذوالفقار خان"

"جاگیردار گھساؤلی" نواب ذوالفقار خان (بہادر اسد جنگ) بن نامدار خان بن عظمت خان بن بازید خان بن دریا خان بن اسمائیل خان بن محمود خان بن پیر شہاب خان بن سردار بہادر ناہر خان (مورث اعلےٰ قوم خانزادگان میوات) کو تاریخوں میں (خاتم الامرائے خانزادگان میوات) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

والیان میوات اور دیگر نامی خانزادہ سرداروں کے بعد نواب مذکورہ میواتی خانزادوں کا آخری اور زبردست نامور سردار گذرا ہے۔ جس کی بہادری اور شجاعت کے قصے اردو فارسی ترکی اور انگریزی تاریخوں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

نواب ذوالفقار خان اور اس کے بھائیوں نے عدل وانصاف کی خاطر مقام تالڑا گھساؤلی اور بہراوت میں جو کہ (گوبند کے جنوب میں تقریباً سات کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں)۔ اونچے اونچے تھڑے بنوائے ہوئے تھے۔ جن پر بیٹھ کر قسم ودھرم کی بنیاد پر رعایا کے فیصلے کیے جاتے تھے۔ ان مقدس تھڑوں (چبوتروں) سے متعلق علاقہ میوات اور اس کے گردونواح کے لوگوں میں اعتقاد کا یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ ان

تھڑوں پر بیٹھ کر کئے جانے والے فیصلہ جات میں کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ اسی بنیاد پر مذکورہ مقدس تھڑوں پر بیٹھ کر کئے جانے والے فیصلہ جات کو عدالتی حیثیت حاصل تھی۔ اس قسم کے مقدس تھڑے (چبوترے) حصول انصاف کی خاطر اس سے پہلے کے خانزادہ سرداروں نے بھی اپنے اپنے علاقہ جات میں بنوائے ہوئے تھے۔

گھساؤلی (گوبندگڑھ) عرف ''نگر'' کے اردگرد کا علاقہ فتح کرنے کے بعد نواب مذکورہ (رئیس اعظم) کہلانے لگا۔ اور پھر اس نے اپنے پردادا نواب بازید خان کے بنوائے ہوئے گھساؤلی عرف ''(نگر)'' کے خام قلعے کو اپنی حفاظت کی خاطر از سر نو پختہ طور پر تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ ایک قلعہ ''بہراوت'' میں بھی موجود تھا۔ جس کے اندر ناہر خان کا بنوایا ہوا محل نواب مذکور کے زیر تصرف تھا۔

قصبہ گھساؤلی کو نواب بازید خان نے آباد کر کے اس کے گرد ایک خام فصیل بنوائی تھی جو نواب ذوالفقار خان نے اپنے زمانے میں پختہ بنوائی۔

راجہ سورجمل پسر بدن سنگھ جاٹ (رئیس بھرت پور) نے اپنے حکم عدولی کے سبب جب بہادر پور کے سیدوں اور میواتی خانزادوں پر اپنی فوج سے گولہ باری کرائی تو یہ لوگ اپنے بھرے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر ''گھساؤلی عرف نگر'' میں خانزادہ ذوالفقار خان کے پاس آ کر پناہ گزیں ہوئے تھے۔

1177ھ 1763ء 1820ء بکرمی میں جلال الدین شاہ عالم ثانی (بادشاہ دہلی) کے وزیر نواب نجیب الدولہ روہیلے پٹھان کی لڑائی میں راجہ سورجمل جاٹ (رئیس بھرت پور) سعید محمد خان بلوچ اور خانزادہ واحد خان بن اسد خان المدیا کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے مارے جانے کے بعد اس کا بیٹا جواہر سنگھ بھرت پور کا راجہ بنا۔ جس نے نواب ذوالفقار خان کے دبدبے اور شان و شوکت کے پیش نظر اپنے باپ کے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے اس

نواب مذکور سے دوستانہ تعلقات استوار کرلئے جس کی بناء پر نواب موصوف اس راجہ جواہر سنگھ (رئیس بھرت پور) کی طرفداری میں ہمیشہ اس کے دشمنوں سے لڑ کر اس کے ساتھ اپنی دوستی کا عہد نبھاتا رہا۔

1178ھ 1764ء 1821ء بکرمی میں جب راجہ جواہر سنگھ کی لڑائی دہلی کے اندر اپنے باپ کے دشمن نواب نجیب الدولہ روہیلے پٹھان کے ساتھ ہوئی تو راجہ جواہر کی فوج شکست کے کنارے پہنچ کر حوصلہ ہار بیٹھی۔ اس سے پہلے کہ روہیلے پٹھان اپنی فتح کا جشن مناتے نواب ذوالفقار خان اپنی فوج لے کر راجہ جواہر کی مدد کی خاطر وہاں پہنچا۔ اور نہایت پھرتی و چابکدستی سے یہ پٹھان فوج پر حملہ آور ہوا۔ اور آناً فاناً جنگ کا نقشہ بدلتے ہوئے اس نواب نے روہیلے پٹھانوں کو شکست فاش دی۔ ہاتھی پر سوار اس جنگ کی تمام صورت حال دیکھنے والے راجہ جواہر نے اپنے سرداروں سے دریافت کیا کہ: (ہماری شکست کو فتح میں بدلنے والے اس فوجی دستے کا سردار کون ہے؟) اس پر راجہ جواہر سنگھ کے پرانے سردار مداری میو نے جواب دیا۔

(حضور اس سے آپ کا نام روشن کرنے والی اس فوجی جماعت کا سردار آپ کا دوست خان زادہ ذوالفقار خان (رئیس گھساؤلی ہے)۔

اس پر راجہ جواہر نے نواب موصوف کو اپنے پاس بلوایا اسے اپنے ہاتھی پر اپنے ساتھ بٹھا کر راجہ اپنے ڈیرے کی طرف واپس لوٹا۔ اور ڈیرے پر پہنچتے ہی اس راجہ نے دہلی کی مذکورہ شاندار فتح کے صلے میں ذوالفقار خان کو ایک گراں بہا خلعت بطور انعام عطا کرتے ہوئے اسے علاقہ میوات کی فوجداری پر مقرر کیا۔

1179ھ 1765ء 1822ء بکرمی میں مرہٹوں کے متواتر حملوں سے جب ریاست میں ابتری پھیلی تو اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی خاطر راجہ جواہر سنگھ (رئیس بھرت پور) نے ایشری سنگھ کے بیٹے مادھو سنگھ (رئیس جے پور) کی ریاست کے ماتحت مقام ''کاماں'' اس سے طلب کیا۔ اس کے انکار پر راجہ جواہر (رئیس بھرت پور) نے مادھو سنگھ سے جنگ کرنے کی ٹھانی اور اس نے اس مقصد کے لئے بہانہ یہ بنایا

کہ۔ ''(پشکر میں نہانے کے لئے جاتے وقت میں جے پور کی سرحد کے اندر سے گزروں گا۔)''

یہ خبر نواب ذوالفقار خان اور اُس کا حقیقی بھائی خان زادہ نواب ثابت خان کے لئے تشویش کا باعث بنی چونکہ ان دونوں بھائیوں کے مراسم مذکورہ دونوں راجاؤں کے ساتھ بہت اچھے تھے۔اس لئے ان دونوں کے آپس میں مل بیٹھ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ:۔

☆(نواب ذوالفقار خاں اپنے دوست راجہ جواہر سنگھ (رئیس بھرتپور) کا ساتھ دے تا کہ اس راجہ سے اس کی دوستی کا عہد برقرار رہے اور نواب ثابت خان اپنے دوست راجہ مادھو سنگھ (والئی جیپور) کا مددگار بنے۔تا کہ دونوں بھائیوں کا مذکورہ دونوں راجاؤں سے دوستی کا رشتہ برقرار رہے)۔☆

راجہ جواہر نے اپنے حقیقی چچا راؤ پرتاپ سنگھ (رئیس ماچیڑی و۔الور) پسر بدن سنگھ کو کچھ وظیفے کے ساتھ مقام۔''ڈھرہ'' دیا ہوا تھا۔اس مناسبت سے راجہ جواہر نے اسے اپنے ساتھ جے پور چلنے کی خواہش کا اظہار کیا۔لیکن پرتاب سنگھ نے چلنے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ:۔''(اودے پور والوں کے بعد یہی لوگ راج و سرتاج ہیں ان کے ساتھ آپ کا یہ عمل اچھا نہیں)''۔

☆اپنے چچا کے اس جواب پر راجہ جواہر نے مایوس ہو کر اسے رخصت کر دیا۔راؤ پرتاب سنگھ اپنی واپسی پر خان زادہ نواب ثابت خان سے جا ملا۔اور۔اس کا ہمراہی بن کر جیپور چلا گیا۔☆

راجہ مادھو سنگھ (والئی جیپور) کو جب نواب ثابت خان اور پرتاب سنگھ کی زبانی راجہ کے ارادے کی خبر ملی تو اس نے فوراً اپنے تمام بھائیوں اور بیٹوں کو جمع کیا اور انہیں راجہ جواہر سنگھ (والئی بھرتپور) کے ارادے سے باخبر کرتے ہوئے انہیں ہمہ وقت مستعد اور چوکنا رہنے کی ہدایت کی اور انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ:۔

☆(راجہ جواہر سے جنگ کرنے میں کسی بھی قسم کی کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھیں)۔

اسی اثناء میں خانزادہ نواب ذوالفقار خان کی سرکردگی میں راجہ جواہر توپ خانے کے ساتھ ایک

بہت بڑا لشکر لے کر نہانے کے لئے پشکر پہنچا۔ اور جاتے وقت ''جے پور'' والوں کو یہ پیغام کہلا بھیجا کہ:۔
''جب تک ہم نہا کر پشکر سے واپس آئیں اُس وقت تک وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں''۔

پشکر پہنچ کر راجہ جواہر نے جیپور والوں کے عظیمی وقدیمی دشمن راجہ بجے سنگھ (والئی مارواڑ) سے پگڑی بدل کر دوستی قائم کر لی۔ اس خبر سے جیپور والوں کو دھچکا لگا۔

جے پور کے راجہ مادھو سنگھ نے اپنے ساتھیوں اور سرداروں کے اس جنگی مشورہ جات میں سردار گرسہائے (مشیر راج جے پور) سردار ہرسہائے (مشیر راج جے پور) اور ٹھاکر دیلل سنگھ وجاگیر دار دھولا کو بھی شامل کر لیا۔ جنہوں نے اپنے اس راجہ کے مشورے سے راجہ جواہر کو بذریعہ خط متنبہ کیا کہ:۔ (جے پور کی سرحد کے اندر سے اُس کی واپسی اُس کے حق میں سودمند نہ ہوگی)۔ ☆ لیکن فتح دہلی کے بعد اپنے اندر پیدا ہونے والے غرور وتکبّر کے نشے میں سرشار یہ راجہ جواہر بذریعہ خط موصول ہونے والے پیغام کو خاطر میں نہ لایا۔ اور اسی راستے سے واپس آیا جس کے باعث جنگ کا بادل اُمڈ آیا۔ جس کے زیر سایا علاقہ شیخاواٹی کے مقام ''مانوڑہ'' میں دونوں فوجوں نے لڑائی کا جال بچھایا۔ ایک راجہ نے تکبّر کے نشے میں اپنی آنکھوں پر ہوس کی پٹی باندھی۔ تو دوسرے نے انا کو اپنے ماتھے کا جھومر بنایا ان جذباتی سوچوں نے انسانیت کو حیوانی خول پہنایا جس کے بعد دونوں طرف سے خون جوش میں آیا اور پھر ہر کسی کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس جنگ میں ہر ایک میدانِ جنگ کا باز نظر آیا۔ جو ایک دوسرے پر پلٹتا جھپٹتا ہوا پایا۔

اس میدان میں ہر فرد بپھرا ہوا پایا۔ اس طرح اس جنگ نے اپنا منفرد خونی رنگ جمایا۔ جس کے آنچل میں کسی نے زخم کھایا۔ اور کسی نے سر کٹایا۔ آناً فاناً یہ میدان لاشوں کے ڈھیر کا بازار نظر آیا۔ ان بکھری لاشوں نے دونوں طرف کی غیرت کو اُکسایا کیا گھوڑا کیا ہاتھی کیا دشمن کیا ساتھی ہر ایک یہاں خون میں نہایا اور زخموں سے چور نظر آیا غرض یہ کہ ان دونوں راجاؤں کی فوج نے مل کر ایک دوسرے کے خلاف اس میدان میں

ناقابل فراموش و ناقابل تلافی خون کی ایک وہ عظیم ہولی کھیلی جس پر زمین تھرائی آسمان حیران ہوا۔ اور انسانیت خوفزدہ ہو کر کانپ اٹھی اور پھر وہ آہ و زاریوں کے دوش پر آنسو بہاتے ہوئے سراپا احتجاج بن کر تاریخی اوراق پر داستانِ الم بن کر جم گئی۔

راجہ جواہر سنگھ (والئی بھرتپور) کی جانب سے اس جنگ میں حصہ لینے والے سردار اس طرح تھے:۔

(1) خانزادہ نواب ذوالفقار خان (یہ بھرتپور کی کُل فوج کے سپہ سالار تھے)۔

(2) خانزادہ نواب نجابت خان (متوطن ماچھرولی پرگنہ کشن گڑھ)۔

☆ "(اسے گراں بہا خلعت کے ساتھ، پرگنہ ماٹھ، مہابن اور ضلع متھرا کی فوجداری عنایت کرنے کے بعد راجہ جواہر نے اس لڑائی میں اپنے ساتھ ملایا تھا)"۔

(3) خان زادہ نواب عظمت خان "متوطن شاہ آباد" (اسے راجہ نے علاقہ تجارہ کے بائیس گاؤں کی جاگیر کی سند عطا کرنے کے بعد اپنے ساتھ ملایا)۔

(4) شمرو فرانسیسی (یہ یورپ سے لائے ہوئے توپ خانے اور تین سو بدمعاش آوارہ گرد فرانسیسی سپاہیوں کی ایک پلٹن اپنے ساتھ رکھتا تھا اور راجہ سورجمل کے زمانے سے یہاں پر رہائش پذیر ہونے کے ناطے مذکورہ جنگ میں یہ توپ خانے کا انچارج تھا۔

(5) مداری میو "برکتیا" یہ راجہ سورجمل کے زمانے سے راجہ جواہر کے سرداروں میں تھا۔

(6) روپ رام کٹارا۔

(7) فوجدارانِ قوم جاٹ۔

☆ مادھو سنگھ (والئی جے پور) کی طرف سے درج ذیل سردار شامل ہوئے تھے۔

(1) خانزادہ نواب ثابت خان (برادر ذوالفقار خان "رئیس گھساؤلی)۔

(2) راؤ پرتاب سنگھ (رئیس ماچیڑی والور)۔

(3) ٹھاکر دلیل سنگھ (جاگیر دار دھولا)۔

(4) ہر سہائے وگر سہائے (مشیران راج جے پور)۔

اس جنگ کی ابتدا میں راجہ مادھو سنگھ (والئی جیپور) کی طرف سے ٹھاکر دلیل سنگھ (جاگیر دار دھولا) لڑائی کے لئے آگے بڑھا۔ اور مخالف سمت سے بھرت پور کی پوری فوج کا سپہ سالار نواب ذوالفقار خان میدان میں آیا۔ جنگ چھڑی اور بہت ہی جلد ذوالفقار کے ہاتھوں دلیل سنگھ مارا گیا۔ جس کے بعد گھمسان کی جنگ چھڑی اور نواب مذکور ٹھاکر مذکور کے سواری کے ہاتھی بنام ''دل بادل'' کو بھی پکڑ کر لڑتے بھڑتے ہوئے راجپوتوں کے درمیان سے اپنے ساتھ باہر لے آئے۔

سردار گر سہائے اور سردار ہر سہائے کو جب اپنے نامی سردار جاگیر دار دھولا کے قتل ہونے کی خبر ملی تو یہ مشتعل ہوئے اور اپنے تمام سرداروں کے ہمراہ یکبارگی بھرت پور کی فوج پر حملہ آور ہوئے اس حملے میں دونوں طرف کے کئی سردار اور ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ اس حملے میں نواب ذوالفقار نے اپنی بہادری اور جنگی جوہر دکھاتے ہوئے مخالفین کو کافی حد تک نقصان پہنچایا۔

ذوالفقار خان کی نظر جب خون میں نہائے ہوئے اپنے بھائی پر پڑی (جو پرے کے پرے صاف کرتے ہوئے نہایت بہادری کے ساتھ بھرت پور کی فوج پر برق و باد کی مانند حملہ آور تھے)۔ تو یہ اُسے بچانے کی تدبیر میں دو مرتبہ لشکر کو چیر پھاڑ کر آگے گئے مگر ناکام رہے۔ نواب موصوف نے موت کو جب اپنے بھائی کے بالکل قریب دیکھا تو یہ تیسری مرتبہ اپنی جان پر کھیلتے ہوئے اپنے پورے جوش و خروش کے ساتھ لشکر کو چیرتے پھاڑتے ہوئے اپنے زخمی بھائی نواب ثابت خان تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور وہاں پر موجود ایک مخالف راجپوت سردار کو قتل کرنے کے بعد اس کے ہاتھی پر اپنے بھائی کو ڈالا اور پھر لڑتے بھڑتے لشکر کو چیرتے

ہوئے میدانِ جنگ سے باہر نکل آئے اور پھر اپنے دو چار سرداروں کی نگرانی میں زخموں سے نڈھال اپنے بھائی ثابت خان کو اپنے ڈیرے کی طرف روانہ کر دیا۔☆

یہ جنگ اپنا بھیانک روپ دھارے ہوئے اپنے عروج پر تھی اور اس میدان میں خون کی ہولی کا کھیل ابھی بدستور جاری تھا کہ اسی اثناء میں راجہ جواہر کی جانب سے بھرتی کی ہوئی مغل فوج اس سے غداری کر بیٹھی اور راجہ جواہر کا اپنے پاس موجود دس لاکھ روپے کا خزانہ لے کر بھاگ کھڑی ہوئی راجہ کے کچھ فوجی سواروں نے مغل فوج کا تعاقب کیا اور اُسے جالیا پھر ان دونوں میں باہم لڑائی ہونے لگی۔ افراتفری کے اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے والئی جے پور کی فوج نے راجہ جواہر کی فوج پر ایک بار پھر اپنا بھرپور حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں جواہر کی فوج کے پیر اکھڑ گئے اور جاٹ فوج بھاگنے لگی۔

جنگ کی اس موجودہ صورتحال سے باخبر کرنے کے بعد راجہ کو اس کی جان کی حفاظت کی خاطر شمر و اپنے ساتھ راجہ کو پلٹن میں لے آیا۔ جہاں نواب ذوالفقار نے راجہ کو اپنے فوجیوں کے درمیان لیا۔ اور پھر اپنی دفاعی پوزیشن لے کر ذوالفقار نے شمرو فرانسیسی کو جیپور کی فوج پر گولہ باری کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس گولہ باری میں پھوا ہے۔ راجپوتوں کے نامی سردار مشیران راج جیپور گر سہائے اور ہر سہائے وغیرہ مارے گئے۔ دشمن پر گولہ باری کراتے ہوئے اور دشمن کے حملوں کو مدافعانہ طور پر روکتے ہوئے نواب ذوالفقار خان اپنے راجہ جواہر سنگھ کو اپنے فوجیوں کے درمیان لے کر میدان جنگ سے باہر نکلے۔ اور پھر راجہ کو اپنے ساتھ لے کر کشن گڑھ کے راستے بخیریت بھرت پور واپس آن پہنچے بالآخر راجہ کا تکبر اپنے انجام سے ہمکنار ہوا۔ اور پھر علاقے کی عورتوں نے ایک مدت تک اپنے گانے کے ذریعے راجہ جواہر کی مذکورہ شکست کا مذاق اڑایا۔ اس گانے کا ایک مصرع تاریخوں میں اس طرح پایا جاتا ہے۔

”(بل گھٹ گیو پشکر کے نہانے سے)“

ذوالفقار خان کے بارے میں دریافت کرنے پر راجہ جواہر کو اس کے بھائی خانزادہ نواب ثابت خان کے زخمی ہونے کی خبر ہوئی جس پر یہ راجہ باز پرسی کے لئے اس کے ڈیرے پر آیا اور ان دونوں بھائیوں کو تسلی و تشفی دینے کے بعد راجہ جواہر نے نواب ثابت خان کو ایک عہدہ جلیلہ سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر اس کے بھائی نواب ذوالفقار کو گلے سے لگایا اور اپنی ملبوس خاص (گراں بہا خلعت) ''جو راجہ پہنے ہوئے تھا'' بطور انعام دے کر اسے مورد الطاف فرمایا۔

1182ھ 1768ء 1825ء بکرمی میں قلعہ آگرہ کے اندر ایک لڑائی ہوئی جس میں دھوکے سے راجہ جواہر سنگھ (والئی بھرت پور) اپنے پرانے سردار ''مداری میو'' کے ہاتھوں مارا گیا۔ ان دونوں کی وفات کے بعد ریاست میں ابتری پھیلی اس بدنظمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راؤ پرتاب سنگھ (رئیس ماچیڑی والور) ریاست کو لوٹ کھسوٹ کرنے نئے علاقے فتح کرنے لگا۔ اسی اثناء میں پیپل گڑھ کا جاگیردار بدھ سنگھ بھی (لاولد) فوت ہو گیا۔ اس کی موت کے فوراً بعد یہاں کے اہیروں نے میوؤں سے لڑنا شروع کر دیا۔ میوؤں کی درخواست پر نواب ذوالفقار خان نے یہاں کا نظم و نسق سنبھال لیا۔

اس کے بعد نواب ذوالفقار خان کو جلال الدین شاہ عالم ثانی عہد حکومت (1759ء تا 1806ء) کی فوج کے سپہ سالار نواب مرزا نجف خان کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ جس کی صحبت کے باعث نواب ذوالفقار نے شیعہ فرقہ اختیار کر لیا۔ اور پھر اسی سپہ سالار کے توسل سے نواب ذوالفقار خان نے شاہ عالم ثانی (بادشاہ دہلی) کے دربار میں اپنا اثر رسوخ حاصل کر لیا۔

1194ھ 1780ء 1837ء بکرمی میں شاہ عالم ثانی نے اپنے سپہ سالار مرزا نجف خان کے ہمراہ نواب نجف خان کے ہمراہ نواب ذوالفقار کو قلعہ ڈیگ کی مہم پر روانہ کیا اور اس کے ساتھ اس کے عزیز خان زادہ جہانگیر (متوطن مبارک پور) کو بھی روانہ کیا۔

اس قلعہ ڈیگ کی شاندار فتح کے صلے میں شاہ عالم ثانی نے خانزادہ نواب ذوالفقار کو "(بہادر اسد جنگ)" کا خطاب عطا کرتے ہوئے اسے پرگنہ "کاماں" کی فوجداری پر مقرر کیا۔اور اس کے ہمراہی وعزیز خان زادہ جہانگیر (متوطن مبارک پور) کو خلعت فاخرہ عنایت کرتے ہوئے عہدہ رسالداری پر سرفراز فرمایا۔

1203ھ 1789ء 1846ء بکرمی میں شاہ عالم ثانی (بادشاہ دہلی) کے وکیل "مادھوراؤ سندھیا" نے نواب ذوالفقار خان کے لئے اس کے پرگنہ گھساؤلی کی جاگیر میں متعدد گاؤں کا اضافہ کیا۔اس سے پہلے نواب موصوف کی جاگیر میں باون گاؤں تھے۔

☆☆

زوال

"ذوالفقار"

1218ھ 1803ء میں لارڈ لیک سے شکست کھانے کے بعد مرہٹے بھاگ کر جب دہلی سے گھساؤلی میں آئے تو خانزادہ ذوالفقار خان (جاگیردار گھساؤلی) نے ان مرہٹوں کا بچا کھچا مال لوٹ کر ان کے جسم کے کپڑے تک اتروا لئے اور انہیں مار پیٹ کر گھساؤلی سے باہر نکال دیا۔نواب کے اس رویے سے اس کے خلاف مرہٹوں میں سخت نفرت واشعال پھیل گیا۔نواب ذوالفقار سے مرعوب اور اس کی اکثر چھیڑ چھاڑ سے تنگ موقع محل کے متلاشی راجہ سورجمل کے بھائی راجہ پرتاب سنگھ کے بیٹے راؤ بختاور سنگھ (رئیس ماچیڑی) نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس نے مرہٹوں کو اپنے اعتماد میں لیا۔اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر یہ نواب مذکور پر اس وقت حملہ آور ہوا جب وہ سویا ہوا تھا۔اس اچانک حملے سے نواب موصوف کو شکست ہوئی۔اس حملے میں راؤ بختاور سنگھ نواب مذکور کے ان پانچ سو جنگی گھوڑوں پر بھی

قابض ہوا۔ جو قلعے کے اندر ہمہ وقت جنگ کے لئے تیار رہتے تھے اپنی اس فتح کے بعد بختاد وسنگھ نے فوراً قلعہ گھساؤلی کو مسمار کرا کے اس کی جگہ پارک بنوایا۔ اور گھساؤلی کو برباد کر کے اس کی جگہ قصبہ گوبند گڑھ آباد کیا۔

اس موقع کا ایک ہندی شاعر کا شعر جو اکثر خانزادوں کے میراسیوں کی زبان پر آج بھی سنا جاتا ہے وہ اس طرح ہے۔

دکھنی دیس کا سندھیا اور ماچیڑی کا راؤ

ان دونوں مل کا ڈھیا ذوالفقار امراؤ

نواب موصوف کو دربار دہلی سے ''بہادر اسد جنگ'' کا خطاب ملا تھا اسکے بعد مذکورہ شکست سے نواب مذکور اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ دربار دہلی میں جانا ان کے لئے شرمندگی کا باعث بنا اس لئے نواب موصوف نے دہلی کی بجائے اپنے مختصر ہمراہیوں سمیت لکھنو کا رخ کیا۔ یہاں آ کر خان زادہ جمیعت خان ''وزیر الممالک ومعتمد علیہ سرکار'' کی سفارش پر نواب آصف الدولہ کے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ نواب آصف الدولہ جو نواب ذوالفقار کی شہرت وشجاعت سے پہلے ہی متاثر تھا اس لئے آصف الدولہ نے نواب مذکور کو بریلی کی حکومت پر مقرر کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے اسے بروقت ایک گراں بہا خلعت فاخرہ بطور تحفہ عنایت فرمائی۔ اپنے ڈیرے پر پہنچتے ہی ذوالفقار خان نے یہ خلعت فاخرہ اپنے ایک خدمت گار کو دے دی اپنے ایک مخبر کے ذریعے شاہی خلعت کی اس ناقدردانی کی خبر سن کر وزیر الممالک خانزادہ جمیعت خان بہت ناراض ہوا۔ اور اپنے فوجی رسالدار کو حکم دیا کہ وہ خانزادہ ذوالفقار خان کو فوراً شہر بدر کر دے۔

قسمت کی اس ستم ظریفی کے بعد نواب موصوف ''بندھیل کھنڈ'' چلے گئے وہاں پہنچ کر یہ اپنے ہمراہیوں سمیت نواب علی بہادر روہیلے پٹھان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ جس کا ذکر تاریخوں میں اس طرح

ملتا ہے کہ:

(اس لشکر میں کافی عرصے سے ان کا جاں نثار و وفادار دوست ''گوسائیں ہمت سنگھ'' بھی موجود تھا۔ جب اسے اپنے دوست نواب مذکور کی آمد کی اطلاع ملی تو یہ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور خوشی خوشی ملنے کے لئے اس کے پاس آیا اور پھر از راہ ہمدردی اسے اپنے ساتھ نواب علی بہادر کے دربار میں لے گیا۔ اور وہاں پہنچ کر اس نے نواب مذکور کی حاکیت شجاعت و جوانمردی کے واقعات بیان کرنے کے بعد اس قسمت کے مارے باون گاؤں کے جاگیر دار خان زادہ نواب ذوالفقار خان ''بہادر اسد جنگ''' (رئیس گھساؤلی)'' کو نواب علی بہادر کے پاس ملازمت دلا دی)۔

تقدیر کے ہاتھوں مجبور یہ نواب مذکور ابھی اطمینان کا سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ: نواب علی بہادر اور ''راجہ لونی ارجن رائے بندھیلہ'' کی لڑائی ٹھن گئی اس موقع پر نواب علی بہادر نے نواب مذکور کو بلا کر حکم دیا کہ: وہ اس میں اپنی جنگی صلاحیتوں کا بھر پور کردار ادا کرے اس لڑائی کی فتح پر اسے ایک معقول عہدہ دیا جائے گا۔'' اس حکم کے بعد نواب مذکور نواب علی بہادر کے لشکر کے ہمراہ ہو لیا۔

غرض یہ کہ: اس طرح تقدیر زمانے کے نشیب و فراز اور دنیا کے رنگ ڈھنگ دکھاتی اور دیس پردیس گھماتی پھراتی ہوئی نواب ذوالفقار خان کو بالآخر اس میدان میں کھینچ لائی جہاں موت پہلے ہی سے اس کی منتظر تھی۔ اس سے تقدیر اس کے دل پر حکمرانی کرنے لگی۔ اور دل ہر اس بات پر آمادہ ہوا جو تقدیر کو کرانا مقصود ہوا۔ دل کی فرمانروائی کے تحت نواب موصوف نے طوالت جنگ سے بچنے کی خاطر اس لڑائی کو مختصر سانچے میں ڈھالنے کے پیش نظر اس جنگ میں اپنی نئی حکمت عملی اپنائی اور پھر یہ اپنے ہمراہیوں سمیت دشمن پر ایک جانب سے حملہ آور ہوئے اور دشمن کے لشکر کو چیرتے پھاڑتے لڑتے ہوئے راجہ کے قریب پہنچے اور ہاتھی پر سوار راجہ کے سینے پر اپنی برچھی کا بھر پور وار کیا۔ جس کے لگتے ہی راجہ لونی ارجن رائے زمین پر گرا اس کے

گرتے ہی نواب کے ہمراہیوں نے راجہ کا کام تمام کر دیا۔

راجہ ارجن [illegible] کے لشکر میں بھگدڑ مچی راجہ ارجن لوئی کے فیلبان نے بھاگتے وقت نواب ذوالفقار کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ جس کے لگتے ہی نواب موصوف اپنے گھوڑے سے گرے اور پھر تقدیر نے ان کے بہتے ہوئے خون کی خوشبو کے ذریعے ہواؤں کے دوش پر جا کر ''قزاق اجل'' کو اس کے پاس آ کر اپنا کام دکھانے کا پیغام کہلا بھیجا۔

''(یہاں پر یہ یاد رہے کہ: مرزا نجف سپہ سالار شاہ عالم ثانی (بادشاہ دہلی) کی صحبت کے زیر اثر نواب ذوالفقار نے شیعہ فرقہ اختیار کر لیا تھا۔ اور شہید کربلا سے نواب مذکور کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کی تکالیف اور پیاس کی شدت یا داستان الم کا ذکر کرتے یا سنتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔)''

نواب علی بہادر اپنی اس فوری و شاندار فتح پر گوسائیں ہمت سنگھ کے ہمراہ جب میدان جنگ میں اپنے زخمیوں کو دیکھتے آئے تو خانزادہ اجمیری خان خانزادہ اصالت خان اور اپنے دیگر خدمت گاروں کے درمیان نواب ذوالفقار خان کو خون میں غرق دیکھ کر حیران ہوئے۔ ان کے پیارے دوست گوسائیں ہمت سنگھ نے فوراً پانی منگوا کر ان کے زخموں کو دھلوایا۔ اپنے دوست کی آواز سن کر جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو پینے کے لئے آپ کو شربت پیش کیا گیا۔ لیکن آپ نے حضرت امام حسینؑ کا نام لیتے ہوئے شربت پینے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے نواب ذوالفقار کی گردن ایک جانب ڈھلکی اور روح قفس عنصری سے آزاد ہو کر عالم بالا کی جانب پرواز کر گئی۔

نواب مذکور کے ہمراہی و ساتھی اپنے اس عظیم سپہ سالار و میر کارواں کی اس بے بسی پر روتے اور ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اس کی موت کے بعد تمام غمزدہ رفقاء ہمراہیوں ساتھیوں اور دیگر لوگوں نے سائبان غم کے زیر سایہ اپنی اشکبار آنکھوں اور اپنی آہوں اور سسکیوں کی بوچھاڑ میں نواب مذکور کا جسد خاکی بندھیل کھنڈ کے

شہر ''مہوبہ'' میں بااعزاز تمام سپرد خاک کر دیا گیا۔

☆نواب مذکور لاولد فوت ہوئے اولاد ہونے کی خواہش میں مقام ڈیگ سے آپ نے ایک سادھو بیراگی بنام۔''(بیدھو داس)'' کو بلا کر گھساؤلی کے ایک گاؤں میں آباد کیا تھا جو بعد میں یہ گاؤں۔''(بیدھوکا)'' کے نام سے مشہور ہوا۔اس گاؤں کو بیدھو داس بیراگی نے بعد میں ''(مندر بھوگ)'' کے نام سے اپنے نام داخل کرالیا تھا۔جو آج تک بیراگیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے۔

نواب ذوالفقار خان شمشیر زنی میں اپنی مثال آپ تھے۔اپنے چالیس سالہ دور اقتدار میں جیپور سے دہلی تک نواب مذکور کی شمشیر زنی کی دھاک جمی ہوئی تھی۔بڑے بڑے نامی سردار اور بہادر لوگ ان کے مقابل آنے سے کتراتے تھے۔

☆شہر مہوبہ میں اُن کے مزار پر ہر سال فنون جنگ وسپہ گری کا ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔بہادری اور شمشیر زنی میں اعلےٰ مہارت کے پیش نظر روھیلے پٹھان، خانزادہ ذوالفقار خان کو اپنا اُستاد تسلیم کرتے ہیں۔ان روھیلے پٹھانوں کا نواب مذکور سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ جب بھی ان کے خاندان میں سے کوئی نوجوان شمشیر زنی میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اپنے حلقہ احباب سمیت میلے کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ نواب موصوف کے مزار پر حاضر ہوتا ہے اور اپنے تمام ہتھیاروں کو مزار پر سجا کر رکھ دیتا ہے اور شیرینی پر فاتحہ دلانے کے بعد اُسے تقسیم کرتا ہے اور پھر نواب مذکور کے مزار کو سلام کرنے کے بعد تمام موجود لوگوں کے سامنے اپنے ہتھیار اٹھا کر زیب تن کرتا ہے اس کے بعد اس نوجوان کو مقابلہ کرنے کے قابل سمجھ کر اُسے میدان میں اتار کر بھرے میلے میں اُس کا مقابلہ کرایا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ آج بھی ان کے ہزاروں عقیدت مند ان کے مزار پر چڑھاوا چڑھا کر منتیں مانتے اور مرادیں پاتے ہیں۔

☆نواب مذکور کی شان میں کسی شاعر نے درج ذیل شعر رقم کیا ہے۔

اے شان حیدری زجبیں تو آشکار

نام تو نبرد کند کار ذوالفقار

☆☆

خان زادوں کی "تعمیرات"

ہندوستان کے علاقۂ میوات میں اپنی حکومت کے دوران میوات کے خانزادوں نے اپنی رہائش و حفاظت کی خاطر کئی محل قلعہ جات اور مساجد کے علاوہ سینکڑوں عمدہ عمارات وغیرہ تعمیر کرائیں۔ جن سے متعلق تفصیل شرف صاحب کی تاریخ "مرقعٔ میوات" میں پائی جاتی ہیں۔ ان عمارات سے متعلق کچھ کے اذکار تاریخ ھٰذا میں آچکے ہیں اور کچھ عمارات کے نام وغیرہ اس طرح ہیں۔

الور:۔ محل معہ مسجد:۔ خان زادہ حسین خان

مسجد:۔ کپتان خانزادہ دولھے خان

گنبد معہ مقبرہ:۔ خان زادہ فتح جنگ خان" (یہ فتح جنگ خان، بابر، بادشاہ کے حریف خان زادہ حسن خان میواتی (شاہ میوات) کے خاندان میں ہوا تھا)"۔ مذکورہ گنبد کو سردار خواص خان کے زمانے میں خانزادہ جمال خان جاگیردار کے بھائی بندوں نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ تین منزلہ عالی شان مقبرہ معہ گنبد الور شہر کے مشرق میں ریلوے لائن سے متصل رام گڑھ سے آنے والی سڑک کے کنارے پر واقع ہے۔ اس گنبد کے اندر جابجا قرآنی آیات تحریر ہیں۔ اس مقبرے کا احاطہ بہت وسیع ہے۔ جس کے تین بڑے دروازے ہیں اس کے قریب ہی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی گئی تھی جو 1932ء کی سورش کے زمانے میں ایک ہندو راجہ کے قبضے

مسجد کوٹلہ بہادر ناہر خان مورث اعلیٰ خانزادگان واقع مقام کوٹلہ ضلع گوڑگاؤں

ثانی) صفحہ 167 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

☆ (قصبہ سُہنہ دامنِ کوہ میوات میں واقع ہے۔ یہ قصبہ زمانہ قدیم کا ہے پہلے اِس پر راجپوتوں کا قبضہ تھا اِس کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا۔ خانزادوں کی حکومت کے زمانے میں اس قصبے کے اندر عمدہ عمدہ عمارت اور مسجدیں تعمیر ہوئیں)۔

مذکورہ ''جامع مسجد سُہنہ'' کی مزید تفصیل ''تاریخ مرقعٔ میوات'' کے صفحہ 167۔ صفحہ 168۔ پر پائی جاتی ہے۔ (علاوہ ازیں۔ انگریزی تاریخ)۔ ''گزیٹیرالور'' میں بھی مذکورہ جامع مسجد کا ذکر ملتا ہے۔

مانڈی کھیڑہ:۔ خانزادہ پیر محمد یعقوب خان ''شہید'' کا مزار معہ گنبد مشرق کی جانب سڑک کے کنارے پر واقع ہے جہاں پر ہر جمعرات کو نقارہ بجایا جاتا ہے اور معتقد لوگ نذر و نیاز وغیرہ کرتے ہیں۔

کوٹ قاسم:۔ مقبرہ معہ گنبد خانزادہ حضرت لاڈ خان عُرف لال شاہ۔ دہلی سے چونسٹھ کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے جہاں عُرس کے موقع پر ہر سال میلہ لگتا ہے۔

موضع بہروز:۔ مقبرہ معہ گنبد خانزادہ حضرت قادر شاہ۔ عُرف ''سورما'' اِن کے مزار پر شرف زیارت کے واسطے دُور دُور سے خلقت آتی ہے عُرس کے موقع پر یہاں ایک بہت ہی بڑا میلہ بھرتا ہے۔

شہر مہوبہ:۔ خانزادہ نواب ذوالفقار خان کے مزار پر ہر سال فنون جنگ و سپاہ گری کا ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ جس میں خاص طور پر شمشیر زنی کے مقابلے ہوتے ہیں۔

قصبہ پہاڑی:۔ مقبرہ معہ گنبد خانزادہ پیر شہاب کے مزار پر ہر سال میلہ بھرتا ہے۔

پیر شہاب خان سے متعلق پنڈت جوالا سہائے عدالتی (راج بھرت پور) اپنی ''تاریخ وقائع راجپوتانہ صفحہ 28 پر تحریر کرتے ہیں کہ:۔

☆ (قصبہ پہاڑی میں جو کہ میوات کے اندر ایک پرگنہ ہے۔ یہاں شہاب خان نامی خانزادہ پیر کی درگاہ

اپنی حقارت کا باعث جانتے تھے۔ مگر بیکار معاش کے خیال اور اوقات بسری کی فکر میں کاشتکاری کو اپنا شغل بنایا ورنہ راجپوتوں کے اندر ہل جوتنے سے ان کی سات پشتوں کو داغ لگ جاتا ہے چونکہ ان کی رگ و پوست میں بزرگوں کا خون دوڑتا ہے اس لئے وہ زمین جوتنے کی حالت میں بھی بدن پر ہتھیار سجائے رکھنا اپنا قومی فخر جانتے ہیں)"۔

مذکورہ راجپوت میواتی خانزادوں کو نہ صرف برطانوی فوج میں بلکہ شاہانِ دہلی کے ادوار میں بھی ایک خاص و منفرد مقام حاصل رہا تھا۔

ان خانزادوں کی خاندانیت و شرافت اور فوجی خدمات سے متعلق مسٹر۔سی۔اے۔ہیکٹ (سابق پولیٹیکل ایجنٹ الور) نے اپنی انگریزی "تاریخ گزیٹیئر الور" میں جو تحریر کیا ہے اُس کا اُردو ترجمہ اس طرح ہے۔

"(اندور کے موجودہ خانزادے اگرچہ اب غریب ہیں مگر وہ بھی مالک زمین ہیں ہم نے ان کو فوج میں کمیشن بھی دیا ہے۔ ان کے پاس اُس وقت کے ریکارڈ موجود ہیں جب کہ ان کا زمانہ بہت اچھا تھا"۔

ایک نوشتہ ان کے پاس جو۔ آج بھی موجود ہے اس پر اکبر بادشاہ کی مہر لگی ہوئی ہے اور۔ وہ سات ربیع الاوّل 970ھ۔ (یعنی 1562ء۔) کا لکھا ہوا ہے۔ اُس میں تحریر ہے کہ:۔

☆ "سرکار الور کے قانون گوئے۔ چودھری۔ اور مقدموں کو چاہئے کہ وہ ان چند شریف خانزادگان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں جو۔ اندور کے خاندان سے ہیں"۔

مسٹر۔سی۔اے۔ہیکٹ اپنی "تاریخ گزیٹیئر الور" میں کمانڈنگ افسر کپتان دولھے خان سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

خانزادوں نے اپنی خاندانی روایات کو نہیں چھوڑا وہ اب تک بھی فوجی ملازمت کے شائق ہیں اور

برطانوی فوج کے علاوہ ریاست الور میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔جن میں سے ایک دولھے خان بھی ہے جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ اوفیسر ہے۔اور وہ بہت بڑا آدمی ہے اور دربار میں معتد عہدے کا حق دار ہے۔

ریاست الور اور برطانوی فوج میں جن خانزادوں کی کارکردگی ''تاریخ مرقع میوات''میں تفصیل کے ساتھ درج ہے ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی اس طرح ہیں۔

☆۔کمانڈنگ افسر میجر داؤد خان بن کپتان دولھے خان	(الور)
☆۔رسالدار میجر خلیل احمد خان بن کپتان دولھے خان	(الور)
☆۔سردار بہادر کپتان رحیم خان	(تجارہ)
☆۔کپتان داؤد خان	(فیروز پور جھرکا)
☆۔کپتان گھاسی خان	(موضع خلیل پور)
☆۔کپتان نجف خان	(الور)
☆۔رسالدار میجر رحیم	(تجارہ)
☆۔رسالدار میجر شہاب الدین خان	(فیروز پور جھرکا)
☆۔عبدالمجید خان لفٹنٹ	(تجارہ)
☆۔صوبے دار میجر نواب عباس خان	(شاہ آباد)
☆۔صوبے دار میجر ہوشدار خان	(قصبہ پہاڑی)
☆۔صوبے دار میجر محمد ابراہیم	(الور)
☆۔صوبے دار بہادر خان	(مانڈی کھیڑہ)
☆۔صوبے دار عبدالحمید خان بن کرنل فتح خان	(الور)

علاوہ ازیں، پاک نیوی و پاک آرمی میں کافی خانزادے آج بھی کمیشنڈ افسران کے عہدوں پر پائے جاتے ہیں۔

☆☆

کرنل فتح نصیب خان
''کمانڈرانچیف''

یوں تو برطانوی فوج کے کمیشنڈ افسران میں کافی خانزادوں کے نام قابل ذکر ہیں۔مگر''(خان بہادر خان زادہ کرنل فتح نصیب خان کمانڈر انچیف) کا نام بھی ہندوستانی تاریخوں میں روشن ستارے کی مانند چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

قصبہ تجارہ کے رہنے والے یہ کرنل فتح نصیب خان 30 مئی 1901ء میں ''بیڑہ منگل لانسرز'' میں ملازم ہوئے اور پھر 12 اکتوبر 1903ء میں لیس دفعدار بنے اور پھر ترقیوں کی منازل طے کرتے ہوئے یہ 22 جون 1914ء میں مہاراجہ الور کے اے، ڈی، سی مقرر ہو گئے۔31 اگست 1921ء میں سکواڈرن کمانڈر مقرر ہوئے اس کے بعد 25 اکتوبر 1921ء میں کمانڈنگ افسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔اس کے بعد 17 جنوری 1929ء میں حکومت برطانیہ کی جانب سے ان کو''خان بہادر'' کا خطاب حاصل ہوا۔اسی موقع پر مہاراجہ الور کی جانب سے آپ کو پانچ سو ایکڑ زمیں بطور انعام عطا کی گئی۔

1930ء میں آپ کو''سیناپتی'' یعنی (کمانڈر انچیف) کا درجہ دیا گیا۔''جس کے ماتحت ریاست کی کل فوج ہوا کرتی تھی'' پھر 08 مارچ 1931ء میں آپ کو''خان بہادر'' کی سند اور اجمیری میڈل ملا اور ریاست کی جانب سے آپ کو''درجہ تعظیمی'' حاصل ہوا جو کہ اس وقت کے خاص آدمیوں کو عطا ہوا کرتا تھا۔

15 جون 1931ء میں ملکہ معظمہ کی سالگرہ کے موقع پر بمقام آبو میں ''پٹہ معافی موضع موںڈیا'' عنایت ہوا۔اس کے بعد آپ کو خطاب''ممتاز خاص'' معہ سند حاصل ہوا۔برصغیر میں آپ ایک خاص شہرت کے حامل رہے۔

23 دسمبر 1931ء میں آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔
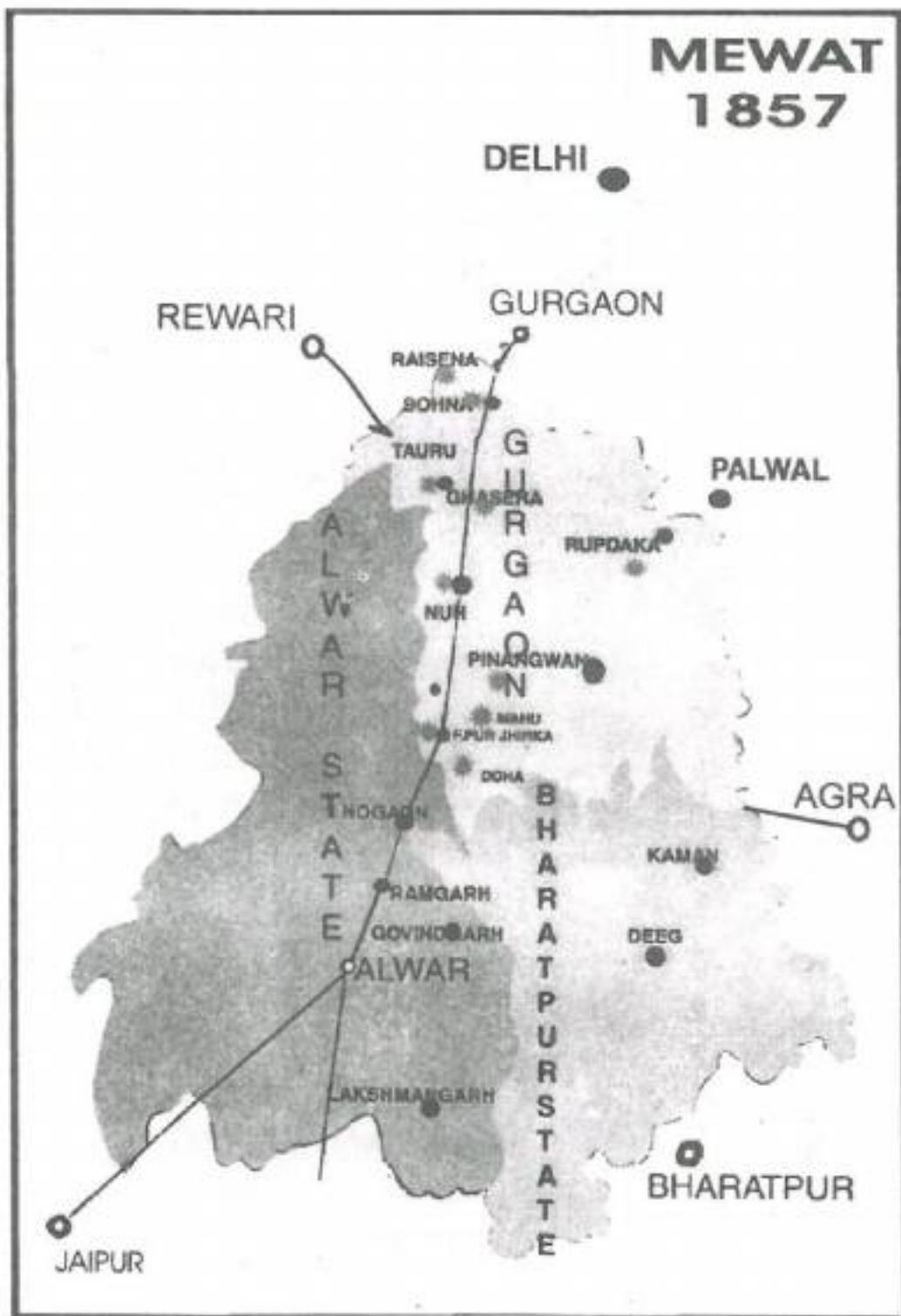
نقشہ والئی میوات 1857

1947ء میں تقسیم ہند پر غیر مسلمین نے مسلمانان ہند کے ساتھ جو خون کی ہولی کھیلی وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں اس خونی ہولی میں مسلمانوں کے ہزاروں خاندان صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور ہزاروں خاندان ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔

اسلامی مملکت کے قیام کی صدائیں بلند کرنے والوں کے خلاف عصمت دری لوٹ مار قتل وغارتگری، گھروں عورتوں اور بچوں کو زندہ جلانا وغیرہ غیر مسلمین کا ایک عام مشغلہ بن گیا تھا۔ اس قیامت صغریٰ سے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ جس کے لئے مزید تفصیل کی یہاں پر ضرورت نہیں۔

زیادہ تر نئی نسل تو اپنے اپنے علاقہ جات کی یاد سے مستثنیٰ ہے۔ جبکہ ان کے کافی بزرگ اپنے آبائی دیس کی یاد کو اپنے سینے میں بسائے روتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور باقی
جو بچے ہیں وہ بھی اپنے آبائی گاؤں میں گذرے ہوئے زمانے کو آج تک فراموش نہ کر پائے۔

اپنے بزرگوں کی زبانی ان کے افسردہ لہجے میں اپنے ہندوستانی دیس کے چہکتے ہوئے گلی کوچوں کے قصے کہانیاں سن سن کر نئی نسل کے بہت سارے لوگوں پر بھی اپنے بزرگوں کے یاسیت بھرے احساسات کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے سابقہ دیس سے جب بھی کوئی فرد یہاں آن پہنچتا ہے تو ان لوگوں کی زندگی کے چراغ میں ایک تیل سا پڑ جاتا ہے اور یہ لوگ پروانے کی صورت شمع کے گرد جمع ہو کر اس سے اپنے سابقہ دیس کی معلومات حاصل کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اپنی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بھر لاتے ہیں۔

ان لوگوں کے جذبات واحساسات کو مرحوم اختر شیرانی نے اپنی نظم میں اس طرح منظوم کیا ہے۔

کیا اب بھی وہاں کے باغوں سے
مستانہ ہوائیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر
گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں
ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یاران وطن
آوارہ غربت کو بھی بتا
کس رنگ میں ہیں ساکنان وطن
او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
شاداب وشگفتہ پھولوں سے
معمور ہیں گلزار اب کہ نہیں؟
بازار میں مالن لاتی ہے
پھولوں کے گندھے ہار اب کہ نہیں؟

اور شوق سے ٹوٹے پڑتے ہیں
نو عمر خریدار اب کہ نہیں؟
او دیس سے آنے والے
للہ بتا للہ بتا
کیا اب بھی پہاڑی رستوں میں
گھنگھور گھٹائیں گونجتی ہیں
ساحل کے گھنیرے پیڑوں میں
برکھا کی ہوائیں گونجتی ہیں
جھینگر کے ترانے جاگتے ہیں
موروں کی صدائیں گونجتی ہیں
اودیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں
احباب کنارے دریا پر
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں
شاداب کنارے دریا پر
کیا پیار سے اب بھی جھانکتا ہے
مہتاب کنارے دریا پر

او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
کیا ہم کو وطن کے باغوں کی
مستانہ فضائیں بھول گئیں؟
برکھا کی بہاریں بھول گئیں
ساون کی گھٹائیں بھول گئیں؟
دریا کے کنارے بھول گئے
جنگل کی ہوائیں بھول گئیں؟
او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا
کیا اب بھی کسی کے سینے میں
باقی ہے ہماری چاہ بتا
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے
اب یاروں میں کوئی آہ بتا
او دیس سے آنے والے بتا
للہ بتا للہ بتا

قیام پاکستان پر نعرہ تکبیر کی صداؤں کے درمیان اپنے ہزاروں پیاروں کی بے گوروکفن لاشوں کو چھوڑکر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شعلوں میں لپٹے ہوئے اپنے آبائی وطن کے گھروں کو خیر باد کہتے اور سنت نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے اپنے علاقہ جات کو چھوڑ کر پاکستانی سرحد کی جانب نکل پڑی۔

مذکورہ سورش حالات کے پیش نظر دیگر علاقہ جات کے علاوہ اس علاقہ میوات کے تمام راجپوت خانزادے (ماسوائے چند خاندانوں کے) اپنی ہجرت کے بعد پاکستان کے مختلف شہروں میں آکر مستقل طور پر آباد ہوگئے۔

بعد کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ چھپ چھپا کر اپنی جان بچانے کے بعد کچھ خانزادے سورش کے خاتمے کے بعد مانڈی کھیڑہ، بسئی خانزادہ، بھنڈوسی، پٹاخپور، کلینجر، ٹائیں، سانٹھاواڑی، کوٹ قاسم اور راجپوتانہ راجستھان کے ضلع سوائی مادھوپور کے شہر قرولی "محلہ چاپکنہ" وغیرہ میں واپس جا کر آباد ہوگئے تھے جو آج بھی وہاں پر یہ لوگ بہت ہی کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ آج سے چارسوانا سی سال پہلے (یعنی قیام پاکستان سے چارسوبیس سال پہلے۔) بابر بادشاہ نے خانزادون کی بچی کھچی طاقت مٹانے کی خاطر ماہ مارچ کے آخری ہفتے 1527ء میں ملک میوات پر اپنا آخری حملہ کیا جو تاریخوں میں (غدر میوات) کے نام سے مشہور ہوا۔اس غدر میوات کے دوران مذکورہ میواتی خانزادوں کی ایک بڑی بھاری تعداد اپنے ملک میوات سے نقل مکانی کرنے کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقہ جات میں آباد ہوکر وہیں کی ہورہی جن کا ذکر "(غدر میوات) کے عنوان میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تقسیم ہند پر ہجرت کرآنے والے ان میواتی راجپوت خانزادوں کی آبادی پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر لاہور بھائی پھیرو (پھول نگر) حجرہ، سرائے مغل، ملتان، خانکی موڑ، مظفر گڑھ وغیرہ کے علاوہ صوبہ سندھ کے شہر، حیدرآباد، کراچی، کوٹڑی، ٹنڈو حیدر، ٹنڈو جام، ٹنڈو الہیار، میرپور خاص، ڈگری، ہوسٹری، نصرپور، تاجپور،

کھنڈو، سکرنڈ، نوابشاہ، دوڑ، سرہاری، بچھیری، شاہپورچاکر، دولتپور، صفن، نوشہروفیروز، تھاروشاہ، خیر پورمیرس، باگرجی، رادھن، جوہی، سیتاروڈ (رحمانی نگر) قنبر علی خان اور دیگر چھوٹے شہروں میں پائی جاتی ہے۔

1947ء میں تقسیم ہند کے وقت ہندوستان کے مختلف علاقہ جات سے ہجرت کر کے یہاں پاکستان میں آنے والے مہاجرین حکومت پاکستان کی معاونت کے باوجود بھی ایک عرصے تک بداعتمادی کی فضاؤں میں پریشان حال ہوئے اپنے پرسان حال کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر میں منتقل ہوتے رہے۔

یوں تو مذکورہ مہاجرین کی آمد پر نہایت ہی جوش وخروش کے ساتھ خوش آمدید کرنے میں باشندگان پنجاب اور خاص طور پر باشندگان سندھ کی معاونت وفراخدلی قابل فخر اور ناقابل فراموش رہی مگر مذکورہ تارکین وطن کو مستقل طور پر بسانے میں اپنے وقت کے صدر فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان مرحوم اور ان کے معاون جنرل اعظم خان مرحوم (وزیر آبادکاری) نے جو ذمہ دارانہ شفیقانہ پرخلوص ومنفرد کردار ادا کیا وہ قابل صد ستائش ہے۔ جس کے لئے میں اپنے تمام تر تارکین وطن بھائیوں اور بہنوں کی جانب سے بارگاہ ایزدی میں دست بادعا ہوں کہ مرحومین کی بے لوث ہمدردی ومذکورہ کار خیر کے بدلے خداوندکریم مذکورہ مرحومین کو شہیدان بدر وشہدائے کربلا اور اپنے پیارے حبیب سرکار دوعالم حضرت محمدؐ کے صدقے میں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

☆ پاکستان کے مختلف علاقہ جات میں مستقل طور پر آباد ہوجانے کے ایک طویل عرصے بعد ان خانزادوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اپنے اپنے شہروں میں اپنے جماعت خانے تعمیر کرائے۔ اور پھر اسی قومی فلاح و بہبود کے پیش نظر۔ ''(انجمن خانزادہ راجپوت پاکستان)'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں خانزادہ عاصم

کبیر (سابق۔ایم۔پی۔اے) کے والد مرحوم سیٹھ کبیر احمد ''دولت پور صفن'' کے قومی جذبے و بے لوث مالی معاونت کے تحت اس انجمن میں خانزادہ قوم کے لوگوں نے بھی فراخدلی کے ساتھ چندہ دیا۔ جس کے نتیجے میں تعلیمی سلسلے کی خاطر۔ (حیدرآباد۔راجپوتانہ ہسپتال) کے سامنے ایک عمدہ ہاسٹل کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں کچھ صاحب ثروت لوگوں نے اپنے اپنے اخراجات پر نام کے کمرے تعمیر کرائے جن کے دروازوں پر ان کے نام سنگ مرمر کی تختی پر درج آج بھی موجود پائے جاتے ہیں۔

مختلف مقامات پر آباد خانزادوں سے روابط کی خاطر مذکورہ انجمن کے ذریعے قومی پرچے۔ (بیداری) کا اجراعمل میں آیا جس نے قومی فلاحی کام میں اپنا ایک منفرد کردار ادا کیا۔

کچھ عرصے بعد چند ایک وجاہات کی بناء پر مذکورہ ہاسٹل کو فروخت کرنے کے بعد لطیف آباد میں ایک بنگلہ خرید لیا گیا۔ جس سے اندرونِ سندھ کے طلباء آج بھی فیضیاب ہو رہے ہیں۔

اس انجمن کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر خلوص نیت سے کام کرنے والی کافی پیاری شخصیات اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئیں جیسا کہ: صوبے دار عبدالرسول (کراچی) کپتان بشیر احمد خان (حیدرآباد) صوبے دار شاہ نور اور غلام مصطفےٰ خان (ٹھنڈو)۔ چودھری عبدالرحمان محمد رفیق ایڈوکیٹ (راڈھن) اور چیئرمین عبدالرحمٰن ولد کرامت خان پنگوانی (ٹھاروشاہ) وغیرہ وغیرہ۔

جن کے لئے کارکنانِ انجمن دست بادعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صحت کاملہ اور سکونِ قلب عطا فرمائے اور جو نوجوان و بزرگ اس انجمن کے فلاحی کاموں میں آج بھی مصروف باعمل ہیں ان کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ خداوند کریم ان کے قومی جذبے کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں ان کے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ انجمن (قومی رسالہ ''بیداری'') کے بانی ڈاکٹر صابر اختر کی کاوش وقومی جذبے کا نتیجہ ہے۔ جس نے پہلے پہل قومی یکجہتی کی خاطر اپنے شہر ٹنڈوالہ یار میں اندرون سندھ سے چیدہ چیدہ خانزادوں کو بلوا کر ایک قومی کنونشن منعقد کیا۔ جس میں خانزادوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے بعد انہیں قومی مفاد سے روشناس کرایا گیا جس کے باعث اس (انجمن خانزادہ راجپوت پاکستان) کا قیام عمل میں آیا۔

مذکورہ انجمن کے قیام کے ایک عرصے بعد چند ایک وجوہات کی بناء پر ڈاکٹر صابر اختر نے جمشید علی ایڈووکیٹ۔ زردار خان ولد چھجو خان۔ انجینئر اللہ داد خان (ٹنڈوالہ یار) علاؤالدین ''ہمدم'' (سکرنڈ) نواب خان ولد رحمت خان۔ عبدالمجید خان (ر) جسٹس ہائی کورٹ آف سندھ وسابق سفیر (لبیا) اور اپنے دیگر رفقاء کار کے ساتھ مل کر ایک دوسری نئی انجمن (تاریخ کانفرنس) کے نام سے قائم کی۔ جس کے پلیٹ فارم سے جاری کردہ رسائل وغیرہ کے ذریعے ایک بار پھر قومی جذبے کو اجاگر کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں قومی فلاح وبہبود کی خاطر ٹنڈوالہ یار میں ''خانزادہ ویلفیئر ٹرسٹ'' کا قیام عمل میں آیا۔ جو قابل صد ستائش ہے۔ یہ ہسپتال ڈاکٹر صابر اختر اور ان کے رفقاء کار کے بے لوث قومی جذبے کا منہ بولتا ثبوت اور ان کے خلوص، جذبات وایثار کا وہ اہم ترین حصہ ہے۔ جس سے نہ صرف ٹنڈوالہ یار شہر کے بلکہ اس کی پسگردائی کی دیگر اقوام کے ہزاروں لوگ مذکورہ کار خیر کے حصے سے مستفیض ہو کر اس اسپتال کے قیام میں حصہ لینے والے تمام اراکین (انجمن تاریخ کانفرنس) کے حق میں خداوند قدوس کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں۔

''خانزادہ ٹیلیفون ڈائرکٹری'' میں تاریخ سے متعلق مشتہر کرنے پر میں ماسٹر محمد عثمان (سابق صدر پریس کلب نوشہرو فیروز) اور ان کے معاونین کا شکر گذار ہوں۔ اور ساتھ ہی میں اپنی تاریخ کے منتظر حضرات

ماسٹر حقداد خان، ماسٹر مبین احمد کونسلر (ٹنڈوالہیار) کامران خانزادہ ڈپٹی سکریٹری منسٹری آف کامرس اسلام آباد، چودھری محمد اکرم (کھنڈو) محمد مراد خان۔ ایس۔ ڈی۔ او (واپڈا) شاہد نور (سکرنڈ)، ایڈوکیٹ محمد ایوب خالد حسین (قنبر علی خان)، ڈاکٹر سعید احمد خان۔ نواب خورشید عالم، ایم طیب (دولت پو صفن) سابق چیرمین محمد ابراہیم (رادھن)۔ مشتاق احمد (ر) ڈائرکٹر پاپولیشن ہیلتھ (مظفر گڑھ) خان کی موڑ کے حسن خانزادہ، بھائی پھیرو کے نعیم خانزادہ رائے ونڈ کے ایڈوکیٹ عطا اللہ خانزادہ، ایڈوکیٹ شمشیر خانزادہ، جمبر کے ماسٹر ارشاد خانزادہ، ماسٹر اختر خانزادہ اور ذوالقرنین خانزادہ، سعودی عرب سے طاہر خانزادہ، شفیق خانزادہ، UAE سے وقاص انور خانزادہ، انجینئر فرقان اعجاز خانزادہ، آسٹریلیا سے جیلس وقار خانزادہ، UK سے شکیل خانزادہ، USA سے شاہد رفیق خانزادہ، USA یاسین خانزادہ، اولیس خانزادہ USA پولیس سارجنٹ اور دیگران سب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے بذریعہ فون بارہا مجھے میری تاریخ کی اشاعت سے متعلق تعاون ومحبت کا اظہار کیا ہے

برطانوی حکومت کے بعد بھی خانزادوں نے اپنی آبائی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پاکستان آرمی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس میں ان کے آج بھی کافی کمیشنڈ افسر پائے جاتے ہیں جیسا کہ میجر انیس منظور (نوابشاہ) (ر) لفٹنٹ کرنل مشتاق احمد خان (ر) کرنل حامد خان (کراچی) (ر) کرنل خالد عثمان (حیدرآباد) جبکہ پاک نیوی میں کیپٹن اقتدار احمد خان (حیدرآباد) مرحوم کپتان بشارت خان (کراچی) میجر ڈاکٹر مدثر نور محمد، کرنل مزمل نور (دولت پور صفن) میجر عدنان یونس (ٹنڈوالہیار) پاک آرمی) (ر) میجر عمران خانزادہ (مظفر گڑھ)، سیکنڈ لیفٹنٹ انیس منور خانزادہ (سکرنڈ) میجر ڈاکٹر امجد اقبال (مظفر گڑھ) سینئر ٹیکس آفیسر منظور خانزادہ (پھول نگر) کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔

غرضیکہ پاکستان میں آباد ہونے کے بعد ان خانزادوں نے تعلیمی میدان میں نمایاں ترقی حاصل کی۔ ان میں پروفیسرز۔ ڈاکٹرز۔ انجینئرز کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے

لاہور کے ڈرگ انسپکٹر پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہمایوں اقبال خانزادہ، لاہور کے فوڈ انسپکٹر انعام الرحیم خانزادہ کنگ ایڈورڈ کے ڈاکٹر نصیر احمد خانزادہ، ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر یوسف جاوید راولپنڈی ان کے علاوہ جناب اشتیاق احمد خانزادہ (تمغہ امتیاز) جو اس وقت ڈپٹی ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کراچی میں اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی ایمانداری و کارکردگی کی بدولت حکومت پاکستان نے آپ کو تمغہ امتیاز سے سرفراز فرمایا اور جنرل پرویز مشرف (سابق صدر پاکستان) نے آپ کو تعریفی سند عطا فرمائی

ایک اور خانزادہ سپوت ڈائریکٹر ایٹومک انرجی شمعداد خانزادہ (ٹنڈو جام) کو بھی صدر پاکستان نے اُنکی تحقیق کے صلے میں تمغہ امتیاز جیسے اعلیٰ اعزاز سے نوازہ ہے

قومی فلاح وبہبود کی خاطر ایک منفرد۔ مثالی۔ اور بے لوث تنظیم (خانزادہ راجپوت ویلفیئر اینڈ وسیلہ فاؤنڈیشن) کا قیام عمل میں آیا ہے جس کا مقصد قوم کی اجتماعی ضروریات کی فراہمی۔ مختلف فلاحی و رفاعی سینٹرز کا قیام۔ نوجوانوں کو روزگار کی فراہمی۔ مساکین و بیواؤں کی امداد وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ جسکے بانی مرحوم خانزادہ عبدالقدیر تجاریا (سابق ڈویژنل اکاؤنٹینٹ سندھ) کے صاحبزادے انجینئر راشد خانزدہ (MSA) پاکستان کسٹم ہیں اور پوری قوم دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ (خانزادہ راجپوت ویلفیئر اینڈ وسیلہ فاؤنڈیشن) کو نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

اسکے علاوہ ٹنڈوالہیار کے طارق خانزادہ، اطہر خانزادہ (ٹاسکو) اور جمیل خانزدہ بھی ٹنڈوالہیار میں برادری کی فلاح و بہبود کیلئے کوشاں ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

پر[illegible]

☆☆

ان کے علاوہ خانزادوں کی ایک منفرد و معروف شخصیت سرفراز احمد خانزادہ، جو اس وقت حکومت پاکستان کی جانب سے (سوڈان) میں بحیثیت سفیر ، اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

محکمہ پولیس میں مرحوم انصار احمد ڈی۔ایس۔پی۔(اینٹی کرپشن کراچی) اور انکے بیٹے انسپکٹر افتخار خانزادہ (حیدرآباد) مرحوم عتیق احمد خان ڈی۔ایس۔پی (اینٹی کرپشن حیدرآباد) اور ان کے بیٹے انسپکٹر طارق خانزادہ (حیدرآباد)، انسپکٹر محمد طاہر خانزادہ (دوڑ)، انسپکٹر رئیس احمد خانزادہ (ٹھاروشاہ)، انسپکٹر انور خانزادہ (ٹھاروشاہ)، پاکستان ایئرفورس کے گروپ کیپٹن عزیز خانزادہ اور ان کی بہن اسکوڈن لیڈر روبینہ خانزدہ پاکستان نیوری کے کمانڈر راشد چھٹن خانزادہ، لیفٹنٹ کمانڈر کاشف خانزادہ، لیفٹنٹ کمانڈر شہاب عزیز (ٹنڈالہیار)، ETO ایکسائز سندھ عارف خانزادہ، اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایف آئی۔اے عارف خانزادہ، انجینئر کلیم قدیر خانزادہ سندھ حکومت کے علاوہ اور بہت سارے خانزادے ہیں جن کے کوائف موصول نہ ہو سکے غرضیکہ پاکستان میں آباد ہونے کے بعد۔۔۔۔۔۔ان لوگوں نے نمایاں ترقی حاصل کی اس کے باوجود بھی خانزادوں کے بزرگ عہد ماضی یادیں اپنے دل سے فراموش نہ کر پائے یہ جانتے ہوئے بھی کہ:۔

سدا نہ بلبل باغاں بولے ۔ سدا نہ باغ بہاراں

سدا نہ جوبن جوانی ہوئی ۔ سدا نہ محفل یاراں

عابد نصیر شہید

''کیپٹن عابد نصیر''
شہید

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے
اقبال

خانزادہ ملا نصیر احمد خان اپنے عزیز واقارب کے ہمراہ 1947ء میں ہندوستان کی ریاست الور کے گاؤں ''کھوہ'' سے ہجرت کرنے کے بعد ہالا شریف کے نزدیک گاؤں۔ ''کھنڈو'' میں آ کر مستقل طور پر آباد ہوئے جہاں پر 1979-04-10 کو ان کے فرزند عابد نصیر کی ولادت ہوئی۔

اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عابد نصیر نے 1994ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول بھٹ شاہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور سروری اسلامیہ کالج ہالا شریف سے 1996ء میں انٹر کا امتحان پاس کرنے کے بعد یہ لیاقت میڈیکل کالج حیدر آباد میں داخل ہوئے جہاں سے 2002ء میں ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری حاصل کی۔

اس کے بعد 2006ء میں پاک آرمی میڈیکل کور میں کمیشن حاصل کیا اور مروجہ ٹریننگ وغیرہ کے بعد آپ کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر کیپٹن عابد نصیر کے نکاح کی تقریب ڈاکٹر عبدالجبار خانزادہ کی دختر نیک اختر سے 2009-05-16 کو کراچی میں منعقد ہوئی اور خوش اسلوبی کے ساتھ فریقین کے درمیان دلہن کی رخصتی کا پروگرام کچھ عرصے بعد کا طے پایا۔

اس رسم عقد سے فارغ ہونے کے بعد آپ واپس پاکستان آرمی میڈیکل کور بٹالین (64) پشاور

میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوئے۔ اس دوران ملک وملّت کے مفاد میں پاکستان آرمی
کی جانب سے طالبان تنظیم کے خلاف آپریشن جاری تھا۔ جس میں ایک فرض شناس و باہمت مردِ مجاہد کی مانند اپنا
بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے غرلہ مئی اور بچہ بی کے درمیان ''میران شاہ'' کے قریب 09-06-28 کو آپ
نے شہادت پائی اس کے بعد 09-06-30 کو آپ کی میت پاک آرمی کے پروقار طریقہ کار کے تحت گاؤں
کھنڈو میں لائی گئی۔ جہاں بڑی تعداد میں منتظر لوگ پہلے ہی سے موجود تھے۔ یہاں پہنچ کر ضروری فرائض سے
فارغ ہونے کے بعد ساتھ آئے ہوئے پاک فوج کے افسران وجوانوں نے اپنے قواعد وضوابط کے تحت آپ پر
اپنی محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کئے اور پھر نہایت پُر جوش وفخریہ انداز میں آپ کو الوداعی سلامی پیش کی۔

غرض یہ کہ رقّت آمیز ماحول اُداس چہروں اور اشکبار آنکھوں کے درمیان پاک فوج کے جوانوں
نے آپ کے آبائی قبرستان میں اپنی دیگر پرخلوص رسومات ادا کرتے ہوئے آپ کے جسدِ خاکی کو بااعزاز تمام
سپردِ خاک کیا۔

اس مایہ ناز شہید کے والدین ولواحقین کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے خانزادہ قوم انہیں خراج
تحسین پیش کرتی ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل شہید کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔
آمین

ملک وملّت کی بقا اور اسلام کی سرخروئی کی خاطر قوم کے اس عظیم سپوت خانزادہ ڈاکٹر کیپٹن عابد نصیر
کی شہادت خانزادہ قوم کے لئے باعث فخر اور نوجوانانِ قوم کے لئے مشعل راہ ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

"اقبال"

غزل

(امانؔ نوشہروی)

جان سے بیزار ادھر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں
وہ جان کے مرجاتے ہیں معلوم نہیں کیوں

کرتے ہیں اگر طنز وہ انجان بنے ہم
ہنستے ہیں بکھر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں

ماضی کے فسانے کو لیے شام ڈھلے ہم
یادوں میں بکھر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں

کچھ لوگ جدھر رہتے ہیں رسوائے زمانہ
سب لوگ ادھر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں

چھوڑ کے گلشن کو اب جاتے ہیں ادھر ہم
سب لوگ جدھر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں

☆☆☆

تاریخ راجگان میوات عہدِ حاضر کا ایک انمول تحفہ ہے، پاکستان کے عوام کے لیے، نوجوان نسل کے لیے اور خان زادہ برادری کے لیے۔ اس کتاب سے دنیا کو پتا چلے گا کہ پاکستان بنانے کے لیے آگ اور خون کا دریا پار کرنے والوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اپنی خوب صورت تاریخ، لاکھوں میلوں پر محیط میوات کی ریاست اور جائیداد کو قربان کر دیا اور صرف اور صرف قائداعظم کے ساتھ کیے جانے والے وعدوں کو نبھایا اور قربانی اور ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ہندوستان اور پاکستان کے ایسے بہت سے نواب، جاگیردار اور زمین دار ہیں جنھوں نے اپنی قربانیوں کے عیوض جائیداد حاصل کیں لیکن خانزادہ برادری نے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا۔

اس کتاب کا اجراء ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب نوجوان نسل اپنے ماضی سے دور ہوتی جا رہی ہے اور انھیں یہ احساس نہیں کہ جو قومیں اپنا ماضی بھول جاتی ہیں، تاریخ ان کو مٹا دیتی ہے۔ میں اس کتاب کے مصنف پروفیسر خان زادہ امان نوشہروی کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہے کہ وہ ماضی کی یادوں سے مزید خوب صورت تاریخی واقعات کو اپنی تحریروں سے محفوظ کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر عشرت العباد خان

گورنر سندھ

DR. A. Q. KHAN
NI & BAR. HI

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"Mountain View"
207, Hillside Road,
E-7, Islamabad.
Pakistan

Date: ۲.۱۲.۱۳

"راجپوتانِ میوات ، مرقع تاریخ"
"مصنفہ پروفیسر خانزادہ امان نوشہروی"

تبصرہ -

راجپوتانِ میوات ، میوات کی نہایت ہی مفصل اور اہم تاریخی دستاویز ہے۔ پروفیسر خانزادہ امان نوشہروی نے اپنے قبیلہ و قوم پر جو احسان کیا ہے وہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ انھوں نے خانزادوں کی پوری تاریخ بیان کر کے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے جس طرح راجستھان کے بہادر راجپوت مشہور ہیں اسی طرح میوات کے بہادر راجپوت خانزادے مشہور ہیں ان کی بہادری کی داستانوں سے تاریخ ہند بھری پڑی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت جو ہندو مسلمان فسادات ہوئے تھے ان سے متاثرہ مسلمان الور سے بھوپال آئے تھے ہم ان کو میواتی کہتے تھے۔ یہ بہادر اور غیور لوگ تھے بھوپالیوں نے ان کے ساتھ وہی حسن سلوک کیا تھا جو مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کے ساتھ کیا تھا۔

پروفیسر خانزادہ صاحب نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے تاریخ داں ہیں بلکہ بہت ہی اچھے شاعر ہیں۔ آپ نے نہ صرف خانزادہ قبیلہ کی تاریخ قلم بند کی ہے بلکہ ایک طرح سے تاریخ ہند نہایت مختصر و موثر طریقہ سے پیش کر دی ہے۔ یہ ایک بیش بہا خزینہ معلومات ہے جو تاریخ کے ہر آشنا اور طالب علم کو اپنی لائبریری میں رکھنا ضروری ہے۔ میں ان کے اس شعر سے اتفاق کرتا ہوں:

اور ہیں دنیا میں بہت ہم سے بھی اچھے
مل جائیں گے لیکن لوگ بہت ہم سے نہ ملیں گے۔

میں داغ کے الفاظ میں خانزادہ صاحب کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور دعا بھی ہے

خط ان کا بہت خوب ، عبارت بھی ہے اچھی
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

والسلام - ڈاکٹر عبدالقدیر خان

Sarfaraz Khanzada Rajput Mewati Tharushahi

☆☆☆

یہ بات ت تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ تاریخ ایک مقبول ترین مضمون ہے۔ ابتداء سے لے کر آج تک اس کی مقبولیت میں کمی نہیں ہونے پائی ہے جس طرح اس کے پڑھنے والوں کی تعداد میں کمی نہیں ہے اسی طرح اس کے لکھنے والوں کی بھی کثیر تعداد ہے۔ اقوامِ عالم کی تاریخ لکھنے کے ساتھ ساتھ مخصوص قوموں کی تاریخ لکھنا بھی کمال فن رہا ہے اور پروفیسر خان زادہ امان نوشہروی کی مرتب کردہ جادو بنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کی تاریخ بھی اسی کاوش کے کمال فن کا ایک حصّہ ہے۔ اس کتاب کا اسلوب اور اندازِ فکر منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ راجپوت قوم کی پاک و ہند میں بڑی خدمات ہیں۔ اسلام قبول کرنے اور اس سے قبل بھی راجپوت قوم بھرپور روایات و رسومات کی حامل رہی ہے۔ یہ قوم برِ صغیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ سندھ کے کئی اضلاع میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اس کتاب سے عام قاری کو عمومی طور پر اور خان زادہ برادری کے افراد کو خصوصی طور پر اس کی تاریخ سے آگاہی ہوگی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آج کی نئی نسل اپنے آباء و اجداد کے کارناموں اور پس منظر سے واقف نہیں ہوتی۔ یہ نوجوان اپنی تاریخ سے واقف ہونا چاہتے ہیں لیکن عموماً ان کے لیے کوئی راہ نہیں ہوتی۔ پروفیسر خان زادہ امان نوشہروی نے کتاب لکھ کر اپنی قوم کے لیے بڑا اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ امید ہے کہ دیگر برادریوں کے افراد خاص کر لکھنے والے اپنی قوم/ برادری کے لیے اس قسم کی کتابیں مرتب کریں گے تاکہ ان کی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہی حاصل ہو۔

پیر مظہر الحق شاہ نواز
سینئر صوبائی وزیر تعلیم و خواندگی سندھ

☆☆☆

تاریخ کے طالبِ علم کی حیثیت سے میرے لیے ہمیشہ یہ بات باعث مسرت ہوتی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد اپنی تاریخ سے پوری طرح واقف ہوں یا ان میں سے کسی تعلیم یافتہ افراد اپنی نوجوان نسل کو اپنی تاریخ سے آ گاہی کے لیے اس قوم کی تاریخ مرتب کریں۔ پروفیسر خان زادہ امان نوشہروی کی مرتب کردہ جادوبنسی راجپوت خانزادہ قبیلے کی تاریخِ راجگانِ میوات بھی ایک ایسی ہی کوشش کی ہے۔ پروفیسر امان کی خان زادہ قبیلے کی تاریخ راجگانِ میوات بھی ایک ایسی کوشش کی ہے۔ پروفیسر امان نے خان زادہ قبیلے کی تاریخ مرتب کر کے ایک احسن کام کیا ہے۔اس کتاب کے ذریعے نہ صرف خانزادہ برادری کی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف کے کارناموں اور تاریخ سے آ گاہی حاصل ہوگی۔ بلکہ خان زادہ برادری کے نوجوانوں سے ہٹ کر بھی دیگر افراد کو اس قبیلے کی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی۔ یہ بات اہم ہے کہ جن قوموں کو اپنی تاریخ سے صحیح معنوں میں آ گاہی حاصل نہیں ہوتی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بھی واضح حکمت عملی اختیار نہیں کر پاتیں۔ تاریخ کا علم ہر ذی شعور کا حاصل کرنا ضروری ہے مجھے امید ہے کہ اس قسم کی کاوشیں جاری رہیں گی۔

شرجیل انعام میمن

صوبائی وزیر اطلاعات سندھ

☆☆☆

راجگانِ میوات ایک ایسی انوکھی تاریخ ہے جس پر مجھے لکھتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ آج پاکستان میں میوات کے حکمرانوں خان زادوں کی تاریخ اور عظمت رفتہ کا بہت کم لوگوں کو احساس یا علم ہے یوپی، سی پی کے علاوہ میوات کے حکمراں خان زادوں نے اپنی 155 سالہ حکمرانی اور لاکھوں میل ایریا کی جاگیر راجستھان کو صرف پاکستانی بنانے کے لیے چھوڑ دیا اور تخت و تاج کو چھوڑ کر پاکستان کے لیے سندھ اور پنجاب کے مختلف حصوں میں آباد ہوئے۔ خانزادہ برادری سندھ یا پنجاب کے جس حصہ میں بھی آباد ہوئی وہاں انھوں نے مقامی کلچر کو بالکل اس طرح اپنایا جیسے دوسری قوموں نے اپنایا اور اپنی عظیم تاریخ میوات کی حکمرانی کو بھول کر پاکستان کی ترقی میں اپنا موثر کردار ادا کیا، خانزادہ برادری کی پاکستان کے ساتھ مخلصی اور حب الوطنی قابلِ ستائش ہے۔

تاریخِ راجگان میوات کی اشاعت سے یہ چیز لوگوں پر آشکار ہوگی کہ خانزادہ برادری نے اپنی انتہائی قیمتی جائیداد کو پاکستان کے نام پر خیر آباد کہہ دیا اور اس کا کسی سے بھی شکوہ نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کے لیے جواب ہے جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کی قربانیوں کو مانتے ہیں نہ ہی جانتے ہیں۔ خان زادہ برادری نے کتنی بڑی قربانی دی بلکہ کہتے ہیں کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے لوگوں نے یہاں کے وسائل پر قبضہ کیا اور لوگوں کے لیے محرومی کا باعث بنے۔

میں پروفیسر خانزادہ امان نوشہروی کو سلام پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے انتہائی نازک حالت میں ہندوستان سے ہجرت کرنے والے ایک قبیلے خان زادہ راجپوت کی عظیم الشان تاریخ کا شجرہ نسب رقم کیا اور تاریخی حوالوں و دیگر معاملات سے اپنی بات کو ثابت کیا ہے۔اس پر پروفیسر صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کیپٹن حلیم احمد صدیقی

سابق وفاقی وزیر پانی و بجلی، پی ایم ایل (ن)

سابق جنرل سیکریٹری مسلم لیگ (سندھ)

تاریخ وتہذیب کا سفر

جادوبنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کی تاریخ ''راجگانِ میوات'' کے زیر عنوان مرتب کی گئی ہے اس مسودے سے گزرتے ہوئے میں خود کو صدیوں پرے، بہت سی تہذیبوں کے درمیان محسوس کر رہا ہوں۔ خصوصاً تبدیلیٔ مذہب کے حوالے سے جنم لینے والی قدیمی نسبی اکائیوں کی حیاتِ نو اور فکرِ نو کے ساتھ احوالِ نو بجائے خود میرے سامنے دلچسپی اور تحیر کا سامان بنتے نظر آ رہے ہیں۔

عہدِ ماضی یا آنے والے ہر عہد میں یک جہتی، اتحاد، اپنائیت، انسانی خدمت، ایثار، بہادری، جرأت اور اصول پسندی کے بے شمار حوالوں سے خانزادہ قبیلے نے اپنی الگ پہچان بنالی۔ شاید یہی سبب ہے کہ آج خانزادہ برادری کو صرف برادری ہی نہیں بلکہ تعمیر کا حوالہ مانا جاتا ہے۔

یہاں مجھے یہ بھی تسلیم کرنا ہے کہ پروفیسر خانزادہ ''امان نوشہروی'' نے ''تاریخِ راجگانِ میوات'' مرتب کرتے ہوئے جادوبنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کے بارے ہی میں تحقیق نہیں کی بلکہ وہ اس گوہر جد کی تلاش میں دور تک نکل گئے ہیں۔ جس میں تاریخ بھی ہے اور جغرافیہ بھی۔ اس قبیلے سے تعلق میں قصبوں کے پرگنے بھی شمار کیے گئے ہیں اور اس تدریجی اور ارتقائی سفر میں شریک اکابرین کے کاموں اور ناموں کو بھی تناسب کے ساتھ حصّہ دیا گیا ہے۔ تاریخ وتہذیب پر لکھی گئی تحریریں عموماً زبان، بیان اور اسلوب کے حوالے سے غیر موثر ہونے کی وجہ سے خشک سمجھی جاتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مصنف پروفیسر امان

صاحب نے رواں زباں کے ساتھ دلچسپی کے عنصر کو کم نہیں ہونے دیا۔

اس ''تاریخِ راجگانِ میوات'' کی اشاعت پر ہدیہ تبریک کے ساتھ مجھے یہ امید بھی رکھنی ہے کہ خان زادہ برادری اپنی تابناک تاریخ کا حق ادا کرتے ہوئے بہادری و بے جگری کے ساتھ اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصّہ ادا کرے گی۔ چوں کہ اس وقت اس سرزمین کو پھر سے ایسے قبائل اور برادریوں کی ضرورت ہے جو خراجِ آزادی ادا کرسکیں اور شہداء کو خراجِ تحسین پیش کرسکیں۔

مقصد یہ ہے کہ وہ کتاب تصنیف ہی نہیں بلکہ تحفۂ تفاخر سمجھی جانی چاہیے۔

پروفیسر انوار احمد زئی

چیئرمین انٹرمیڈیٹ بورڈ کراچی

☆☆☆

برِ صغیر پاک و ہند میں متعدد قومیں آباد ہیں چند قوموں نے اپنے تاریخ پس منظر کو آجاگر کرنے کے لیے تحقیقی کتابیں اور مقالے بھی تحریر کیے ہیں۔ لیکن اکثر قوموں کے ابتدائی کوائف کا اندازہ لگانا اس لیے مشکل ہے کہ اُن کے ذمہ دار افراد نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مقامِ مسرت ہے کہ پروفیسر خان زادہ امان نوشہروی نے اپنی خاندانی روایت کو تاریخی تناظر میں تلاش کیا اور حقائق کی روشنی میں انھیں تحریر کیا۔ برِ صغیر کی قدیم تاریخ میں چندر بنسی اور سورج بنسی خاندان خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف کا تعلق چھتری راجپوت کے ایک قبیلے خان زادہ سے ہے۔ اس نسل کے اکثر افراد دہلی کے قریب میوات کے علاقے میں آباد رہے ہیں۔ لیکن جس طرح دیگر خاندانوں کے افراد ہندوستان کے تمام شہروں میں اپنی صلاحیتوں کے پرچم بلند کر چکے ہیں اسی طرح خانزادہ قبیلے کے افراد بھی کئی صدیوں سے علم و فضل، سپاہ گری اور انتظامِ حکومت کے شعبوں میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں اُنھیں تاریخی حوالوں سے مستند بنایا گیا ہے۔ نیز تاریخ کی کتابوں میں جو شجرے شائع ہوتے ہیں اُن کی روشنی میں راجگانِ میوات کے کوائف دلچسپ اور لائقِ مطالعہ اسلوب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ادارے اور افراد پروفیسر خان زادہ امان کی اس کاوش سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

سحر انصاری
انجمن ترقی اُردو پاکستان
ڈی-159، بلاک 7، گلشن اقبال کراچی

☆☆☆

بلاشبہ پروفیسر امان اللہ خان نے خان زادہ قبیلے کی تاریخ ''راجگانِ میوات'' ترتیب فرما کر خان زادہ قوم کو ایک نایاب تحفہ پیش کیا ہے۔

خاص طور پر اس تاریخ میں نوجوان نسل کو اُن کے آباء واجداد کی سابقہ شان و عظمت سے روشاس کرانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے ماضی پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مستقبل کی بہتر طور پر تعمیر کر سکیں۔ اس مصروف ترین دور میں پروفیسر ''امان'' نوشہروی کی خانزادہ قوم کی تاریخ سے متعلق سالہا سال کی بھرپور کاوش اور قومی جذبے کی قدر کرتے ہوئے میں انھیں ان کے اس عظیم کارنامے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ تاریخ کے حوالے سے ان کا نام قوم کے اندر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پروفیسر خان زادہ شوکت علی

جامعہ ملیر، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر کراچی۔

کسی قوم کی تاریخ لکھنا کتنا مشکل اور دقت طلب کام ہے اس کا اندازہ اُس وقت ہوا جب مجھے پروفیسر امان نوشہروی کی تصنیف ''تاریخِ راجگانِ میوات'' کا مطالعہ کرنے اور اپنے تاثرات قلم بند کرنے کے لیے کہا گیا۔

یقین جانئے اس کے پڑھنے میں کم وبیش مجھے ایک ماہ لگ گیا۔ پھر بھی اس کے سمجھنے میں مکمل عبور حاصل نہ کر سکا۔ بار بار پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ پروفیسر امان نوشہروی کو اسے ترتیب دینے میں کتنے سال لگے ہوں گے اس کو مرتب کرنے کے لیے کتنی تاریخی تصانیف کا آپ نے مطالعہ کیا ہوگا جس میں مختلف تاریخوں کے مستند حوالہ جات کی روشنی میں واقعات کو احسن طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

جناب پروفیسر امان اللہ خان امانؔ کی سال ہا سال کی کوششوں کے بعد یہ تاریخی اثاثہ اب قوم کے سامنے ایک کتابی شکل میں پیش ہو رہا ہے۔ اب قوم کے سپوتوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس بیش بہا اور انمول تصنیف کا بہ غور مطالعہ کریں اور اپنے آباء و اجداد کی سابقہ شان عظمت سے اپنی نئی نسل کو روشناس کرائیں۔

میں جناب پروفیسر ''امان'' صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے قیمتی سال قوم کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے وقف کیے۔ آپ کی اس بے لوث کوشش کو قوم ہمیشہ یاد رکھے گی اور آپ کی مفصل تصنیف نئے لکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہوگی۔

دعا گو

کیپٹن (ر) ڈاکٹر نذیر احمد خان زادہ

لطیف آباد (حیدر آباد)

☆☆☆

جادو بنسی راجپوت خان زادہ قبیلے کی تاریخ

سماجی و معاشرتی تحقیق تاریخ کو معلومات کے ایک ایسے ذخیرے سے تعبیر کراتی ہے جس کے سائنسی تجزیے سے حال کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اور مستقبل کی بہتر صورت گری کی جاسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حال کے زیادہ تر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کا سمجھنا ماضی کی تفہیم اچھی طرح سمجھنے والا ذہن بھی درکار ہوتا ہے۔ کسی بھی تاریخی محقق کے لیے تاریخ وقت کے دبیز پردوں میں چھپ جانے وایل انتہائی مفید حقیقتوں کا ذخیرہ ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے سائنسی نقطہ نظر دلیل و منطق کے ذریعے ان پردوں کو ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے وہ ماضی کو آج کے انسان کے لیے تحقیقی حوالوں سے قابلِ فہم بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

پروفیسر امان خانزادہ جو کہ نوشہرو فیروز جیسے دور افتادہ چھوٹے سے شہر میں مقیم ہیں۔ اس طرح کے موضوع کو اپنی تحقیق کا ذریعہ بنانا قابلِ تحسین ہے۔ اندرون سندھ میں رہتے ہوئے اس قسم کے موضوع پر کام کرنے کے لیے لائبریری اور دیگر وسائل کی کمی نے اُن کی دشواریوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہوگا۔ ان کی یہ تحقیق خان زادہ راجپوت تک محدود ہے۔ ظاہر ہے اس قبیلے سے باہر یہ عرق ریزی کسی اور طبقے یا قبیلے کے لیے دلچسپی کا باعث نہیں ہوسکتی۔ میری معلومات کے مطابق محترم امان صاحب نے اپنی بچی ہوئی پونجی اس کام کی طباعت کے لیے وقف کردی ہے۔ جو لوگ اس قسم کی Scholary Pursuit سے

آ گاہی رکھتے ہیں صرف وہی صحیح معنوں میں اس بے لوث خدمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ پروفیسر امان خان زادہ کا نام اس تحقیق کے حوالے سے ہمیشہ خان زادہ راجپوت کی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا۔

پروفیسر امان نے ایک ایسے موضوع کے تحقیق کی بنیاد ڈالی ہے جس کو انہی کی طرح کسی جنونی ریسرچ اسکالر کی تلاش ہے۔

کرنل محمد خالد خان حیدرآباد

۳۰راگست ۲۰۱۲ء

☆☆☆

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ پروفیسر ''امان'' نہ صرف استاد اور شاعر ہیں بلکہ اب آپ مورخ کے عہدے پر بھی فائز ہو چکے ہیں۔ فی زمانہ کتاب تحریر کرنا اور خاص کر تاریخ رقم کرنا نہایت مشکل اور محنت طلب فعل ہے۔ مگر پروفیسر ''امان'' نوشہروی نے اپنی تمام تر دشواریوں کے باوجود جادو بنسی راجپوت خان زادہ قبیلے سے متعلق تاریخ ''راجگانِ میوات'' لکھ کر خانزادوں کو نہ صرف اُن کے جدِ امجد سردار بہادر ناہر خان میواتی سے متعارف کرایا ہے بلکہ قوم پر احسانِ عظیم کرنے کے ساتھ ساتھ (مورثِ اعلیٰ قوم خان زادگانِ میوات) کی خدمتِ اقدس میں بہترین نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

غرض یہ کہ پروفیسر ''امان'' صاحب نے ناقابلِ تردید اور مستند حوالہ جات کی روشنی میں تفصیلاً خانزادہ قبیلے سے متعلق جو تاریخ رقم کی ہے وہ خانزادگانِ میوات کی عظمتِ رفتہ سے اپنی نئی نسل کو آگاہی کی ایک نہایت اہم ذمہ داری پوری کرنے کی کافی حد تک کوشش کی ہے۔ (ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین اور مبارک باد کی مستحق ہے۔)

ڈاکٹر ملک عبدالقدیر

ایم بی بی ایس، ایم سی پی ایس، (پیتھ) ڈی سی پی

پرنسپل

سندھ میڈیکل کالج، کراچی

ہندوستان کے بارہ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے علاقہ میوات پر جادو بنسی راجپوت کے خانزادہ قبیلے نے ایک طویل عرصے تک خودمختارانہ حکومت کی تھی جو بابر بادشاہ کی لڑائی میں خانزادہ راجہ حسن خان میواتی (شاہِ میوات) کی موت پر مارچ 1527ء میں اختتام پزیر ہوئی:۔

دورحاضر میں اس خانزادہ قبیلے کی'' تاریخ راجگانِ میوات'' کی اشاعت انتہائی خوشی اور فخر کی بات ہے۔ دراصل یہ میواتی خانزادوں کی شناخت اوران کے آباءوجداد کی حکومت وسابقہ شان وعظمت کو دنیا کے سامنے لانے کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ جس کے لئے قوم کا ہر فرد پروفیسر امان کا شکر گذار ہے۔

اس تاریخ میں سرداران قوم اور ہروالیان میوات کے عہد حکومت کو مستند حوالہ جات کی روشنی میں نہایت خوش اسلوبی اور وضاحت کے ساتھ عام فہم الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں پر یہ کہنا کافی ہوگا کہ پروفیسر امان'' نوشہروی کی اس (تاریخ راجگان میوات) سے متعلق سالہا سال کی کاوش قابل تحسین وصد ستائش ہے۔

پروفیسر انجینئر علیم خانزادہ

چیئرمین

انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ حیدرآباد

☆☆☆

دعائیہ کلمات

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں کامل ایمان اور سچا یقین اور کشادہ رزق اور عاجزی کرنیوالا دل اور (تیرا) ذکر کرنیوالی زبان اور حلال اور پاک روزی اور سچے دل کی توجہ اور موت سے پہلے کی توبہ اور موت کے وقت کا آرام اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت اور حساب کے وقت معافی اور جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات یہ سب کچھ مانگتا ہوں تیری رحمت کے وسیلہ سے اے بڑی عزت والے اے بڑی مغفرت والے اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمادے''۔

☆☆

☆☆☆

تقاریظ
وتاثرات